تشریحات ترمذی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

استاد الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

جلد دوم

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی

فہرست ابواب ترمذی

آخر ابواب الصلوٰۃ
ویلیہ ابواب الزکاۃ
ان شاء اللہ تعالیٰ

باب ماجاء فی تحریم الصلوٰۃ وتحلیلها

رجال:۔

(عن ابی سفیان طریف السعدی) اس سے مراد طریف بن شہاب ہے یا ابن سعد البصری الأشل ان کو اعصم بھی کہتے ہیں۔تقریب میں ہے کہ ''ضعیف من السادسۃ''۔میزان میں ہے''ضعفه ابن معین وقال احمد لیس بشئ وقال البخاری لیس بالقوی عندهم وقال النسائی متروك''۔

''عن ابی نضرة'' بنون مفتوحة ومعجمة ساكنة ان کا نام منذر بن مالک ہے البتہ یہ اپنی کنیت سے ہی زیادہ مشہور ہیں ثقة من الثالثة۔

یہ روایت کتاب کے شروع میں بھی گذری تھی مگر وہ حضرت علیؓ سے مروی تھی اور بتصریح ترمذی اس کی سند اس روایت سے زیادہ مضبوط ہے۔☆

تنقیح المذاہب:۔

اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ اکبر فرائض وارکان میں سے ہے یا نہیں تو حسن بصری وسعید بن المسیب کے نزدیک بغیر اللہ اکبر کے فقط نیت کر دے تو بھی کافی ہے جمہور کے نزدیک علاوہ نیت کے کچھ لفظ بھی ہونا چاہئے جمہور کا استدلال تحریمها التکبیر سے ہے۔

پھر اس میں جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ وہ لفظ کیا ہونا چاہئے تو امام مالک واحمد کے نزدیک اللہ اکبر فرض ہے امام شافعی کے نزدیک اللہ اکبر یا اللہ الاکبر ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ الف لام سے معنی پر اثر نہیں پڑتا یا پھر مبالغہ پیدا ہوتا ہے جو مطلوب ہے۔امام ابو یوسف کے نزدیک چار الفاظ میں سے کوئی بھی لفظ اختیار کرے اللہ اکبر' اللہ الاکبر' اللہ کبیر' اللہ الکبیر کیونکہ مادہ ان سب کا ایک ہے سب مبالغے پر دلالت کرتے ہیں۔

طرفین کے نزدیک ہر وہ لفظ جو تعظیم پر دلالت کرے وہ کافی ہے جیسے اللہ اجل یا اللہ الرحمٰن بھی صحیح ہے پھر امام محمد کے نزدیک لفظ کا عربی ہونا بھی ضروری ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظ کا عربی ہونا ضروری نہیں

فارسی میں اللہ برتر است کہے تب بھی کافی ہے۔

امام مالکؒ وشافعیؒ ' امام احمدؒ اور ابو یوسفؒ کا استدلال وتحریمہا التکبیر سے ہے کہ یہاں خبر معرف باللام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر معرف باللام ہو تو م مبتداء منحصر ہوتا ہے خبر میں لہٰذا تکبیر سے ہی تحریمہ معتبر ہے کسی اور لفظ سے نہیں۔

استدلال ۲:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وشیخین وختنین کا فقط اللہ اکبر سے افتتاح کا معمول رہا ہے۔

حنفیہ کے دلائل سے پہلے چند باتیں ذکر کرنا ضروری ہے۔ ۱۔ مفہوم مخالف کا اعتبار ہے یا نہیں؟ ۲۔ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی ہوسکتی ہے یا نہیں یا یوں کہیں کہ خبر واحد سے فرض ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۳۔ نصوص کے مراتب ہیں کہ کن نصوص سے کس قسم کے احکامات ثابت ہوتے ہیں؟ ۴۔ فرض وسنت کے درمیان درجہ ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ مفہوم مخالف نصوص میں معتبر نہیں محاورات وعبارات فقہاء میں معتبر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نص کسی حکم کے اثبات پر وارد ہوئی ہو تو اس نص سے اس کے ماعدا کی نفی پر دلالت نہیں ہوتی۔

دوسرے مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی یعنی خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہوسکتا۔

حدیث کی باعتبار قلت رواۃ وکثرت رواۃ کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ خبر متواتر ۲۔ خبر مشہور ۳۔ خبر واحد۔ خبر متواتر یہ ہے کہ قرن اول میں اس کے ناقلین کی تعداد اتنی ہو کہ اتفاق علی الکذب عقلاً محال ہو۔ خبر مشہور یہ ہے کہ قرن ثانی میں اتنی شہرت ہوئی ہو خبر واحد یہ ہے کہ ثانی میں اتنی شہرت نہ ہو بلکہ ثالث میں ہو بعد میں قلت وکثرت کا اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۳:۔ نصوص کے چار مراتب ہیں۔ ۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ۳۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ۴۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ قسم اول سے فرض ثابت ہوتا ہے مقابلے میں حرام آتا ہے دوسرے اور تیسرے درجے سے واجب وسنت ثابت ہوتے ہیں جانب مقابل میں مکروہ تحریمی آتا ہے چوتھی قسم سے ندب واستحباب ثابت ہوتا ہے اسکے مقابل میں مکروہ تنزیہی آتا ہے۔

مسئلہ۴ میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ سنت اور فرض کے درمیان واجب کا درجہ ہے جو فرض سے نسبۃً کم اور سنت سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے کہ اس میں ایک گونہ ظنیت ہوتی ہے عملاً فرض وواجب کا مرتبہ تقریباً ایک ہے البتہ فرض کا منکر کافر ہے جبکہ واجب کا کافر نہیں یہ اعتقادی فرق ہے واجب کے ترک سے عمل کی ذات معدوم نہیں ہوتی نقصان آتا ہے جس کا انجبار کسی عمل مثلاً نماز میں سجدہ سہو سے حج میں دم وغیرہ سے ہوتا ہے گویا واجب تکمیل الذات کے لئے ہوتا ہے فرض کے ترک سے عمل ہی باطل ہو جاتا ہے ذات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک بظاہر بین الفرض والسنۃ کوئی درجہ نہیں۔ مگر عملی طور پر ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں کہ ان کے ہاں بھی بہت سارے احکام حنفیہ کے اصول کے مطابق ہیں۔

ان اصول کو دیکھتے ہوئے حنفیہ کے نزدیک سلام وتکبیر مخصوص الفاظ کے ساتھ فرض نہیں زیادہ سے زیادہ واجب ہو سکتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن میں ہے ''وذکر اسم ربہ فصلیٰ'' یہاں فقط ذکر اسم ربہ آیا ہے معلوم ہوا کہ یہ کافی ہے مگر چونکہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً تو وربك فکبر کو مدنظر رکھتے ہوئے اسم تعظیم کا ہونا چاہئے کہ لغۃ تکبیر کا معنیٰ تعظیم ہے۔ باب کی روایت میں بھی یہ احتمال ہے کہ تعظیم مراد ہو نیز یہ خبر واحد ہے تو ان کا استدلال درست نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ استدلال کہ اللہ اکبر میں تحریمہ اس لئے منحصر ہے کہ یہ معرفہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں کمایقال المال الابل لان المال لاینحصر فی الابل فعلم انها اکثرية و اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال ۔

اس کے علاوہ حنفیہ کے پاس قرائن ہیں جو ان کے مدعیٰ پر دلالت کرتے ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ(1) میں ہے۔

عن ابی العالیه انه سئل بای شیٔ كان الانبياء يستفتحون الصلوٰة قال بالتوحيد والتسبيح و التهليل ۔

۲۔ امام شعبیؒ سے مروی ہے۔ ''بای شیٔ من اسماء اللّٰه تعالیٰ افتتحت الصلوٰة اجزأت''۔

باب ماجاء فی تحریم الصلوٰة وتحليلها

(1) ابن ابی شیبۃ بحوالہ عمدۃ القاری ص:۲۶۹ ج:۵

۳۔ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔ اذاسبح او کبر اوھلل اجزأ فی الافتتاح ۔یہ آثار عینی نے عمدۃ القاری(2) میں نقل کئے ہیں۔

۴۔قیاس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(3) امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لاالہ الا اللہ تو اگر کسی نے لاالہ الا الرحمن کہہ دیا تب بھی یہ کافی ہے اور وہ محفوظ الدم ہوگا جب ایمان میں یہ کافی ہے تو صلوٰۃ ادون ہے اس میں بطریق اولیٰ یہ کافی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہؓ کا کسی عمل پر دوام سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تکبیرات انتقال پر دوام ثابت ہے مگر تکبیرات انتقال آپ کے نزدیک بھی فرض نہیں اسی طرح لفظ اللہ اکبر سے افتتاح پر دوام سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہوتی مثلاً امام احمدؒ چونکہ استنشاق کی فرضیت کے قائل ہیں کیونکہ ۲۲ صحابہ سے منقول ہے امام شافعی نے ان کے جواب میں فرمایا کہ فرضیت ثابت تب ہوتی کہ ترک استنشاق پر اعادہ کا حکم ہوتا محض دوام سے یا کثرت روات سے ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اسی طرح اللہ اکبر پر دوام سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔

وتحلیلھا التسلیم اس جزء میں بھی وہی اختلاف ہے جو تحریمھا التکبیر میں تھا ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک سلام فرض ہے امام ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں ابو سعید بردعی سے منقول ہے کہ سلام واجب ہوگا اصولی طور پر یہاں بھی طریق استدلال ائمہ ثلاثہ کا وہی ہے کہ التسلیم خبر معرف باللام ہے تو مبتدأ منحصر ہوگا خبر میں۔

استدلال ثانی صحیحین (4) میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے فکان یختم الصلوٰۃ بالتسلیم طریق استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام کے لفظ کا معمول رہا ہے وقال صلی اللہ علیہ وسلم صلوا کمارایتمونی اصلی یہ امر ہے لہٰذا سلام فرض ہے اور چونکہ مفہوم مخالف انکے نزدیک معتبر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ بغیر سلام کے نماز نہ ہوگی۔

---

(2) ص:۲۶۹ ج:۵ ''باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلوٰۃ'' (3) رواہ البخاری ص:۸ ج:۱ ''باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ الخ''
(4) لم اجدہ بلفظہ فی صحیح البخاری واللہ اعلم، صحیح مسلم ص:۱۹۴ ج:۱ ''باب ما تجمع صفۃ الصلوٰۃ الخ''

جواب ۱:۔ یہ خبر واحد ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

جواب ۲:۔ انحصار کا قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں کما یقال المال الابل کما مر۔

جواب ۳:۔ اگر انحصار تسلیم بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوگا اور مقصد بیان اہتمام سلام ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں حتیٰ کہ تارک پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔

حنفیہ کی عدم فرضیت سلام کے بارے میں دلیل ایک وہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم اعرابی کو دی اور اس میں سلام کا تذکرہ نہیں فرمایا اگر سلام فرض ہوتا تو اس کی تعلیم بھی ضرور دیتے معلوم ہوا کہ فرض نہیں۔

دلیل ۲:۔ ابن مسعود (5) کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی تو اخیر میں فرمایا۔

اذاقلت هذا اوفعلت هذا فقد قضيت صلوٰتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد

البتہ حنفیہ کے نزدیک خروج بصنع المصلی فرض ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مقدمۃ الفرض فرض ومقدمۃ الواجب واجب کما فی مسلم الثبوت تو جب تک پہلی نماز سے فراغت نہیں ہوگی دوسری نماز شروع نہیں ہوسکتی لہٰذا پہلی نماز سے فراغت فرض ہے۔

رہا ائمہ ثلاثہ کا یہ کہنا کہ سلام فرض ہے صلوا کما رایتمونی اصلی (6) کی وجہ سے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو آداب وسنن بھی فرض ہونے چاہئے۔

---

(5) رواہ البخاری ص:۱۰۹ ج:۱ "باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ"

(6) رواہ ابوداؤد ص:۱۴۶ ج:۱ "باب التشہد"

باب فی نشر الاصابع عندالتکبیر

رجال:۔

"نایحیی بن یمان" العجلی الکوفی صدوق عابد یخطئ کثیراً کذافی التقریب ۔خلاصہ میں ہے قال احمد لیس بحجۃ وقال ابن المدینی صدوق تغیر حفظہ۔

عن ابی ذئب ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے ثقۃ من السابعۃ ہے۔خلاصہ میں ہے قال احمد یشبہ بابن المسیب وھو اصلح واورع واقوم بالحق من مالک کہتے ہیں کہ جب مہدی حج کر کے مسجد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہوا تو میتب بن زہیر نے ان سے کہا قم ھذاامیر المومنین توانہوں نے کہا انمایقوم الناس لرب العالمین اس پر مہدی نے کہادعہ فلقد قامت کل شعرۃ فی راسی وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی۔سعید بن سمعان ثقۃ من الثالثۃ۔☆

تشریح:۔

اس روایت میں "نشر اصابعہ" آیا ہے دوسری روایت جس کو ترمذی نے اصح قرار دیا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذادخل فی الصلوٰۃ رفع یدیہ مداً۔مداً یا حال ہے رفع کی ضمیر سے ای حال کونہ ماداً۔ یا حال ہے یدیہ سے ای حال کونھما ممدودتین۔

نشر کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک بسط پر جو قبض کے مقابلے میں ہے دوسرا تفریج پر یہ ضم کے مقابلے میں ہے یہاں مد بمعنی بسط ہے کہ انگلیاں بند نہیں ہوتی تھیں لہٰذا اس عبارت کا فقہاء کی عبارات سے کوئی تعارض نہیں کہ سجدے میں انگلیاں ملائے رکھے رکوع میں کھول دے تحریمہ میں اپنی حالت میں رکھے سجدے میں اس لئے ملائے رکھے تاکہ قبلے کی طرف متوجہ ہوں اور رکوع میں کھولے رکھے تاکہ گھٹنے پکڑ سکے تکبیرہ میں اپنے حال پر چھوڑے یعنی بالکل ضم نہ ہوں اور یہ بسط کے منافی نہیں۔

ہاتھ اٹھانے کی حکمت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے اسلام کے بعد خدا کی پوجا

شروع ہوئی اور آدمی جب کسی کام سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے تو ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو بعد الاسلام ہاتھ اٹھانا گویا کہ بتوں کی عبادت سے ہاتھ کھینچ لینے کی علامت ہے پھر بعض روایات میں کندھوں تک اٹھانا بعض میں کانوں تک بعض میں شحمتی الاذنین تک اٹھانا آیا ہے۔ امام شافعی نے تطبیق دی ہے جس کو علماء نے احسن تطبیق کہہ کر قبول کیا ہے کہ رؤس اصابع کان کے اوپر کے حصے کے برابر ہوں ابہامین شحمتی الاذنین کے برابر ہوں اور ہاتھوں کا نچلا حصہ کندھے کے برابر ہو۔ کذا فی المعارف عن النووی

ترمذی نے یحی بن یمان کی روایت کو خطا اور عبیداللہ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ترمذی کی یہ جرح اگر سند کی وجہ سے ہے تو چونکہ اس فن میں ان کو مہارت ہے تو ان کی یہ بات قابل اعتماد ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ اعتراض متن پر کیا ہے کہ یحی بن یمان نے نشر اور عبیداللہ نے مد کا ذکر کیا ہے اور ترمذی نے نشر سے تفریج لیا اور چونکہ یہ معنی دوسری روایات کے خلاف ہے تو اس پر خطا کا حکم لگا دیا حالانکہ یہاں نشر بمعنی بسط ضد قبض ہے نہ کہ بمعنی تفریج ضد ضم لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

باب فی فضل التکبیرۃ الاولیٰ

رجال:۔

حدثنا عقبة بن مکرم بضم المیم وسکون الکاف وفتح الراء البصری قال ابو داؤد "ثقة ثقة"۔

تنبیہ:۔ نسخہ احمدیہ میں بجائے عقبہ کے عتبہ بن مکرم آیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

سلم ابن قتیبة بفتح السین وسکون اللام الخراسانی نزیل البصرة صدوق من التاسعة۔

طعمة ابن عمرو بضم الطاء وسکون العین الجعفری وثقه ابن معین۔ ☆

توضیح وتشریح:۔

براءت من النار کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانا نصیب ہو براءت من النفاق کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اس کو مؤمن خالص سمجھا جائیگا منافق نہیں۔

نماز میں کس وقت شمولیت ہو تو اس کو تکبیر اولیٰ میں شریک سمجھا جائے گا اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

ا۔ تکبیر تحریمہ کے وقت شریک ہو مگر یہ خیال رہے کہ امام سے سبقت فی التکبیر نہ ہو بلکہ امام کے اللہ اکبر کی حرف را کے وقت اللہ اکبر کہے۔

۲۔ سورہ فاتحہ کے شروع کرنے سے پہلے پہلے اگر شامل ہوا تو اس کو واجد تکبیر اولیٰ کہیں گے۔

۳۔ درمیان سورہ فاتحہ تک شامل ہو۔

۴۔ فاتحہ کے بعد تین آیات کے ختم ہونے سے پہلے۔

۵۔ سات آیات کے ختم ہونے سے پہلے۔

۶۔ رکوع کی تکبیر سے پہلے۔

۷۔ رکوع میں بھی ملے تو تکبیر اولیٰ ہے۔

امام نووی نے المجموع میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کے اصل مذہب میں جب رکوع میں پہنچ جائے تو رکعت مل جاتی ہے بعض محدثین شافعیہ اور امام بخاری وغیرہ جو قراءت فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک چونکہ رکوع میں شمولیت سے قراءت نہیں ملے گی اس لئے رکعت بھی نہیں ملے گی۔

اس حدیث سے صوفیاء اور تبلیغی حضرات چلے کا استدلال کرتے ہیں۔

اعتراض:۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:۔ چالیس کا عدد روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ چالیس کا عدد مزاج کی تبدیلی میں مؤثر ہے اکثر انسانوں کا مزاج چالیس دن میں تبدیل ہو جاتا ہے بعض کا اس سے کم میں بعض کا اس سے زیادہ میں بھی تبدیل نہیں ہوتا۔

ص ۷۲

2/1

باب مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ

رجال:۔

نا جعفر بن سلیمان الضبعی بضمہ ضاد وسکون الباء صدوق یتشیع ۔علی بن علی کان عابداً لاباس بہ البتہ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے۔☆

توضیح وتشریح:۔

سبحانك اللھم میں تسبیح ہے یعنی تنزیہ بحمدک میں تحمید ہے صفات سلبیہ چونکہ مقدم ہوتی ہیں کیونکہ یہ صفات ذاتیہ محض ہیں اس لئے پہلے سبحانک پھر بحمدک کہا اور تقدیم وتاخیر کی ترتیب بہ نسبت الی اللہ نہیں بلکہ بہ نسبت الی الممکن ہے بحمدک میں ب تلبس کے لئے ہے واؤ زائد ہے تقدیر اس طرح ہے متلبساً بحمدک پھر متلبساً حال ہے اسبح کی ضمیر فاعل سے تقدیر اس طرح ہوگی اسبح سبحانک پھر اسبح کو حذف کردیا حذف وجوبی قیاسی کے ساتھ وجوبی اس لئے کہ سبحانک مذکور قرینہ اور سد مسد محذوف ہے اور جب قرینہ وسد مسد موجود ہو تو عامل وجوباً حذف ہوتا ہے اور قیاسی اس لئے کہ رضی نے کہا ہے کہ جو مصدر مضاف ہو فاعل یا مفعول کی طرف اور وہ مصدر بیان نوع یا بیان عدد کے لئے نہ ہو تو اس کے لئے عامل کا حذف واجب ہوگا قیاساً تو یہاں بھی سبحانک بیان نوع یا عدد کے لئے نہیں تو اس کا حذف کرنا قیاساً صحیح ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ واؤ زائد نہیں بلکہ عطف کے لئے ہے اور یہاں عطف جملہ علی الجملہ ہوا ہے تقدیر یوں ہے اسبح سبحانك و احمد بحمدك و تعالیٰ جدك تیری شان بلند ہے اتنی بلند کہ ماعرفوك حق معرفتك و ماعظموك حق عظمتك و ماعبدوك حق عبادتك۔

و لاالہ غیرك تیرے سوا معبود برحق کوئی نہیں۔ ہمزہ وسواس یا جنون نفخہ کبر نفثہ بمعنی سحر یا مذموم شعر کے ہے۔

تنقیح المذاہب:۔

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان کوئی دعایا ذکر مسنون ہے یا نہیں امام مالکؒ کے نزدیک کوئی ذکر مسنون نہیں تحریمہ کے فوراً بعد الحمد شروع کرے گا۔ جمہور ائمہ ثلاثہ اور صحابہؓ اس پر متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تسبیحات و دعائیں مستحب ہیں۔

امام مالک کا استدلال آگلے باب میں مذکور حدیث سے ہے جس میں انسؓ سے روایت ہے۔

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر وعثمان يفتتحون القرأة بالحمد لله رب العالمين

جواب ا:۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہراً الحمد سے شروع کرتے تھے دعائیں وغیرہ سراً پڑھتے۔

جواب ۲:۔ امام شافعی نے دیا ہے کہ:

انمامعنى هذالحديث انه كانوا يبدأون بقرائة فاتحة الكتاب قبل السورة

پھر ائمہ ثلاثہ کا آپس میں اختلاف ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یا توجیہ انی وجهت وجهی للذی فطر السماوات والارض حنيفاً ومااتامن المشركين پڑھے یہ مسلم(1) کی روایت سے ثابت ہے۔ قرآن کی آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اور یا وہ دعاء پڑھے جو بعض روایات جیسے کہ صحیحین(2) کی روایت ہے۔ اللهم باعد بين خطاياى كماباعدت بين المشرق والمغرب۔

امام ابوحنیفہؒ واحمد کے نزدیک تحریمہ کے بعد وہی تسبیح اولیٰ ہے جو باب میں مروی ہے یعنی سبحانک اللہم الخ یہ اختلاف افضلیت کا ہے کوئی بھی دعاء پڑھ لے تو صحیح ہے۔

حنفیہ و حنابلہ نے اس کو ترجیح اس لئے دی ہے کہ اس کے الفاظ نہایت جامع ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی

باب مايقول عند افتتاح الصلوٰة

(1) صحیح مسلم ص:۲۶۳ ج:۱ ''باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعائہ باللیل''

(2) صحیح بخاری ص:۹۴۲ ج:۲ ''باب التعوذ من المغرم والمأثم'' صحیح مسلم ص:۲۱۹ ج:۱ ''باب مابین تکبیرۃ الاحرام والقراءۃ''

صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کا اس پر معمول رہا ہے طبرانی ودارقطنی (3) میں متعدد آثار منقول ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ ؓ کا اس پر عمل تھا امام محمد نے کتاب الاثار (4) میں نقل کیا ہے کہ اہل بصرہ عمرؓ کے پاس آئے افتتاح صلوٰۃ کے بارے میں پوچھا حضرت عمرؓ نے نماز شروع کردی اور جہراً سبحانک الخ پڑھی قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ البتہ سراً پڑھنا چاہئے کہ جہر تعلیماً کیا چھ مقامات پر تسبیح وغیرہ مسنون ہے ایک بعد التکبیر 'فی الرکوع' عند قیام من الرکوع' فی السجدۃ' بین السجدتین' قبل السلام اور اسی طرح قنوت میں بھی پھر حنفیہ ادعیہ کو نوافل کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ فرض میں تخفیف مطلوب ہے البتہ اگر منفرد ہو یا خلف الامام موقع ملے یا سب لوگ ادعیہ پر راضی ہوں تو ممنوع نہیں۔

باب ماجاء فی ترک الجهر ببسم اللّٰه الرحمن الرحیم وباب من رأی الجهر ببسم اللّٰه الرحمن الرحیم

رجال:۔

اسماعیل بن ابراهیم قال احمد الیه المنتهیٰ فی التثبت قال ابن معین کان ثقة ماموناً۔

سعید الحریری بضم الحیم مصغراً البصری ثقة اختلط قبل موته۔

قیس بن عبایه بفتح العین وتخفیف الباء ثقة من اوساط التابعین۔☆

عبداللہ بن مغفل کے بیٹے کا نام یزید ہے۔ یہاں ترمذی نے دو باب باندھے ہیں پہلا ترک جہر تسمیہ کیلئے دوسرا جہر تسمیہ کیلئے۔

تنقیح المذاہب:۔

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ آیا صلوٰۃ جہریہ میں بسم اللہ جہراً ہے یا سراً؟ نیز تسمیہ ہے بھی یا نہیں؟ تو امام

(3) انظر للتفصیل مجمع الزوائد من ص:۱۲۷۶ الی ص:۲۸۰ ج:۲ "باب ما یستفتح بہ الصلوٰۃ" (4) ص:۲۳ "باب افتتاح الصلوٰۃ ورفع الایدی والسجود علی العمامۃ"

مالک کے نزدیک الحمد سے شروع کرے گا نہ شروع میں تسبیح ہے نہ توجیہ نہ تعوذ نہ تسمیہ۔ جمہور کے نزدیک تسمیہ کہے گا پھر جمہور کا باہم اختلاف ہے امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جہر بالتسمیہ جہریہ میں اور سریہ میں اخفاء کریگا یہی مسلک بعض صحابہؓ ابو ہریرہ ابن عمر ابن عباس ابن زبیر کا ہے۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ جہریہ وسریہ دونوں میں اخفاء کریگا یہی مسلک سفیان ثوری ابن المبارک امام اسحٰق خلفائے راشدین اور اکثر صحابہؓ کا ہے یہ اختلاف اولیت وعدم اولیت کا ہے یہ اختلاف مبنی ہے دوسرے اختلاف پر کہ تسمیہ جزء من القرآن ہے یا نہیں اگر ہے تو من کل سورۃ ہے یا نہیں۔ امام مالک کے نزدیک نہ جز من القرآن ہے نہ جز من کل سورۃ ہے لہٰذا اس کی قراءت بھی نہیں ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ جز من کل سورۃ ہے تو فاتحہ کی بھی جزء ہے لہذا تسمیہ جہراً پڑھی جائیگی۔ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک ہر سورت کی جزء نہیں تو سورت فاتحہ کا حکم اور تسمیہ کا حکم الگ ہوگا جزء ہونے نہ ہونے کا مسئلہ آئندہ باب میں آجائے گا۔

امام مالکؒ کا استدلال باب اول کی روایت سے ہے کہ ابن عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ مجھ سے والد نے تسمیہ سنی تو فرمایا یابنی محدث معلوم ہوا کہ ترک تسمیہ ہوگا۔

جواب:۔ ابن مغفل نے جہر تسمیہ کو بدعت قرار دیا ہے نہ کہ نفس تسمیہ کو کیونکہ بعض روایات میں جہر کی تصریح ہے نیز سیاق وسباق بھی دال بر جہر تسمیہ کے بدعت ہونے پر ہے کہ ابن عبداللہ فرماتے ہیں سمعنی ابی اور سماعت جہر میں ہوسکتی ہے۔

نیز ابن مغفل کا یہ کہنا کہ فلم اسمع احداً سے بھی جہر کی نفی ہے نہ کہ مطلق تسمیہ کی۔

دلیل ثانی آئندہ باب کی حدیث ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابابکر وعمر وعثمان کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للّٰہ رب العالمین

جواب:۔ یہاں مراد جہر ہے کہ اولاً جہر کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تسبیحات وادعیہ صحیح احادیث سے ثابت ہیں مگر وہ سراً ہیں۔

امام شافعی کے مذہب کے دلائل جہر تسمیہ کے لئے عدداً ۱۴ ہیں مگر جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں جو صریح ہے

وہ صحیح نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہر بالتسمیہ کا مذہب روافض کا ہے اور وہ وضع احادیث میں مہارت کاملہ تامہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اس مسئلہ میں بھی احادیث گھڑ لی ہیں یہی وجہ ہے کہ دارقطنی نے جہر بالتسمیہ پر ایک کتاب لکھی۔حافظ زیلعی وابن تیمیہ نے فتاوی میں لکھا ہے کہ بعض مالکیہ امام دارقطنی کے پاس آئے اور پوچھا کہ آپ کی اس کتاب میں کوئی صحیح روایت بھی ہے تو انہوں نے کہا کہ مرفوع کوئی صحیح نہیں موقوف بعض صحیح ہیں بعض نہیں اس لئے مسانید مشہورہ میں جہر بالتسمیہ کی کوئی حدیث موجود نہیں حالانکہ ان مسانید میں ضعیف احادیث بھی ہیں۔

حافظ زیلعیؒ (1) فرماتے ہیں کہ اگر جہر بالتسمیہ میں کوئی صریح حدیث ہوتی تو میں دو دفعہ قسم کھاتا ہوں کہ امام بخاری ضرور ذکر کرتے کہ بخاری حنفیہ پر رد کرنے میں کافی دلچسپی لیتے ہیں اور نہ ہی مسلم میں جہر کی کوئی حدیث ہے بہرحال جو روایات نسبتاً صحیح ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔نسائی (2) میں نعیم مجمر تلمیذ ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

صليت وراء ابی هريره فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بام القرآن حتّٰى اذابلغ غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقال آمين فقال الناس آمين

پھر فراغت عن الصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ میری نماز زیادہ مشابہ تر ہے آپ میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ۔

جواب زیلعیؒ نے دیا ہے کہ اول تو یہ روایت معلول ہے کہ ابو ہریرہ کے بہت سارے تلامذہ میں فقط نعیم مجمر ہی اس کا راوی ہے۔ثانیاً نقول کہ اس میں قراءت بسم اللہ کا ذکر ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں جہر کا ذکر نہیں اور قراءت عام ہے جہر و سر دونوں کو شامل ہے اور استدلال من العام علی الخاص درست نہیں کما ان الاستدلال من الحيوان على الانسان غير صحيح۔

دلیل۲:۔دارقطنی (3) عن انس مدینہ میں حضرت معاویہؓ نے نماز پڑھائی جہری نماز مگر بسم اللہ جہراً

باب ماجاء فی ترک الجهر الخ

(1) دیکھئے ص:۴۰۳ سے ص:۴۰۸ تک ج:۱ (2) ص:۱۴۴ ج:۱ ''قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ایضاً دارقطنی ص:۳۰۴ ج:۱ رقم ۱۱۵۵

(3) ص:۳۰۸ ج:۱ رقم حدیث ۱۱۷۳ ''باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ والجہر بہا واختلاف الروایات فی ذالک''

نہیں پڑھی اور رکوع وسجدے کی تکبیرات بھی نہیں کہیں فراغت کے بعد مہاجرین وانصار نے کہا یا معاویہ اسرقت الصلوٰۃ ام نسیت؟

جواب:۔ اس کی سند کمزور ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن عثمان اگرچہ مسلم کا راوی ہے لیکن جید محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے حتیٰ کہ بعض نے منکر الحدیث قرار دیا ہے مثلاً یحی بن معین، علی بن مدینی، دارقطنی اور نسائی نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے(4) اگر اس کو صحیح مان لیں تب بھی اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ جن دنوں میں معاویہ شام سے مدینہ آئے تھے ان دنوں میں انس بصرہ میں مقیم تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن صحابہ نے اعتراض کیا معاویہ پر تو ان میں سے کوئی بھی جہر کا قائل نہیں تھا۔

یا ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کا اعتراض جہر تسمیہ کے ترک پر نہیں تھا بلکہ ترک تکبیرات انتقال پر تھا نیز حضرت انس کی روایت معارض ہے مسلم(5) وغیرہ کی صحیح حدیث کے ساتھ کہ انس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین تسمیہ خفیہ پڑھا کرتے تھے۔

دلیل ۳:۔ آئندہ باب کی حدیث ہے۔

عن ابن عباس قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يفتتح الصلوٰة ببسم الله الرحمن الرحيم۔

جواب ۱:۔ یہ روایت ضعیف ہے قال ابوعیسی ولیس اسنادہ بذاک۔

جواب ۲:۔ یہاں افتتاح کا ذکر ہے جہر کا نہیں اور افتتاح عام ہے جہری وسری دنوں کو شامل ہے۔ لہٰذا یہ بھی استدلال من العام علی الخاص ہے جو صحیح نہیں۔

استدلال ۴:۔ مستدرک حاکم (6) میں ابن عباس کی روایت ہے كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

---

(4) انظر تہذیب التہذیب ص:۳۱۲و۳۱۳ ج:۵ (5) صحیح مسلم ص:۱۷۲ ج:۱ ''باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة''

(6) مستدرک حاکم ص:۲۳۳ ج:۱ حدیث الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لیکن یہ روایت انسؓ اور ابوہریرہؓ سے منقول ہے حضرت ابن عباس والی روایت مجھے نہیں ملی۔ واللہ اعلم

جواب ا:۔ یہ حدیث صحیح نہیں حتیٰ کہ بعض نے اس کوموضوع قرار دیا ہے وتساہل الحاکم معروف۔

جواب ۲:۔ اگر بالفرض یہ روایت جہر صحیح بھی ہوں تو جواب یہ ہے کہ یہ جہر کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیماً فرمایا کرتے تھے عادۃً نہیں۔ جیسے کہ بعض اوقات سری نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر فرمایا کرتے تھے مثالہ ما قال محمد فی کتاب الاثار (7) کہ اہل بصرہ حضرت عمر کے پاس آئے اور افتتاح صلوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو عمر نے نماز شروع کی اور سبحانک اللھم الخ تعلیماً جہر سے پڑھی۔ خود ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے فراغت کا علم ہمیں ان کے ذکر سے ہوتا نوویؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جہر ذکر تعلیماً تھا اصل میں اخفاء ہے تو یہاں جہر تسمیہ کے بارے میں ہم بھی یہی کہیں گے۔

جواب ۳:۔ یہ روایت معارض ہے دیگر روایات کے ساتھ طحاوی (8) میں ابن عباس سے روایت ہے کہ" الجهر قرأة الاعراب ولم يجهر النبى صلى الله عليه و سلم بالبسملة حتىٰ مات "یہ سنداً قوی ہے۔

حنفیہ کے دلائل اگرچہ عدداً کم ہیں مگر کیفاً قوی ہیں۔

دلیل ا:۔ باب کی حدیث جس میں ابن مغفل نے جہر بالتسمیہ کو بدعت قرار دیا ہے۔

اعتراض:۔ از جانب شوافع بر سندِ حدیث کہ صاحبزادہ عبداللہ مجہول است۔

جواب:۔ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ اس کا نام یزید ہے تو مجہول نہیں اس طرح قاعدہ یہ ہے کہ جن سے دو آدمی روایت کریں تو وہ بھی مجہول نہیں ہوتا اور ان سے تو کم از کم تین آدمی روایت کرتے ہیں تو یہ مجہول کیسے ہوا؟ اسی وجہ سے ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔

دلیل ۲:۔ طحاوی کی روایت ہے۔

عن ابن عباس الجهر قراءة الاعراب لم يجهر النبى صلى الله عليه وسلم

---

(7) ص:۲۳" باب افتتاح الصلوٰۃ ورفع الایدی الخ"

(8) شرح معانی الاثار ص:۱۵۰ ج:ا" باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ"

بالبسملة حتیٰ مات

دلیل ۳:۔ انس سے مسلم (9) میں مروی ہے۔

صلیت خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر وعثمان فلم اسمع احداً منهم یقرا ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

دلیل ۴:۔ نسائی (10) کی روایت جو انس سے مروی ہے فکانوا لا یجهرون ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔

دلیل ۵:۔ عن انس قال صلیت خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فکلهم یخفون ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ رواہ ابن ماجہ (11)

دلیل ۶:۔ مسلم (12) کی روایت ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یسر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم واابابکر وعمرؓ۔

دلیل ۷:۔ طحاوی (13) دارقطنی اور ابونعیم نے حلیہ میں آثار ذکر کئے ہیں کہ صحابہ تسمیہ میں جہر نہیں کرتے تھے بلکہ اخفاء کرتے تھے ان اثار کے راوی ثقات ہیں۔

---

(9) ص:۱۷۲ ج:۱ (10) ص:۱۴۴ ج:۱ "ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

(11) روی ابن ماجہ بمعناہ ص:۵۹ "باب افتتاح القراءۃ"

(12) لم اجدہ بلفظہ ولکن رواہ الطبرانی وابونعیم وابن خزیمہ (بحوالہ نصب الرایۃ للزیلعی ص:۳۰۴ ج:۱)

(13) طحاوی ص:۱۵۰ ج:۱ دارقطنی ص:۳۰۹ و ۱۰۳ ج:۱

باب فی افتتاح القرأة بالحمد للہ رب العالمین

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ تسمیہ جزء من القرآن ہے کہ نہیں؟ امام مالک کے نزدیک جزمن القرآن نہیں جمہور کے نزدیک جزمن القرآن ہے یہ اختلاف اس تسمیہ میں ہے جو اوائل سور میں ہے سورۃ نمل کی تسمیہ کے جزء من القرآن ہونے پر اتفاق ہے۔

یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ تسمیہ کو جزء کہنا یا نہ کہنا موجب کفر نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جزمن القرآن تو ہے ہی جزء من الفاتحہ بھی ہے باقی دیگر سور کا جزء ہے یا نہیں تو ان کے دوقول ہیں اصح یہی ہے کہ جزء من کل سورۃ ہے۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک تسمیہ فقط جزء من القرآن ہے کسی مخصوص سورت کا جزء نہیں کہ اس سے مقصد صرف فصل بین السور ہے کہ جبرئیل جب وحی لاتے تو اگر وہ بسم اللہ پڑھتے تو مطلب یہ ہوتا کہ الگ سورۃ ہے ورنہ پہلی سورۃ کا جزء ہی شمار کیا جاتا۔

استدلال شافعی ان احادیث سے ہے جن میں جہر بسم اللہ آتا ہے کمامر بالتفصیل طریق استدلال یوں ہے جب تسمیہ جہراً پڑھی تو فاتحہ کے حکم میں ہوئی اور فاتحہ کے حکم میں تب ہوسکتی ہے جب فاتحہ کی جز ہو۔

دلیل۲:۔ نسائی (1) میں انس کی روایت ہے۔

بینما ذات یوم بین اظھرنا یرید النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذااغفاء اغفاء ۃ (اونگھ سی آئی جو علامت وحی ہے) ثم رفع رأسه متبسماً فقلنا له مااضحکك یا رسول اللّٰہ قال نزلت علی انفا سورۃ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم انااعطیناك الکوثر فصل لربك وانحر ان شانئك ھو الابتر ثم قال ھل تدرون ماالکوثر

اس میں سورت کوثر بسم اللہ سے شروع ہوئی معلوم ہوا کہ تسمیہ سورہ کوثر کی بھی جز ہے۔

باب فی افتتاح القراء ۃ بالحمد للہ رب العالمین

(1) ص:۱۴۳و۱۴۴ ج:۱ ''قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

دلیل ۳:۔بسم اللہ قرآن میں ہر سورت سے پہلے لکھی جاتی ہے معلوم ہوا کہ یہ ہر سورت کی جز ہے۔

جمہور کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جہر کی روایات کما مر اولاً تو ثابت نہیں ثانیاً اگر ثابت ہوں تو احیاناً تعلیماً پر محمول ہیں۔

دلیل ثانی کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت کوثر سے پہلے بسم اللہ پڑھی یہ بحیثیت جزئیت کے نہیں بلکہ بحیثیت سنیت کے ہے یعنی کہ اول قراءت وسورت میں بسم اللہ مسنون ہے جیسے کہ اول قراءت میں اعوذ باللہ پڑھی جاتی ہے اس کے باوجود اس کو آپ بھی جزء من کل سورۃ یا من القرآن نہیں مانتے۔

دلیل ثالث کا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ کا ہر سورت کے اول میں لکھا جانا فصل بین السور کے لئے ہے کمافی روایت ابن عباسؓ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصل بین السور کا علم بسم اللہ سے ہوتا یہی وجہ ہے کہ بخاری (2) میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے انفال و برات کو سبع طوال میں ذکر کیا ہے اور سطر بسم اللہ کو چھوڑ دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سورت انفال ہجرت کے اوائل میں اتری اور برات اواخر میں اور دونوں کا مضمون ایک ہے تو دونوں کو ایک جگہ لکھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تسمیہ کے بارے میں پوچھا نہیں کہ لکھیں یا نہ۔

جمہور کی دلیل عدم جہر تسمیہ کی تمام روایات سے ہے امام مالک کا طرز استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہی نہیں حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک پڑھتے تھے لیکن سراً کمامر۔

جمہور کی دلیل ۲:۔روایت باب سے ہے۔

عن انس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر وعثمان كانوا يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين

تو امام مالک فرماتے ہیں کہ شروع ہی قرات فاتحہ سے کرتے تھے۔حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک جہر بالقراءت الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے تعوذ وتسمیہ وثناء وغیرہ سراً پڑھتے تھے۔

---

(2) اس روایت کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ص:۲۸۲ ج:۲ رقم حدیث ۲۶۳۴ میں نقل فرمایا ہے۔لم اجدہ فی صحیح البخاری لکن رواہ ابوداؤد ص:۱۲۱ ج:۱ ''باب ماجاء من جہر بہا''

امام شافعی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورت فاتحہ ہے اور تسمیہ چونکہ فاتحہ کی جز ہے تو اس سے تسمیہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ بعض سور کا نام اول آیت سے رکھا جاتا ہے جیسے کہ سورت تبارک الذی نام ہے ایک سورت کا تو فاتحہ کا نام بھی الحمد للہ رب العالمین سے رکھا گیا۔

جواب ۱:۔ اگر اول آیت سے سورت کا نام رکھا جاتا ہے تو پھر سورت فاتحہ کا نام سورت بسم اللہ ہونا چاہئے کہ آپ کے نزدیک یہی اول آیت ہے۔

جواب ۲:۔ اگر مطلب وہی ہوتا جو آپ بیان کرتے ہیں تو فقط الحمد ہی نام ہونا چاہئے الحمد للہ رب العالمین تو پوری آیت ہے یہ نام نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ بعض روایات میں الحمد للہ الآیۃ تا مالک یوم الدین آیا ہے۔ تو کیا یہ پوری آیات نام ہونگی سورت فاتحہ کے لئے۔

دلیل ۳:۔ ترمذی جلد ثانی (3) میں ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں یہ سورت اپنے قاری کے لئے شفاعت کرے گی تا آنکہ اس کی مغفرت ہوجائے ''وہی تبارک الذی'' اب اگر تسمیہ کو اس کا جزء قرار دیں تو اس کی آیات ۳۱ ہوجائیں گی معلوم ہوا کہ تسمیہ جز من کل سورت نہیں۔

دلیل ۴:۔ بخاری وابوداؤد (4) میں ابوسعید بن المعلی کی روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نماز پوری کر کے آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے کیوں نہیں آئے میں نے کہا کہ نماز میں تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الم یقل اللّٰہ استجیبوا للّٰہ وللرسول اذادعاکم پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک بڑی سورت بتلا دونگا تو جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے وعدہ یاد دلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد للہ رب العالمین ھی السبع المثانی والقرآن العظیم کہ سات آیات ہیں مراد فاتحہ ہے قرآن میں بھی سبع مثانی سے عند المفسرین سورت فاتحہ مراد ہے۔ بسم اللہ اگر جز ہوتی تو آٹھ آیات ہوجائیں گی سات نہیں رہیں گی۔

(3) ص:۱۳۳ ج:۲

(4) صحیح بخاری ص:۶۴۲ ج:۲ ''باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب'' کتاب التفسیر سنن ابی داؤد ص:۲۱۲ ج:۱ ''باب فاتحۃ الکتاب''

دلیل۵:۔ مسلم (5)عن ابی ھریرہ فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قال اللّٰہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ماسئل فاذاقال العبد الحمد للّٰہ رب العالمین قال اللّٰہ تعالیٰ حمدنی عبدی واذاقال الرحمن الرحیم قال اثنی علی عبدی فاذاقال مالك یوم الدین قال مجدنی عبدی فاذاقال ایاك نعبد وایاك نستعین قال ھذابینی وبین عبدی ولعبدی ماسئل فاذاقال اھدناالصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین قال ھذالعبدی ولعبدی ماسئل ۔

اس میں ہرایک کی الگ الگ فضیلت بیان ہوئی ہے اور تسمیہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ جز نہیں۔

دلیل۶:۔ اول مانزلت اقرا باسم ربك الذی خلق اگر بسم اللہ ہر سورت کی جز ہوتی تو بسم اللہ پہلے نازل ہوتی معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا مقصد فصل بین السور ہے اور چونکہ اول سورت کے وقت فصل کی ضرورت تھی نہیں تو نازل نہیں ہوئی۔

دلیل۷:۔ عمل اسی پر ہے کہ ہر سورت کے ساتھ متصل بسم اللہ نہیں لکھی جاتی بلکہ الگ الگ جگہ پر معلوم ہوا کہ جزء نہیں۔

امام مالک کا استدلال بھی انہی روایات سے ہے فرق یہ ہے کہ وہ ان دلائل کو نفی جزئیت من القرآن کے لئے پیش کرتے ہیں لیکن انکو جواب یہ دینا ہے کہ صحابہ کرام نے پوری کوشش کی ہے کہ غیر قرآن قرآن میں نہ ہو اس کے باوجود وجود تسمیہ فی القرآن متواتر ہے نیز اس پر تعریف القرآن بھی صادق ہے لہٰذا جز من القرآن ضرور ہے۔

اعتراض مالکیہ کی طرف سے ہم پر یہ ہے کہ اگر تسمیہ جزء ہوتی تو اس کا منکر کافر ہونا چاہئے تھا کہ اس کا ثبوت تواتر سے ہے اور تواتر قطعی ہے حالانکہ آپ مالکیہ کی تکفیر نہیں کرتے۔

جواب ا:۔ الزاماً نقول جس طرح قرآن کا انکار موجب کفر ہے اس طرح غیر قرآن کو قرآن کہنا بھی موجب کفر ہے تو ہم تسمیہ کو قرآن کہتے ہیں اگر یہ غیر قرآن ہے تو آپ ہماری تکفیر کیوں نہیں کرتے فما ہو جوابکم

(5)ص:۱۷۰ج:۱ "باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ"

فهو جوابنا۔

جواب۲:۔ تحقیقاً نقول بسم اللہ کا مکتوب فی القرآن ہونا اگر چہ متواتر ہے مگر اس کا تواتر اس حد تک نہیں جتنا دوسری سور وآیات کا ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے لکھنے سے بعض کو یہ وہم ہوا کہ یہ للتبرک یا للفصل بین السور ہوگی کماوہم المالکیۃ تو اگر چہ ان کا خیال صحیح نہیں لیکن پھر بھی ایک نوع اختلاف ہوا اور اختلاف موجب تخفیف ہے لہذا تکفیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

باب ماجاء انه لاصلوٰة الابفاتحة الكتاب

ترمذی کا مقصد اس باب کے انعقاد سے یہ ہے کہ سورت فاتحہ کی حیثیت بتائی جائے کہ اس کے بغیر نماز صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن باب قراءت خلف الامام کے لئے نہیں کہ اس لئے مستقل باب باندھیں گے یہ منفرد کے لئے ہے۔

اشکال:۔ قرأ یقرأ باب متعدی ہے تو بفاتحۃ میں باء کی کیا ضرورت ہے اس کے متعدد جوابات ہیں۔

جواب۱:۔ یہ باء زائد ہے۔

جواب۲:۔ یہ للتبرک ہے تقدیر یوں ہوگی لاصلوٰۃ لمن لم یقرا متبر کاً بفاتحۃ الکتاب۔

جواب۳:۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کبھی فعل متعدی بغیر واسطہ حرف جر کے ہوتا ہے اور کبھی فعل متعدی کے مفعول پر باء داخل ہوتی ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مفعول پر باء داخل ہو تو مطلب ہوگا کہ مدخول باء کا کل مفعول نہیں بلکہ بعض مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ مدخول کے ساتھ مفعولیت میں کوئی اور چیز بھی داخل ہے اور اگر حرف باء نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مذکور کل مفعول ہے کوئی اور مفعولیت میں داخل نہیں مثلاً بخاری (1) میں ہے یقرا بالطور یا قرافی المغرب بالطور مسلم (2) میں ہے وکان یقرافی الفجر بق والقرآن المجید

باب ماجاء انه لاصلوٰة الابفاتحة الكتاب

(1) ص:۱۰۵ ج:۱ "باب الجہر بالمغرب" (2) ص:۱۸۶ ج:۱ "باب القراءۃ فی الصبح"

وقرأعلیهم سورة الرحمن تو قرا بالطور کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف طور نہیں پڑھی دیگر بھی پڑھی اور سورۃ رحمٰن فقط اس پر اکتفاء فرمایا تھا یہاں مطلب یہ ہوگا کہ فاتحہ مع السورت دونوں کے ترک سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب چونکہ مفعول پر باء داخل ہے یعنی اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ مع السورت کی تلاوت نہ کرے یعنی بالکل قرات نہ کرے تو اس کی نماز ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں حکم فقط نفس قرات کا ہے شاہ صاحب نے یہ جواب زمخشری کے قانون سے اخذ کیا ہے جو انہوں نے مفصل وکشاف میں ''وہذی الیک بجذع النخلۃ'' الآیۃ کی تشریح میں لکھا ہے۔

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ سورت فاتحہ نماز میں فرض ہے یا نہیں تو عند ائمہ ثلاثہ فرض ہے تارک کی نماز نہیں ہوگی اور اگر سورت فاتحہ پڑھی تو ضم سورۃ مستحب ہے اس کے ترک سے فرق نہیں پڑے گا حنفیہ کے نزدیک سورت فاتحہ واجب ہے نہ کہ فرض۔

حنفیہ کی دلیل:۔ فاقروا ماتیسر من القرآن (3) میں ما عام ہے اگر اس کی تخصیص سورت فاتحہ سے کریں گے تو زیادتی لازم آئے گی کتاب اللہ پر اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ پھر حنفیہ کے نزدیک فاتحہ وضم سورت دونوں واجب ہے اور نفس قرات فرض ہے اگر کسی ایک کو چھوڑا تو نماز ہو جائے گی مگر واجب الاعادہ ہوگی۔

دلیل ۲:۔ روی مسلم (4) عن ابی هريره من صلى صلوٰة ولم يقرأفيها بام القرآن فهي خداج غير تمام تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور خداج کا معنی ناقص ہے یعنی ذات باقی رہے گی مگر کامل نہ ہوگی۔

دلیل ۳:۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے۔ روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے قراءت شروع کی جہاں تک ابوبکرؓ نے کی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں سمجھا ورنہ تو شروع

---

(3) سورۃ مزمل آیۃ: ۲۰

(4) ص:۱۶۹ ج:۱ ''باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ''

سے ابتداء فرماتے۔تدبر

باب کی حدیث سے جواب حنفیہ کی طرف سے ایک یہ ہے کہ یہ لانفی کمال کے لئے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ لاصلوٰۃ کاملۃ لمن لم یقرأ مگر اس کو پسند نہیں کیا گیا کہ اگر اس کو نفی کمال کے لئے مانیں تو سورت فاتحہ کو واجب کہنا مشکل ہو جائے گا جیسے لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد(5) میں لانفی کمال کے لئے ہے تو اگر کسی نے گھر میں نماز پڑھی پڑوسی مسجد ہونے کے باوجود تو وہ نماز واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ تارک فاتحہ کی نماز واجب الاعادہ ہے۔

جواب۲:۔ابن ہمام فرماتے ہیں کہ لانفی ذات کے لئے ہے مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے تو زیادتی علی کتاب اللہ نہیں کرسکتے۔

جواب۳:۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لانفی ذات کے لئے ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس قراءت ترک کردی نہ فاتحہ پڑھی نہ سورت تو نماز نہ ہوگی اس توجیہ کی دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ بعض روایات(6) میں بفاتحۃ الکتاب فصاعداً آیا ہے تو یہ حکم سورت وفاتحہ کے مجموعے کے ترک کے بارے میں ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں نفس قرات عندنا بھی رکن ہے اور ترک رکن سے نماز نہیں ہوتی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرأ یقرأ متعدی ہے اس کے مفعول پر باء داخل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مقروء کل مفعول (فاتحہ) نہیں بلکہ دیگر قرات بھی ساتھ ہے تو اس سے بھی نفس قرات کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

---

(5) رواہ الدارقطنی ص:۳۹۹ ج:ا رقم حدیث ۱۵۲۷ ''باب الحث لجار المسجد علی الصلوٰۃ فیہ الخ''

(6) کمافی روایۃ ابی داؤد ص:۱۲۶ ج:ا ''باب من ترک القراءۃ فی صلوٰتہ''

باب ماجاء فی التامین

رجال:۔

بندار بضم باء وسکون نون یہ لقب ہے ان کا نام محمد بن بشار ہے احد اوعیۃ السنۃ ذہبی فرماتے ہیں انعقد الاجماع علی الاحتجاج ببندار۔

یحی بن سعید القطان ائمہ جرح وتعدیل میں سے ایک ہیں۔ سفیان سے مراد ثوری ہے۔

سلمہ بن کہیل الحضرمی الکوفی ثقہ ہیں وثقہ احمد والعجلی۔

تنبیہ:۔ یہ سلمہ اسی طرح ہر سلمہ بفتح لام ہوتا ہے سوائے عمرو بن سلمہ کے جو انصار کے ایک قبیلہ بنی سلمہ سے ہیں اور اپنی قوم کے امام تھے وہ البتہ بکسر اللام ہے۔ جبکہ عبدالخالق بن سلمہ میں دونوں حرکتیں یعنی کسرہ لام وفتحہا سلمہ صحیح ہیں۔

حجر بن عنبس بضم الحاء وسکون الجیم کبار تابعین میں سے ہیں ابن معین نے توثیق کی ہے۔

وائل بن حجر الحضرمی جلیل القدر صحابی ہیں ملوک یمن میں سے تھے پھر کوفہ کو مسکن بنایا یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی ولایت میں انتقال ہوا۔☆

تشریح:۔

یہ باب تامین کے بارے میں ہے تامین بمعنی آمین کہنا آمین لفظ ہمزہ ویاء کے مد وبغیر مد کے دونوں جائز ہیں بتشدید المیم دعاء کے اختتام پر غلط ہے۔ اگر بتشدید المیم کوئی نماز میں پڑھے تو عند البعض نماز فاسد ہو جائے گی والاصح انہ لاتفسد الصلوٰۃ کہ یہ قرآن میں موجود ہے اور متاخرین فقہاء کے نزدیک جو لفظ قرآن میں موجود ہو تو اس کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور یہ قرآن میں ہے ''ولا آمین البیت الحرام ای قاصدین''۔

پھر لفظ آمین عند البعض عربی ہے اسم فعل بمعنی اللہم اسمع یااجب یافلیکن کذالک یااللہم امنا

قال البعض هذااسم من اسماء الله۔

قول۲:۔ یہ ہے کہ عربی نہیں بلکہ سریانی ہے ممکن ہے کہ لفظ مشترک ہو عربی وسریانی میں اور ایسا ہوتا ہے کہ بعض الفاظ مشترک ہوا کرتے ہیں مختلف زبانوں میں جیسے لفظ صابون تنوراور مشکوٰۃ وغیرہ۔

بحث اول یہ ہے کہ امین کہنا کس کا وظیفہ ہے تو عندالجمہور امام ومقتدی دونوں کا وظیفہ ہے منفرد بھی اگر نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی آمین کہنا مسنون ہے۔امام مالک سے روایت ہے کہ صرف مقتدی کہے گا امام نہیں کہے گا۔ایک روایت شاذہ عن ابی حنیفہ یہی ہے روایت مشہورہ ومفتیٰ بہ جمہور کے مطابق ہے۔

دلیل مالکؒ:۔ بخاری(1) عن ابی هريرة اذاقال الامام غير المغضوب عليهم و لاالضالين فقولوا امين طریق استدلال یہ ہے کہ یہاں تقسیم کی گئی ہے جو شرکت کے منافی ہے لہٰذا امام آمین نہیں کہے گا فقط مقتدی کہے گا۔

جواب:۔ یہاں مقصد تقسیم نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب امام امین کہنے لگے تو تم بھی آمین کہو فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه امام کے امین کی نفی نہیں کیونکہ یہ صریح وصحیح احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ آئندہ باب کی روایت ہے "اذاامن الامام فامنوا"۔

نسائی(2) میں ہے فان الملائكة تقول امين وان الامام يقول امين۔

بحث ثانی یہ ہے کہ امین میں جہر افضل ہے یا اخفاء یہ اختلاف صلوٰۃ جہریہ میں ہے سریہ میں بالاتفاق سرا کہے گا یہ اختلاف اولویت وعدم اولویت میں ہے نہ کہ جواز وعدم جواز میں۔

امام شافعی کا قول مختار جو مفتی بہ عندالشافعیہ ہے اور عندالحنابلہ امام ومقتدی دونوں جہر کریں گے عند احناف وسفیان ثوری ومالک فی روایت مشہورۃ عنہ امام ومقتدی دونوں اخفاء کریں گے۔

شافعیہ کا استدلال باب کی سفیان عن وائل بن حجر کی روایت سے ہے۔

قال سمعت النبی صلی الله عليه وسلم قرا غير المغضوب عليهم و لاالضالين

باب ماجاء في التأمين

(1) ص:۱۰۸ج:۱"باب جہر الماموم بالتامین" (2) ص:۱۴۷ج:۱"جہر الامام بآمین"

وقال آمین ومد بھاصوتہ

مد سے مراد رفع صوت لیتے ہیں اس کے علاوہ ان کی مستدل روایات کوئی قابل حجت نہیں۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل اول باب کی دوسری حدیث عن شعبۃ عن وائل بن حجر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقال آمین وخفض بھا صوتہ یہ دونوں روایات سنداً صحیح ہیں۔ البتہ متناً شافعیہ نے سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور شعبہ کی روایت کو یکسر نظر انداز کیا ہے حنفیہ ومالکیہ شعبہ کی روایت کو بنیاد بنا کر سفیان ثوری کی روایت میں تاویل کرتے ہیں کہ مد بھاصوتہ میں مد سے مراد رفع صوت مراد نہیں بلکہ مد کھینچنا ہمزہ اوری میں مراد ہے۔ تو تطبیق بین الروایات ہو جائے گی۔

شافعیہ کی طرف سے شعبہ کی روایت پر پانچ اعتراضات کئے گئے ہیں تین ترمذی نے نقل کئے ہیں چنانچہ ترمذی فرماتے ہیں۔

قال ابوعیسی سمعت محمّداً یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة فی ھذا واخطا شعبة فی مواضع من ھذاالحدیث (۱)فقال عن حجر ابی العنبس وانما ھو حجر بن العنبس ویکنی اباالسکن(۲) وزادفیه عن علقمة بن وائل ولیس فیه عن علقمة وانما ھو حجر بن عنبس عن وائل بن حجر (۳)وقال وخفض بھا صوته وانماھو مدبھا صوته

یعنی شعبہ نے متن میں بھی غلطی کی ہے۔

چوتھا اعتراض ترمذی نے العلل الکبریٰ میں کیا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد وائل بن حجر سے ثابت نہیں اور بخاری نے کہا کہ وائل کی وفات سے چھ مہینے بعد علقمہ پیدا ہوئے تو سماع کیسے ہوگا؟

اعتراض ۵:۔ یہ روایت شعبہ کی دوسری روایت کے ساتھ معارض ہے بیہقی میں ہے وقال آمین رافعاً بھاصوتہ۔

حنفیہ کے نزدیک یہ اعتراضات اتنے وزنی نہیں کہ اس سے روایت کمزور ہو جائے۔

اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ سلمہ بن کہیل کے شیخ کا نام حجر ہے ان کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے ابن

العنبس بھی ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کے بیٹے اور والد کا نام ایک ہو بلکہ یہ تو بکثرت ہوتا ہے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابوالعنبس کی تصریح کی ہے ابن حجر نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ابوالسکن اور ابوالعنبس دونوں ہی انکی کنیت ہیں۔ نیز ابوداؤد(3) میں سفیان کی روایت میں ابن العنبس کی بجائے ابوالعنبس کنیت آئی ہے اسی طرح ابن حبان(4) عن شعبہ ابوالعنبس کی جگہ ابن العنبس آیا ہے دارقطنی (5) میں دونوں کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کنیتیں صحیح ہیں۔

اعتراض۲:۔ کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک راوی دوسرے راوی سے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سنے تو ہوسکتا ہے کہ حجر بن عنبس نے براہ راست وائل بن حجر سے روایت کی ہو اور علقمہ بن وائل کے واسطے سے بھی چنانچہ ابوداؤد طیالسی (6) مسند احمد(7) اور دارقطنی (8) میں یہ روایت دونوں طریقوں سے مروی ہے۔

اعتراض۳ کا جواب ہے کہ شعبہ ثقہ اور معتمد علیہ راوی ہے جب سند صحیح ہے تو متن حدیث کی غلطی کا اعتراض سوءظن ہے۔

اعتراض:۔ شعبہ کو کبھی وہم ہوجاتا ہے ممکن ہے کہ یہاں بھی وہم ہوا ہو۔

جواب:۔ شعبہ سے غلطی رجال کے اسامی میں ہوتی تھی نہ کہ متن حدیث میں وجہ یہ تھی کہ شعبہ متن حدیث پر زیادہ زور دیتے تھے مبارکپوری صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ ان سے سند میں غلطی کا احتمال ہے متن میں نہیں۔

اعتراضات ثلاثہ کا مجموعی الزامی جواب یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ سفیان سے تین غلطیاں ہوئی ہیں ایک یہ کہ ابوالعنبس کی جگہ ابن العنبس ذکر کیا دوسری یہ کہ انہوں نے اس روایت کو براہ راست ذکر کیا حالانکہ یہ

---

(3) ص:۱۴۱ ج:۱ "باب التامین وراء الامام" (4) موارد الظمآن ص:۱۴۴ رقم حدیث ۴۴۷

(5) ص:۳۲۸ ج:۱ رقم حدیث ۱۲۵۳ و ۱۲۵۶ "باب التامین فی الصلوٰۃ بعد فاتحۃ الخ"

(6) ص:۱۳۸ رقم حدیث ۱۰۲۴ حدیث ۱۸۸۶۰ سے آگے دیکھئے۔ (7) مسند احمد ص:۳۱۶و۳۱۷ ج:۴

(8) ص:۳۲۸ ج:۱ "باب التامین فی الصلوٰۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجہر بہا"

بالواسطہ ہے تیسری یہ کہ وخفض بہا صوتہ کی جگہ مد بہا صوتہ کہا مقصد یہ ہے کہ شعبہ وسفیان دونوں برابر درجے کے روای ہیں بلکہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے تو بجائے سفیان کے فقط شعبہ کی طرف نسبت غلطی کی کیوں ہے؟

اعتراض ۴ کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ علقمہ بن وائل کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں یہ غلط ہے کہ نسائی(9) کی ایک روایت میں حدثنی ابی کی تصریح ہے اگر یہ کہیں کہ ان کی ولادت وفات والد کے چھ ماہ بعد ہوئی ہے تو یہ غلط ہے امام ترمذی خود اپنے کلام میں ثبوت سماع کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابواب الحدود باب ماجاء فی المرأۃ اذا استکرہت علی الزناء میں ترمذی نے ایک عبد الجبار بن وائل کی حدیث ذکر کی ہے۔ دوسری علقمہ بن وائل کی۔ عبد الجبار کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

هذاحديث غريب وليس اسناده بمتصل سمعت محمّداً يقول عبد الجبار بن وائل لم يسمع عن ابيه ولاادركه يقال انه ولد بعد موته باشهر

علقمہ کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں۔

هذاحديث حسن غريب صحيح وعلقمة بن وائل بن حجر سمع عن ابيه وهواكبر من عبد الجبار بن وائل (ص:۳۶۹ج۱)

لہٰذا ترمذی کے علل کبریٰ کے کلام اور یہاں کے کلام میں تدافع ہے جب نسائی میں حدثنی ابی کی تصریح ہے تو سماع ثابت ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ عبد الجبار کا سماع بھی اپنے والد سے ثابت ہے اور ترمذی نے جو بخاری کا قول نقل کیا ہے یہ صحیح نہیں اس لئے کہ بخاری خود لکھتے ہیں یقال معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ قول ''مریض'' ہے۔

اعتراض ۵ کا جواب یہ ہے کہ بیہقی (10) میں جو مروی ہے یہ شاذ ہے کہ علقمہ کے درجنوں شاگردوں نے خفض ذکر کیا ہے اور صرف بیہقی میں رفع ہے لہٰذا یہ شاذ ہے۔

ان اعتراضات کے علاوہ شافعیہ سفیان کی روایت کے لئے کچھ وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہیں۔

---

(9) ص:۱۶۱ ج:۱ ''باب رفع الیدین عند الرفع من الرکوع''

(10) سنن کبری للبیہقی ص:۵۷ ج:۱ ''باب جہر الامام بالتامین''

ا۔سفیان کے متابع موجود ہیں جس کی ترمذی وبیہقی (11) نے تخریج کی ہے۔

جواب:۔متابع میں راوی علابن صالح اسدی موجود ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے لہٰذا یہ معتبر نہیں۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان کی متابعت محمد بن سلمہ بن کہیل نے کی ہے جو بیہقی میں ہے اسی طرح علی بن صالح بھی متابعت کرتے ہیں جو ابوداؤد (12) میں ہے۔

جواب:۔محمد بن سلمہ کی متابعت ناقابل التفات ہے کہ یہ نہایت ہی ضعیف ہے قال الذہبی ناقلاً عن الجوزجانی واہی الحدیث۔علی بن صالح ثقہ ہے لیکن یہ روایت کاتب کی غلطی کی بناء پر علی بن صالح کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ علی بن صالح نہیں بلکہ علاء بن صالح ہے ابن حجر نے التلخیص الحبیر (13) میں اعتراف کیا ہے کہ یہ نسبت راوی یا کاتب کی غلطی ہے دلیل یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں یہی روایت عبداللہ بن نمیر عن علاء بن صالح ترمذی میں بھی عبداللہ بن نمیر عن علاء بن صالح سے ہے ابوداؤد میں عبداللہ بن نمیر عن علی بن صالح ہے لیکن ابن حجر نے تسلیم کیا ہے کہ ابواؤد کی روایت بھی علاء بن صالح سے ہے کیونکہ ابن نمیر مدار ہے تو ابوداؤد کی روایت باقی دوروایتوں پر محمول ہوگی۔

دلیل ثانی:۔بیہقی نے سفیان کی متابعات نکالنے کی پوری کوشش کی ہے مگر انہوں نے فقط علاء بن صالح کا ذکر کیا ہے علی بن صالح کا نہیں کیا۔

وجہ ترجیح ۳:۔یہ ہے کہ ابوہریرہ سے ابن ماجہ (15) میں مروی ہے۔

ترك الناس التامين و كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاقال غير المغضوب عليهم ولاالضالين قال آمين حتىٰ يسمعها اهل الصف الاول فيرتج بها المسجد

معلوم ہوا کہ وائل بن حجر کے علاوہ یہ روایت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔

جواب:۔اس میں بشر بن رافع راوی ہے جو ضعیف ہے۔

---

(11) حوالہ بالا (12) ص:۱۴۲ ج:۱ ''باب التامین وراء الامام''

(13) التلخیص الحبیر ص:۵۸۱ ج:اتحت حدیث رقم ۳۵۳ (14) ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص:۸۶ ج:۲

(15) ص:۶۱ ''باب الجہر بآمین''

وجہ ترجیح ۴:۔خود شعبہ کہتے ہیں سفیان احفظ منی معلوم ہوا کہ سفیان کی حدیث زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جواب:۔قال سفیان شعبة امیر المؤمنین فی الحدیث۔

(کتاب العلل الصغریٰ للترمذی ص:۲۳۶ ج:۲)

ہماری وجوہ ترجیحات میں پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان ثوری باوجود جلالت شان کے تدلیس کرتے تھے جبکہ شعبہ تدلیس کو اشد من الزنا سمجھتے تھے وقال شعبة لان اخر من السماء احب الی من ان ادلس۔

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ سفیان جہراً آمین کے راوی ہیں مگر ان کا مسلک سراً امین کا ہے۔

وجہ ترجیح ۳:۔ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة اور آمین بھی دعا ہے قال تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو دعا کہا معلوم ہوا کہ آمین بھی دعاء ہے۔

وجہ ترجیح ۴:۔بخاری (16) میں ابو ہریرہ کی روایت ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین یہاں امام کے آمین کا محل ولا الضالین کے بعد بتایا اگر آمین جہراً کہنا ہوتا تو یہ کہتے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو معلوم ہوا کہ آمین سراً ہے۔

اگلے باب سے پیوستہ باب میں سمرہ فرماتے ہیں سکتتان حفظتھما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمران بن حصین نے انکار کیا ابی بن کعب کو خط لکھا گیا جواب میں لکھا "ان حفظ السمرة" کہ سمرہ کی یادداشت صحیح ہے اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد کا ہے۔

البتہ شافعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اذا امن الامام فامنوا کما فی الباب الآتی میں نسبت کی گئی ہے آمین کی امام کی طرف معلوم ہوا کہ آمین جہراً مشروع ہے۔

جواب:۔اس سے جہر مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام کے امین کہنے کے ساتھ ہی تم بھی امین کہو۔ فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ اور موافقت تب ہو سکتی ہے کہ دونوں بہ یک وقت امین کہیں اور اگر امام پہلے کہے تو موافقت فوت ہو جائے گی چنانچہ ابن حجر و نووی نے اذا ارادلیا ہے۔کما سیأتی فی الباب الآتی

(16) ص:۱۰۸ ج:۱ "باب جہر الماموم بالتامین"

وجہ ترجیح ۵:۔ اگر سفیان کی روایت کو معمول بہا بنایا جائے تو سفیان کی روایت پر تو عمل ہو جائے گا لیکن شعبہ کی روایت متروک ہو جائے گی جبکہ شعبہ کی روایت پر عمل کی صورت میں سفیان کی روایت کا ترک لازم نہیں آتا کیونکہ سفیان کی روایت میں اگر مد سے مد ہمزہ و یاء ہو تو سر کے منافی نہیں۔

اعتراض:۔ بیہقی کی حدیث ہے قال رافعاً بہا صوتہ۔

جواب ا:۔ رفع بمعنی مد ہے۔ جواب ۲:۔ یہ روایت بالمعنی ہے۔

اعتراض:۔عن ابی ھریرۃ حتیٰ یسمعھا اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد رواہ ابن ماجہ (17)

جواب:۔ اس میں راوی بشر بن رافع ہے جو ضعیف ہے۔

وجہ ترجیح ۶:۔ جہر احیاناً اور تعلیماً پر محمول ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وائل بن حجر کے علاوہ کسی مقامی صحابی نے جہر کی روایت نہیں کی جو صحیح سند سے ثابت ہو۔ تو ممکن ہے کہ ان کے سامنے جہر تعلیماً کیا ہو جیسے کہ کبھی سری نمازوں میں یہ بتانے کے لئے کہ کونسی سورت پڑھ رہا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو آیات جہراً پڑھتے۔

حنفیہ کا استدلال ثانی حضرت عمر و علی و ابن مسعود کے عمل سے ہے امام طحاوی (18) نے اثار نقل کئے ہیں کہ حضرت عمر و علی اخفاء کیا کرتے تھے صاحب ہدایہ نے ابن مسعود کے عمل سے استدلال کیا ہے مصنف عبدالرزاق (19) میں ابراہیم نخعی کا قول ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ سات چیزوں میں اخفاء ہوگا ان میں ایک آمین ہے۔

حضرات شافعیہ مرسلِ عطاء (20) سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے دوسو صحابہ کو پایا جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ زور سے آمین کہتے اور مسجد گونج اٹھتی۔

---

(17) ص:۶۱ ''باب الجہر بآمین''

(18) شرح معانی الآثار ص:۱۵۰ ج:۱ ''باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن فی الصلوٰۃ''

(19) ص:۸۷ ج:۲ ''باب ما تخفی الامام'' ولیس فی ذکر سبع بل فی روایۃ الاولی ذکر اربعۃ اشیاء وفی الثانیۃ خمسۃ اشیاء رقم حدیث ۲۵۹۶ و ۲۵۹۷ (20) رواہ البیہقی فی الکبریٰ ص:۵۹ ج:۱ ''باب جہر الماموم بالتامین''

جواب:۔ حسن بصری سے عطاء کی عمر کم ہے اس کے باوجود حسن بصری کی ملاقات فقط ۱۲۰ صحابہ سے ہوسکی ہے تو عطاء کی ۲۰۰ سے کیسے ہوئی؟

جواب۲:۔ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ عطاء کی مراسیل اضعف المراسیل ہیں۔

دلیل۳:۔ قیاس سے ہے کہ نماز میں دوسرے ادعیہ سراً ہوتے ہیں جیسے کہ تعوذ ہے یا دیگر اذکار تاکہ قرآن سے ممتاز رہے تو جس طرح قرآن میں آمین وتعوذ وغیرہما کے نہ لکھنے پر اجماع ہے تو اس میں جہر بھی مناسب نہیں تاکہ صوت قرآن وغیر قرآن میں خلط نہ ہو۔

باب ماجاء فی فضل التامین

امن الامام کا مطلب یہ نہیں کہ امام امین کہے کیونکہ پھر تو موافقت فوت ہوجائے گی بلکہ نووی وابن حجر نے یہاں ارادالامام (التامین) کا مطلب لیا ہے یعنی موافقت سے مراد موافقت زمانی ہے عند البعض موافقت فی الاخلاص مراد ہے یعنی جس طرح فرشتے اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ آمین کہو اکثر نے پہلی توجیہ کو پسند کیا ہے ملائکہ سے مراد کون سے ملائکہ ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ مطلق ملائکہ مراد ہیں حفظہ یا کراماً کاتبین کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ ملائکۃ السماء کی تصریح بعض روایات میں آئی ہے۔

اعتراض:۔ گناہ تو نماز سے معاف ہوجاتے ہیں تو آمین کی طرف نسبت کیسے ہوئی؟

جواب:۔ اس میں آمین کی خاصیت بتانا مقصود ہے کہ اس کی خاصیت عفو گناہ ہے لہٰذا اگر گناہ ہونگے تو وہ معاف ورنہ رفع درجات ہوگا۔

باب ماجاء فی السکتتین

رجال:۔

عن الحسن البصری ثقہ ہیں مشہور فاضل ہیں۔ کثرت سے ارسال اور تدلیس کرتے تھے امام بزار کہتے ہیں۔

کان یروی عن جماعة لم یسمع منهم فیتجوز ویقول حدثنا وخطبنا یعنی قومه الذین حدثوا او خطبوا بالبصرة

اوساط تابعین میں سے ہیں۔☆

انکر عمران ای عن السکتۃ الثانیۃ واذا قرأ ولا الضالین کواذا فرغ من القرأۃ کی تفسیر بتائی ہے پھر دو سکتوں سے مراد ایک قبل القراءت ایک بعد الفاتحہ ہے اور اگر واؤ استینافیہ ہو تو تین سکتے ہو جائیں گے یہی زیادہ بہتر ہے کہ فراغ سے مراد فراغ من کل قرأۃ مراد ہوگا۔

ابوداؤد(1) کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اذا فرغ من القراءۃ کلہا تو تین سکتات ہونگے تیسرا سکتہ رکوع سے پہلے ہوتا ہے تاکہ سانس درست کرسکیں پہلا سکتہ توجیہ وتسبیح وغیرہ کے لئے یہ سکتہ متفق علیہ ہے ایک روایت امام مالک سے ہے کہ پہلا سکتہ نہیں ہوگا کما مر تفصیلاً۔ دوسرا سکتہ حنفیہ کے نزدیک اس لئے ہوگا تاکہ آمین کہے اور تعیین سورت کرے مثلاً ائمہ ثلاثہ خصوصاً عند الشافعیہ سکتہ امام اس لئے ہوگا تاکہ مقتدی سورت فاتحہ پڑھ سکے لیکن عمران بن حصین کا سکتہ ثانیہ سے انکار کرنا دال ہے اس بات پر کہ سکتہ ثانیہ اتنا طویل ثابت نہیں۔

باب ماجاء فی السکتتین

(1) ص:۱۲۰ ج:۱ ''باب السکتۃ عند الافتتاح''

باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ

رجال:۔

قبیصة بن هلب بضم الہاء وسکون اللام ہے ہلب لقب ہے نام یزید ہے کما قال الترمذی نزیل کوفہ ہیں۔قبیصہ مقبول من الثالثہ ہیں عجلی نے توثیق کی ہے۔☆

تشریح:۔

ہاتھ نماز میں کہاں رکھنا چاہئے تو اس کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں فرای بعضهم ان یضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان یضعهما تحت السرة و کل ذالك واسع عندهم یعنی گنجائش ہر ایک کی ہر ایک کے نزدیک ہے کہ کوئی روایت صحیحہ تعیین میں وارد نہیں ہوئی۔

ترمذی نے دو مذہبوں کا ذکر تو کیا لیکن ذاہبین کا ذکر نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں۔

مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں رسالہ فوز الکرام للقائم سندھی اور دراہم صرۃ لمحمد ہاشم ٹھٹوی کے حوالے سے یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک ارسال اولیٰ ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ فوق السرۃ تحت الصدر تیسرا انہی کا قول یہ ہے کہ اختیار بین الوضع والارسال۔ابن العربیؒ نے عارضۃ میں ان کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے فرض نماوں میں ارسال نفل میں وضع اولیٰ ہے تو کل چار قول ہوئے البتہ ان سے مشہور قول ارسال ہی کا ہے۔امام شافعی سے بھی تین روایات ہیں۔ا۔تحت الصدر فوق السرۃ یہ روایت کتاب الام میں ہے اور یہ ان کے نزدیک معمول بہ اور زیادہ مشہور ہے اسی کو قاضی شوکانی اور مبارکپوری نے جمہور شوافع کا مذہب قرار دیا ہے دوسرا قول وضع علی الصدر کا ہے تیسرا تحت السرۃ کا ہے۔

امام احمدؒ سے بھی تین روایات ہیں۔ا۔تحت الصدر ۲۔تحت السرۃ یہ زیادہ مشہور و معمول عند جمہور حنابلہ ہے ۳۔اختیار بینہما۔

حنفیہ کا مذہب متعین ہے کہ وضع تحت السرۃ ہی ہوگا یہی مذہب امام سفیان ثوری و امام اسحٰق اور بعض شافعیہ کا ہے البتہ عند الاحناف عورتیں ہاتھ سینے پر ہی رکھیں۔

پھر باندھنے کی کیفیت کے بارے میں چونکہ متعدد روایات ہیں بعض میں (1) وضع کف علی کف آتا ہے۔ بعض میں (2) وضع علی الرسغ آیا ہے۔ بخاری (3) کی روایت میں وضع علی الساعد آیا ہے ایک روایت مسند احمد (4) میں بھی ہے راوی اس میں کہتا ہے ووصف یحی الیمنی علی الیسری فوق المفصل۔

ان تمام روایات میں تطبیق کا طریقہ عند الحنفیہ یہ ہے کہ انگلیاں ساعد پر آجائیں رسغ اور کف پر کف رکھ دے۔

تحریر المذاہب سے معلوم ہوا کہ علی الصدر کا سوائے ایک روایت شاذہ عن الشافعیہ کے کوئی بھی قائل نہں ائمہ اربعہ میں کسی کا مذہب نہیں۔ شوکانی نے نیل الاوطار (5) میں اس کی تصریح کی ہے اس سلسلے میں اولاً وائل بن حجر کی روایت پیش کی جاتی ہے جو مرفوع ہے جس سے حنفیہ و شافعیہ دونوں ہی استدلال کرتے ہیں صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری یہاں تک تو متعدد کتابوں میں مروی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (6) میں علی صدرہ کا اضافہ ہے مسند بزار (7) میں عند صدرہ کا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (8) میں تحت السرۃ کا اضافہ ہے لہٰذا جو حضرات فوق الصدر وضع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ میں فوق الصدر کی تصریح آئی ہے۔

جواب:۔ اس سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے علامہ ماردینی (9) فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابیں دفنائی تھیں اپنے حفظ سے روایت کرتے جسکی وجہ سے بہت غلطی کرتے تھے قال البخاری منکر الحدیث قال ابوحاتم وابوذرعۃ کثیر الخطاء اس لئے یہ قابل قبول نہیں۔

باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ

(1) کمافی ابی داؤد بحوالہ معارف السنن ص:۴۴۴ ج:۱ (2) رواہ النسائی ص:۱۴۱ ج:۱ ''باب وضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ''
(3) لم اجدہ فی البخاری لکن رواہ احمد فی مسندہ ص:۴۷۷ ج:۱ رقم حدیث ۱۸۸۹۲ (4) ص:۲۲۵ ج:۸ رقم حدیث ۲۲۰۲۶
(5) نیل الاوطار ص:۱۸۶ ج:۲ ''باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال'' (6) کمافی تلخیص الحبیر ص:۵۴۹ ج:۱ رقم حدیث ۳۳۱ ''باب صفۃ الصلوٰۃ'' (7) کمافی مجمع الزوائد ص:۳۲۳ ج:۲ رقم حدیث ۲۸۰۵ (8) بحوالہ معارف السنن ص:۴۳۷ ج:۲
(9) انظر للتفصیل آثار السنن ص:۸۳و۸۴ ج:۱ ''باب فی وضع الیدین علی الصدر''

اعتراض:۔ صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث کا ہونا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔

جواب:۔ سیوطی نے تدریب الراوی میں تصریح کی ہے ابن خزیمہ میں کسی حدیث کا آنا اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں کیونکہ اسمیں ضعیف ومنکر بھی ہیں۔

اعتراض:۔ قال الشوکانی صححه ابن خزیمة۔

جواب:۔ قاضی شوکانی کے وقت صحیح ابن خزیمہ تقریباً معدوم ہوچکی تھی ان کا ظن یہ تھا کہ چونکہ ابن خزیمہ نے صحت کا اہتمام کیا ہے تو ان کا خیال تھا کہ یہ بھی صحیح ہوگی۔

حضرت تقی صاحب نے درس ترمذی میں لکھا ہے کہ ابن خزیمہ اب جو چھپ کر آئی ہے اس میں تصحیح نہیں۔ علاوہ ازیں وائل بن حجر کی یہ حدیث دیگر کتب میں ہے مگر کسی میں علی صدرہ کا لفظ نہیں معلوم ہوا کہ زیادتی کی ساری ذمہ داری مؤمل پر عائد ہوتی ہے نیز شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو زبردستی ثابت کرنے میں شوافع کو بھی فائدہ نہیں کہ ان کا مذہب علی الصدر تو نہیں مسند بزار میں عند صدرہ کا اضافہ ہے مگر یہ محمد بن جریر کا اضافہ ہے قال الذہبی رحمہ اللہ منا کیران کی دلیل ۲ مسند احمد (10) میں ہلب کی حدیث بھی ہے۔

رایت النبی صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره و رایته یضع هذه علی صدره۔

جواب:۔ علامہ نیمویؒ نے آثار السنن (11) میں لکھا ہے کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے اصل میں یضع ہذہ علی ہذہ ہے اور الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہاتھ نہیں بلکہ دونوں ہاتھ رکھتے ہیں کہ ایک ہاتھ سینے پر رکھنا اور ایک کو چھوڑے رکھنا تو مشروع نہیں۔ اگر بالفرض مصحف نہ بھی مانیں تو بھی قابل استدلال نہیں صاحب بذل المجہود نے اس پر کافی بحث کی ہے کہ اس میں سماک بن حرب ہے جو قابل احتجاج نہیں ضعفہ ابن المبارک وشعبہ وسفیان الثوری خود سفیان ثوری کا مذہب تحت السرۃ وضع کا ہے قال النسائی کان یلقن فیلتقن یعنی اس کو جو کچھ کہا جاتا یہ وہی کچھ بولتا اور حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی کہا ہے امام احمد نے بھی مضطرب الحدیث کہا ہے۔ یہی

(10) ص:۲۲۵ ج:۸ رقم حدیث ۲۲۰۲۶

(11) آثار السنن ص:۸۷ ج:۱ قالہ فی الحاشیہ ص:۱۰۹

وجہ ہے کہ ترمذی نے اس کو روایت کو فقط حسن کہا ہے صحیح نہیں کہا حالانکہ وضع علی صدرہ کا اضافہ ترمذی میں نہیں۔

جواب ۲:۔ قال الشوکانی علی صدرہ کے اثبات سے شافعیہ کو کوئی فائدہ نہیں۔

دلیل ۴:۔ قال البیهقی (12) قال علی فی تفسیر الآیة "فصل لربك وانحر" وضع یده الیمنی علی الیسری ثم وضعها علی صدره۔

جواب:۔ ماردینی نے دیا ہے کہ اس کے متن وسند میں شدید اضطراب ہے لہذا قابل حجت نہیں۔ بیہقی نے اس تفسیر کو ابن عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن حافظ ساعاتی مسند احمد کی تبویب کی شرح (13) میں لکھتے ہیں کہ اس کی نسبت ابن عباس وعلی کی طرف صحیح نہیں۔

ابن کثیر نے یہاں اونٹوں کا نحر مراد لیا ہے نیز ابن عباس کی روایت میں روح بن المسیب ہیں جنہیں ابن حبان نے وضاع کہا ہے۔

دلیل ۵:۔ ابوداؤد (14) میں مرسل روایت طاؤس سے ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يمينه على شماله فى الصلوٰة ثم يشدهما على صدره۔

جواب ا:۔ یہ معارض ہے حنفیہ کے مستدلات کے ساتھ۔

جواب ۲:۔ مرسل آپ کے ہاں حجت نہیں نیز اس کے اثبات میں شوافع کا فائدہ نہیں کما قال الشوکانی۔

حنفیہ کے استدلالات:۔

ا۔ روایتِ علیؓ جو ابوداؤد کے ابن الاعرابی کے نسخے میں ہے من السنة وضع الكف على الكف

---

(12) سنن کبری للبیہقی ص:۳۰ ج:۲ "باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ الخ"

(13) فتح الربانی ص:۱۷۴ ج:۳ "بحوالہ درس ترمذی"

(14) مراسیل ابی داؤد ص:۶

فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

اعتراض:۔ اس میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق ضعیف جبکہ زیاد بن زید مجہول ہے۔

صاحب بذل المجہود نے جواب دیا ہے کہ یہ روایت دارقطنی (15) وغیرہ میں تین طریق سے مروی ہے اس میں سے ایک طریق میں زیاد نہیں۔ رہا عبدالرحمٰن بن اسحٰق تو اس کا ضعف دیگر متابعات کی وجہ سے دور ہو جائے گا۔

دلیل ۲:۔ مصنف ابن ابی شیبہ (16) عن وائل بن حجر قال رایت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ۔

اس اضافے پر مولانا محمد حیات نے رسالہ فتح الغفور میں اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ زیادتی صرف ابن ہمام کے شاگرد قاسم بن قطلو بغانے اختیار شرح مختار میں نقل کی ہے کسی اور نے اس سے پہلے نقل نہیں کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد حیات صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی شیبہ کی طرف رجوع کیا اس میں تحت السرۃ کی زیادتی نہ پائی ہاں نیچے سطر میں ابراہیم نخعی کا قول ہے تحت السرۃ ناقل نے غلطی سے اس کو بھی نسخے کا جز سمجھ کر نقل کر دیا۔

جواب:۔ مولانا قائم سندھی نے فوز الکرام میں دیا ہے کہ میں نے اپنی انکھوں سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ اضافہ دیکھا ہے لہٰذا ناقل کی تغلیط غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے نسخے متعدد ہیں بعض میں یہ زیادتی ہے بعض میں نہیں تو جس طرح زیادتی میں غلطی کا احتمال ہے اسی طرح زیادتی کو ترک کرنے میں بھی غلطی کا احتمال ہے بمبئی سے جو نسخہ چھپا ہے اس میں یہ زیادتی نہیں اور کراچی سے جو چھپا ہے اس میں یہ زیادتی ہے کسی ایک کو قطعاً غلط کہنا غلط ہے کہ دونوں محتمل ہیں۔

دلیل ۳:۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ (17) میں ہے یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

---

(15) ص:۲۸۸ ج:۱ ''باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوٰۃ'' (16) آثار السنن ص:۹۰ ج:۱ ''باب فی وضع الیدین تحت السرۃ'' (17) بحوالہ آثار السنن ص:۹۱ ج:۱

دلیل۴:۔ مصنف ابن ابی شیبہ(18) میں ہے کہ ابومجلز سے پوچھا گیا وضع ید کے بارے میں تو فرمایا یضع باطن کف یمینہ علی ظاہر کف شمالہ ویجعلھما اسفل من السرۃ۔

دلیل۵:۔ مصنف ابن ابی شیبہ (19)عن علی من سنۃ الصلوٰۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرر۔

دلیل۶:۔ ابوہریرہ کی روایت جو ابوداؤد(20) میں تعلیقاً ہے اخذ الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ البتہ اس میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق ضعیف ہے۔

دلیل۷:۔ ابن حزم نے معلقاً حضرت عائشہ وانس کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔

قالت عائشہ ثلث من النبوۃ تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ

انسؓ کی باقی روایت یہی ہے صرف تحت السرۃ کا اضافہ ہے۔

قال ابن المنذر کہ ہاتھ رکھنے کی جگہ تعیین حدیث سے ثابت نہیں اس لئے ابن ہمام فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ روایات صحیحہ سے ثابت نہیں یا روایت میں تعارض ہے تو قیاساً تحتہ السرۃ راجح ہوگا کہ اس میں تواضع ہے اور نماز تواضع کا فعل ہے۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ نفس وضع کا اعتبار احناف نے اس لئے کیا کی روایات صحیحہ سے ثابت ہے صدر پر وضع کا اعتبار نہیں کیا کہ اس میں تکلف ہے اور فوق السرۃ تحت الصدر کے بارے میں صاحب تحفہ نے اقرار کیا ہے کہ کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

---

(18) حوالہ بالا (19) آثار السنن ص:۹۰ ج:۱

(20) رواہ دارقطنی عن علی رضی اللہ عنہ ص:۲۸۹ ج:۱ رقم حدیث ۱۰۸۹ نوٹ:۔ ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی البتہ دارقطنی اور مصنفہ ابن ابی شیبہ میں حوالہ بالا ص:۳۹۱ ج:۱ پر ان الفاظ سے ملتے جلتے مضمون کی حدیث منقول ہے۔

باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود

یہ باب تکبیرات انتقال کے بارے میں ہے۔

فی کل خفض ورفع کل خفض تو اپنے ظاہری معنی پر ہے لیکن کل رفع میں تغلیب ہے کیونکہ عند الرفع من الرکوع میں تکبیر نہیں بلکہ تسمیع ہے اتفاقاً۔

عند الجمہور تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی انتقالات میں تکبیرات مشروع ہیں۔ ابن سید الناس نے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی تکبیر مشروع نہیں اور اس کی نسبت حضرت عمرؓ قتادہؒ سعید بن جبیرؒ عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ ابن سیرینؒ کی طرف کی گئی ہے اور بقول بعض ابن عمر کا قول بھی اسی کے مطابق ہے اسی طرح حضرت عثمان وحضرت معاویہ اور دیگر بنوامیہ کی طرف بھی یہی منسوب ہے۔ بعضوں نے فرق کیا ہے جماعت اور انفرادی نماز میں کہ جماعت میں تکبیرات ہونگی انفرادی نماز میں فقط تحریمہ۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ فرض میں تکبیرات ضروری ہیں نفل میں ضروری نہیں عند البعض عند الرفع تکبیر کہے عند الخفض نہ کہے۔

انکا مستدل مسند احمد (1) میں ابن ابزی کی روایت ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یتم التکبیر بعض طرق میں اذا رفع وخفض کا اضافہ ہے بعض میں اذا خفض ہے یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے۔ جمہور کی طرف سے ابوداؤد طیالسی نے جواب دیا ہے کہ وہذا عندی باطل کیونکہ بہت ساری روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرات انتقال کہا کرتے تھے لہٰذا اس سے استدلال باطل ہے۔

جواب ۲:۔ کان لا یتم التکبیر کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ زور سے نہ کہتے فقط تکبیر تحریمہ زور سے کہتے۔

جواب ۳:۔ لا یتم التکبیر کا مطلب ہے کہ زیادہ مد نہیں کرتے تھے۔

جواب ۴:۔ احیاناً ترک تکبیر بیان جواز کے لئے کیا ہوگا یعنی تکبیر انتقالات واجب نہیں۔

باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود

(1) ص:۲۳۶ ج:۵ رقم حدیث ۱۵۳۵۲ ایضاً رقم حدیث ۱۵۳۶۹ ایضاً ابوداؤد ص:۱۲۹ ج:۱ ''باب تمام التکبیر''

اشکال:۔ بعض روایات (2) میں ہے کہ اولا تارک تکبیر عثمان ہیں بعض میں معاویہ اور بعض میں زیاد بن ابی سفیان ہے حالانکہ ان کے اوقات امامت الگ الگ ہیں۔

جواب:۔ زیاد نے متابعت کی ہے معاویہ کی اور معاویہ نے عثمان کی اور عثمان تارک تکبیرات نہیں تھے بلکہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے آہستہ کہنا شروع کر دیا صرف قریبی لوگ سنتے تھے نہ کہ دور والے تو وہم ہوا کہ شاید وہ نہیں کہتے تھے پھر طحاوی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ابن الزبیر کے دور خلافت تک جاری تھا۔ بنوامیہ کے دور میں عید کا خطبہ پہلے ہوتا تھا اور تکبیرات نہیں ہوتی تھیں ابن زبیر نے خطبہ مؤخر کر دیا اور تکبیرات شروع کیں۔

پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے بعض اہل حدیث کے نزدیک تکبیرات واجب ہیں امام احمد کے نزدیک بھی ایک قول انہی کے مطابق ہے جمہور کے نزدیک تکبیرات انتقال مستحب ہیں۔ قائلین بالوجوب کو جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیٔ فی الصلوٰۃ کو تکبیرات کی تعلیم نہیں دی اگر واجب ہوتیں تو ضرور حکم کرتے۔

اشکال:۔ ابوداؤد (3) میں مسیٔ فی الصلوٰۃ کو تکبیرات کی بھی تعلیم دی گئی ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایتم التکبیر یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کبھی ترک بھی کیا کرتے تھے اگر واجب ہوتیں تو ترک نہ کرتے اب یہ امر متفق علیہ ہے کہ تکبیرت مشروع ہیں من غیر خلاف۔

(2) کمافی عمدۃ القاری وفتح الباری عمدۃ القاری ص:۱۱۹ ج:۳

(3) انظر ص:۱۳۱ ج:۱ "باب صلوٰۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود"

باب رفع الیدین عند الرکوع

رجال:۔

ابن ابی عمر نزیل مکہ ہیں نام محمد بن یحیٰ ہے صاحب مسند ہیں ابن عیینہ کے ساتھ لازم رہا کرتے تھے ابوحاتم فرماتے ہیں کانت فیہ غفلۃ۔

سالم ھو ابن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما۔☆

بیان مذاہب:۔

مقدمہ میں گذرا ہے کہ ائمہ کے اختلاف میں صحابہ کے عمل کو دخل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد صحابہ اطراف میں پھیل گئے بعض کو منسوخ کا علم ہوا ناسخ کا نہ ہوسکا نیز بعض صحابہ کا بھی دیگر کے ساتھ اختلاف رہا تو صحابہؓ جہاں گئے وہاں کے لوگوں نے ان کے اقوال واعمال کے مطابق عمل کرنا شروع کردیا اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ ہر کوئی اپنے علم کے مطابق مکلف ہے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ ہدایت واصلاح بغیر رجال کے ممکن نہیں کما قال المفسرون کہ اہدنا الآیۃ میں سوال ہدایت ہے اور ذالک الکتاب میں جواب سوال ہے الذین یؤمنون الآیۃ میں رجال ہدایت کی طرف اشارہ ہے کتاب پر عمل رجال کتاب کی رہنمائی کے بغیر متعذر ہے اس طرح حدیث کے لئے بھی رجال حدیث کا ہونا ضروری ہے حنفیہ کا منبع ثانی حضرت ابن مسعود اور انکا حلقہ علم ہے جبکہ حضرت علی بھی کوفہ ہی میں تھے مؤرخین کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر کے اول دور میں ۱۸ ہزار کا لشکر عراق وشام کی طرف بھیجا گیا اور اکثر کا قیام کوفہ اور اس کے مضافات میں تھا اس لحاظ سے کوفہ میں علمی گہما گہمی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

شافعیہ کا مذہب ابن زبیر وابن عباس کی روایات وارشادات پر مبنی ہے جنکا حلقہ مکہ میں تھا امام مالک اہل مدینہ کا عمل دیکھتے ہیں حتیٰ کہ مرفوع روایت پر بھی عمل اہل مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

چونکہ اہل مکہ کا عمل ابن عباس وابن زبیر کے عمل کی وجہ سے رفع یدین کا تھا اس وجہ سے امام شافعی نے

بھی اپنا مذہب رفع یدین کا بنالیا امام مالکؒ سے رفع وترک دونوں روایتیں ہیں۔ مؤطا(1) میں انہوں نے رفع کی روایت ذکر کی ہے مگر چونکہ اہل مدینہ کا عمل ترک رفع کا تھا اس لئے اصل مذہب مالکیہ ترک رفع ہی ہے بعد میں بعض مالکیہ نے مؤطا کی روایت رفع کو دیکھ کر رفع کو اپنا مذہب بنالیا۔ میں نے حج کے موقع پر اس بات کا التزام کیا تھا کہ اس بارے میں مالکی علماء سے ملوں گا کہ ان کے یہاں زیادہ تر عمل کس پر ہے اسی جستجو میں مغرب کے لوگوں سے میں پوچھا کرتا تھا کسی عالم سے میری ملاقات تو نہ ہوسکی مگر مراکش، تیونس، سوڈان، اور الجزائر کے بہت سے لوگوں سے میری علیحدہ علیحدہ بات ہوئی کہ آپ لوگ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہیں حالانکہ مؤطا میں رفع کی حدیث موجود ہے وہ یہی کہا کرتے تھے اس لئے کہ ہمارے بڑے اور علماء نہیں کرتے ہیں صرف ایک آدمی نے کہا کہ ہمارے ہاں "الشبان یرفعون والکبار لایرفعون"۔

اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں جہاں مالکیہ کی کثرت ہے اب تک عمل عدم رفع پر رہا ہے۔

امام احمد کا زمانہ چونکہ بعد کا ہے صحابہ اور کبار تابعین کو نہ دیکھ سکے اس لئے اصولاً یہ صحت حدیث کو دیکھتے ہیں اس لئے ان کا مذہب بھی رفع ہی کا ہے۔

کوفہ والے ترک پر مجتمع تھے خود شافعیہ بھی اس کے قائل ہیں ترمذی میں ابن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ترک کے قائل تھے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ شافعیہ وحنابلہ رفع یدین کو ترجیح اس لئے دیتے ہیں کہ رفع کی روایات سنداً صحیح ہیں اور بظاہر ترک رفع کے مقابلے میں زیادہ ہیں مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ رفع کی روایات زیادہ ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ بہت سارے صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نقل کیا ہے انہوں نے رفع یدین نقل نہیں کیا تو وہ بھی نافی رفع یدین ہیں۔

قال ولکنی ادعی ان احادیث الترک کثیرۃ فان کثیراً من الصحابۃ یروون صفۃ صلوٰتہ علیہ السلام ولایذکرون رفع الیدین وانی ادمجھم فی الترک

باب رفع الیدین عند الرکوع

(1) ص:٦١ "افتتاح الصلوٰۃ"

اشکال:۔ جن روایات میں رفع کا ذکر نہیں وہ ساکت ہیں اور ساکت کو ناطق (رفع) پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ فاقول انہم لیسوا بساکتین بل نافون اور شاہ صاحب نے یہ جواب ابن تیمیہ کے ضابطے سے مستنبط کیا ہے ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جہر بالتسمیہ نادر ہے اور اخفاء کثیر ہے اس لئے کہ اکثر احادیث جہر تسمیہ سے خالی ہیں ان پر بھی یہی اشکال ہوا کہ خالی عن الجہر روایات ساکت ہیں اور ساکت یحمل علی الناطق تو انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ساکت نہیں بلکہ نافی ہیں اسلئے کہ جو راوی طریقہ نقل کرتا ہے تو وہ ان چیزوں کا اہتمام کرتا ہے جو وجودی ہوتی ہیں عدمی شی کی طرف تعرض نہیں کرتا کہ یہ دو وجوہ کی بناء پر معقول نہیں ایک اس لئے کہ عدمی کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں دوسرا یہ کہ عدمی اشیاء غیر متناہی ہوتی ہیں ان کا ذکر بھی محال ہے اس قاعدے کے مطابق ساکت روایات بھی نافی رفع ہونگی لہٰذا ترک رفع کا ذخیرہ کثیر ہوگا بہ نسبت رفع کے ذخیرہ سے۔ کیونکہ رفع یدین کی روایات بعد التحقیق چھ ہیں یا زیادہ سے زیادہ بارہ یا چودہ ہیں' پچاس یا دوسو کا قول مبالغہ پر مبنی ہے اگر بالفرض ۲۰۰ صحابہ سے بھی رفع ثابت ہو تو باقی تمام صحابہ سے رفع ثابت نہیں تو نافی پھر بھی زیادہ رہے۔

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ رفع یدین احادیث سے ثابت ہے اصل مذہب حنفیہ میں مکروہ نہیں نہ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے البتہ ترک رفع اولی ہے اس کی وجہ یہ ہے خود عند الشافعیہ بھی رفع یدین کی جمیع صور پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ صرف رکوع میں جاتے وقت اور رفع من الرکوع کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں حالانکہ احادیث میں دیگر صور میں بھی ثابت ہے آپ ان کو منسوخ سمجھتے ہیں تو ہم ان کو بھی منسوخ یا متروک سمجھتے ہیں۔ اصل مذہب شافعیہ میں بھی یہ واجب نہیں بعد میں غلو ہوا اور بعض شافعیہ نے اس کو واجب قرار دیا تو بعض احناف کی طرف سے بھی غلو ہوا اور اس کو مکروہ کہا کما قال صاحب منیۃ المصلی۔

رہا آج کل اہل حدیث کا عمل تو اس پر دور صحابہؓ سے لیکر تمام سلف میں سے کسی کا عمل نہیں رہا یعنی عند قیام الی الثالثہ۔

حنفیہ کی دلیل ۱:۔ قال ابن مسعود الااصلی بکم صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الافی اول مرۃ اس پر مخالفین کی طرف سے پانچ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ایک ترمذی نے نقل کیا ہے۔

قال عبد اللّٰہ بن مبارك قد ثبت حدیث من یرفع ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم صلی ولم یرفع یدیه الا فی اول مرة (2)

لہٰذا حنفیہ کا استدلال کمزور ہوا۔

جواب:۔ ابن مسعودؓ سے دو حدیثیں مروی ہیں ایک مرفوع ایک موقوف جو مرفوع کے حکم میں ہے مرفوع کے حکم میں اس لئے ہے کہ اس میں الااصلی بکم صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کا ذکر ہے جو حکم مرفوع میں ہوتا ہے۔ ابن مبارک کا اعتراض مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ ترمذی نے ابن مبارک کا اعتراض نقل کیا ہے پھر وحدثنا بذالک سے سند بیان کی ہے پھر ایک الگ سند کے ساتھ ابن مسعود کی ایک اور حدیث ذکر کی معلوم ہوا کہ اعتراض مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں۔ یہاں ایک مستقل باب ہے ترک رفع یدین کا کیونکہ ترمذی کی عادت یہی ہے کہ وہ مختلف فیہا مسائل میں طرفین کے لئے مستقل باب ذکر کرتے ہیں وہ عام نسخوں سے غلطی سے نکل گیا ہے بعض نسخوں میں جیسے کہ عبداللہ بن سالم البصری کا قلمی نسخہ جو پیر جھنڈو کے کتب خانے میں ابھی تک موجود ہے یہاں الگ باب کا عنوان ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر ترک رفع یدین کا باب نہ مانیں یہ ترمذی کے صنیع کے خلاف ہے کہ ان کا صنیع یہ ہے کہ اولاً احادیث ذکر کرتے ہیں پھر حکم لگاتے ہیں پھر تحریر مذہب کرتے ہیں اب اگر یہاں ایک ہی باب مانیں تو اس کی خلاف ورزی اس طرح ہوگی کہ پہلی حدیث ذکر کر کے اس پر پوری بحث کی پھر تحریر مذاہب کرنے کے بعد دوسری حدیث ذکر کی پھر بحث پھر تحریر مذاہب۔ اس صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ دو باب ہیں اور اعتراض ابن مبارک کا مرفوع پر ہے موقوف پر نہیں نیز ابن مبارک نے اعتراض میں یہ تصریح کی ہے۔

ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم صلی ولم یرفع یدیه الا فی اول مرة

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مورد اعتراض مرفوع حدیث ہے موقوف نہیں۔

عارضۃ الاحوذی لابن العربیؒ کے متن میں ترک کے لئے مستقل باب موجود ہے باب ماجاء ان النبی

(2) ایضاً رواہ النسائی ص:۱۶۱ ج:۱ ''الرخصۃ فی ترک ذالک''

صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ اس کے بعد وبہ قال حدثنا حماد الخ حدیث ذکر کی ہے معلوم ہوا کہ ابن العربی کے زمانے تک یہ باب مستقل طور پر موجود تھا بعد میں معلوم نہیں کہ یہ باب مع الترجمہ کیسے ختم ہوا؟فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

عارضہ کے محشی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کو ترمذی نے فقط حسن کہا وہذا الحدیث صححہ بن حزم (کما سیجئ) وغیرہ من الحفاظ وہو حدیث صحیح۔اس سے اور بھی واضح ہوا کہ ابن مبارک کا اعتراض مرفوع پر ہے نہ کہ موقوف پر۔اسی طرح یہ حدیث ابوداد(3) نے نقل کی ہے اور اس پر سکوت کیا جو ان کے نزدیک حدیث کی صحت کی نشانی ہے اگر بالفرض ابن مبارک کا اعتراض دوسری حدیث پر بھی ہو تو بھی قابل التفات نہیں کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اس پر اعتراض کیلئے دلیل کی ضرورت ہے جو پیش نہیں کی۔

اعتراض ثانی:۔حدیث ابن مسعودؓ پر یہ ہے کہ اس میں عاصم بن کلیب متفرد ہے۔

جواب:۔عاصم ثقہ ہے رواۃ مسلم میں سے ہے لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں۔

اعتراض ۳:۔عاصم سے روایت کنندہ سفیان ہے پھر سفیان سے وکیع اور یہ دونوں متفرد ہیں۔

جواب:۔سفیان جلیل القدر محدث ہیں اگر انکا تفرد مضر للحدیث ہو اور نا قابل اعتبار ہو پھر تو کسی کا تفرد بھی قابل اعتبار نہ رہے گا جہاں تک وکیع کے تفرد کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں کہ نسائی وابوداؤد میں تین یا چار اس کے متابع موجود ہیں۔

اعتراض ۴:۔عبدالرحمٰن بن الاسود کا سماع علقمہ سے ثابت نہیں۔

جواب:۔عبدالرحمٰن بن الاسود ابراہیم نخعی کا معاصر ہے اور ابراہیم کا سماع علقمہ سے بلاشبہ ثابت ہے تو عبد الرحمٰن کا بھی ہوگا یہاں اگرچہ سماع کی تصریح نہیں مگر شرط سماع شرط بخاری ہے مسلم کی شرط کے مطابق حدیث صحیح ہے۔

ان اعتراضات ثلاثہ اخیرہ کا مجموعی جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود کے طریق سے بھی مروی ہے(4) لہٰذا عاصم اور سفیان کو بھی متابع ملا اور عبدالرحمٰن کے سماع پر اعتراض بھی رفع ہوا۔

---

(3)ص:۱۱۶ ج:۱''باب من لم یر الرفع عند الرکوع''(4) کمافی جمع المسانید ص:۳۵۵ ج:۱''الباب الخامس فصل ثالث''

اعتراض ۵:۔ جس طرح ابن مسعود کو وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع کا علم نہ ہوا اس لئے وہ تطبیق کیا کرتے تھے تو ممکن ہے رفع یدین کا علم بھی نہ ہوا ہو۔

جواب:۔ یہ محض تعصب۔ ہے کہ کیونکہ ابن مسعود حبر الامہ ہیں لہٰذا ان پر عدم علم کی ایسی بدگمانی خلوص نیت پر مبنی نہیں۔ عبداللہ بن مسعود تطبیق لاعلمی کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ وہ مجتہد تھے اجتہاد کی بنا پر احد النصین کو دوسری پر ترجیح دیتے ایک کو دوسری کے لئے ناسخ نہیں کہتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تطبیق رکوع میں ہوتی ہے جو کہ حالت اخفاء ہے بہ نسبت رفع یدین کے اور حالت علانیہ کو حالت خفیہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن مسعود صف اول کے رجال میں سے ہیں عمر کے اعتبار سے بھی اور فقہاً بھی ان کی حدیث کو لاعلمی پر حمل کر کے چھوڑنا اور ابن عمر جو کہ کم سن صحابی ہیں اور صف میں بھی وہ پیچھے کھڑے ہوتے تھے ان کی حدیث کو لینا نا قابل فہم ہے۔

حنفیہ کی دلیل ۲:۔ روی ابو داؤد (5) عن براء بن عازب ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذافتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لایعود یعنی فقط تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہیں اس پر ابوداؤد نے تین اعتراضات کئے ہیں۔

۱۔ قال ابو داؤد ھذاالحدیث لیس بصحیح۔

جواب:۔ ابوداؤد نے اس حدیث کی تخریج تین اسانید کے ساتھ کی ہے اعتراض فقط تیسری حدیث پر ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ہے اس کی وجہ سے اس کو غیر صحیح کہا پہلی اور دوسری میں یہ راوی نہیں تو ان پر یہ وارد نہیں ہوگا۔ جہاں تک تیسری حدیث پر اعتراض کا تعلق ہے تو یہ بھی ان کا خیال ہے کیونکہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کو حافظ نے تقریب میں صدوق کہا ہے۔

ترمذی نے ابواب الطہارات کے آخری باب سے پہلے والے باب میں حضرت علی کی حدیث بواسطہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ذکر کی ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئنا القرآن علی کل حال مالم یکن

(5) ص:۱۱۶ ج:۱

جنباً قال ابو عیسیٰ حدیث علی حدیث حسن صحیح (ص ۳۸ ایچ ایم سعید)

یہاں ابن ابی لیلیٰ سے مراد بتصریح صاحب تحفۃ الاحوذی محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابوداؤد جس راوی کی حدیث کو لیس بصحیح کہتا ہے ترمذی اسی راوی کی حدیث کو حسن صحیح کہتا ہے لہٰذا یہ ابوداؤد کا اپنا خیال ہی ہوسکتا ہے پھر جب وہ صدوق راوی ہے یعنی اس کی دیانت قابل اعتماد مگر حفظ میں کمزوری ہے قال احمد فقہہ احب الینا من حدیثہ اور حافظہ کی کمزوری متابعات سے دور ہوجاتی ہے۔

اعتراض ۲:۔ ابوداؤد نے یہ کیا ہے پہلی سند پر کہ براء بن عازب کی روایت میں ثم لا یعود کی زیادتی میں شریک عن یزید بن ابی زیاد متفرد ہے کیونکہ اس حدیث کو ہشیم وخالد اور ابن ادریس عن یزید روایت کرتے ہیں مگر لا یعود کا اضافہ ذکر نہیں کرتے۔

جواب:۔ جہاں تک ہشیم کا تعلق ہے تو کامل ابن عدی میں انہوں نے یہ زیادتی نقل کی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ہشیم متابعت شریک نہیں کرتا یہ انکا خیال ہے بلکہ ہشیم کے علاوہ اسرائیل بن یونس نے بھی کامل ابن عدی میں متابعت کی ہے۔ دارقطنی (6) اور معجم اوسط للطبرانی (7) میں حمزہ الزیات نے بھی متابعت کی ہے ابوداؤد کی دوسری سند میں سفیان نے بھی متابعت کی ہے بلکہ تیسری سند بھی کلیۃ مردود نہیں تو وہ بھی متابع شریک ہے۔

اعتراض ۳:۔ بیہقی (8) نے صراحۃ کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد نے یہ حدیث مکہ میں بیان کی تو وہاں ثم لا یعود کا اضافہ نہیں کیا کرتے تھے کوفہ میں جب آئے تو ثم لا یعود کی زیادتی کرنا شروع کردی وجہ یہ بیان کی کہ اظن ان اہل الکوفۃ لقنوہ فتلقن البتہ ابوداؤد میں پہلے مکہ پھر کوفہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے ثم قال لنا بالکوفۃ بعد ثم لا یعود کا فقط ذکر ہے۔

جواب:۔ شاہ صاحب نے نیل الفرقدین میں دیا ہے کہ بیہقی نے سفیان کی طرف جو نسبت کی ہے اس کی سند میں دو راوی ہیں محمد بن حسین البربہاری' ابراہیم الرمادی قال الذہبی فی ھما کذابان تاریخی اعتبار سے بھی یہ اعتراض صحیح نہیں کہ سفیان بن عیینہ یزید بن ابی زیاد سے عمر میں کافی چھوٹے ہیں دونوں کوفی ہیں سفیان

(6) ص: ۲۹۵ ج:۱ ''باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح الخ'' (7) کذا فی معارف السنن ص: ۳۸۷ ج:۲

(8) سنن کبری للبیہقی ص: ۷۶ ج:۲ ''باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح''

جس وقت مکہ گئے تھے اس سے ۲۷ سال قبل یزید بن ابی زیاد کی وفات ہوئی تھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پہلے مکہ میں پھر کوفہ میں حدیث یزید سے سنی ہو جہاں تک ابوداؤد کے اعتراض کا تعلق ہے تو اس میں مکہ وکوفہ کا ذکر نہیں صرف زیادتی کا ذکر ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ راوی کبھی مفصل حدیث بیان کرتا ہے کبھی مختصر ذکر کرتا ہے۔

حنفیہ کا تیسرا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہے جس کو طبرانی (9) نے مرفوعاً اور مصنف ابن ابی شیبہ (10) میں موقوفاً ذکر ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترفع الایدی الافی سبع مواطن اذاقام الی الصلوٰۃ واذارأ البیت وعلی الصفا والمروۃ وفی عرفات وفی جمع وعندالجمار اس میں نماز میں فقط عندالتحریمہ رفع الایدی کا ذکر ہے صاحب ہدایہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اعتراض ۱:۔ اس کی سند میں حکم روایت کرتے ہیں مقسم سے حالانکہ حکم عن المقسم فقط چار روایات ہیں جن میں مذکورہ حدیث نہیں۔

جواب:۔ زیلعی نے دیا ہے کہ محدثین کا یہ کہنا کہ حکم کی عن مقسم فقط چار روایات ہیں یہ محدثین کے تتبع کے مطابق ہے ورنہ مسند احمد میں پانچ روایات حکم عن مقسم ہیں ترمذی میں حکم عن مقسم دیگر روایات بھی ہیں اسی طرح زیلعی (11) نے بھی مزید متعدد روایات ذکر کی ہیں۔

اعتراض ۲:۔ اس میں رفعاً ووقفاً اضطراب ہے طبرانی میں مرفوعاً جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں موقوفاً ہے۔

جواب:۔ اس کو اضطراب نہیں کہا جاتا کیونکہ راوی کبھی اس کو مرفوعاً بیان کرتا ہے اور کبھی موقوفاً اور یہ عام ہے۔

دلیل ۴:۔ روی البیھقی (12) فی الخلافیات عن عباد بن زبیر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذافتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ فی اول الصلوٰۃ ثم لم یرفعھا فی شئ حتیٰ یفرغ ابن حجر نے اس حدیث کی تخریج الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ میں کی ہے وقال لینظر فی اسنادہ قال الکشمیری نظرت فی اسنادہ فوجدتہ صحیحاً ہاں اتنا ہے کہ عباد تابعی ہے تو حدیث مرسل ہوئی جو عند

---

(9) بحوالہ مجمع الزوائد ص: ۲۶۹ ج: ۲ رقم حدیث ۲۵۸۱ (10) ص: ۲۳۷ ج: ۱ ''من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود''

(11) نصب الرایۃ ص: ۳۶۹ و ۴۰۷ ج: ۱ ''ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ'' (12) بحوالہ نصب الرایۃ ص: ۴۸۷ ج: ۱

الجمہور حجت ہے۔اس کے علاوہ طحاوی (13) اور مصنف ابن ابی شیبہ ص:۶ ۲۳ پر نے صحابہؓ کے آثار بھی نقل کئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ وتابعین کی ایک بڑی جماعت ترک رفع یدین پر عمل پیرا تھی حضرت عمر وعلی وابن مسعود جس کی حدیث ترمذی میں بھی مروی ہے حتیٰ کہ ابن عمر جو راوی رفع یدین ہے ان سے بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انکا عمل ترک رفع یدین کا تھا۔ قال مجاهد صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الافي التكبيرة الاولى من الصلوٰة۔ مسند حمیدی میں بھی ابن عمرؓ سے عدم رفع ثابت ہے۔

"حدثنا الحميدی قال ثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبدالله عن ابيه قال:رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاافتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه واذاارادان يركع وبعد مايرفع رأسه من الركوع فلايرفع ولابين السحدتين"

اس پر محشی لکھتے ہیں۔''ولم يتعرض احد من المحدثين لرواية الحميدي هذه''یعنی کسی نے اعتراض اس پر نہیں کیا ہے۔(ص:۲۷۷رقم حدیث:۶۱۴المکتبۃ السلفیہ المدینۃ المنورۃ)

طحاوی اور مسند حمیدی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں بھی ہے بیہقی نے خلافیات میں اس کو مرفوعاً بھی روایت کیا ہے کہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه اذاافتتح الصلوٰة ثم لايعود۔

طحاوی کی روایت پر اعتراض ہے کہ اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہے جن کا حافظہ اخیر عمر میں کمزور ہوا تھا۔

جواب:۔یہ بخاری کے رجال میں سے ہے اور بالاتفاق ثقہ ہے اگر چہ آخری عمر میں مختلط ہوئے تھے مگر یہ روایت ان سے ان کی جوانی کی ہے کہ اس کا راوی احمد بن یونس ہے جو ان سے ان کی جوانی میں یعنی قبل الاختلاط روایت لیتے تھے۔

اعتراض۲:۔طاؤس ابن عمر کا فعل رفع یدین نقل کرتا ہے۔(15) اگر چہ مجاہد ترک کا نقل کرتے ہیں تو تعارض ہوا تو فیصلہ ان کے قول کو دیکھ کر کیا جائیگا۔اور قول ان کا رفع یدین کا ہے۔

---

(13) شرح معانی الآثار ص:۱۶۳ ج:۱''باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ'' (14) ص:۶ ۲۳ ج:۱

(15) کمافی شرح معانی الآثار ص:۱۶۳ ج:۱ایضاً نقلہ عبدالرزاق فی مصنفہ ص:۶۹ ج:۲ رقم حدیث ۲۵۲۵

جواب:۔ طاؤس نے ابن عمر کی ابتدائی عمر کا عمل نقل کیا ہے جو رفع کا ہے بعد میں جب ابن عمر کو ترک کا اولیٰ ہونا ثابت ہو گیا تو ترک کے قائل ہوئے اور مجاہد نے یہی آخری عمل نقل کیا اور یہ ممکن نہیں کہ اول عمر میں ترک رفع یدین کیا ہو اور اخیر عمر میں رفع یدین کیا کیونکہ امام مالکؒ ترک کے قائل ہیں اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نہیں کرتے تھے اور اہل مدینہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ ابن عمر نہیں کرتے تھے۔

ترمذی کے اس صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین ترک کے قائل تھے قائلین رفع چونکہ معدود محصور تھے تو وبہ یقول عبد اللہ بن المبارک والشافعی واحمد واسحٰق کہکر چار گنا دیئے لیکن چونکہ قائلین ترک لاتعد ولاتحصی تھے تو بہ یقول غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول اہل الکوفۃ کہنے پر ہی اکتفاء کیا۔

محلی ابن حزم میں تصریح ہے کہ رفع وعدم رفع دونوں ثابت ہیں غیر مقلدین کو چاہیئے کہ اپنے پیشوا کی بات مان لیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"فان قيل فهلااو جبتم بهذاالاستدلال نفسه رفع اليدين عند كل رفع و خفض فرضاً؟ قلنا قد صح ان رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يرفع يديه عند كل خفض ورفع وانه لايرفع' حدثناحمام ثناعباس بن اصبغ ثنامحمد بن عبدالملك ابن ايمن ثنامحمد بن اسماعيل الصائغ ثنا زهير بن حرب ابو خيثمة ثناوكيع عن سفيان الثورى عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمن ابن الاسود عن علقمة عن عبدالله بن مسعودؓ قال: الااريكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لم يعد" فلماصح انه عليه السلام كان يرفع فى كل خفض ورفع بعد تكبيرة الاحرام ولايرفع كان كل ذالك مباحاً لافرضاً وكان لناان نصلى كذالك فان رفعنا صلينا كماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى وان لم نرفع فقدصلينا كماكان عليه السلام يصلى"

(ص:۲۳۵ ج:۳'۴ دارالافاق الجدیدۃ بیروت)

جہاں تک رفع یدین کے بارے میں روایات کا تعلق ہے تو سنداً یہ روایات اگرچہ بعض متکلم فیہا ہیں مگر

باب کی ابن عمر کی حدیث سنداً نہایت مضبوط ہے اور بلاشبہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا ہے اس کے باوجود عندالحنفیہ ترک اولی ہے کیونکہ ایک تو رفع کی احادیث باہم متعارض ہیں کسی میں فقط عندالرکوع کسی میں عندالرفع من الرکوع کسی میں عندالرکوع وعندالرفع منہ دونوں کا ذکر ہے فی البعض عند السجود کسی میں بین السجدتین کسی میں عندالقیام الی الثالثۃ کسی میں عندکل خفض ورفع کا ذکر ہے تو اس پر عمل کیسے کیا جائے۔(16) حتیٰ کہ ابن عمر کی حدیث میں بھی معناً اضطراب ہے وہ اس طرح کہ یہ حدیث چھ طرق سے مروی ہے ایک طریق جو طحاوی (17) وبیہقی میں ہے رفع یدین فقط تحریمہ کے وقت کیا ہے طحاوی کی حدیث اگرچہ موقوفاً مروی ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کہ ابن عمر جب ترک پر عمل پیرا تھے تو لامحالہ حضور علیہ السلام کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہوگا پھر بیہقی میں رفع کی تصریح ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔طریق ثانی مؤطا امام مالک (18) میں ہے جس میں صرف دوجگہ رفع کا ذکر ہے عندالتکبیرۃ الاولی وعندالرفع عن الرکوع۔

تیسرا طریق صحاح ستہ کا ہے جو یہاں ترمذی میں بھی ہے اس میں تین مواضع میں رفع کا ذکر ہے عند الافتتاح عندالرکوع اور عندالرفع منہ چوتھا طریق بخاری (19) میں ہے اس میں قیام الی الثالثۃ کے وقت ہی رفع کا ذکر ہے پانچواں طریق بخاری کی جزء رفع یدین میں ہے جس میں سجدہ جاتے وقت بھی رفع کا ذکر ہے طریق سادس طحاوی (20) میں ہے جس میں عندکل خفض ورفع ورکوع وسجود وقیام وقعود اور بین السجدتین کا بھی ذکر ہے اب اگر سب پر عمل کریں تو یہ کسی کا مذہب نہیں اگر بعض پر عمل کریں تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

عندالشافعیہ اس روایت پر عمل ہے جس میں تین مواضع پر رفع کا ذکر ہے ایک عندالافتتاح ایک عند الرکوع ایک عندالرفع من الرکوع اگرچہ عندالقیام الی الثالثۃ بھی ثابت ہے شافعیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ

---

(16) چنانچہ تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری ص:۱۰۲ ج:۱ ''باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع'' صحیح مسلم ص:۱۶۸ ج:۱ ''باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام الخ'' سنن نسائی ص:۱۵۸ ج:۱ ''باب رفع الیدین للرکوع حذو المنکبین'' ابوداؤد ص:۱۱۱ ج:۱ ''باب رفع الیدین'' ابن ماجہ ص:۶۱ ''باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع الخ'' مصنفہ عبدالرزاق ص:۶۷ ج:۲ (17) شرح معانی الاثار ص:۱۶۳ ج:۱ ''باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ'' اخرجہ البیہقی فی الخلافیات بحوالہ نصب الرایۃ ص:۴۷۱ ج:۱ (18) ص:۵۹ ''افتتاح الصلوٰۃ''

(19) ص:۱۰۲ ج:۱ ''باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین'' (20) ص:۱۶۲ ج:۱

یہ منسوخ ہے ہم کہتے ہیں کہ عند الرکوع وعند الرفع منہ بھی منسوخ یا متروک ہے حالانکہ کوئی ایسی حدیث ہے نہیں جس میں یہ ہو کہ عند القیام الی الثالثۃ منسوخ ہے اور عند الرکوع والرفع منہ منسوخ نہیں تو ہم کہتے ہیں عند الرکوع بھی منسوخ ہے اور اس نسخ کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں ابوداؤد (21) کی تصریح کی مطابق کئی تبدیلیاں ہوئی ہیں شروع میں کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا پھر عمل کثیر جائز تھا وہ بھی منسوخ ہوا اور صحابہؓ پہلے سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے وہ بھی منسوخ ہوا کما فی روایۃ مسلم (22) اسی طرح وقوموا للہ قانتین کے حکم کی وجہ سے بتدریج رفع ایدی کی تمام صور منسوخ ہیں صرف عند الافتتاح باقی رہی جس پر اجماع امت ہے البتہ قال الشافعیہ فی الجواب کہ رفع عند الرکوع وعند القیام من الرکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تھا تو منسوخ کیسے ہوا۔ ابن عمر کی حدیث ہے فمازالت تلك صلوٰته حتیٰ لقی اللّٰه تعالیٰ رواه البیهقی فی سننه۔(23)

جواب:۔ یہ زیادتی موضوعی ہے کہ اس کے ناقلین میں عصمہ بن محمد انصاری دوسرے عبد الرحمٰن بن قرش ہیں اور دونوں وضاع ہیں اس کے علاوہ حنفیہ ابن مسعود کی حدیث کو بہ چند وجوہ ترجیح دیتے ہیں۔

۱۔ ترک رفع یدین اوفق بالقرآن ہے قال اللّٰہ تعالیٰ وقوموا للّٰہ قانتین۔

۲۔ ابن مسعود کی حدیث میں کہیں اختلاف عمل نہیں پایا جاتا جبکہ ابن عمر کی حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے اور ان کے عمل میں بھی اور وہ روایت جس میں راوی کا عمل اپنی روایت کے مطابق ہو اولی ہوتی ہے بہ نسبت اس حدیث کے جس میں راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو۔

۳۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جس عمل پر ابن عمر و ابن مسعود موافق ہو جائیں تو وہ نہایت قوی ہوتا ہے اور اگر ان میں اختلاف ہو تو ترجیح ابن مسعود کے قول کو دی جائے گی اور ترک رفع پر دونوں متفق ہیں۔

۴۔ مسلم (24) میں ہے کہ صحابہؓ کا علم چھ میں مجتمع تھا عمر و علی و ابن مسعود و ابی بن کعب و زید بن ثابت

---

(21) دیکھئے ص:۱۴۰ و ۱۴۱ ج:۱ (22) ص:۱۸۱ ج:۱ ''باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والنھی عن الاشارۃ بالید الخ''

(23) بیہقی کبری ص:۷۶ ج:۲ ''باب التکبیر للرکوع وغیرہ'' عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ: فلم تزل تلک صلوتہ حتیٰ لقی اللہ عز وجل (24) لم اجدہ فی صحیح مسلم لکن روی ہذہ الروایۃ العلامۃ البنوری فی معارف السنن بحوالہ مستدرک حاکم وشرح الفیۃ وغیرہ ص:۴۸۶ ج:۲

وابوالدرداء اس میں ابن عمر کا نام شامل نہیں جبکہ ابن مسعود کا ہے لہٰذا انکی روایت راجح ہے۔

۵۔ کوفہ جو علم کا مرکز تھا اسی طرح مدینہ منورہ میں ترک رفع یدین پر عمل تھا بلکہ ترمذی کی تصریح کے مطابق ترک رفع جمہور صحابہ وتابعین کا مذہب ہے۔

۶۔ نماز کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بتدریج سختی آئی ہے سلام میں ہاتھ اٹھانے سے روکا تو ترک رفع اس کے ساتھ بھی انسب ہے۔

مناظرہ بین امامین:۔

ایک مرتبہ (25) امام ابوحنفیہ اور امام اوزاعی مکہ میں جمع ہوئے اوزاعیؒ نے ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ اہل عراق عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع رفع یدین کیوں نہیں کرتے قال ابوحنفیہ لانہ لم یصح فیہ شئی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو سالم عن المعارض ہو۔

قال الاوزاعی: کیف لایصح وقد حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ اذاافتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ۔قال ابوحنیفہ فی جوابہ: وحدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایرفع یدیہ الاعند افتتاح الصلوٰۃ ولایعود لشئ من ذالک۔قال اوزاعی: احدثک عن الزہری عن سالم عن ابیہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم عن علقمہ۔

یعنی میرے اور صحابی کے درمیان دو واسطے ہیں اور آپ کے اور صحابی کے درمیان تین واسطے ہیں۔گویا زہری عن سالم عن ابیہ کہہ کر اوزاعی علوسند کی وجہ سے اپنی روایت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔

قال ابوحنفیہ کان حماد افقہ من الزہری وابراہیم افقہ من سالم وعلقمہ لیس بدون ابن عمر فی الفقہ وان کانت لابن عمر صحبۃ ولہ فضل وعبد اللہ ہوعبد اللہ

یعنی ابوحنیفہؒ نے ترجیح کی بنیاد فقاہت رواۃ کو ٹھہرایا اور یہ فقط ابوحنفیہ کا اصول نہیں بلکہ بہت سارے

---

(25) اس مناظرہ کو امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی نے جامع المسانید ص:۳۵۲ میں ذکر فرمایا ہے ایضاً امام سرخسی نے المبسوط ص:۱۴ ج:۱ ''مکتبہ دار الفکر'' پر ذکر فرمایا ہے۔

محدثین کا اصول ہے۔

ابونعیم حلیہ میں اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب (26) میں ذکر کیا ہے کہ قابوس بن ابی ظبیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ صحابہ کی موجودگی میں آپ علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اصحاب نبی کو اس کے پاس آ کر اور مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا ہے اس سے علقمہ کی اعلی فقاہت ظاہر ہوتی ہے ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ اوزاعی جواب پر خاموش ہوئے۔

تدریب الراوی میں حافظ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے کسی نے کہا کہ آپ سفیان بن عیینہؒ کو چھوڑ کر (امام) شافعیؒ کے درس میں کیوں جاتے ہیں؟ امام احمدؒ نے فرمایا: خاموش رہو! تم نہیں سمجھتے ہو کہ وہ سند تو مجھے کسی قدر نزول کے ساتھ مل جائے گی جو اتنا بڑا نقصان نہیں، لیکن اگر میں اس نوجوان (امام شافعیؒ) کی عقل وفہم سے فائدہ نہ اٹھا سکوں تو اس کا تدارک کسی دوسری جگہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔

باب ماجاء فی وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع

رجال:۔

ابو حصین بفتح الحاء وکسر الصاد نام عثمان بن عاصم الکوفی ہے ثقۃ من الرابعہ ہیں کبھی کبھی تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ وفات ۱۲۸ھ ہے۔

ابو عبدالرحمن السلمی بفتح السین واللام یہ کنیت ہے نام عبداللہ بن حبیب الکوفی ہے مشہور بکنیتہ ثقۃ ولابیہ صحبۃ۔☆

تشریح:۔

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا جائے پھر انگلیاں کھول دے تا کہ گھٹنوں کو پکڑ سکے اتنے فاصلہ سے بھی نہ کھولے کہ رخ انگلیوں کا قبلے سے ہٹ جائے یہ بالاتفاق مسنون ہے تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر (کالملتجی الی احد) عند البعض وعند البعض بالتشبیک وعند البعض بغیر التشبیک

---

(26) تہذیب التہذیب ص:۲۷۸ ج:۷

دونوں گھٹنوں کے درمیان کردے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں نیل الفرقدین میں کہ بغیر تشبیک والا قول زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ تشبیک سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خارج از صلوٰۃ کہ جب آدمی نماز کے لئے جارہا ہو منع فرماتے تھے تو صلوٰۃ میں تشبیک کیسے کرسکتے ہیں عندالجمہور تطبیق منسوخ ہے دلیل نسخ قال الترمذی انهم كانوا يطبقون والتطبيق منسوخ ۔اور حضرت سعد کی روایت ذکر کی ہے قال سعد بن ابی وقاص کنا نفعل ذالک فنهينا عنه وامرنا ان نضع الاكف على الركب۔ مصنف عبدالرزاق (1) میں ہے کہ علقمہ واسود دونوں نے ابن مسعود کے پیچھے نماز پڑھی تو ابن مسعود نے تطبیق کی بعد میں عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے تطبیق سے روکا البتہ اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا معلوم ہوا کہ وضع الیدین علی الرکبتین واجب نہیں ورنہ اعادے کا حکم دیتے۔ بعض روایات (2) سے معلوم ہوتا ہے کہ تطبیق شروع میں یہود کی وجہ سے کرتے تھے کیونکہ شروع شروع میں جب کسی مسئلہ میں کوئی حکم نہ آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی مشابہت کو پسند فرماتے بعد میں منع کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تطبیق میں چونکہ حرج تھا تو اس لئے اس کو منسوخ قرار دیا جیسے کہ سجدے میں صحابہ کو مشقت محسوس ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہنیوں کو فخذین پر رکھ کر قوت حاصل کرو البتہ ابن مسعود تطبیق ہی کیا کرتے تھے مصنف بن ابی شیبہ (3) میں ہے کہ علی نے تطبیق و ترک تطبیق میں اختیار دیا۔

بعض اہل ظواہر اس مسئلہ میں ابن مسعود پر تنقید کرتے ہیں کہ ان کو تطبیق کے نسخ کا علم نہ ہوسکا۔

جواب:۔ یہ ہے کہ ابن مسعود مجتہد تھے چونکہ تطبیق میں مشقت زیادہ ہوتی ہے تو اس کو عزیمت سمجھ کر اس پر عمل پیرا رہے اور وضع الیدین علی الرکبتین کو رخصت سمجھتے رہے گویا ان کے نزدیک کوئی حکم منسوخ نہیں۔

جواب۲:۔ یہ ان کی خصوصیت ہے مسند احمد (4) میں ہے کہ ابن مسعود ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کے لئے پتھر وغیرہ منگوائے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور اس میں تطبیق کی تو ابن مسعود نے اس کو اپنا عمل بنادیا جیسے ابو محذورہ کی خصوصیت ترجیع فی الاذان یا ان بالوں کا نہ منڈوانا جن

باب ماجاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع

(1) ص:۱۵۲ ج:۲ رقم حدیث ۲۸۶۶ ''باب كيف الركوع والسجود'' ایضاً ص:۱۶۷ ج:۲ رقم حدیث ۲۹۵۲ (2) دیکھئے معارف السنن ص:۲ ج:۳ (3) ص:۲۴۵ ج:۱ ''من كان يقول اذا ركعت فضع يديك على ركبتك'' (4) ص:۱۳ ج:۲ رقم حدیث ۳۵۸۸

پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا تھا۔

اگر تسلیم بھی کریں تب بھی اہل ظواہر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ تطبیق رکوع میں ہوتی ہے جو اخفاء کی حالت ہے اور رفع یدین قیام کی حالت میں ہوتا ہے جو علانیہ ہے لہٰذا قیاس مع الفارق ہے۔

باب ماجاء فی انه یجافی یدیه عن جنبیه فی الرکوع

رجال:۔

ابو عامر العقدی بفتح العین والقاف نام عبدالملک بن عمر ہے ثقہ ہیں۔

فلیح بضم الفاء مصغر ہے بعض کہتے ہیں کہ فلیح لقب ہے نام عبدالملک ہے۔ صدوق کثیر الخطاء من السابعۃ وفات ۱۶۸ھ کو ہوئی۔

عباس بن سهل بن سعد السعدی ثقہ من الرابعۃ۔☆

ربط:۔

پہلے باب میں ہاتھ رکھنے کی جگہ کا بیان تھا دوسرے باب میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت کا بیان ہے۔

ابوحمید راوی ہیں وتر کمان کا وتر مراد ہے چونکہ حالت رکوع میں بندہ ٹیڑھا ہوتا ہے اور ہاتھ سیدھے ہوتے ہی تو کمان کی طرح ہوتا ہے اور اس ہیئت کا اصل مقصد یہ ہے کہ کمر سیدھی ہونی چاہیے۔ ابن ماجہ (1) میں وابصہ بن معبد کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع کرتے ہوئے دیکھا تو کمر اس طرح سیدھی تھی کہ اگر اوپر پانی گرایا جاتا تو وہ نیچے نہ گرتا۔ کنز العمال میں عن علی قال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر اس طرح سیدھی ہوتی کہ اگر پانی سے بھرا ہوا پیالہ کمر پر رکھا جاتا تو پانی نہ گرتا کمر کا سیدھا ہونا ضروری ہے نیز پاؤں کی پشت پر نگاہ جمائے رکھے تاکہ سر بھی متوازی ہو۔

باب ماجاء انه یجافی یدیه عن جنبیه فی الرکوع

(1) ص:۶۲ ''باب الرکوع فی الصلوٰۃ'' ایضاً رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ ص:۱۵۴ ج:۲ عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الخ رقم حدیث ۲۸۷۲

باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود

رجال:۔

عن ابن ابی ذئب ثقۃ فقیہ فاضل نام محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ ہے۔
عن اسحاق بن یزید قال فی التقریب مجہول۔ عن عون الکوفی ثقۃ من الرابعۃ۔☆

تنقیح المذاہب:۔

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رکوع میں ذکر ہے لیکن کیا ہے اور کونسا ہے؟ تو شافعی واحمد کے نزدیک امام کے لئے سبحان ربی العظیم کہنا چاہئے وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد (1) میں عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ لما نزلت ھذہ الایۃ فسبح باسم ربك العظیم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوھا فی رکوعکم البتہ اگر آدمی منفرد ہوتو کوئی بھی ذکر کرسکتا ہے فرض نماز ہو یا نفل نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں یہی تسبیح کہے گا امام ہو یا منفرد نفل میں مرضی ہے کوئی بھی ذکر یا ادعیہ ماثورہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ امر نوافل موسع ہے یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ رکوع میں تسبیحات پڑھے اور ادعیہ مکروہ ہے سجدے میں اختیار ہے چاہے تسبیحات پڑھے یا ادعیہ ماثورہ۔ پھر رکوع میں تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے تو اس میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں ایک مشہور ہے کہ تسبیحات مسنون ہیں یہی جمہور کا مذہب ہے (ان کے نزدیک رکوع اور طمانینت فرض ہے جبکہ عندالحنفیہ طمانیہ واجب عندالجمہور طمانیہ کے بغیر رکوع متحقق نہیں ہوگا) تین سے کم تسبیحات مکروہ ہیں تین ادنی سنت ہے سات اکمل سنت اور پانچ درمیانہ ہے پھر اگر منفرد ہے تو مستحب ہے کی تین سے زیادہ مرتبہ کہے البتہ طاق کا لحاظ رکھے امام کے لئے ایک روایت یہ ہے کہ چار تسبیحات کہے گا تا کہ مقتدی کو تین کہنے کا موقع مل سکے دوسرا قول یہ ہے کہ تین سے زیادہ نہ کہے کما سیأتی۔ دوسری روایت تسبیحات ثلاثہ کے وجوب کی ہے یہی

باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود

(1) ص:١٣٣ ج:١ "باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ"

5/2

ایک روایت احمد واسحٰق وداؤد ظاہری کی بھی ہے اگر سہواترک کرے تو اعادہ نہیں ہوگا اگر چہ سجدہ سہو ہوگا عمداًترک کرنے پر اعادہ واجب ہوگا حنفیہ کا تیسرا اور شاذ قول فرضیت کا ہے کہ تسبیحات فرض ہیں۔

امام احمدؒ اور وہ حنفیہ جو وجوب کے قائل ہیں استدلال باب کی روایت سے کرتے ہیں کہ اس میں رکوع کے تمام کو تسبیحات پر موقوف کیا۔

جواب:۔ یہ روایت منقطع ہے خود ترمذی فرماتے ہیں قال ابوعیسی حدیث ابن مسعود لیس اسنادہ بمتصل عون بن عبداللہ بن عتبہ لم یلق ابن مسعود ابوداؤد نے بھی یہی کہا ہے ہاں اس سے سنیت ثابت ہوسکتی ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

جمہور کہتے ہیں کہ مسیٔ فی الصلوٰۃ کو رکوع تک کا طریقہ بتایا تسبیحات کا طریقہ نہیں بتلایا معلوم ہوا کہ واجب یا فرض نہیں۔

وروی عن ابن المبارك الخ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ امام کو پانچ تسبیح کہنی چاہئے تاکہ مقتدی تین پوری کرسکیں لیکن حنفیہ کی بعض کتب فقہ میں ہے کہ امام کو تخفیف کا حکم ہے لہٰذا تین سے زیادہ نہ پڑھے رہا یہ کہ مقتدی نہ پڑھ سکے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے فتلک بتلک چونکہ امام پہلے اٹھتا ہے مقتدی بعد میں تو جتنا موقع مقتدی کو ملتا ہے اتنا ہی امام کو یا برعکس۔

عن حذیفة الحدیث امام شافعی واحمد کے نزدیک فرائض میں اگر آیت رحمت آجائے تو ٹھہر کر جنت کے حصول کی دعا مانگنی چاہئے اور آیت عذاب آئے تو ٹھہر کر اس سے پناہ مانگنی چاہئے نفل ہو یا فرض منفرد ہو یا امام استدلال اس حدیث سے کرتے ہیں وفیہ وما اتی علی آیة رحمة الا وقف وسال وما اتی علی آیة عذاب الا وقف وتعوذ۔ حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک یہ نفل پر محمول ہے۔

شامی میں ہے کہ امام یہ نہیں کرے گا کیونکہ انقطاع تلاوت لازم آئے گا دوسری بات یہ ہے کہ اس کو حکم ہے تخفیف صلوٰۃ کا اور مقتدی کو انصات اور استماع کا حکم ہے اگر دعا یا تعوذ کہے گا تو یہ فوت ہوجائے گا کذا فی الہدایہ۔

تراویح کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں بھی آیت رحمت پر دعا اور آیت عذاب پر تعوذ نہیں کرنا چاہئے

قیاساً علی الفرائض صلوٰۃ اللیل میں اگر آدمی منفرد ہے یا ایک دو مقتدی ہیں جو طوالت پر راضی ہیں تو گنجائش ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کے مذکورہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ اللیل پر محمول ہے جیسے کہ مسلم (2) کی روایت میں اس کی تصریح ہے صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ۔

باب ماجاء فی النھی عن القراءۃ فی الرکوع والسجود

باب کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ حنین مصغر ہے۔

قسی منسوب ہے قس کی طرف وقیل قس بالکسر کی طرف وقیل منسوب الی القز ثم ابدلت الزاء بالسین فصار قسأ قریۃ بالمصر وہ کپڑا جو ریشم کی ایک قسم سے بنا ہو یا ریشم کی ملاوٹ اس میں ہو۔

معصفر جو کہ عُصفُر نامی نبات سے رنگا ہو تختم ذہب سے مردوں کو روکا گیا ہے عورتوں کے لئے اجازت ہے رکوع میں قرآن پڑھنا بالاتفاق ممنوع یعنی مکروہ ہے قال الترمذی وہو قول اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدہم کراہیۃ عند البعض تحریمی وعند البعض تنزیہی ہے۔ اگر کسی نے رکوع میں قراءت کی تو نماز باطل نہیں ہوتی یہی مختار عند الحنفیہ ہے اور نہ سجدہ سہو واجب ہوگا اگر کراہت سے مراد تنزیہی ہو تو سجدہ سہو کے عدم وجوب کی وجہ ظاہر ہے اور اگر کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہو پھر بھی سجدہ نہیں ہوگا کیونکہ ترک قراءت فی الرکوع واجبات صلوٰۃ میں سے نہیں بلکہ واجبات قرآن میں سے ہے مثالہ ما قال الفقہاء کسی نے قرآن کی سورتوں کی بغیر ترتیب قراءت کی یعنی مثلاً اول رکعت میں سورۃ الناس اور ثانی میں سورۃ الفلق پڑھی تو سجدہ واجب نہیں کیونکہ لزوم ترتیب یہ احکام نظم قرآن میں سے ہے نہ کہ صلوٰۃ میں سے پھر رکوع میں قرآن کی کراہت تو عند البعض یہ امر تعبدی ہے شارع نے ہر رکن کے لئے کچھ اذکار متعین کر دیئے ہیں عقل اس کی حکمتوں تک رسائی نہیں کر سکتی قیام میں قراءت کو رکھا کہ قیام خدمت کی اعلیٰ ہیئت ہے اور قرآن صفت باری ہے تو اعلیٰ ہیئت خدمت میں اعظم واعلی الاذکار یعنی قرآن رکھا اور جب قرآن اس کے ساتھ مخصوص ہوا تو باقی ارکان میں قرآن نہیں پڑھا جائے گا عند البعض یہ امر معقول ہے کہ رکوع وسجود کی حالت حالت تذلل ہے اور کلام تعالیٰ عظیم الشان

(2) صحیح مسلم ص: ۲۶۴ ج: ۱ ''باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلوٰۃ اللیل''

ہے اور عظیم کلام کو تذلل کی حالت میں تلاوت کرنا خلاف شان ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے قرآن سنتے ہیں اور رکوع وسجود میں تسبیح پڑھتے ہیں تو مصلی اگر قرآن پڑھے تو ان کو سننے کا موقع نہیں ملے گا اور اگر قرآن سنیں تو تسبیح نہیں پڑھ سکیں گے۔ چوتھا قول رکوع وسجود میں تسبیحات ہوتی ہیں جو کلام العبد ہے تو قرآن نہ پڑھا جائے تا کہ کلام اللہ اور کلام العبد میں التباس نہ ہو۔

باب ماجاء فی من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود

رجال:۔

عماره بن عمیر التیمی الکوفی ثقة ثبت۔ عن ابی معمر یہ بھی کوفی اور ثقہ ہیں نام عبداللہ بن سخبرہ ہے۔
ابی مسعود الانصاری البدری اسمه عقبه بن عمرو کماقاله الترمذی مات قبل الاربعین وقیل بعده۔☆

کمر اگر سیدھی نہ ہو تو نماز نہ ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ نماز اصلاً نہیں ہوتی کما ہو قول الائمۃ الثلاثۃ یا نماز کامل نہیں ہوتی کما ہو قول الحنفیۃ۔

اس حدیث سے فقہاء نے تعدیل ارکان کا حکم مستنبط کیا ہے مشہور یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے لیکن دونوں طرف اس میں کچھ تفصیل ہے حنفیہ کا مشہور قول وجوب کا ہے جس کی تخریج کرخی نے کی ہے دوسرا قول اخرجہ الجرجانی تعدیل کی سنیت کا ہے یہ غیر مشہور ہے۔ طحاوی (1) کی تخریج یہ ہے کہ تعدیل فرض ہے امام نووی وحافظ ابن حجر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک طمانینت جو فرض ہے اس کی مقدار یہ ہے کہ رکوع وسجود میں اتنی دیر لگے کہ جانے اور اٹھنے کی حرکت میں فرق واضح ہو جائے یعنی ہر مفصل اپنے مقام تک پہنچ جائے عینی کی تحقیق کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بھی انقطاع

باب ماجاء فی من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود

(1) ص:۱۶۷ ج:۱ "باب مقدار الرکوع والسجود والذی لایجزی اقل منه"

الحرکت کے بقدر طمانیہ فرض ہے اور بقدر ایک تسبیح واجب ہے اور بقدر تین تسبیحات سنت ہے اور اس کو امام شافعی وثوری ومالک واوزاعی کا مذہب قرار دیا ہے امام احمد واسحٰق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک تین تسبیحات کے بقدر ٹھہرنا فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ طمانیہ کی تفسیر ہر امام کے نزدیک الگ ہے۔ بہر حال عند ائمہ ثلاثہ طمانیہ فرض ہے اور حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے لاتجزی صلوٰۃ الحدیث معلوم ہوا کہ نماز صحیح ہی نہیں۔

دلیل ۲:۔ خلاد بن رافع کی روایت (2) ہے کہ انہوں نے نماز میں تخفیف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارجع فصل فانك لم تصل دو یا تین مرتبہ یہ عمل دہرایا معلوم ہوا کہ طمانیت فرض ہے کیونکہ اعادہ کرایا حنفیہ کے نزدیک طمانیہ واجب ہے اور تارک پر نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے مگر نماز باطل نہ ہوگی۔

دلیل ا:۔ قرآن میں ''وارکعوا واسجدوا'' (3) میں سجدے اور رکوع کا حکم ہے اور رکوع انحناء کو کہتے ہیں اور سجدہ وضع الجبہۃ علی الارض کو کہا جاتا ہے اور حدیث خبر واحد ہے اس سے زیادتی علی کتاب اللہ نہیں کر سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اثبات فرض کے لئے نص کا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونا ضروری ہے جو خبر واحد میں مفقود ہے لہٰذا اس سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

دلیل ۲:۔ باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ میں رفاعہ بن رافع کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک آدمی بدوی کی طرح آیا نماز پڑھی فاخف صلوٰتہ نماز پڑھ کر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا۔

ارجع فصل فانك لم تصل وفیه اذافعلت ذالك فقد تم صلوٰتك وان انتقصت منه شیئاً انتقصت عن صلوٰتك قال وكان ذالك اهون علیهم من الاولی۔

---

(2) اس واقعہ کو امام بخاری نے صحیح بخاری ص:۱۰۹ ج:۱ ''باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ'' کے تحت اور ص:۹۲۴ ج:۲ اور ص:۹۸۶ ج:۲ ''باب اذا حنث ناسیا'' کے تحت لایا ہے۔ ایضاً امام احمد نے بھی اپنے مسند ص:۱۹ رقم حدیث ۱۹۰۱۷ اور ۱۹۰۱۹ میں ذکر فرمایا ہے۔ ایضاً امام ترمذی نے بھی ''باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ'' کے تحت یہ حدیث لائی ہے۔

(3) سورۃ الحج آیت: ۷۷

یعنی پہلے بار صحابہؓ یہ سمجھے کہ تعدیل کے تارک کی صلوٰۃ صحیح نہیں ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں نقصان صلوٰۃ ہوگا ولم تذہب کلہا معلوم ہوا کہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے ورنہ ساری نماز ہی ختم ہوجاتی۔

حنفیہ کی طرف سے باب کی حدیث کا جواب بھی یہی ہے کہ لاتجزی سے مراد نفی کامل نماز ہے گویا صلوٰۃ میں تنوین تعظیم کے لئے ہے کہ نماز کامل نہیں ہوگی نفس فراغ ذمہ ہوجائے گا۔

باب مایقول الرجل اذارفع رأسه عن الركوع

رجال:۔

الماجشون یہ لقب ہے نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ یہ معرب ہے ماہ کون سے ای شبہ القمر مدنی نزیل البغداد ہیں۔فقیہ اور ثقہ ہیں خلق کثیر نے ان سے روایات لی ہیں۔

عمی ان کا نام یعقوب بن ابی سلمہ ہے صدوق ہیں۔عبداللہ بن ابی رافع ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

سمع کا معنی ہے قبول کیا ربنا ولک الحمد میں واؤ یا زائد یا عطف کے لئے ہے یہاں پڑھنے کے چار طریقے ہیں۔۱) اللّٰهم ربنا ولك الحمد ۔۲) اللّٰهم ربنالك الحمد ۔۳) ربناولك الحمد۔۴) ربنالك الحمد ۔ جسمیں حروف جتنے زیادہ ہونگے وہ زیادہ افضل ہے۔ملأ السموات والارض ملأ یا منصوب علی الحال ہے اور یا مرفوع صفت للحمد ہے بعض نے اسکا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر حمد ذی جسم چیز ہوتی تو اتنی حمد مراد ہے جس سے زمین وآسمان بھرجائے لیکن حمد کے لئے کوئی جسم ہے ہی نہیں تو مقصود مبالغہ ہوگا مگر آج کل کی تحقیق کے مطابق الفاظ فضاء میں پھیل جاتے ہیں کیونکہ ہر ہوا اپنی مجاور ہوا کو اس کیفیت کے ساتھ متکیف کرتی ہے اس کیفیت صوتی کے ساتھ تو پوری فضا بھرجاتی ہے۔ملأ ماشئت من شئ بعد یعنی آسمانوں اور زمینوں کے علاوہ عرش وکرسی مراد ہیں۔

آسمانوں کی ہیئت حکماء کے نزدیک مدور ہے پیاز کی طرح مگر پیاز میں تجویف نہیں ہے اور آسمانوں

میں تجویف ہے اور عبد البعض الاسلامین نصف دائرہ کی مانند ہیں۔ قال الشیخ الاکبر کہ قرآن میں سات آسمانوں کے ذکر سے نفی ماعدالازم نہیں آتی گیارہ یا نو آسمان ہیں زمینوں میں تجویف ہے یا نہیں تو بعض روایات سے ان کی تجویف بھی معلوم ہوتی ہے۔

امام احمدؒ وشافعیؒ کے نزدیک فرض ونفل دونوں میں مذکورہ دعاء پڑھ سکتا ہے ہمارے نزدیک اس قسم کی ادعیہ محمول علی النوافل ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مسلم (1) کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ ربنا لک الحمد پر اضافہ صلوٰۃ اللیل میں فرمایا کیونکہ اس کی تخریج صلوٰۃ اللیل میں کی۔ ہمارے نزدیک امام اسلئے نہ پڑھے کہ وہ مامور بالتخفیف ہے اور اس سے تطویل ہوگی منفرد یا مقتدی کہہ سکتا ہے بشرطیکہ مقتدی کو موقع ملتا ہو۔

باب منه آخر

رجال:۔

الانصاری سے مراد اسحق بن موسی ہے کما تقدم منا۔

سمی بضم السین وفتح المیم وتشدید الیاء مولی ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث ثقہ ہیں۔

ابی صالح ان کا نام ذکوان السمان الزیات ہیں ثبت من اوساط التابعین۔☆

تنقیح المذاہب:۔

ابوحنیفہؒ و مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک امام کا وظیفہ تسمیع مقتدی کا تحمید منفرد کا وظیفہ دونوں ہیں صاحبین کے نزدیک امام دنوں کہے گا البتہ تحمید آہستہ کہے گا وحسنہ بعض مشائخ الحنفیہ۔ شافعی واسحٰق وابن سیرین کے نزدیک امام ومقتدی دونوں تسمیع وتحمید کہیں گے کما نقل الترمذی قال ابن حجر ولکن لم یصح فی ذالک شیٔ ای فی الجمع بینہما للماموم۔

باب مایقول الرجل اذارفع رأسه عن الركوع

(1) صحیح مسلم ص:۲۶۴ ج:۱ ''باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعائہ باللیل''

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ابو ہریرہ کی مذکورہ حدیث سے ہے کہ اس میں امام ومقتدی کے درمیان ہر ایک کی ڈیوٹی تقسیم فرمائی ہے کہ امام تسمیع کہے گا لہذا مقتدی نہیں کہے گا اور مقتدی تحمید کہے گا تو امام تحمید نہیں کہے گا کیونکہ شرکت منافی قسمت ہے۔

باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود'

باب آخر

رجال:۔

سلمہ بن شبیب الحافظ نزیل مکہ ابو حاتم نے کہا صدوق وقال ابونعیم احد الثقات مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی اورابن ماجہ کے راوی ہیں۔عبداللہ بن منیر روی عنہ البخاری وقال لم ار مثلہ نسائی نے بھی توثیق کی ہے۔

احمد بن ابراہیم البغد ادی ثقہ وحافظ ہیں۔یزید بن ہارون ثقہ عابد۔تاہم یہ روایت افرادشریک میں سے ہونے کی وجہ سے کمزور ہے یہی وجہ ہے کہ بعض شراح نے امام ترمذی کی تحسین پر اعتراض کیا ہے۔☆

اس ترجمۃ الباب میں وضع الیدین قبل الرکبتین کا ذکر ہے بعض نسخوں میں وضع الرکبتین قبل الیدین کا ذکر ہے یہی انسب بالحدیث ہے کہ حدیث میں بھی وضع الرکبتین قبل الیدین کا ذکر ہے۔

چونکہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے اس لئے ترمذی نے اپنے صنیع کے مطابق دو باب قائم کردیئے اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ واحمدؒ وابوحنیفہؒ وفی روایۃ عن مالکؒ اور جمہور کے نزدیک پہلے گھٹنے پھر ہاتھ رکھے جائیں گے فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدے میں جاتے وقت زمین سے زیادہ قریب اعضاء پہلے رکھے یعنی پہلے گھٹنے پھر یدین پھر انف پھر جبہہ اور اٹھتے وقت اس کے برعکس جو عضو زیادہ دور ہو اس کو اٹھانا چاہیئے یعنی پہلے جبہہ پھر انف پھر یدین پھر رکبتین۔

دوسرا مسلک امام مالکؒ کا ہے جو اس کے برعکس ہے یعنی پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھے۔ایک روایت احمد کی بھی اسی طرح ہے امام مالک واحمد سے ایک روایت تخییر کی بھی ہے۔پھر یہ اختلاف اولیت وعدم اولیت کا

ہے البتہ اگر تنگ خفین پہنے ہوں اور پہلے گھٹنے رکھنا مشکل ہو تو پہلے ہاتھ رکھ لے پہلے دایاں پھر بایاں ہاتھ رکھ لے اسی طرح اٹھتے وقت سجدے سے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سیدھا کھڑا ہونا چاہئے۔

جمہور کا استدلال وائل بن حجر کی روایت سے ہے جو باب ہذا میں مذکور ہے۔

رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه واذانهض رفع یدیه قبل رکبتیه

اس کے علاوہ ابن عمر وابن مسعود کا عمل بھی اسی پر تھا کہ سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ رکھتے۔

امام مالک کی دلیل آئندہ باب کی حدیث عن ابی هریرة ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال یعمد احدکم فیبرك فی صلوته برك الجمل اور اونٹ چونکہ گھٹنے پہلے رکھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ اسطرح نہیں کرو بلکہ ہاتھ پہلے رکھو یعمد میں ہمزہ استفہام للا نکار محذوف ہے یعنی اس طرح نہ کرو۔

جواب ا:۔ جانوروں کی اگلی ٹانگیں ہاتھوں کے قائم مقام ہوتی ہیں تو چونکہ اونٹ پہلے اگلی ٹانگیں رکھتا ہے جو کہ اس کے ہاتھ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ پہلے ہاتھ نہ رکھا کرو۔

جواب ۲:۔ اونٹ کی طرح نہ بیٹھو کہ پہلے ہاتھ رکھو بلکہ گھٹنوں پر رکھ کر سجدے میں جاؤ اس کی تائید بیہقی کی روایت سے ہوتی ہے ولیضع یدیہ علی رکبتیہ مگر یہ دونوں جوابات ضعیف ہیں کیونکہ ان دونوں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ابوداؤد(1) میں اس کے ساتھ ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ کی زیادتی ہے اگرچہ علی الارض کی تصریح نہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ علی الارض ہی مراد ہے لہٰذا یہ جوابات بہتر نہیں۔

جواب ۳:۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اصل میں ولا یضع یدیہ قبل رکبتیہ تھا راوی نے غلطی سے ولیضع کہہ دیا مگر یہ جواب بھی ضعیف ہے کہ روایت پر اگر بغیر دلیل کے بدگمانی شروع ہوگئی تو یقین نام کی کوئی چیز نہ رہے گی۔

باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود وباب اخر منه

(1) ص:۱۲۹ ج:۱ ''باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ''

لہٰذا بہتر جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے ناسخ اسکے لئے صحیح ابن خزیمہ (2) کی روایت ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص قال کنانضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین

جواب۲:۔ اگر منسوخ نہ بھی مانیں تو تب بھی ابو ہریرہ کی حدیث وائل بن حجر کی حدیث سے کمزور ہے۔

باب ماجاء فی السجود علی الجبھة و الانف

رجال:۔

(ابو عامر) العقدی مراد ہے۔ روایت باب کے سارے راوی ثقہ ہیں اس روایت کی تخریج ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بھی کی ہے۔☆

تنقیح المذاہب:۔

اس پر اتفاق ہے کہ سجدہ انف و پیشانی دونوں پر ہونا چاہئے لیکن اگر کسی نے احدہما پر اکتفاء کیا تو سجدہ ہوگا یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے امام احمد اسحٰق وابن حبیب مالکی کے نزدیک کسی ایک پر اکتفاء سے سجدہ ادا نہیں ہوگا امام شافعیؒ و مالکؒ وصاحبینؒ اور جمہور کے نزدیک احدہما اکتفاء پر سجدہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اکتفاء علی الجبہہ ہو تو سجدہ ہو جائے گا اور اگر علی الانف ہو تو نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ وابن القاسم مالکی کے نزدیک احدہما پر اکتفاء سے سجدہ ہو جائے گا اگر چہ یہ مکروہ ہے۔ خلاصہ جمہور کے نزدیک اگر فقط انف پر سجدہ کیا تو سجدہ نہیں ہوگا عند ابی حنیفہؒ ہو جائے گا کراہت کے ساتھ قال ابن ہمام المراد من الکراہۃ کراہۃ التحریم بعض فقہاء احناف کہتے ہیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ سجدہ اکتفاء علی الانف کی صورت میں نہیں ہوگا۔

---

(2) کمافی معارف السنن ص:۳۰ ج:۳

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صاحبین کا قول نہ روایتاً مضبوط ہے نہ درایتاً تو اس پر فتوی کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ اگر یوں کہا جائے کہ سجدہ علی الجبہہ واجب ہے عندہما پھر احدہما پر اکتفاء عندہما بھی مکروہ ہوگا لہٰذا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں رہے گا۔

جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا سجد امکن انفہ وجبہتہ

اور کبھی بھی اکتفاء علی احدہما ثابت نہیں تو احمد وابن حبیب کہتے ہیں کہ اکتفاء علیٰ احدہما سے سجدہ نہیں ہوتا امام مالک وشافعی کے نزدیک اگلے باب سے پیوستہ باب کی حدیث کی وجہ سے فقط پیشانی پر اکتفاء بھی کافی ہے اذا سجد العبد سجد معہ سبعۃ اراب وجہہ الحدیث کیونکہ فقط پیشانی پر سجدے کو سجود علی الوجہ کہا جاسکتا ہے لیکن سجود علی الانف کو سجود علی الوجہ نہیں کہا جاسکتا۔

امام ابوحنیفہ ؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سجدے کا حکم ہے اور سجدہ نام ہے وضع بعض الوجہ علی الارض لاعلی وجہ السخریۃ کیونکہ خدین عینین ذقن اور فم کا سجدہ نہ مطلوب ہے نہ ممکن ہے لہٰذا مراد بعض الوجہ ہے اور انف بھی بعض الوجہ ہے اب اگر انف وجبہہ دونوں کو سجدے میں لازم قرار دیں تو زیادتی علی کتاب اللہ لازم آئے گی جوکہ صحیح نہیں۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر مداومت سے فرض ثابت نہیں ہوتا وجوب ثابت ہوسکتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں عند البعض ابوحنیفہ نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔
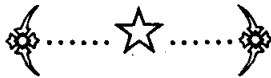
باب این یضع الرجل وجهه اذاسجد

رجال:۔

حجاج بن ارطاۃ الکوفی احد الفقہاء صدوق ہیں خطأ وتدلیس کرتے تھے۔

ابی اسحاق السبیعی نام عمرو بن عبداللہ ہے ثقۃ من الثالثۃ البتہ اخیر میں حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔☆

تنقیح المذاہب:۔

سجدے کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھے تو امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے ابوحنیفہؒ واحمدؒ کے نزدیک ہاتھوں کے درمیان چہرہ رکھے بالفاظ دیگر ہاتھ کانوں کے برابر رکھنے چاہییں چونکہ اس بارے میں روایات مختلف (1) ہیں اس لئے جس ہیئت میں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے وہی ہیئت سجدے میں بھی ہونی چاہیے۔

شافعی کی دلیل سابقہ باب کی ابوحمید الساعدی کی حدیث ہے وضع یدیہ حذو منکبیہ ابوحنیفہ واحمد کی دلیل اس باب کی براء بن عازب کی حدیث ہے جب ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کے بارے میں پوچھا گیا کہ این یضع وجہہ اذا سجد فقال بین کفیہ۔

اسی طرح مسلم (2) کی روایت جس کی طرف ترمذی نے وفی الباب عن وائل بن حجر میں اشارہ کیا ہے اس میں ہے فوضع وجہہ بین کفیہ۔

بعض لوگ سجدے میں بہت لمبے ہوجاتے ہیں اور ہاتھ بہت آگے رکھتے ہیں اس میں دو خرابیاں ہیں ایک یہ کہ اس میں پاؤں کی انگلیاں سیدھی ہی رہتی ہیں حالانکہ انگلیاں رخ بہ قبلہ ہونی

باب این یضع الرجل وجهه اذاسجد

(1) دیکھئے نصب الرایہ للزیلعی ص:۳۵۹ ج:۱

(2) صحیح مسلم ص:۱۷۳ ج:۱ ''باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الاحرام تحت صدرہ الخ''

چاہئے دوسری یہ کہ ابوحمید ساعدی کی روایت (3) کے مطابق ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے قریب ہوتے تو اگر زیادہ لمبے ہونگے تو جمع بین الروایات کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور اگر قریب ہی سجدہ ہو تو تطبیق بین الروایات ہو جائیگی۔

باب ماجاء فی السجود علی سبعة اعضاء

رجال:۔

بکر بن مضر ثقة من الثامنة وفات ۱۷۴ھ کو ہوئی۔

ابن الہادی کا نام یزید بن عبداللہ ہے ثقة مکثر من الخامسة۔ محمد بن ابراہیم مختلف فیہ ہے۔

عامر بن سعد ثقة من الثالثة مات ۱۰۴ھ۔☆

تشریح:۔

قدمان سے مراد اطراف قدمین ہے یعنی اصابعہما حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق سات اعضاء پر سجدہ کرنا مسنون ہے بعض نے تفصیل بیان کی ہے پاؤں کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا رکھنا فرض ہے ایک یہ کہ فرض نہیں بلکہ واجب یا سنت ہے تیسری یہ ہے کہ ایک پاؤں رکھنا فرض ہے فرضیت کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ کرنا فرض ہے اور بغیر پاؤں رکھے سجدہ متحقق نہیں ہوتا۔ پھر تیسری روایت کے مطابق اگر ایک انگلی بھی زمین پر رہے تو سجدہ ہو جائے گا اگر پورے رکن میں پاؤں اٹھے رہیں تو سجدہ نہیں ہوتا کچھ وقت کے لئے اٹھے رہیں تو ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔ ابن امیر الحاج نے واجب کے قول کو ترجیح دی ہے کما نقلہ الشامی۔

وفیہ قدمنا ان فی وضع القدم ثلاث روایات الفرضیة' والوجوب والسنية وان المراد بوضع القدم وضع اصابعها ولو واحدة وان المشهور فی کتب المذهب الرواية الاولیٰ (ای الفرضیة) وان امیر الحاج رجح فی الحلية الثانية وصرح هنا

(3) روی ہذہ الروایۃ الطحاوی ایضاً فی شرح معانی الآثار ص:۱۸۳ ج:۱ "باب وضع الیدین فی السجود این ینبغی ان یکون"

بان توجیه الاصابع نحو القبلة سنة (ص:۵۰۴ ج:۱)

وضع رکبتین سنت ہے ابواللیث کے نزدیک فرض ہے ابن ہمام کے نزدیک واجب ہے یہی زیادہ صحیح ہے کہ فرضیت کی کوئی دلیل نہیں۔ عندالبعض ہاتھ اٹھانا چونکہ سجدے میں تحریہ ہے لہٰذا ہاتھ رکھنا فرض ہے لیکن اس میں صحیح یہی ہے کہ ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ ہدایہ میں ہے ووضع الیدین والرکبتین سنۃ عندنا لتحقق السجود بدونہما۔

دوسری روایت میں امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد الحدیث یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں کیونکہ اولاتو بخاری (1) میں امرنا آیا ہے دوسرا یہ کہ اکثر احکام میں امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوتی ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ خصوصیت کا نہ ہواور یہاں بھی کوئی قرینہ خصوصیت کا نہیں تو عام ہے۔

باب ماجاء فی التجافی فی السجود

رجال:۔

داؤد بن قیس المدنی ثقة فاضل۔ عبیداللّٰہ الحجازی ثقة۔

عن ابیه ای عبداللّٰہ بن اقرم صحابی مُقِلّ۔☆

نمرہ ایک وادی ہے عرفات کے قریب اس میں ایک مسجد ہے اسکا نام مسجد نمرہ ہے اس کو مسجد آدم بھی کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حج کیا تو یہاں وقوف کیا اور نماز ادا فرمائی۔ عفرتین وہ سفیدی جس میں زردی یا سیاہی ملی ہوئی ہو آپ کے بغل میں بال تھے تو احرام میں چوکہ بغل کھلا ہوتا ہے تو سجدے میں نظر آ گئے۔ عندالبعض بغل مبارک میں بال نہیں تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے عندالبعض تھے اور اس قول کے مطابق عفرہ کا معنی اظہر ہے تطبیق بین الراویات یہ ہے کہ کہ جس میں ہے کہ نہیں تھے تو نوچے ہونگے اور جس میں ہے کہ تھے تو تھوڑا وقت گذرا ہوگا نوچے ہوئے۔

باب فی السجود علی سبعة اعضاء

(1) ص:۱۱۲ ج:۱ ''باب السجود علی سبعۃ اعظم''

تجافی فخذین کا مطلب یہ ہے کہ بطن فخذین سے دور ہوں ساقین ایک دوسرے سے دور اور فخذین سے بھی دور رکھے عضدین کو جنبین سے دور رکھے اور ساعدین کو زمین سے دور رکھے۔ عورت کو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہیئے۔

سجدے میں بال باندھنا مکروہ ہے عند ابی حنیفہ و مالک اگر پہلے سے باندھے ہوں تو عند مالک مکروہ ہے عند ابی حنیفۃ لاباس بہ۔ قال صاحب التلویح بال باندھنا یا عمامہ میں داخل کرنا آستین چڑھانا اور کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے نماز ہو جائے گی مع الکراہۃ التنزیہی اور کراہیت اس لئے ہے کہ ایک تو یہ اشیاء بھی سجدہ کرتی ہیں لہٰذا روکنا نہ چاہیئے دوسرے یہ تواضع کے خلاف ہے۔

باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود

رجال:۔

عن ابی سفیان ان کا نام طلحہ بن نافع الواسطی ہے۔ اکثر نے صدوق کہا ہے ابن معین کہتے ہیں لاشیء۔ ☆

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال کرے اور ذراعین کو اس طرح نہ بچھائے جس طرح کتا بچھاتا ہے۔ اعتدال وہ ہیئت مسنونہ ہے جو متوسط ہو افتراش اور قبض کے درمیان یعنی کفین زمین پر رکھ کر مرفقین زمین سے اٹھائے رکھے تاکہ افتراش نہ ہو اور مرفقین جنبین سے بھی دور ہوں تاکہ قبض نہ ہو اور فخذین کو بطن سے دور رکھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالت زیادہ اشبہ ہے تواضع کے ساتھ اور اس میں ادب بھی زیادہ ہے اسی طرح تمکین جبہہ بھی اس میں اچھی طرح سے ہو جاتی ہے اور یہ سستی سے بھی دور ہے۔

البتہ اگر کوئی سجدہ طویلہ کرنا چاہے صلوٰۃ اللیل میں مثلاً اور مذکورہ ہیئت سجدہ میں مشقت ہو تو دونوں کہنیوں کو فخذین یا رکبتین پر رکھ کر مدد لی جا سکتی ہے بطور استراحت کے۔ دلیل آئندہ باب ماجاء فی الاعتماد فی

السجود میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔(1)

اشتکی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مشقة السجود اذاتفرجوا فقال استعینوا بالرکب

یعنی مرفقین کو رکبتین پر رکھ کر مدد حاصل کرو اسی طرح ایک آدمی صف میں ہے تو بھی زیادہ تفریج سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے تو زیادہ تفریج صف میں نہ کی جائے انفرادی حالت میں تفریج کرسکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت سجود کے بارے میں آتا ہے کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا۔ نماز میں وہ ہیئت مطلوب ہے جس میں خشوع وادب ہو اور مشابہت بالملائکہ ہو اس لئے حکم ہے کہ صفوف باندھو اور مل مل کر کھڑے ہو جس طرح فرشتے صفوف باندھتے ہیں اور مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے قیام وقعود رکوع وسجود کرتے ہیں تو ان چار ارکان کو بھی نماز کے بڑے ارکان قرار دیدیا گیا۔

سجدے دو ہیں باقی ارکان ایک ایک ہیں اس میں آیت قرآن کی طرف عندالبعض اشارہ ہے کہ جب پہلے سجدے سے سر اٹھایا تو اشارہ منہا خلقناکم کی طرف ہوا جب سجدہ ثانیہ میں گئے تو وفیہا نعیدکم کی طرف اشارہ ہے اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھایا تو منہا نخرجکم تارۃ اخری کی طرف اشارہ ہوا بعض دو سجدوں کی وجہ میں کہتے ہیں کہ جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ جب فرشتوں نے سجدے سے سر اٹھایا اور دیکھا کہ ابلیس سجدہ نہیں کررہا تو بطور شکر کے دوسرا سجدہ کیا تو نماز میں بھی چونکہ فرشتوں کی عبادت کا خیال رکھا گیا ہے تو دو فرض ہوئے اس کے برعکس وہ ہیئت جس میں تشبہ بالحیوان ہو اس سے منع کیا گیا ہے مثلاً تدبیح یعنی گدھے کی طرح رکوع میں سر جھکانے سے منع کیا گیا ہے کہ سر وپشت میں برابری ہونی چاہئے۔

اسی طرح سجدے میں جاتے وقت بروک الابل سے روکا یعنی اولا ہاتھ رکھے پھر گھٹنے رکھے اسی طرح نقرۃ الدیک سے بھی منع کیا گیا ہے اقعاء الکلب یعنی کتے کی نشست سے بھی روکا گیا ثعلب کی طرح ادھر ادھر دیکھنے

باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود

(1) اسی روایت کو امام ابوداؤد نے بھی لایا ہے لیکن اس میں اذا انفرجوا کے الفاظ ہیں دیکھئے ص: ۱۳۷ ج: ۱ ''باب الرخصة فی ذالک''

سے بھی منع کیا گیا۔ مسلم کی روایت (2) میں ہے صحابہ عند السلام ہاتھ اٹھاتے نماز میں تو فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذناب خیل شمس اسی طرح مذکورہ روایت میں بھیڑیے کی طرح افتراش یا کلب کی طرح افتراش سے بھی ممانعت آئی ہے۔

باب ماجاء فی وضع الیدین ونصب القدمین فی السجود

رجال:۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہوالدارمی الحافظ صاحب المسند۔ وہیب بالتصغیر ان کا نام خالد بن عجلان ہے ثقہ ہیں تاہم اخیر میں حافظہ میں تغیر آ گیا تھا۔

محمد بن عجلان المدنی صدوق ہاں ابو ہریرہ کی احادیث ان پر مختلط ہوگئی تھیں۔

محمد بن ابراہیم المدنی ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

عامر بن سعد سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع یدین اور نصب القدمین کا حکم فرمایا ہے نصب القدمین سے مراد یہ ہے کہ انگلیاں قبلے کی طرف موڑ کر دونوں پاؤں کو کھڑا کر دے پھر کبیری شرح منیہ میں ہے کہ اگر کسی نے پاؤں کی انگلیاں رخ بہ قبلہ نہیں کیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قواعد فقہیہ کے خلاف ہے لہٰذا عدم توجیہ الاصابع نحو القبلہ مکروہ تحریمی ہے گویا شاہ صاحب کے نزدیک توجیہ الاصابع واجب ہے بعض نے اس توجیہ کو مسنون قرار دیا ہے شامی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے تو ان کے یہاں عدم توجیہ الاصابع نحو القبلہ مکروہ تنزیہی ہوگا اور توجیہ الاصابع ہونی چاہئے نہ کہ توجیہ ظہور القدم کما ہی عادۃ عامۃ الناس اسی طرح ہاتھوں کے اصابع کو بھی قبلہ کی طرف کرنا چاہئے۔

---

(2) ص:۱۸۱ ج:۱ ”باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والنہی عن الاشارۃ بالید“

6/2

باب ماجاء فی اقامة الصلب اذارفع رأسه من السجود والركوع

اس روایت میں اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع وسجود وقومہ وجلسہ تقریبا برابر ہوتے اس روایت کا مطلب واضح ہے کیونکہ اس میں قیام وقعود کا ذکر نہیں کیونکہ قیام وقعود تو لمبے ہوتے ہیں۔ مسلم (1) کی روایت جو براء بن عازب سے ہی ہے اس میں قیام وقعود کا بھی ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام قعود رکوع سجود قومہ جلسہ سب برابر ہوتے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ سب کیسے برابر ہوتے حالانکہ قیام میں کبھی قراءت بہت لمبی ہوتی ہے۔

جواب ۱:۔ یہ مبالغے پر محمول ہے اور لفظ قریباً اس کی طرف مشیر ہے یعنی تقریباً برابر ہوتے۔

جواب ۲:۔ نووی نے مجبوراً صرف عن الظاہر دیا ہے کہ یہ محمول ہے بعض احوال پر کہ کبھی یہ سب برابر ہوتے۔

جواب ۳:۔ براء بن عازب کا مقصد یہ نہیں کہ یہ سب ارکان برابر ہوتے بلکہ مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اعتدال بیان کرنا ہے کہ اگر قیام میں طول کرتے تو اس کے مناسب سجدہ بھی طویل ہوتا رکوع بھی اسی مناسبت سے طویل ہوتا اور اگر کبھی قیام مختصر ہوتا تو اس کی مناسبت سے سجدہ ورکوع وغیرہ بھی مختصر ہوتے۔

باب ماجاء فی اقامة الصلب اذارفع رأسه من السجود والركوع

(1) صحیح مسلم ص:۱۸۹ ج:۱ ''باب اعتدال ارکان الصلوٰۃ وتخفیفها فی تمام'' ایضاً رواہ البخاری ص:۱۱۳ ج:۱ ''باب المکث بین السجدتین''

باب ماجاء فی کراهیة ان یبادر الامام فی الرکوع والسجود

رجال:۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ابواسحاق ہوالسبیعی مرذکرہ۔

عبداللّٰہ بن یزید صحابی صغیر کان امیراً علی الکوفة فی زمن ابن الزبیرؓ۔☆

تشریح:۔

براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے اور وہ رکوع سے سر اٹھاتے تو ہم میں سے کوئی بھی اپنی کمر ٹیڑھی نہ کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے پھر ہم سجدہ کرتے۔اس حدیث کے ظاہر پر چلتے ہوئے ابن جوزی فرماتے ہیں کہ مقتدی تب سجدہ کرے جب امام سجدہ کرے مگر یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ صحیحین میں حتیٰ یقع ساجداً کے الفاظ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت ہوجائے یہ اس وقت کی بات تھی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم متبدن ہوچکے تھے تو آہستہ سے سجدے میں جاتے تو اگر صحابہؓ ساتھ روانہ ہوتے تو سبقت ہوتی اس لئے وہ کھڑے رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کا انتظار کرتے لہٰذا اگر امام سجدے میں آہستہ یعنی ذرا دیر سے جاتا ہے تو مقتدی کو تاخیر کرنا چاہئے تاکہ سبقت من الامام لازم نہ ہو۔شرح منیہ میں ہے کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ارکان فعلیہ میں مقتدی امام کی متابعت کرے گا قرأت یعنی اقوال میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک اس میں متابعت ہے شوافع وغیرہ کے نزدیک اس میں متابعت نہیں۔اگر کسی نے امام سے سبقت کی تو نماز ہوجائے گی البتہ یہ فعل حرام ہے اتفاقاً۔

پھر ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں متابعت وصلاً ہے یعنی بغیر تاخیر کے متابعت ہے سوائے تکبیر تحریمہ کے کہ اس میں امام کی فراغت کا انتظار کرنا چاہئے کما مر کہ جب امام اللہ اکبر کی راء پر پہنچے تو مقتدی کو اللہ اکبر کرنا چاہئے پھر یہ متابعت فی روایۃ الشی واجب ہے حتیٰ لو رفع رأسہ من الرکوع او السجود قبل تسبیح المقتدی ثلاثاً فالصحیح انہ یوافق الامام ذکرہ العلی فی المرقاۃ۔

البتہ دوسری روایت میں متابعت مسنون ہے لہٰذا مقتدی اپنی تین تسبیحات پوری کرے صاحبین کے نزدیک متابعت میں تاخیر ہو مگر تاخیر جداً نہ ہو بلکہ معمولی تاخیر مراد ہے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ الاقعاء بین السجدتین

باب فی الرخصۃ فی الاقعاء

رجال:۔

عبداللہ بن دینار ھو الدارمی الحافظ صاحب المسند ثقۃ متقن۔ ☆

تشریح:۔

اقعاء کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ الیتین کو زمین پر رکھ کر دونوں ٹانگوں کو کھڑا کر کے گھٹنے گردن کے برابر کردے دوسری صورت یہ ہے کہ پاؤں کو پنجوں پہ کھڑا کر کے اس پر بیٹھ جائے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں قسم کے اقعاء مکروہ ہیں بحرالرائق میں ہے کہ دونوں اقعاء مکروہ تحریمی ہیں بعض اقعاء بمعنی اول کو تحریمی اور بمعنی ثانی کو تنزیہی کہتے ہیں کہ اول صورت میں کلب کے ساتھ تشبہ ہے امام شافعی نے اقعاء کی قسم ثانی کو بین السجدتین مستحب قرار دیا ہے۔

جمہور کا استدلال پہلے باب کی حدیث سے ہے یاعلی احب لک مااحب لنفسی واکرہ لک مااکرہ لنفسی لاتقع بین السجدتین لاتقع نہی ہے جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے ترمذی نے اگرچہ اس روایت

پراعتراض کیا ہے مگر یہ متعدد متابعات (1) کی وجہ سے قابل استدلال ہے اہم بات یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ نے اس کو اپنا مذہب بنایا ہے جو اس کے قابل استدلال ہونے کی علامت ہے۔

دلیل ۲:۔ متعدد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نقل کیا ان تمام نے اقعاء نقل نہیں کیا بلکہ افتراش نقل کیا معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقعاء نہیں کیا۔

امام شافعی کی دلیل باب فی الرخصۃ فی الاقعاء کی حدیث ہے قال طاؤس ہم نے ابن عباس سے اقعاء کے بارے میں پوچھا کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ قال هي السنة فقلنا انا لنراه جفاء بالرجل رجل بروزن سدر بھی آیا ہے اور رجل بروزن عضد بھی آیا ہے یعنی پاؤں پر زیادتی ہے یا آدمی پر جفاء ہے قال بل هي سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم۔

جواب ا:۔ خطابی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا روایت قابل استدلال نہ رہی۔

جواب ۲:۔ مؤطا امام محمد (2) میں حدیث ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اقعاء منسوخ ہے روایت یہ ہے کہ مغیرہ بن حکم فرماتے ہیں:

رايت ابن عمر يجلس على عقبه بين السجدتين في الصلوٰة فذكرت ذالك له فقال انما فعلته منذ اشتكيت قال القاري والمعنى انه خلاف السنة الا انه يفعله لعذر

اب دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے کہ ابن عمر کی حدیث میں اقعاء کو خلاف سنت بتایا جا رہا ہے اور ابن عباس کی حدیث میں سنت' تو ائمہ ثلاثہ نے ابن عمر کی قول کو ترجیح دی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن عمر اتبع للسنۃ تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن عباس کبھی کبھی اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ مستنبط کر کے اس کو سنت کہہ دیتے تھے جبکہ ابن عمر فتوی سے گریز کرتے تھے۔

باب ماجاء في كراهية الاقعاء بين السجدتين'باب الرخصة في الاقعاء

(1) دیکھئے معارف السنن ص:۶۳ و ۶۴ ج:۳

(2) مؤطا امام محمد ص:۱۳' 'باب الجلوس فی الصلوٰۃ''

جواب ۳:۔ ابن عباس کا مقصد بیان جواز ہوگا اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ مکروہ تنزیہی جواز کا ایک شعبہ ہے فتوی کا ایک قانون ہے وہ یہ کہ اگر مفتی یہ محسوس کرے کہ سائل اس مسئلے میں غلو کر رہا ہے تو جواب میں اپنی رای شامل کرسکتا ہے تو ابن عباس نے یہاں محسوس کیا کہ سائل اقعاء کو ناجائز تصور کرتا ہے تو اس کو جائز قرار دیا تاکہ اس کا غلو ختم ہو۔

باب مایقول بین السجدتین

رجال:۔

سلمة بن شبیب النیسابوری نزیل مکة ثقة ۔ مسلم وترمذی وغیرہما کے شیخ ہیں۔

کامل ابی العلاء الکوفی صدوق یخطیٔ من السابعة۔ ☆

تنقیح المذاہب:۔

پہلے بھی گذرا ہے کہ اس قسم کی ادعیہ حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک نوافل کے ساتھ مختص ہیں امام شافعی احمد اور اسحٰق کے نزدیک اسکی عام اجازت ہے فرض ونفل میں قال الترمذی وبہ یقول الشافعی واحمد واسحٰق یرون ہذا جائزاً فی المکتوبة والتطوع۔

حنفیہ جو اس کو نوافل کے ساتھ مختص مانتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عموماً اس قسم کی ادعیہ صلوٰۃ اللیل میں منقول ہیں فرائض میں نہیں نیز امام مامور بالتخفیف ہے اب اگر وہ ادعیہ پڑھے گا تو تطویل ہوگی اگر منفرد ومقتدی ہو بشرطیکہ مقتدی کو موقع ملتا ہو تو قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ صاحب نے پڑھنے کو ترجیح دی ہے خصوصاً آج کل کہ لوگ قومہ وجلسہ میں نہایت تخفیف کرتے ہیں لہٰذا ادعیہ پڑھنی چاہئے۔

اور یہ اصل مذہب کے خلاف بھی نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ادعیہ پڑھنا مسنون نہیں یہ نہیں کہ جائز نہیں اور عدم سنیت سے عدم جواز لازم نہیں آتا۔

باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود

رجال:۔

سمی مرذکرہ۔ ابی صالح ہو ذکوان۔☆

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ سجدے میں تفرج سے مشقت ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استعینو ابالرکب کہ کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھا کرو۔

یہاں ترمذی نے باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود کا باندھا ہے اعتماد کی دوصورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں عندالتفرج جب ساجد تھک جائے تو اپنی کہنیوں کو گھٹنوں یا رانوں پر رکھ کر استراحت کرے یہ طویل سجدے میں ہی ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اعتماد علی الارض دوسری اور چوتھی رکعت میں جانے کے لئے سجدہ ثانی کے بعد زمین پر دونوں ہاتھ لگا کر اٹھے۔

ترمذی کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے والے اعتماد کے لئے باب باندھا ہے یہی ابوداؤد(1) بیہقی(2) وحاکم(3) کا صنیع ہے راوی حدیث ابن عجلان نے بھی اعتماد کی تفسیر اول سے کی ہے۔

امام طحاوی(4) نے اس کی تخریج التطبیق فی الرکوع میں کی ہے بعض ترمذی کے نسخوں میں باب ماجاء فی الاعتماد اذا قام من السجود کا لفظ ہے اس نسخے کے مطابق حدیث میں اذا تفرجوا کا لفظ نہیں بلکہ عندالنہوض من السجود کے الفاظ ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ باب کا ترجمہ مذکورہ نسخوں کے مطابق مناسب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ متعدد محدثین نے مطلب یہی لیا ہے کہ اس کا تعلق دوران سجود سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اذا تفرجوا کا لفظ اکثر احادیث میں موجود ہے تیسری بات یہ ہے کہ مصنف نے آگے کیف النہوض من السجود کے لئے مستقل دوباب

باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود

(1) دیکھئے ابوداؤد ص:۱۳۷و۱۳۸ ج:۱ من ''باب صفۃ السجود''(2) بیہقی کبریٰ ص:۱۱۶ ج:۲ ''باب یعتمد بمرفقیہ علی رکبتیہ اذا اطال السجود''(3) مستدرک حاکم ص:۲۲۹ ج:۱ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نقرۃ الغراب وافتراش السبع وان یوطن الرجل المکان کما یوطن البعیر' والحدیث علی شرط مسلم(4) شرح معانی الآثار ص:۱۶۶ ج:۱ ''باب التطبیق فی الرکوع''

قائم کئے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ سجدے سے قیام کے دوران کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے یا زمین پر رکھ کر تو جمہور کے نزدیک سنت یہ ہے کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر زمین کے سہارے کے بغیر کھڑے ہونا چاہئے امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھے اور پھر کھڑا ہو جائے۔نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ آدمی سجدے سے کھڑا ہو یا قعدے سے دونوں صورتوں میں مسنون یہی ہے کہ ہاتھوں کے سہارے اٹھے یعنی ہاتھ زمین پر رکھ کر اٹھے۔اس میں ضعیف قوی جوان بوڑھے عورت سب برابر ہیں اور اسی کو امام احمدؒ مالک کا مذہب قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ امام احمد کا مذہب امام ابوحنیفہؒ کی طرح ہے جیسے کہ مغنی میں ہے بلکہ ابن عبدالبر نے تو تمہید میں امام مالک کا مذہب امام ابوحنیفہ کے مطابق بیان کیا ہے اور ابن عبدالبر اعلم الناس بمذہب مالک ہے۔امام شافعی کا استدلال مالک بن حویرث کی حدیث مرفوع سے ہے۔

واذارفع رأسه من السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام

(رواہ البخاری(5))

جواب:۔ اعتماد علی الارض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتبادرونی فی الرکوع ولافی السجود انی قد بدنت اور کسی عمل کا محض ثبوت سنیت کی دلیل نہیں جب تک یہ بات ثابت نہ ہو کہ اس عمل کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔

دلیل۲:۔ باب کی حدیث ہے یعنی وہ نسخہ جس میں اعتماد وقت النہوض من السجدۃ الثانیۃ آیا ہے۔

جواب:۔ واضح ہے کہ حدیث کا تعلق نہوض کے ساتھ نہیں علی الصحیح بلکہ سجدے کے ساتھ ہے۔

جمہور کی دلیل نسائی (6) میں وائل بن حجر کی حدیث ہے واذا نہض رفع یدیہ قبل رکبتیہ بعض طرق میں ہے واذا نہض نہض علی رکبتیہ تو اعتماد علی الارض اسمیں کہاں؟

دلیل۲:۔ ابوداؤد (7) میں ابن عمر کی روایت ہے۔

(5) ص:۱۱۴ ج:۱ ''باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ'' (6) ص:۱۷۳ ج:۱ ''باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکبتین'' (7) رواہ ابوداؤد بحوالہ معارف السنن ص ۴۷ ج ۳

نهی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ان یعتمد الرجل علی یدیه اذانهض فی الصلوٰة۔

دلیل۴:۔اگلے باب منہ میں ابوہریرہ کی حدیث ہے کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه۔

باب کیف النهوض من السجود، باب منه

رجال:۔

خالد بن ایاس پر ترمذی نے کلام کیا ہے۔صالح صدوق ہیں۔☆

تشریح:۔

یہاں ترمذی نے دو باب باندھے ہیں پہلے باب سے جلسہ استراحت کا ثبوت ہوتا ہے اور دوسرے باب سے اس کی نفی ہوتی ہے جلسہ استراحت یہ ہے کہ جس سجدے کے بعد قیام ہو تو دوسرے سجدے کے بعد تھوڑا بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو امام شافعی کے نزدیک یہ مسنون ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسنون نہیں ہے البتہ اگر کوئی بیٹھ گیا تو شامی کی تصریح کے مطابق سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔امام احمد کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے امام شافعیؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ رجوع الی السنیۃ نہیں کیا بلکہ من عدم الجواز الی الجواز کیا ہے وہ ترجیح پھر بھی عدم اعتماد علی الارض کو دیتے ہیں کہ اکثر روایات اس پر ناطق ہیں کہ جلسہ استراحت ثابت نہیں اور یہ ایسا ہے کہ جس طرح شاہ صاحب نے ترک رفع یدین اور ابن تیمیہ نے ترک جہر بسم اللہ کی روایات کو اکثر قرار دیا ساکت کو نافی پر حمل کر کے لہٰذا یہاں بھی جب ساکت روایات کو نافی پر حمل کریں گے تو روایات نفی استراحت اکثر ہو جائیں گی۔امام شافعی کا استدلال پہلے باب کی حدیث سے ہے۔

عن مالك بن حويرث انه راى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى فكان اذا كان فی وتر من صلوٰته (یعنی پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد) لم ينهض حتىٰ يستوى جالساً

جواب :۔ روایات نفی کی روشنی میں اسکو نبی کی آخری عمر پر محمول کیا جائیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز مشقت والا عمل ہے اس میں استراحت چہ معنی دارد؟

جمہور کا استدلال بخاری (1) کی روایت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسی فی الصلوٰۃ کو نماز کا طریقہ بتایا وقال ثم ارفع حتیٰ تستوی قائماً ثم افعل ذالك فی صلوٰتك كلها اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بتا دیتے۔

اعتراض :۔ بخاری ہی کی روایت میں یہ بھی ہے حتی تطمئن جالساً۔(2)

جواب :۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے اصل میں تستوی قائماً ہے۔

دلیل۲:۔ باب منہ میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

قال كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه

اعتراض :۔ اس میں خالد بن الیاس یا ایاس ہے جو ضعیف ہے۔

جواب :۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تعامل صحابہ وائمہ کی وجہ سے یہ حدیث قابل احتجاج ہے قال الترمذی علیہ العمل عند اہل العلم بعض اہل العلم نہیں کہا معلوم ہوا کہ اکثریت اس کی قائل ہے اگر چہ یہ مخصوص طریقہ ضعیف ہے مگر اصل اسکا قوی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (3) وبیہقی (4) میں ہے۔

عن ابن مسعود انه كان ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه ولم یجلس

مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں حضرت عمر ابن عمر اور ابن زبیر کا عمل بھی اسی کے مطابق بتایا ہے۔ ابن

باب كیف النهوض من السجود 'باب منه

(1) صحیح بخاری ص:۹۲۴ ج:۲ ''باب من رد فقال علیک السلام'' ایضاً ص:۹۸۶ ج:۲ ''باب اذا احنث ناسیاً فی الایمان الخ'' (2) کمافی ص:۹۲۴ ج:۲ (3) ص:۳۹۴ ج:۱ ''من کان ینهض علی صدور قدمیہ'' ایضاً رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ ص:۱۷۹ ج:۲ رقم حدیث ۲۹۶۶ ''باب کیف النهوض من السجدة الآخرة الخ'' (4) سنن کبری بیہقی ص:۱۲۴و۱۲۵ ج:۲ ''باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ'' (5) ص:۳۹۴ ج:۱

ابی شیبہ(6) نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ:

کان عمر وعلی واصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھضون فی الصلوٰۃ علی صدور اقدامھم

مصنف ابن ابی شیبہ میں نعمان بن ابی عیاش کا قول نقل کیا ہے۔

قال ادرکت غیر واحد من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان اذارفع احدُھم رأسہ من السجدۃ الثانیۃ فی الرکعۃ الاولی والثالثۃ نھض کماھو ولم یجلس

کماھو کا مطلب یہ ہے کہ اسی ہیئت میں کھڑے ہو جاتے۔

اسی طرح عبدالرزاق (7) نے ابن عمرؓ وابن عباسؓ وابن مسعودؓ کا عمل بھی یہی نقل کیا ہے اور یہ سارے صحابہ مالک بن حویرث کے بہ نسبت صحبت وسنت کے زیادہ ملتزم تھے لہٰذا مالک بن حویرث کی حدیث میں یہی توجیہ کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو نہوض علی صدور قدمین پر تھا اخیر عمر میں عذر کی وجہ سے جلسہ کرتے تھے جو سنت نہیں۔

(6) حوالہ بالا

(7) ص:۱۷۹ ج:۲ "باب کیف النہوض من السجدۃ الآخرۃ الخ"

باب ماجاء فی التشهد ' باب منه ایضاً

یہ مسئلہ بھی اختلافیہ ہے کہ تشہد کے الفاظ کونسے ہونے چاہیئے تو ترمذی نے یہاں بھی دو باب باندھے ہیں۔ تشہد کے الفاظ ۲۴ صحابہ سے مروی ہیں اور الفاظ کا آپس میں فرق بھی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف صحابہؓ کو مختلف الفاظ کی تعلیم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی خاص الفاظ متعین نہیں لہٰذا اس پر اتفاق ہے کہ تشہد میں کوئی بھی الفاظ کہیں جائیں تو جائز ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ راجح کونسا تشہد ہے تو ابوحنیفہؒ سفیان ثوریؒ ابن مبارکؒ اسحٰقؒ اور بقول ترمذی احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ابن مسعود کا تشہد راجح ہے شرح مؤطا میں ملاعلی قاری نے احمد کا قول شافعی کے قول کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے کہ یہ غیر مشہور قول ہو۔ امام شافعی کے نزدیک تشہد ابن عباس افضل ہے جس کو ترمذی نے دوسرے باب میں نقل کیا ہے پھر ابن عباس کے تشہد میں سلام علیک اور سلام علینا منکر ہے۔ مسلم (1) میں معرف ہے شافعیہ کے نزدیک عمل منکر پر ہے۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اولیٰ تشہد عمر کا ہے جو مؤطا مالک (2) میں مروی ہے۔

التحيات لله الزاكيات لله الطيبات الصلوٰت لله

باقی مشہور تشہد کی طرح ہے۔

تحیات کا مطلب عند البعض سلام ہے عند البعض ملک ہے عند البعض بقاء ہے۔ صلوٰت سے مراد صلوٰۃ خمسہ ہے عند البعض مطلق عبادت ہے۔ اور طیبات صلوٰۃ ودعاء وثناء وغیرہ کے معنی میں ہیں عند البعض التحیات سے مراد عبادات قولیہ صلوٰت سے مراد طاعات بدنیہ اور طیبات سے مراد صدقات مالیہ ہیں چاہے واجب ہوں یا نافلہ۔

ابن الملک (3) نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں اللہ سے ملاقی ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام پیش کیا التحيات لله و الصلوٰت و الطيبات تو اللہ نے فرمایا السلام عليك ايها

باب ماجاء فی التشهد 'باب منه ایضاً

(1) دیکھئے صحیح مسلم ص:۱۷۳ ج:۱ "باب التشهد" (2) مؤطا مالک ص:۷۲ "التشهد فی الصلوٰۃ"

(3) کمانقلہ العلامۃ البنوری فی معارف السنن ص:۷۵ ج:۳

السنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام پیش کیا السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین تا کہ اللہ کے سلام میں امت کے نیک بندے بھی شریک ہوں جبرئیل نے یہ سن کر کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمّداً عبدہ ورسولہ پھر نماز میں اس کو رکھا گیا کہ یہ واقعہ معراج میں پیش آیا اور نماز بھی مؤمن کی معراج ہے تو اس کو نماز کا جزء قرار دے دیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ(4) میں ہے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے تو ہم السلام علیک ایہا النبی کہا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے تو ہم السلام علی النبی کہنے لگے اس کو بعض اہل ظواہر نے مستدل بنایا ہے کہ چونکہ اب مقام خطاب باقی نہیں تو صیغہ خطاب نہیں کہنا چاہئے۔

جواب:۔ ابن مسعود سے جو الفاظ مروی ہیں تو اکثر و مشہور طریق میں وہ خطاب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے بریلویوں نے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاظر و ناظر ہیں کیونکہ خطاب کا صیغہ مخاطبہ کے لئے ہوتا ہے اور خطاب حاضر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ غائب کے ساتھ۔

جواب ۱:۔ اول تو تشہد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مخاطب کا صیغہ اس وقت استعمال ہوا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تھے لہٰذا اب مخاطب کا صیغہ بطور نقل وحکایت کے مستعمل ہوتا ہے جیسے یا ایہا المزمل اور دیگر خطاب کے صیغے بطور حکایت کے بولے جاتے ہیں اس سے خطاب لازم نہیں آتا۔

جواب ۲:۔ ہم نہیں مانتے کہ مخاطب کا صیغہ حاضر کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ خطاب کا صیغہ غائب بلکہ نباتات وجمادات کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسے ایا منزلی سلمی سلام علیکما یہاں منزلین کو مخاطب کیا گیا ہے حالانکہ انہیں سمع کی طاقت کو آپ بھی تسلیم نہیں کرتے اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک آدمی کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ خط جب اس تک پہنچے گا تو وہ سمجھے گا۔ (تدبر)

جواب ۳:۔ یہ نبی کی حیات میں بھی بطور خطاب استعمال ہوتا تھا اور کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا تشہد میں سلام سن کر سلام کا جواب دیا ہو اسی طرح لیلۃ التعریس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر کی نماز قضاء ہوئی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو لوگ سفر میں شامل نہیں تھے انہوں نے نماز

(4) ص:۲۹۲ ج:۱ ''فی التشہد فی الصلوٰۃ کیف ہو''

پڑھی اور بلاشبہ السلام علیک بھی کہا ہوگا اگر نبی سنتے تو بیدار ہوجاتے لہذا اسوقت اگر اس صیغے کو حاضر ناظر کے عقیدے کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا تو اب بھی تشہد کی وہی حیثیت ہے تو اس صیغے کے لئے حاضر وناظر ہونا لازمی کیوں؟ لہٰذا محققین اور جمہور کے یہاں السلام علیک خطاب کے ساتھ ہی ذکر ہوگا مگر بغیر عقیدہ حاضر ناظر کے ابن مسعود کا تشہد بہ نسبت دوسرے تشہد کے راجح ہے۔

وجوہ ترجیحات:۔

ا۔ یہ روایت اصح مافی الباب ہے۔

قال الترمذی وھو اصح حدیث (5)عن النبی صلی الله علیه وسلم فی التشھد۔

۲۔ صحت کا اعلیٰ درجہ وہ ہوتا ہے جس کی صحت پر شیخین متفق ہوں یعنی جس کی اصل پر شیخین کا اتفاق ہو اور یہاں تو اصل پر صرف نہیں بلکہ لفظ پر بھی شیخین کا اتفاق ہے بلکہ ائمہ ستہ کا اتفاق ہے۔

۳۔ ابن مسعودؓ کے تشہد پر اکثر کا عمل ہے۔

قال الترمذی والعمل علیه عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ومن بعدھم من التابعین

۴۔ قال محمّد فی مؤطاه(6)وکان ابن مسعود یکره ان یزادفیه حرفاً او ینقص جب کمی بیشی کو ناپسند کرتے تو ردوبدل کو بطریق اولی ناپسند کرتے تھے۔

۵۔ تشہد ابن مسعود کے الفاظ میں اختلاف نہیں دیگر تشہدات کے الفاظ میں اختلاف ہے۔

۶۔ تشہد ابن مسعود مسلسل باخذ الید ہے۔

---

(5) چنانچہ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ص:۱۱۵ ج:ا ''باب التشھد فی الآخرۃ'' پر اور صحیح مسلم ص:۱۷۳ ج:ا ''باب التشھد فی الصلوٰۃ'' سنن نسائی ص:۱۷۴ ج:ا ''کیف التشھد الاول'' اور سنن ابی داوٗد ص:۱۴۶ ''باب التشھد'' ابن ماجہ ص:۶۴ ''باب ماجاء فی التشھد'' پر ذکر فرمایا ہے۔

(6) مؤطا محمد ص:۱۱۱ ''باب التشھد فی الصلوٰۃ''

ذکر شیخ ابن همام قال ابو حنیفة اخذ حماد بیدی وعلمنی التشهد وقال حماد اخذ ابراهیم بیدی وعلمنی التشهد وقال ابراهیم اخذ علقمة بیدی وعلمنی التشهد وقال علقمة اخذ ابن مسعود بیدی وعلمنی التشهد وقال عبد اللّٰه اخذ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بیدی وعلمنی التشهد کمایعلمنی سورة

اور ہاتھ پکڑ کر تعلیم دینا اس کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ تشہد ابن مسعود میں جملوں کے درمیان واؤ آیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہر جملہ مستقل کلام ہوگا جو زیادتی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ شرح السنۃ میں ایک لطیفہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی آیا اور ابو حنیفہؒ اپنے حلقہ درس میں بیٹھے تھے تو اعرابی نے سوال کیا بواو ام بواوین فقال ابو حنیفة بواوین فقال بارك اللّٰه فیك کمابارك فی لاو لا حاضرین مجلس اس راز کو سمجھ نہ سکے امام سے تشریح طلب کی فاجاب کہ اعرابی نے تشہد کے بارے میں پوچھا تھا کہ ایک واؤ والا افضل ہے جو ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں ہے یا دو واؤ والا جو ابن مسعود کی حدیث میں ہے جب میں نے کہا کہ دو واؤ والا بہتر ہے تو اس نے کہا بارك اللّٰه فیك کمابارك فی لاو لا اس میں اشارہ ہے شجرة مبارکة زیتونة لاشرقیة ولاغربیة کی طرف۔

باب ماجاء انه یخفی التشهد

رجال:۔

یونس بن بکیر بن واصل الشیبانی الکوفی پر آگے کلام آنے والا ہے۔☆

تشریح:۔

امام نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ اخفاء تشہد مسنون ہے اور جہر مکروہ ہے جہر کرنے پر سجدہ سہو ائمہ ثلاثہ کے ہاں نہیں۔ کیونکہ اخفاء مسنون ہے اور سجدہ سہو ترک واجب سے لازم آتا ہے لہٰذا سجدہ سہو جہری نماز میں اخفاء القراءۃ اور مخفی نماز میں جہر القراءۃ پر واجب ہوتا ہے۔ باقی اذکار کے جہر واخفاء پر نہیں۔ عند البعض سجدہ سہو قرآن کی خصوصیت ہے باقی اذکار پر نہیں ہے مآل دونوں کا ایک ہے۔ امام مالک سے کوئی روایت مشہورہ نہیں نووی نے ان کی طرف منسوب کیا کہ ہر مسنون ہیئت کے ترک پر سجدہ سہو لازم آئے گا لہٰذا جہر بالتشہد میں ان کے نزدیک سجدہ سہو ہوگا اخفاء کی دلیل مذکورہ باب میں ابن مسعود کی حدیث ''من السنۃ ان یخفی التشهد'' ہے۔

بعض نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک یونس بن بکیر دوسرا محمد بن اسحٰق ہے جن کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا قابل حجت نہیں اسی طرح ترمذی نے بھی اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس بعض نے اس کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت قابل استدلال ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد(1) نے اس پر سکوت کیا ہے دوسری بات یہ ہے کہ نووی وزیلعی نے ترمذی سے نقل کیا ہے حسن بغیر غریب کے۔ حاکم (2) نے مستدرک میں اس کو صحیح علی شرط المسلم قرار دیا ہے

باب ماجاء انه یخفی التشهد

(1) دیکھیئے ص:۱۴۹ ج:۱ ''باب اخفاء التشهد'' (2) مستدرک حاکم ص:۲۳۰ ج:۱ ''من سنۃ الصلوٰۃ ان یخفی التشهد'' نوٹ:۔ حاکم نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین قرار دیا ہے کما قال ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔

معلوم ہوا کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں غریب کا لفظ نہیں۔ اگر غریب کا لفظ صحیح بھی ہو تو یہ صحت کے منافی نہیں خصوصاً ایسی روایت جس کے مقابلے میں کوئی روایت نہ ہو کیونکہ جہر بالتشہد کی کوئی روایت نہیں اور امت کا عمل بھی اسی طرح ہے تو تلقی امت بالقبول اس کی حجیت کی دلیل ہے۔ اور جس نے ضعف کا حکم کیا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ ابن بکیر مسلم کے رواۃ میں سے ہے اور محمد بن اسحٰق کی حدیث کم از کم حسن کے درجے کی ہوتی ہے لہٰذا ضعف کا حکم بھی غلط اور یہ کہنا کہ بخاری کی شرط پر ہے یہ بھی غلط ہے کہ محمد بن اسحٰق عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کا معنعنہ علی شرط البخاری کیسے ہو سکتا ہے؟

باب کیف الجلوس فی التشهد 'باب منه

رجال:۔

عبداللہ بن ادریس الکوفی ثقہ فقیہ عابد۔ فلیح مر ذکرہ۔ عباس بن سہل ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

یہاں بھی ترمذی نے دو باب باندھے ہیں اشارہ کیا جلوس فی التشہد میں اختلاف کی طرف پہلے باب میں وائل بن حجر کی حدیث کی تخریج کی ہے جس کے متعلق فرمایا (اس میں افتراش کا ذکر ہے) والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم افتراش یہ ہے کہ تشہد میں اس طرح بیٹھے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔

تورک ورک سے ہے یعنی دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر ورک پر بیٹھنا دوسرے باب میں اس کے متعلق ابوحمید ساعدی کی حدیث ذکر کی ہے وقال وهو قول بعض اهل العلم۔

تو تورک کا معنی اگرچہ عام ہے کہ کسی طرف پاؤں نکال کر ورک پر بیٹھ جائے مگر معمول بہ یہ ہے کہ بائیں ورک پر بیٹھ جائے اور دائیں طرف پاؤں نکالے جائیں جیسے حنفیہ عورتیں کرتی ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ قعدہ اولیٰ اور اخیرہ میں بیٹھنے کی ہیئت میں فرق ہے یا نہیں تو عند الحنفیہ دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں میں افتراش ہوگا مالکیہ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ دونوں میں تورک ہوگا

امام شافعی کے نزدیک جس قعدے میں سلام ہو اس میں تورک اور جس میں سلام نہ ہو تو اس میں افتراش ہوگا گویا دو رکعت والی نماز میں ان کے یہاں تورک متعین ہے اور تین یا چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ میں افراش اور ثانیہ میں تورک ہوگا امام احمد کے نزدیک دوسرے قعدے میں تورک ہوگا اور پہلے اور دو رکعت والی نماز میں افتراش۔

تورک کے لئے ائمہ ثلاثہ کی دلیل ابوحمید ساعدی کی روایت ہے جو اگلے صفحے پر باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ میں مروی ہے اس روایت کے بخاری والے طریق میں پہلے میں افتراش کا ذکر ہے۔

وفیہ حتیٰ اذا کانت الرکعۃ التی ینقضی فیھا صلوٰتہ اخر رجلہ الیسزی وقعد علی شقہ متورکا ثم سلم

حنفیہ کی دلیل باب کی وائل بن حجر کی حدیث ہے۔

قدمت المدینۃ قلت لانظرنّ الی صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما جلس یعنی للتشھد افترش رجلہ الیسری ووضع یدہ الیسری یعنی علی فخذہ الیسری ونصب رجلہ الیمنی۔

دلیل ۲:۔ نسائی (1) عن ابن عمر من سنۃ الصلوٰۃ ان تنصب القدم الیمنیٰ واستقبالہ باصابعھا القبلۃ والجلوس علی الیسری۔

اعتراض:۔ دونوں دلائل پر یہ ہے کہ اس میں قعدہ اولیٰ واخیرہ کا ذکر نہیں تو ممکن ہے کہ اس میں پہلے قاعدہ کا بیان ہو۔

جواب:۔ جہاں تک وائل بن حجر کی حدیث کا تعلق ہے تو انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت دیکھونگا اگر حضور پہلے اور دوسرے قعدے میں ہیئت تبدیل فرماتے تو ضرور بیان کرتے نہ بیان کرنا عدم فرق کی بین دلیل ہے۔

باب کیف الجلوس فی التشھد 'باب منہ

(1) ص:۱۷۳ ج:۱ ''باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلۃ عند القعو دللتشہد''

رہی بات ابن عمر کی حدیث کی تو نسائی میں اگر چہ مطلق ہے مگر مؤطا مالک (2) میں یہ روایت دو طریق سے مروی ہے۔ ایک عن عبداللہ بن دینار سے کہ ایک آدمی آیا تو اس نے نماز پڑھی اور تورک کیا چوتھی رکعت میں جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابن عمر نے اعتراض کیا کہ تورک نہیں کرنا چاہئے تو اس نے کہا آپ خود کرتے ہیں تو ابن عمر نے کہا انی اشتکی۔ دوسرا طریق عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں ابن عمر کو دیکھتا تھا کہ وہ تربع کرتے تھے (تربع سے مراد تورک ہے چونکہ دونوں کی ہیئت تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے تو اس پر اطلاق ہوا) عبیداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی تورک کیا تو ابن عمر نے اعتراض کیا اور فرمایا انہا سنة الصلوۃ ان تنصب رجلك اليمنى وتثنى رجلك اليسرى میں نے کہا کہ آپ بھی ایسا کرتے ہیں تو فرمایا ان رجلی لاتحملانی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سنت افتراش کو قرار دیا اور تورک کو حالت عذر کا عمل قرار دیدیا اور حالت عذر میں تو ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے۔

دلیل ۳:۔ وفی مسلم (3) عن عائشة فی حدیث وفیہ وکان یفترش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى۔

رہی ابوحمید ساعدی کی روایت تو وہ عذر پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب متبدن ہوئے تو تورک فرماتے۔ (4)

جواب ۲:۔ یا بیان جواز پر محمول ہے۔

---

(2) مؤطا مالک ص: ۱۷و۲۷ ''العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ''

(3) صحیح مسلم ص: ۱۹۴و۱۹۵ ج: ۱ ''باب ما یجمع صفة الصلوٰۃ وما یفتتح بہ ویختم بہ وصفة الرکوع والاعتدال منہ والتشھد بعد کل رکعتین الخ'' (4) کمافی روایة ابی داؤد ص: ۱۹۷ ج: ۱ ''باب فی صلوٰۃ اللیل''

باب ماجاء فی الاشارة

اشارہ فی التشہد پر عند ائمہ اربعہ اتفاق ہے بلکہ متقدمین سب اس پر متفق تھے کہ اشارہ مسنون ہے وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ دس سے زیادہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ نقل کرتے ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اشارہ کی کیفیت کیا ہوگی اس طرح اشارہ کس وقت ہوگا اور یہ کہ اشارہ کے بعد ہیئت اشارہ کو باقی رکھے آخر صلوٰۃ تک یا نہیں۔

نفس اشارہ میں کوئی اختلاف نہیں البتہ متاخرین حنفیہ میں سے بعض نے اس اشارہ کو ناپسند کیا ہے اور اس کا انکار کیا ہے ایک صاحب خلاصہ کیدانی اور ایک مجدد الف ثانی نے اگر چہ انکا انکار کسی تاویل کی بناء پر ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اشارہ موجود نہیں مثلاً یا روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے اس کے باوجود ان کی بات صحیح نہیں کہ ظاہر الروایہ میں کسی چیز کی عدم موجودگی عدم وجود شے کو مستلزم نہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ میں کوئی مسئلہ نہیں ملا تو نوادر سے اخذ کیا جاسکتا ہے یہاں تو ائمہ مذہب سے تصریح ہے مؤطا محمد (1) میں امام محمد لکھتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاجلس فى الصلوٰة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنىٰ وقبض اصابعه كلها واشارباصبعه التى تلى الابهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمّد وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم ناخذ وهو قول ابى حنيفةؒ

اسی طرح ابو یوسفؒ سے امالی میں تصریح ثابت ہے۔

باقی حضرت مجدد صاحب کا یہ کہنا کہ اضطراب ہے تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ اضطراب مضر نہیں کیونکہ ایک راوی سے متناً وسنداً اختلاف نہیں بلکہ رواۃ مختلف ہیں تو مقوی ہے۔ جہاں تک طریقے مختلف ہونے کی بات ہے تو یہ توسع کیلئے ہیں جیسے تشہد کے الفاظ کا اختلاف یا اذان کے طریقے میں اختلاف وغیرہ۔

باب ماجاء فی الاشارة

(1) ص:۱۰۸ ''باب العبث بالحصیٰ فی الصلوٰۃ وما یکرہ من تسویتہ''

اشارے کے بارے میں بعض روایات مطلق ہیں اس میں کیفیت کا ذکر نہیں جیسے ترمذی کی روایت میں ہے ورفع اصبعه التی تلی الابهام بعض روایات میں کیفیت کا ذکر ہے۔ مسلم (2) میں ابن عمر کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اور سب انگلیوں کو قبض کیا۔ وائل بن حجر کی روایت جونسائی (3) ابوداؤد (4) ابن ماجہ (5) بیہقی (6) اور صحیح ابن خزیمہ (7) میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خنصر و بنصر کو ملایا کف کے ساتھ اور وسطی وابہام کا حلقہ بنایا اور سبابہ سے اشارہ کیا۔ امام ابو یوسف نے بھی امالی میں یہی کیفیت ذکر کی ہے اسی پر عام عمل ہے عند الحنفیہ۔

حلقہ کی دوصورتیں ہیں پہلی یہ ہے کہ وسطی کا سرا ابہام کے سر کے ساتھ ملائے دوسری صورت یہ ہے کہ وسطی کا سرا ابہام کے بند کے ساتھ ملائے۔ تیسری روایت عبداللہ بن زبیر کی مسلم (8) میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ کردیا اور ابہام کو وسطی کے ساتھ لگایا اس میں پھر دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ ابہام کو مسبحہ کے ساتھ ملائے دوسری یہ کہ ابہام کو وسطی کے درمیانی بند پر رکھے یہ دونوں صورتیں قبض کی ہیں۔ پھر ابوداؤد میں ہے ولا یحرکہا امام نوویؒ نے اس کو صحیح کہا ہے اس لئے مرقات میں ہے کہ تحریک والی روایت کے مقابلے میں عدم تحریک والی زیادہ قوی ہے۔ امام مالک کے نزدیک انگلی کو حرکت دے کما ھو داب اہل الظواہر فی زماننا۔ جمہور کے نزدیک حرکت نہیں دے گا استدلال جمہور کا ابوداؤد کی مذکورہ روایت سے ہے جو تحریک کی روایت سے اقوی ہے۔

پھر جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ چونکہ رفع علامت نفی ہے تو نفی پر اٹھائے اور وضع علامت اثبات ہے تو اثبات پر رکھے یعنی لا کے لام پر اٹھائے اور الا اللہ کے لام پر رکھے تا کہ عمل قول کے موافق ہو۔

پھر ہاتھ کی کیفیت عند البعض اشارہ کرنے کے بعد ختم کردے کہ اخیر تک باقی رکھنے کا ثبوت کسی حدیث

---

(2) ص:۲۱۶ ج:۱ ''باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین''

(3) ص:۱۸۷ ج:۱ ''باب قبض الاثنتین من اصابع الید الیمنیٰ وعقد الوسطیٰ والابہام''

(4) ص:۱۴۹ ج:۱ ''باب الاشارۃ فی التشہد'' (5) ص:۶۵ ''باب الاشارۃ فی التشہد''

(6) سنن کبریٰ للبیہقی ص:۱۳۱ ج:۲ ''باب ماروی فی تحلیق الوسطیٰ بالابہام''

(7)

(8) ص:۲۱۶ ج:۱

میں نہیں ملاعلی قاری اور ابن عابدین نے اپنے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ اس کیفیت کو اخیر تک باقی رکھے دلیل استصحاب الحال بناتے ہیں کہ حدیث میں باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا ذکر نہیں اور جہاں کوئی روایت موقوف بھی نہ ہو تو استصحاب الحال سے استدلال جائز ہے۔ یعنی جب پہلے یہی حالت تھی تو اخیر تک یہی حالت ہوگی۔

پھر حضرت گنگوہی فرماتے ہیں انگلی پوری طرح نہ رکھے بلکہ انگلی تھوڑی اٹھی ہوئی ہونی چاہیئے اس کی تائید نسائی (9) کی روایت قد احناہا شیئاً اور ابوداؤد (10) کی حناہا شیئاً کہ تھوڑی مائل کرلی تھی سے ہوتی ہے۔ ابوداؤد میں یہ بھی ہے لایجاوز بصرہ اشارتہ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اشارے کے وقت آسمان کی طرف نہ دیکھے کما ھو داب عامۃ الناس کہ اس سے وہم ہوتا ہے مکان باری کا آسمان میں ہونے کا تعالیٰ عن ذالک علواً کبیراً دوسرا مطلب یہ ہے کہ نظر انگلی پر جمائے رکھے کہ انگلی کا دل کے ساتھ ربط ہے تو دیکھنے سے دل کا استحضار ہوتا ہے اور خضوع میں مدد ملتی ہے۔

پھر اشارہ سیدھے ہاتھ سے اس لئے ہوتا ہے کہ یمین یمن سے ہے بمعنی برکت اور نیک فالی کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیک فالی کو پسند فرماتے تھے۔

قبض اصابع میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نماز کی برکت کو گویا مٹھی میں محفوظ کردیا جیسے دعا کے بعد ہاتھوں کا چہرے پر ملنا اس میں بھی اس برکت کا حصول ہے جو عند الدعاء بندے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔

یدعو بھا ای یشیر بھا بعض روایات میں (11) توحید کا لفظ بھی آتا ہے اور دعا کا لغوی معنی لینا بھی صحیح ہے کہ دعا کا اطلاق چار معنوں پر ہوتا ہے۔ (۱) دعائے رغبۃ (۲) دعائے رہبۃ (۳) دعائے تضرع (۴) دعائے خفیۃ۔

دعائے رغبۃ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھاتے وقت باطن کفین چہرے کی طرف ہوں۔ دعائے رہبت میں باطن کفین زمین کی طرف رہتے ہیں۔ دعائے تضرع میں یہ ہے کہ خنصر بنصر کو موڑ دے اور حلقہ بنائے ابہام اور وسطی کا اور سبابہ سے اشارہ کرے اور یہ دعا ویدعو بہا سے مراد ہے جبکہ دعائے خفیہ یہ ہے کہ دل میں دعا کریں۔

---

(9) ص:۱۸۷ ج:۱ ''باب احناء السبابۃ فی الاشارۃ'' ولفظہ: احناہا اعنی باب الافعال (10) ص:۱۴۹ ج:۱ ولفظہ: قد حناہا شیئاً

(11) کمافی البیہقی ص:۱۳۱ ج:۲ عن ابی صالح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی سعد أیدعو باصبعیہ فی الصلوٰۃ فقال احد احد

باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوٰۃ باب منه ایضاً

زہیر پر ترمذی نے بحث کی ہے کما سیأتی۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر اس حدیث کے متعلق ایک مسئلہ گذر چکا حدیث تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم کے تحت کہ لفظ سلام کی کیا حیثیت ہے عند الحنفیہ واجب ہے جبکہ عند غیرہم فرض کما مر۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں سلام کتنے ہیں ایک یا زیادہ تیسرا اسلام کی حیثیت اور چوتھا مسئلہ کہ سلام کی کیفیت کیا ہے۔

تو دوسرے مسئلے میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو سلام ہونگے خواہ مصلی امام ہو یا مقتدی ومنفرد یہی ابوبکرؓ وعلیؓ وابن مسعودؓ اور عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے بلکہ جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مذہب ہے قال الترمذی وعلیہ اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدہم اس کے برعکس امام مالک کے نزدیک امام کے لئے ایک سلام ہے مقتدی اگر امام کے پیچھے محاذات میں ہے تو تین سلام کہے ایک امام پر (آگے) دوسرا یمین پر تیسرا اہل یسار پر یعنی عند السلام یہ نیت کرے اور اگر وہ مقتدی امام کے یمین یا شمال میں بیٹھا ہے تو دو سلام کرے کیونکہ امام یا یمیناً ہوگا یا شمالاً مستقل تیسرے سلام کی ضرورت نہیں۔

جمہور کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو دو سلاموں پر ختم کرتے تھے قال ابو عیسی حدیث ابن مسعود حدیث حسن صحیح۔

استدلالِ مالک دوسرے باب کی حدیث سے ہے۔

عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسلم فى الصلوٰة تسليمة واحدة

جواب:۔ یہ ہے کہ اولاً یہ روایت ضعیف ہے کما نقل الترمذی قول البخاری کہ زہیر بن محمد سے اہل شام کی روایات مناکیر ہوتی ہیں وجہ یہ ہے کہ زہیر شام آکر اپنے حفظ سے روایات بیان کرتے تھے تو غلطی ہو جاتی

تھی اور مذکورہ روایت بھی شامیین کی ہے۔

جواب۲:۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو حضرت عائشہ کا مقصد بیان عدد نہیں بلکہ بیان کیفیت ہے کہ سلام اس وقت کہتے کہ چہرہ ابھی سامنے ہی ہوتا پھر یمین کی طرف موڑ لیتے۔

اعتراض:۔ اس میں واحدہ کی تصریح ہے جو آپ کی توجیہ کی نفی کرتی ہے۔

جواب:۔ امام احمد نے دیا ہے کہ ہشام کے الفاظ مختلف ہیں تسلیمۃ یسمعنا بھی آیا ہے جسمیں واحدہ کی قید نہیں۔

اعتراض:۔ تسلیمۃ میں تاوحدۃ کے لئے ہے معلوم ہوا کہ سلام ایک تھا۔

جواب:۔ یسمعنا سے معلوم ہوا کہ ایک سلام سناتے تھے دوسرا آہستہ کہتے تھے چونکہ حضرت عائشہ عورتوں کی صف میں ہوتی تھی تو پیچھے تک آواز نہیں پہنچتی تھی۔ اور اگر لفظ تسلیماً ہو جیسا کہ بعض روایات میں ہے تو اس کا اطلاق واحد و ثنتین دونوں پر ہوتا ہے۔

امام مالک کی دلیل۳:۔ رواہ ابو داؤد (1) عن عائشۃ فی صلوٰۃ اللیل فیہ ثم یسلم تسلیمۃ یرفع بھا صوتہ حتیٰ یوقظنا۔ اس میں ایک سلام کا ذکر ہے۔

جواب:۔ مسلم کی روایت میں ویسلم تسلیماً ہے جس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے کہ اس میں تاء وحدت کی نہیں۔

جواب۲:۔ تسلیمۃ کا مطلب یہ ہے کہ ایک زور سے کہتے یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی کہتے تھے۔

دلیل۳:۔ نسائی (2) میں ہے کہ ابن عمر نے دوران سفر نماز پڑھی اور ایک سلام پھیرا و قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضر احدکم امر یخشی فوتہ فلیصل ھذہ الصلوٰۃ یہ سنداً قوی بھی ہے۔

باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوٰۃ باب منہ ایضاً

(1) ص:۱۹۸ ج:۱ ''باب فی صلوٰۃ اللیل''

(2) ص:۹۹ ج:۱ ''باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء''

جواب ا:۔ ممکن ہے کہ حالت عذر پر محمول ہو یا بیان جواز کے لئے ہو البتہ یہ ماننا پڑھے گا کہ سلام ثانی واجب نہیں۔

ابن العربی نے ایک لطیفہ ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی عراق سے مدینہ آیا اور دونوں طرف یعنی اتمام صلوٰۃ کے بعد دونوں طرف سلام پھیرا۔ زہری نے اس کو دیکھ کر اعتراض کیا کہ اس طرح تو میں نے کہیں نہیں دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو آدمی نے کہا کہ کوفہ سے' اس پر آدمی نے کہا کہ آپ کو کیا تمام احادیث کا علم ہے؟ زہری نے کہا کہ نہیں تو آدمی نے کہا کہ ثلثین کا؟ کہا نہیں آدمی نے کہا نصف کا؟ کہا نصف یا ثلث کا تقریباً ہوگا تو آدمی نے کہا کہ یہ ان احادیث میں سمجھو کہ جو آپ کو معلوم نہیں تو زہری ہنس پڑے۔ معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کا عمل ایک سلام پر تھا اور عند مالک عمل اہل مدینہ بھی حجت ہے۔

جواب:۔ ابن عمر کا مدینہ میں اثر و رسوخ زیادہ تھا تو ان کے زمانے سے یہ عمل شروع ہوا ورنہ ابوبکر تو تسلیمتین پر عمل پیرا تھے۔

تیسرا مسئلہ سلام کی حیثیت میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ سلام کو فرض کہتے ہیں امام مالک ایک ہی کے قائل ہیں جبکہ شافعی و احمد کے نزدیک ہیں تو دو مگر فرض ایک ہے اور دوسرا سنت ہے۔

نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ عند الشافعی سلام ثانی سنت ہے جبکہ مغنی میں احمد سے سنیت نقل کی ہے۔ حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں دوسرا یہ کہ دوسرا سلام مسنون ہے۔

ابن ہمام کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں اور ابن عمر کی صحیح حدیث (3) میں تسلیمہ واحدہ کا ذکر ہے لہٰذا وجوب کا قول مشکل ہے۔

چوتھا مسئلہ کیفیت سلام کی یہ ہے کہ پہلے دائیں پھر بائیں سلام کہا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک سلام آگے ہوگا جمہور کی دلیل کان یسلم عن یمینہ و عن یسارہ۔

امام مالک کی دلیل دوسرے باب میں ''یسلم تلقاء وجھہ ثم یمیل الی یمینہ شیئاً''۔

جواب:۔ ابن مسعود کی حدیث قوی ہے اور حدیث عائشہ قریب بہ منکر ہے۔

---

(3) کما فی روایۃ النسائی حوالہ بالا

اعتراض:۔سلام تو عند الملاقات ہوتا ہے یہاں تو ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں تو سلام کا کیا معنیٰ؟

جواب:۔اس میں اشارہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت دنیا سے بے خبر ہونا چاہئے کہ تحریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر شئی گویا حرام ہوئی اور عالم بالا سے تعلق ہو جاتا ہے سلام میں گویا عالم بالا سے عالم مشاہدہ میں اب آئے ہیں تو سلام کرتے ہیں گویا یہ بھی اول الملاقات ہے۔

امام سلام میں تین باتوں کا خیال رکھے مقتدیوں کا فرشتوں کا اور صالحی الجن کا دونوں طرف سلام میں ان کی نیت کرے اگر مقتدی امام کے پیچھے ہے تو امام فرشتوں او صالحی الجن کی دائیں بائیں دونوں طرف نمازیوں کی نیت کرے اگر مقتدی یمین یا شمال میں ہے تو جس طرف امام ہے فقط اس طرف اس کی نیت کرے۔شامی میں ہے کہ لوگ سلام کی نیت میں غفلت کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت اہم ہے۔

باب ماجاء ان حذف السلام سنة

رجال:۔

ہقل بن زیاد بکسر الہاء وسکون القاف قیل ہو لقب نام محمد یا عبداللہ ہے۔امام اوزاعی کے کاتب تھے ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حذف سلام سنت ہے عرف میں حذف یہ ہے کہ کلمے سے حرف کو ساقط کیا جائے۔لغت میں اس کا اطلاق فک ادغام ترک مد اور حذف عرفی پر بھی ہوتا ہے یہاں لغوی مراد ہے ترمذی میں اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک قال ابن مبارک لاتمد مدأ یعنی سلام میں مد نہیں ہوگا۔دوسرا ابراہیم نخعی کی توجیہ ہے ''التکبیر جزم والسلام جزم'' یعنی ورحمۃ اللہ کے ہاپر کسرہ کو ظاہر نہ کیا جائے بلکہ وقف کیا جائے۔

بعض نسخوں میں حزم حاء کے ساتھ ہے حزم کے معنی ہیں جلدی کرنا تو مطلب ہوگا کہ امام کو سلام پھیرتے وقت جلدی کرنی چاہئے تاکہ مقتدی کا سلام امام کے سلام سے پہلے ختم نہ ہو جائے۔

باب مایقول اذاسلم

رجال:۔

عبداللہ بن الحارث البصری تابعی ابوزرعہ ونسائی نے توثیق کی ہے۔☆

تشریح:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد بقدر اللھم انت السلام الخ کے بیٹھتے تھے نماز سے فراغت کے بعد جہاں جانا چاہے جائز ہے لقولہ تعالیٰ (1) ''واذاقضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ '' یہاں امر آیا ہے جس کا ادنیٰ مرتبہ اباحت ہے اگر صلوٰۃ کے بعد سنن ہیں تو فصل کرے کہ ابوداؤد (2) میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو اتصال نوافل سے روکتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمایا کہ تم سے پہلے اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی نماز میں فصل نہیں ہوتا تھا۔ فرفع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بصرہ فقال اصاب اللّٰہ بك یاابن خطاب۔''

حاشیہ مشکوٰۃ پر بحوالہٗ لمعات اس کا طریقہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"المراد بالفصل اماان یتقدم اویتاخر من مکان صلوتہ اویتکلم اویخرج او ترك الذکر بعد السلام۔"

باب کی روایت میں ہے کہ اللھم انت السلام الخ دعا پڑھا کرتے تھے بعض روایات میں اس سے زیادہ الفاظ کا ثبوت بھی ہے۔

اعتراض:۔ لایقعد الامقدار الخ میں لا اور الا ادوات حصر میں سے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ فقط اللھم انت السلام الخ کے بقدر ہی بیٹھے تھے زیادہ دیر تک نہیں حالانکہ دیگر روایات میں زیادہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔

باب مایقول اذاسلم

(1) سورۃ الجمعۃ (2) ص:۱۵۱ ج:۱ ''باب فی الرجل یتطوع فی مکانہ الذی یصلی فیہ المکتوبۃ''

جواب:۔ شاہ ولی اللہ نے تطبیق یوں دی ہے کہ رخ بہ قبلہ مختصر ذکر فرماتے اور جب منہ موڑ لیتے تو اذکار طویلہ فرماتے۔

مخدوم ہاشمی نے تطبیق یوں دی ہے کہ فرائض کے بعد اذکار طویلہ نہیں فرماتے بلکہ مختصر اذکار فرماتے اور سنن کے بعد اذکار طویلہ فرماتے۔

یا جواب یہ ہے کہ مقدار سے مراد تقریباً ہے چاہے اللھم انت السلام ہو یا کوئی اور ذکر جو تقریباً اتنا ہو۔

اعتراض:۔ جب فرائض کے بعد مختصر ذکر فرماتے تو صحابہ کرام کو طویل ذکر کا علم کیسے ہوا؟ جبکہ سنن کو حجرے میں اداء کرنے کا معمول تھا۔

جواب:۔ ممکن ہے کہ جاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہے ہوں یا بواسطہ ازواج مطہرات صحابہ کو معلوم ہوئے ہوں یا اذکار طویلہ تب کرتے جس نماز کے بعد سنن نہیں۔ مسلم میں ہے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک بیٹھے رہتے۔ کبیری میں ہے نماز سے فراغت کے بعد بیٹھنے اور جانے کا اختیار ہے۔ ان نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن نہیں بیٹھنے کی صورت میں امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو بشرطیکہ محاذات میں کوئی مصلی نماز نہ پڑھ رہا ہو چاہے اگلی صف میں ہو یا اخیر میں اگر محاذات میں کوئی ہے تو یمیناً یا شمالاً تھوڑا پھر جانا چاہئے کیونکہ اقبال مصلی مکروہ ہے۔ عند البعض اگر دس مقتدی ہوں تو امام ان کی طرف مقبل ہو جائے کہ ان کی عظمت اب کعبہ سے بڑھ گئی تو بجائے کعبہ کے ان کی طرف مڑے اور اگر دس سے کم ہیں تو کعبہ کی طرف ہی متوجہ رہے۔ کبیری نے اس پر رد کیا ہے کہ ایک مسلمان کی عظمت بھی کعبے سے بڑھ کر ہے۔ بقیہ نمازوں میں مقدار اللھم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

نفس اذکار کے بارے میں تو روایات کثیرہ موجود ہیں لیکن فرائض کے بعد دعا کی کیا حیثیت ہے تو اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک انفرادی ایک اجتماعی۔ دونوں میں فرق ہے انفرادی دعا تو احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ مصنف ابن ابی شیبہ(3) میں عبداللہ بن زبیر کی روایت ہے کہ ابن زبیر کے پاس کسی نے نماز پڑھی اور سلام سے پہلے نماز میں ہاتھ اٹھائے تو ابن زبیر نے فرمایا۔

(3) بحوالہ معارف السنن ص:۱۲۲ ج:۳

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتیٰ یفرغ من صلوٰتہ

اس کو نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد (4) میں ذکر کیا ہے وقال رجالہ ثقات۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ماسلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید

اس میں باقی ثقات ہیں فقط علی بن زید ہے کہ بعض نے اس پر کلام کیا ہے لیکن مسلم نے اس کی روایت دوسری حدیث کے ساتھ ذکر کی ہے لہٰذا قابل استدلال ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الفجر فلماسلم انحرف ورفع یدیہ ودعا

عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (6) میں ہے۔

عن انس مرفوعاً مامن عبد یبسط کفیہ دبر کل صلوٰۃ یقول اللّٰھم الٰھی والہ ابراھیم واسحق ویعقوب الاکان حقاً علی اللّٰہ ان لایرد یدیہ خائبتین

یہ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس مضمون کی دیگر احادیث ثابت ہیں اور معاملہ بھی فضائل کا ہے تو روایت قابل استدلال ہے۔

وکذا فی معجم کبیر، اوسط للطبرانی (7) عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ۔

صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللھم بارک لنافی مدینتنا وبارک لنا فی مدنا وصاعنا

معلوم ہوا کہ فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے بلکہ نووی نے شرح مہذب میں اور ہمارے بعض فقہاء نے جیسا کہ نورالایضاح میں ہے مستحب قرار دیا ہے چاہے امام ہو مقتدی ہو یا منفرد۔

---

(4) حوالہ بالا (5) حوالہ بالا (6) ص: ۱۲۱ نوع آخر ص: ۱۳۸ ولفظہ: بسط کفیہ الخ یعنی ماضی ہے۔

(7) بحوالہ معارف السنن ص: ۱۲۳ ج: ۳

اجتماعی دعا بعد المکتوبہ ثابت نہیں خاص کر جب نہ کرنے والوں پر طعن کیا جائے۔ البتہ نوافل میں اجتماعی دعا ثابت ہے۔ مسلم (8) میں ہے کہ ام سلیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور دعا مانگی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عموماً جواذ کار وادعیہ کا ذکر احادیث میں آیا ہے عملی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ بہت کم ثابت ہے معلوم ہوا کہ زیادہ تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بغیر رفع یدین کے دعا پر تھا یا ذکر واذکار پر تھا۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور شہاب الدین الابہیشی نے ''المستطرف فی کل فن مستظرف'' میں لکھا ہے کہ قرآن میں زیادہ سے زیادہ دعا جو سورہ بقرہ کے اخیر میں ہے سات جملوں پر مشتمل ہے صحابہ کا عمل بھی اسی پر تھا لہٰذا آج کل کی مروج لمبی دعائیں اور اس میں تکلف وتصنع سے پرہیز ضروری ہے۔

اس باب کی دوسری روایت میں ہے ''ولا ینفع ذالجد منک الجد'' جد کا اطلاق غنی ابوالاب اور سعی (بکسر الجیم کی صورت میں) پر ہوتا ہے یہاں تینوں معانی صحیح ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کا غنی یا دادا یا سعی بندے کو اللہ سے نہیں چھڑا سکتا صرف ایمان وطاعت آدمی کو اللہ کے غضب سے بچا سکتا ہے۔ اس معنی پر لا ینفع فعل ہے اور الجد مرفوع اس کا فاعل ہوگا اور ذالجد مفعول ہوگا۔ من جار مجرور ینفع سے متعلق ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ لا ینفع معطوف ہے لا معطی پر اور ذاالجد سے آگے نیا جملہ ہے معنی یہ ہے کہ لا ینفع عطاءہ اور ذالجد منادی ہے حرف نداء محذوف ہے اصل میں یا ذاالجد ہے۔

---

(8) صحیح مسلم ص:۲۰۹ ج:۲ ولیس فیہ ذکر الصلوٰۃ ایضاً مسلم ص:۲۳۴ ج:۱ ''باب جواز الجماعۃ فی الصلوٰۃ النافلۃ والصلوٰۃ علی الحصیر الخ''، وفیہ ذکر الصلوٰۃ

باب ماجاء فی الانصراف عن یمینه وعن یساره

ینصرف عن یمینه وعن یساره کے دومطلب ہیں ایک یہ کہ اگر امام مقتدیوں پر متوجہ ہونا چاہے تو کس طرف سے متوجہ ہو دوسرا یہ کہ امام اگر مصلّٰی سے اٹھ کر جانا چاہے تو کس طرف اٹھے۔

امام بخاری (1) نے دونوں کے لئے باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال کے عنوان سے قائم کیا ہے انفتال کے معنی مقتدیوں پر متوجہ ہونا اور انصراف کا معنی ہے اٹھ کر جانا۔

قال الترمذی والعمل عند اهل العلم انه ینصرف علی ای جانبه شاء ان شاء عن یمینه وان شاء عن یساره وصح الامران عن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول توجہ الی المقتدیین کا یہ تھا کہ جانب یمین پر متوجہ ہوتے تھے۔بعض نے کہا ہے کہ یسار کی طرف اٹھ کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ حجرہ یسار کی طرف تھا۔

روی عن ابن مسعود (2)لایجعل احدکم للشیطان شیئا من صلواته یری ان حقا علیه ان لاینصرف الاعن یمینه اخرجه جماعة الاالترمذی۔

یعنی یہ لازم نہیں کرنا چاہئے کہ صرف جانب یمین کی طرف ہی مڑونگا کہ جانب یسار کی طرف مڑنا بھی رخصت ہے۔

باب ماجاء فی الانصراف عن یمینه وعن یساره

(1) صحیح بخاری ص:۱۱۸ج:۱

(2) رواہ ابوداؤد ایضاً ص:۱۵۶ج:۱ ''باب کیف الانصراف عن الصلوٰۃ''

باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ

رجال:۔

اسماعیل بن جعفر ثقہ ہیں وفات ۱۸۰ھ کو ہوئی۔ یحیٰ بن علی مقبول من السادسۃ۔

عن جدہ نسائی کی روایت میں عن ابیہ عن جدہ ہے۔ ابوہ علی بن یحیٰ بن خلاد ثقہ ہیں اور جدہ یحیٰ بن خلاد بن رافع کو ابن حبان نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے۔

رفاعہ ابن رافع انصاری بدری جلیل القدر صحابی ہیں۔☆

تشریح:۔

ترمذی کا معمول ہے کہ جب چند مسائل تفصیلاً ذکر کرتا ہے تو اخیر میں بحث کو سمیٹنے کے لئے ایسی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں اس بحث کے تمام یا اکثر مسائل کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہاں بھی تین احادیث ذکر کی ہیں جن سے ابواب الصلوٰۃ کے تمام مسائل نماز کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مسیئ فی الصلوٰۃ سے مشہور ہے۔

بینماھو جالس فی المسجد مستدرک حاکم (1) میں ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔

فی المسجد سے مراد ناحیۃ المسجد ہے کمافی صحیح البخاری والمسلم (2)۔

اذجاءہ رجل کالبدوی مصنف ابن ابی شیبہ (3) میں اس کا نام خلاد بن رافع ہے یہ رفاعہ بن رافع کے بھائی تھے بدوی نہیں لیکن بدویوں کی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی تھی۔

باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ

(1) مستدرک حاکم ص:۲۴۳ ج:۱ ''الامر بالاطمینان واعتدال الارکان فی الصلوٰۃ''

(2) بخاری ص:۱۰۹ ج:۱ ''باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ'' مسلم ص:۱۷۰ ج:۱ ''باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ الخ'' (3) ص:۲۸۷ ج:۲ ''فی الرجل ینقص صلوٰتہ وماذکر فیہ وکیف یصنع''

فصلیٰ نسائی (4) میں ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی غالباً تحیۃ المسجد تھی۔ فاخف صلوٰتہ یہاں تخفیف فی القراءۃ مراد نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے دوران بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کے رونے پر اس کی ماں کی پریشانی کی وجہ سے نماز میں تخفیف کرتا ہوں لہٰذا مراد یہاں تخفیف فی تعدیل ارکان ہے۔

اعتراض:۔ جب اس آدمی نے مکروہ پر عمل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ تصحیح کیوں نہیں فرمائی دوبارہ اس طرح نماز پڑھائی تو تقریر علی الکراہیۃ ہے۔

جواب ا:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں کہ اسی طرح پڑھو بلکہ مقصد یہ تھا کہ صحیح پڑھو۔

جواب ۲:۔ خلاد کو پہلی فرصت میں غلطی کا احساس ہونا چاہیے تھا مگر نہیں ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احساس دلانے کے لئے بار بار لوٹایا اور اس کی اہمیت بتانے کے لئے ذرا مشقت میں ڈالا کہ بعد المشقۃ حاصل ہونے والی چیز اوقع فی النفس ہوتی ہے۔

جواب ۳:۔ ابن جوزیؒ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تقریر علی الکراہیۃ نہ تھا بلکہ یہ جاننا تھا کہ یہ اس کی عادت ہے یا عارضی جب بار بار بغیر کسی تبدیلی کے نماز اسی طرح پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ اس کی عادت ہے تو یہ لوٹانا تحقیق کے لئے تھا۔

فانك لم تصل میں اشارہ اس بات کی طرف کہ تعدیل ارکان نہ کرنے سے نماز پر اثر پڑتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ہی ختم ہو جاتی ہے حنفیہ کے نزدیک نماز ناقص ہوگی جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

شیخ الہند فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے وہی مطلب لیا جو صحابہ نے اولاً حدیث سے سمجھا اور حنفیہ نے وہ مطلب لیا اور وہی سمجھا جو صحابہ نے بعد میں سمجھا جو کہ انتقصت منہ شیئاً سے واضح ہے۔

ثم تشھد فاقم ایضاً کے معنی میں شراح کا اختلاف ہے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ وضو کے بعد تشہد

(4) دیکھئے سنن نسائی ص:۱۶۱ ج:۱ ''باب الرخصۃ فی ترک الذکر فی الرکوع'' وص:۱۷۰ ج:۱ ''باب الرخصۃ فی ترک الذکر فی السجود'' لیکن ان دونوں جگہوں پر دو رکعت والی روایت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(اشھدان الخ) کھو فاقم ای اقم الصلوٰۃ یہ توجیہ ابوداؤد(5) کی روایت میں چل سکتی ہے کہ اس میں ایضاً نہیں لیکن ترمذی میں ایضاً ہے لہٰذا یہ توجیہ مناسب نہیں۔

اکثر کی رائے یہ ہے کہ تشہد سے مراد اذان ہے تسمیۃ الکل باسم الجزاور اقم سے مراد اقامت ہے۔

اعتراض:۔ خلاد منفرد ہے اور منفرد کے لئے اذان اور اقامت نہیں یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور تشہد واقم دونوں صیغے امر کے ہیں جو مقتضی وجوب ہیں۔

جواب:۔ یہ حکم بحیثیت منفرد نہیں دیا بلکہ بحیثیت ایک فرد من الجماعۃ دیا ہے۔

فان کان معك قرآن فاقرأ مسند احمد(6) میں سورۃ فاتحہ کا بھی ذکر ہے۔

والافاحمد اللہ اس سے فقہاء نے مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نو مسلم ہو اور اسکو قرآن پڑھنے کا موقع نہ ملا ہو یاد نہ ہو یا صبی بالغ ہو جائے اور اس کو اتنی مقدار یاد نہ ہو جس سے نماز صحیح ہو تو اس کو اتنی قرأت کا یاد ہونا ضروری ہے جس سے نماز صحیح ہو اس وقت تک تسبیح تحمید وغیرہ اذکار سے نماز پڑھنا اس کے لئے جائز ہے اگر تعلیم میں تاخیر کرتا ہے تو گناہ گار ہوگا۔ اگر اخرص ہے تو وہ تحریک الشفتین کرے گا یہ قائم مقام قراءت کے ہوگا۔

و اذاانتقصت یعنی تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز میں نقصان ہوگا۔

و کان ذالك اھون علیھم کہ پہلے یہ سمجھے تھے کہ پوری نماز جائے گی اب معلوم ہوا کہ پوری نہیں بلکہ ناقص رہے گی۔

دوسری روایت ابوہریرہ کی ہے وفیہ وافعل ذالک فی صلوٰتک کلہا اس سے شافعی نے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ قراءت چاروں رکعتوں میں فرض ہے حسن بصری وزفر کا مذہب یہ ہے کہ ایک رکعت میں قراءت فرض ہے امام مالک کے نزدیک تین رکعت میں فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دو رکعت میں فرض ہے۔ امام احمد کے نزدیک ایک قول حنفیہ کی طرح یعنی دو رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کا ایک شافعیہ کی طرح یعنی چاروں رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کا ہے۔

---

(5) ص:۱۳۱ ج:۱ ''باب صلوٰۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود''

(6) ص:۱۹ ج:۷ رقم حدیث:۱۹۰۱۷

امام شافعی کی دلیل باب کی حدیث ہے وافعل ذالک فی صلوتک کلہا۔

جواب:۔ ذالک سے مراد قراءت نہیں بلکہ تعدیل ارکان ہے اگر مطلق لیا جائے وافعل الخ کو تو بہت ساری چیزیں اس میں ہیں تو ان سب کو فرض ہونا چاہئے حالانکہ اس کے آپ بھی قائل نہیں۔

امام زفر و حسن بصری کا استدلال یہ ہے کہ قراءت کے صیغہ امر سے وجوب ثابت ہے مگر امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا لہٰذا صرف ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

جواب:۔ قراءت نماز میں فرض ہے اور ایک رکعت نماز نہیں لہٰذا کم از کم دو رکعت میں قراءت فرض ہونی چاہئے کہ اس پر نماز کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ للا کثر حکم الکل لہٰذا تین رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔

حنفیہ مصنف ابن ابی شیبہ (7) میں حضرت علی وابن مسعود کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اقراء فی الاولیین وسبح فی الاخرین قال محمد قال علقمۃ کہ عبداللہ بن مسعود پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے تھے نہ کہ اخیرین میں۔ شیخ ابن ہمام نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے شیخ کا خود میلان چار رکعتوں میں قراءت کی فرضیت کی طرف ہے۔

محمد بن عطاء ابوحمید الساعدی سے روایت کرتے ہیں نقل کرتے وقت دس صحابہ موجود تھے طحاوی (8) میں ہے کہ سارے صحابہ نہیں تھے۔ ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ مخصوص مسئلے میں اعلم ہونے کا دعوی صحیح ہے مطلقاً اعلمیت کا دعوی صحیح نہیں۔

فتخ ای لین یعنی قبلے طرف متوجہ کرتے تھے۔ سجدتین ای الرکعتین۔ کبر ورفع یدیہ قیام الی الثالثۃ کے وقت رفع یدین شوافع کا مذہب نہیں تو یہ ان کو مفید نہیں۔

(7) ص:۳۷۲ ج:۱ ''من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرأ''

(8) شرح معانی الآثار ص:۱۶۲ ج:۱ ''باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ہل مع الخ''

باب ماجاء فی القراء ۃ فی الصبح

رجال:۔

مسعر بکسر المیم وسکون السین وفتح العین ثقہ ہیں قال ابن القطان ماارایت مثلہ کان من اثبت الناس۔سفیان سے مراد ثوری ہیں۔زیاد بن علاقۃ بکسر العین ثقہ ہیں۔

عن عمہ قطبہ بن مالك بضم القاف وسكون الطاء صحابی سكن الكوفة رضی الله عنہ۔☆

تشریح:۔

یہاں سے چند ابواب کا سلسلہ ہے ان ابواب سے غرض یہ ہے کہ قراءت مسنونہ کی مقدار نماز میں کتنی ہے یہ بتانا ہے۔اس پر اتفاق ہے کہ نفس قراءت فی الصلوٰۃ فرض ہے پھر سورت فاتحہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے دیگر کے نزدیک فرض ہے ضم سورت تین آیات قصار یا پھر ایک آیت طویلہ مع الفاتحہ حنفیہ کے نزدیک واجب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے پھر تیسری وچوتھی رکعت میں ضم سورت عند الشافعی سنت ہے دیگر ائمہ کے نزدیک سنت نہیں۔تیسری وچوتھی رکعت میں اگر ضم سورت کیا تو اس بارے میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں۔ا)مکروہ ہے سجدہ سہو ہوگا۔۲)مکروہ بلا سجدہ سہو۔۳)مباح

مقدار مستحب قراءت ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے حتیٰ کہ اس بارے میں باہم الفاظ بھی متفق ہیں حنفیہ کے نزدیک بعض نے سور کا اعتبار کیا ہے بعض نے تعداد آیات کا وجہ یہ ہے کہ روایات میں دونوں طرح کے الفاظ ہیں مثلاً اس باب میں ترمذی نے دونوں قسم کی روایات ذکر کی ہیں۔کہ فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی والنخل باسقات پڑھ لیتے کبھی الواقعہ۔حضرت عمر(1)کا خط جوانہوں نے ابوموسیٰ

باب ماجاء فی القراء ۃ فی الصبح

(1)رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ ص:۱۰۴ ج:۲''باب مایقرأ فی الصلوٰۃ''ایضاً ابن ابی شیبہ ص:۳۵۸ ج:۱''مایقرأ فی المغرب''

اشعری کی طرف بھیجا تھا اس میں ہے ان اقرأ فی الصبح بالطوال المفصل ۔طوال مفصل عند البعض من سورۃ محمد الی سورۃ بروج وقیل من سورۃ الفتح الی البروج والمشھور انہ من سورۃ الحجرات الی البروج خط کے باقی حصے میں یہ ہے کہ عصر وعشاء میں اوساط مفصل پڑھو جو سورۃ بروج سے لم یکن تک ہے واقرأ فی المغرب بالقصار المفصل ھو من لم یکن الی آخر القرآن اس خط کے مطابق ظہر کی نماز میں بھی اوساط مفصل کا حکم ہے۔

دوسری روایت (2) میں ہے انہ یقرأ فی الفجر ستین آیۃ الی مائۃ یعنی دونوں رکعتوں میں۔
دوسرے باب میں ہے انہ کان یقراء فی الاولی من الظھر قدر ثلیثین آیۃ والثانیۃ قدر خمسۃ عشرۃ آیۃ۔

تو اس اختلاف روایات کی وجہ سے بعض نے سور اور بعض نے عدد آیات کا اعتبار کیا ہے مقدار مستحب قراءت میں عمل زیادہ تر حضرت عمر کے خط کے مطابق ہے۔

شیخین کے نزدیک صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت لمبی ہوگی تاکہ لوگ زیادہ آئیں کہ غفلت کا وقت ہے اور قراءت مطلوب بھی ہے فی نفسہ۔ باقی نمازوں میں رکعات برابر ہونگی جہاں یہ ہے کہ پہلی رکعت لمبی ہوتی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء وتعوذ وغیرہ ہوتی ہیں اس وجہ سے لمبی محسوس ہوتی ہے۔

امام شافعی کی مشہور روایت یہ ہے کہ پہلی رکعت ہر نماز میں لمبی ہوگی مطلقاً دوسری روایت تسویہ کی ہے۔ امام مالک کے نزدیک دوسری رکعت پہلی کی بہ نسبت اقصر ہوگی لیکن زماناً نہ کہ باعتبار قرات کے۔ پھر تین سے کم ایات سے قصر وطول پر اثر نہیں پڑے گا کہ قاری اندازہ لگاتا ہے اور قلیل میں غلطی ہوجاتی ہے۔

(2) رواہ البخاری ص:۱۰۶ ج:۱ ''باب القراءۃ فی الفجر''

باب ماجاء فی القراءۃ فی الظھر والعصر

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کم قراءت کرتے کبھی زیادہ کرتے اگر محسوس فرماتے کہ لوگوں کو شوق ہے تو قرات زیادہ کرتے ورنہ کم کرتے۔کبھی ارادہ طول کا ہوتا مگر دوران صلوٰۃ عارض آتا تو اختصار فرماتے جیسے بچے کا رونا کبھی سفر میں معوذتین پڑھتے کبھی مغرب میں طور ومرسلات پڑھتے اس لئے یہ مسئلہ اس سے اخذ ہوا کہ امام کو بعد تمام القراءۃ الضرور یہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ لوگوں پر بوجھ نہ ہو۔

باب فی القراءۃ فی المغرب

رجال:۔

ام الفضل کا نام لبابۃ بنت الحارث الہلالیہ ہے حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔☆

تشریح:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب میں بھی قراءت طویلہ ثابت ہے جیسے کہ طور ومرسلات اس روایت میں ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سننے پر بہت حریص تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو تعلیم دینا مقصد تھا آج یہ دونوں علتیں مفقود ہیں تو قصار مفصل ہی پڑھی جائیں گی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک طور ومرسلات کی قراءت فی المغرب مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ معمول بنانا مکروہ ہے۔امام شافعی کے اس قول کی اس روایت سے تردید ہوگئی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت نہایت مختصر ہے کیونکہ ظاہر ہے طور ومرسلات پر تو کافی وقت لگتا ہے۔

اشکال:۔ ام فضل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری نماز مغرب کی پڑھائی حضرت عائشہ کی روایت جو بخاری (1) میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری نماز ظہر کی تھی اور دونوں صحیح ہیں تو تعارض ہے۔

جواب:۔ عینی نے دیا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آخری ظہر کی نماز پڑھائی ام فضل کی روایت گھر میں آخری نماز پر محمول ہے کہ آخری نماز مغرب کی گھر میں پڑھائی۔اور اس روایت میں خرج الینا کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد کی طرف نکلے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اندر سے باہر حجرے کی طرف تشریف لے آئے۔

بیہقی کی تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی امام بن کر یہ ہفتہ یا اتوار کا دن تھا پیر کو صبح نکلے مگر نماز ابو بکرؓ نے پڑھائی تو بحیثیت امام نہیں تھے۔

ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے تین دن پہلے آنے سے قاصر ہوئے تھے تو ہفتہ اتوار اور پیر کے دن نماز میں کیسے آئے؟ اس تحقیق کی روشنی میں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی آخری نماز بروز جمعرات پڑھائی تھی۔ واللہ اعلم

باب القراء ۃ فی المغرب

(1) صحیح بخاری ص:۹۵ ج:۱ ''باب انما جعل الامام لیؤتم بہ'' ایضاً صحیح مسلم ص:۱۷۸ ج:۱ ''باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ'' ایضاً دیکھئے نصب الرایہ ص:۴۶ ج:۲

باب ماجاء فی القراء ۃ خلف الامام

سند پر بحث آگے آئے گی۔امام ترمذی نے قراءت خلف الامام کے لئے دو باب قائم کئے ہیں پہلا قراءت خلف الامام کے عنوان سے اوراس میں عبادۃ بن صامت کی حدیث ذکر کر کے اس پر حسن کا حکم لگایادوسرا باب ترک قراءت خلف الامام اذاجہر بالقراءۃ کے عنوان سے قائم کر کے اس میں جابر بن عبداللہ کی حدیث ذکر کی اوراس کوحسن صحیح قرار دیا۔

قراءت خلف الامام کے بارے میں ائمہ مذاہب کا اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک مقتدی خلف الامام قراءت کرے گا خواہ امام جہر کرے یا اخفاءیہ امام شافعی کا قول جدید ہے جو وفات سے دو سال پہلے مصر میں اختیار کیا تھا۔شاہ صاحب نے فیض الباری میں تصریح کی ہے کہ اس سے پہلے امام شافعی سری نمازوں میں تو فاتحہ کے وجوب کے قائل تھے مگر جہری میں نہیں۔

اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام ناجائز ہے سری میں حنفیہ کے پانچ اقوال ہیں۔ (۱)واجب ہے۔ (۲)مستحب ہے۔ (۳)مباح ہے۔ (۴) مکروہ تنزیہی۔ (۵)مکروہ تحریمی۔اکثر متاخرین حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے بعض حنفیہ سری میں گنجائش قراءت کے قائل ہیں۔

امام احمد و مالک کے نزدیک جہری نماز میں قراءت خلف الامام واجب نہیں بلکہ مستحب ہے یا مباح ہے یا مکروہ ہے۔سری نمازوں میں ان کے تین اقوال ہیں۔(۱)واجب ہے۔(۲)مستحب ہے۔(۳) جائز ہے۔

شافعیہ کا استدلال پہلے باب کی روایت سے ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القراء ۃ فلماانصرف قال انی اراکم تقرء ون وراء امامکم قال قلنا یارسول اللّٰہ ای واللّٰہ قال لاتفعلوا الابام القرآن فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا

شوافع کا یہی سب سے زیادہ قابل اعتماداستدلال ہے۔

جواب:۔ یہ روایت نا قابل استدلال ہے جبکہ ترک قراءت والی روایت اقوی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ

روایت معلول ہے امام احمد ابن عبد البر امام ذہبی شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت معلول ہے اوراس کی کئی وجوہات ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ روایت تین طرق سے مروی ہے۔

(۱) بخاری (1) کا طریق وفیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب یہ بجائے مکحول کے زہری سے مروی ہے ترمذی نے بھی تعلیقاً نقل کیا ہے۔

(۲) طریق مصنف ابن ابی شیبہ (2) اور طحاوی نے احکام القرآن (3) اور ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے وفیہ قال تلمیذ عبادۃ بن صامت محمود بن الربیع کہ میں عبادہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے قراءت فاتحہ کی فقلت لہ یاابا الولید الم اسمعک تقرا بفاتحۃ الکتاب قال اجل انہ لاصلوٰۃ الا بہا۔ قال ابن تیمیہ فی فتاویٰ کہ یہ واقعہ خلف الامام کا تھا۔

طریق نمبر۳ ترمذی میں ہے۔

ان طریق میں سے اول اور ثانی بلاشک صحیح ہیں مگر اول سے شافعیہ کا استدلال درست نہیں کہ اس میں خلف الامام کا کوئی تذکرہ نہیں۔

قال احمد فہذا الرجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ

یہ برائے مقتدی نہیں۔ (ترمذی) آج کل کے غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ اس میں لفظ ''من'' لاصلوۃ لمن عام ہے جو مقتدی و منفرد سب کو شامل ہے تو یہ علم سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ عموم سے استدلال وہاں درست ہوتا ہے جہاں مخصص نہ ہو یہاں تو کئی روایات ہیں مثلاً جابرؓ کی حدیث آتی ہے طریق ثانی بھی صحیح ہے مگر جواب یہ ہے کہ اس میں عبادہ بن صامت کا عمل بتایا گیا ہے جب شاگرد نے پوچھا کہ آپ قراءت خلف الامام کرتے ہیں تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہا تو عبادہ نے اسکو

باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام

(1) ص:۱۰۴ ج:۱ ''باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلہا فی الحضر والسفر الخ'' ایضاً صحیح مسلم ص:۱۶۹ ج:۱

(2) ص:۳۷۵ ج:۱ ''من رخص فی القراءۃ خلف الامام''

(3) بحوالہ معارف السنن ص:۲۰۰ ج:۳

مطلق سمجھا منفرد و مقتدی دونوں کے لئے۔ تو یہ نہ مرفوع ہے نہ قابل استدلال ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محمود بن ربیع نے اس کی قراءت پر تعجب کیا جو دلیل ہے اس بات پر کہ دیگر لوگوں کا معمول اس وقت بھی قراءت خلف الامام کا نہیں تھا۔ خود محمود بن ربیع نے بھی قراءت نہیں کی ورنہ تعجب نہ کرتے اور عبادہ نے بھی ان سے یہ نہیں کہا کہ نماز لوٹاؤ نماز نہیں ہوگی بہرحال یہ ان کی اپنی رائے ہے جو مرفوع احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔

طریق نمبر۳ صریح ہے علی موقف الشافعیہ مگر صحیح نہیں کیونکہ اس پر چند مضبوط اعتراضات کئے گئے ہیں۔

ایک اعتراض اس پر یہ ہے کہ محمود بن ربیع کے شاگردوں میں سوائے مکحول کوئی اور اس کو نقل نہیں کرتے پھر مکحول کے شاگردوں میں محمد بن اسحٰق ہی نقل کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ غلط فہمی کی بناء پر حدیث اس طرح بن گئی ہے۔ غلط فہمی اس طرح ہوئی ہے کہ زہری کی مرفوع اور موقوف یا یوں کہیں کہ پہلی اور دوسری حدیث کو خلط ملط کر کے یہ بنائی گئی ہے اور یہ ذمہ داری مکحول پر عائد ہوتی ہے کہ یہ منفرد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علماء جرح وتعدیل نے تصریح کی ہے کہ ان سے وہم ہوتا تھا جس کی وجہ سے خلط ملط کرتا تھا فصلہ ابن تیمیۃ فی فتاویٰ پھر تلمیذ مکحول بھی اتنے باعتماد نہیں کہ مرفوع روایت کے مقابلے میں اس کی بات کی طرف توجہ کی جائے یہی وجہ ہے کہ ترمذی نے زہری کی حدیث کا حوالہ دیا اور اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں وقال ہذا صحیح۔

اعتراض ۲:۔ اس روایت کے متن وسند میں شدید اضطراب ہے آٹھ اسناد سے مروی ہے اور ہر سند ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(۱) دارقطنی (4) میں مکحول عن عبادہ بن صامت آیا ہے اس میں محمود بن ربیع کا واسطہ نہیں۔

(۲) ترمذی مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت۔

(۳) ابوداؤد (5) میں مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہ بن صامت۔

(۴) الاصابہ (6) میں مکحول عن نافع بن محمود عن محمود بن ربیع عن عبادۃ۔

---

(4) ص:۳۱۷ ج:۱ رقم الحدیث:۱۲۰۶ (5) ص:۱۲۶ ج:۱ ''باب من ترک القراءۃ فی صلوٰتہ''

(6) بحوالہ معارف السنن ص:۲۰۳ ج:۳

(۵) دار قطنی (7) میں مکحول عن محمود (بن ربیع) عن ابی نعیم انہ سمع عبادۃ بن صامت۔

(۶) ماردینی کا طریق ہے مکحول عن ابن عمر۔

(۷) ماردینی (8) ہی کا ہے مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن عبداللہ بن عمرو۔

(۸) ماردینی وطحاوی کی روایت ہے مکحول عن رجاء بن حیوۃ عن محمود بن ربیع عن عبادہ بن صامت۔ یہ موقوف ہے۔

تو ہر ایک سند مختلف ہے جو کہ ایک شدید اضطراب ہے۔

اعتراض ۳:۔ اس کے متن میں بھی شدید اضطراب ہے صحیحین ونسائی کے طرق کو ملا کر کل ۱۵ طرق بنتے ہیں سب کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اعتراض ۴:۔ مکحول مدلس ہے اور روایت بالعنعنہ کرتا ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہوتا۔

اعتراض ۵:۔ تلمیذ مکحول محمد بن اسحٰق بھی مدلس ہے اور یہ کسی روایت میں منفرد ہو یا عن کے ساتھ روایت کرے تو روایت مشکوک ہو جاتی ہے۔

اعتراض ۶:۔ ابوداؤد کی روایت میں نافع بن محمود ہے جو مجہول ہے مکحول نے بظاہر ان ہی سے تدلیس کی ہے۔

اعتراض ۷:۔ اگر یہ روایت بالفرض مان لیں تو عجز کلام اور صدر کلام میں تعارض آئے گا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تعارض سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مسلم (9) ونسائی (10) کی صحیح روایات میں فصاعداً کا اضافہ ہے تو صدر کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ قراءت نہ کرو اخیر میں یہ ہوگا کہ فاتحہ وغیرہ کی قراءت کرو اور یہ تعارض ہے۔

اعتراض ۸:۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں پھر بھی قراءت خلف

(7) ص:۳۱۷ ج:ا رقم حدیث:۱۲۰۴ (8) بحوالہ معارف السنن ص:۲۰۳ ج:۳

(9) صحیح مسلم ص:۱۶۹ ج:ا ''باب وجوب قراءۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ الخ''

(10) سنن نسائی ص:۱۴۵ ج:ا ''ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ''

الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ اس میں الا بام القرآن استثناء بعد النہی ہے جو اباحت پر دال ہے تفصیل صاحب معارف نے یوں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قراءت سے روکا جس کی تفصیل ابوہریرہ کی حدیث میں ہے انی اقول مالی انازع القرآن فاتحہ کو مستثنیٰ کردیا کہ اس کی تلاوت بکثرت ہوتی ہے اور جو زیادہ زبان زد ہو تو زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی روانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے دوسری وجہ استثناء یہ ہے کہ اس کی الگ شان ہے کہ امام ومنفرد کے لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے تو اظہار شان کے لئے اس کا ذکر کیا۔

اعتراض:۔ اس میں تصریح ہے فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرا بہا معلوم ہوا کہ نماز جائز ہی نہیں۔

جواب:۔ یہ تعلیل نہیں بلکہ استشہاد ہے فرق یہ ہے کہ علت مدار حکم ہوتی ہے شاہد مدار حکم نہیں ہوتا بلکہ مناسبات وملائمات میں سے ہوتا ہے۔

یہ بحث ترمذی میں عبادہ بن صامت کی حدیث کے متعلق تھی ترمذی کے علاوہ عبادہ بن صامت کی حدیث ایک بخاری میں ہے جس کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منفرد کے بارے میں ہے اسی طرح ان کی حدیث ابوداؤد ومسلم اور نسائی میں ہے جس کا شاہ صاحب نے جواب دیا ہے کہ یہ حنفیہ کے خلاف حجت نہیں کیونکہ مسلم ونسائی ابوداؤد (11) میں فصاعداً کا اضافہ ہے پوری حدیث اس طرح ہے لاصلوۃ الابفاتحۃ الکتاب فصاعداً یعنی فاتحہ بمع سورت کی قراءت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں کیونکہ نفس قرات رکن ہے اور ترک رکن سے ہمارے ہاں بھی نماز نہیں ہوتی۔ اس سے فقط سورہ فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ نفس قراء ت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

اعتراض:۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ فصاعداً کے اضافے میں معمر متفرد ہے۔

جواب:۔ یہ تسلیم نہیں کہ معمر متفرد ہے کیونکہ اس کے پانچ اور متابع موجود ہیں اس اضافے میں ابوداؤد (12) میں سفیان بن عیینہ، بیہقی (13) میں اوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، عبدالرحمٰن بن اسحٰق مدنی نے متابعت کی ہے۔ عمدۃ القاری (14) میں صالح بن کیسان کی متابعت کی بھی تصریح کی گئی ہے۔

(11) مسلم ص:۱۶۹ ج:۱ نسائی ص:۱۴۵ ج:۱ ابوداؤد ص:۱۲۶ ج:۱ (12) ص:۱۲۶ ج:۱ "باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ"

(13) دیکھئے کتاب القراءۃ للبیہقی ص:۱۱ بحوالہ معارف السنن ص:۲۲۳ ج:۳ (14) عمدۃ القاری ص:۶۹ ج:۳

جواب ۲:۔ اگر بالفرض معمر کو متفرد بھی مان لیں تب بھی اس حدیث کی حجیت کے لئے مضر نہیں کیونکہ معمر بالاتفاق ثقہ ہے بلکہ اثبت الناس فی الزہری ہے تو اگر اس کا تفرد مقبول نہیں تو پھر تو کسی کا تفرد مقبول نہیں ہوگا۔

اعتراض ۲:۔ بخاری (15) نے یہ کہا ہے کہ اگر فصاعداً کا اضافہ مان بھی لیں تو بھی فاتحہ وضم سورت کا حکم ایک ہونا لازم نہیں آتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ فرض ہے ضم سورت مستحب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سیبویہ نے لکھا ہے کہ فصاعداً ایجاب ماقبل اور اختیار مابعد کے لئے آتا ہے جیسے کہ بعہ بدرہم فصاعداً یعنی ایک درہم میں فروخت کرنا ضروری ہے زائد میں اختیار ہے اسی طرح یہاں بھی فاتحہ فرض اور ضم سورت میں اختیار ہے بہتر ضم ہے۔

جواب:۔ شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب میں دیا ہے کہ امام بخاری کا یہ استدلال صحیح نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ سیبویہ کا بیان کردہ قاعدہ اس حدیث پر منطبق نہیں اس لئے کہ جو تمثیل سیبویہ نے دی ہے یہ محاورہ ہے اور محاورہ قانون نہیں ہوتا کہ کسی بھی جگہ اس سے حکم منفک نہ ہو بلکہ محاورے میں خبریت وانشائیت اور اثبات ونفی کے اعتبار سے اثر پڑتا ہے مثلاً فصاعداً کی ایک خاصیت بخاری کی بیان کردہ ہے اس کے برعکس فصاعداً کا حکم یہ بھی ہے کہ یہ ادخال مابعد فی ماقبل کے لئے بھی آتا ہے جیسے مشیت میلین فصاعداً یہاں زیادتی بھی میلین کے اندر حتماً داخل ہے۔

تیسرا حکم اس کا یہ ہے کہ یہ توزیع کے لئے آتا ہے یعنی تقسیم الآحاد کے لئے بھی آتا ہے جیسے بعتہ بدرہم فصاعداً یعنی بعض مبیعہ درہم کا اور بعض درہم سے زیادہ کا بیچا۔ یا قراءت کل یوم جزءً فصاعداً یعنی کسی دن پارہ پڑھا کسی دن زیادہ یہاں پر پہلے وجوب اور مابعد میں اختیار کا حکم جاری نہیں۔ معلوم ہوا کہ خبریت وانشائیت اور اثبات ونفی سے اس کا حکم بدلتا ہے۔ لہٰذا یہاں حدیث میں فصاعداً کا وہ حکم جاری کریں جو یہاں کے مناسب ہے چونکہ اسمیں لاصلوٰۃ الحدیث اخبار ہے تو بعه بدرهم فصاعداً پر قیاس نہیں کریں گے بلکہ مشیت میلین فصاعداً پر

(15) کمافی جزء البخاری بحوالہ معارف السنن ص:۲۲۸ ج:۳

فائدہ:۔ فصاعداً کے ہم معنی الفاظ جیسے فما زاد اور ماتیسر بھی مروی ہیں چنانچہ دیکھئے ابوداؤد ص:۱۲۵ ج:۱ اور بیہقی ص:۶۰ ج:۲

قیاس کریں گے کہ یہ اخبار ہے اول (بعد الخ) تو انشاء ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیبویہ نے یہ جو کہا ہے کہ فصاعداً کے ماقبل میں ایجاب و مابعد میں اختیار ہوتا ہے اس کے لئے مثال انشاء کی دی ہے اور کلام موجب ہے۔ یہاں حدیث میں نہ کلام موجب ہے اور نہ کلام انشائی ہے بلکہ خبری اور منفی ہے لہٰذا وہ حکم یہاں لگانا درست نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ فصاعداً منصوب ہے حال ہے فاتحۃ الکتاب سے اور فاتحۃ الکتاب مفعول ہے لم یقرأ کا اور حال قید ہوتا ہے اور علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے کہ کلام موجب ہو یا منفی مقصود قید ہوتی ہے یا یوں کہیں کہ جب نفی کلام مقید پر وارد ہو جائے تو یا قید کو گراتی ہے یا قید و مقید دونوں کو یہاں فصاعداً اور فاتحۃ دونوں کو یا گرائے گی یعنی اگر کوئی نہ فاتحہ پڑھے نہ کوئی سورۃ تو اس کی نماز نہیں تب بھی شوافع کا مدعی ثابت نہیں اور اگر فقط قید یعنی فصاعداً کو گرائے پھر بھی مطلب یہ ہوگا کہ جو فصاعداً نہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی ترک فاتحہ سے نفی صلوٰۃ ثابت نہیں ہوتی تب بھی مدعی شوافع کا ثابت نہیں۔

شافعیہ کی دلیل ۲:۔ ابوہریرہ کی روایت جو مسلم (16) میں ہے ترمذی نے بھی اگلے باب میں تعلیقاً ذکر کی ہے۔

وروی عن ابوھریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال من صلی صلوٰة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج غیر تمام

ابوہریرہ سے راوی نے پوچھا کہ کبھی میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں فقال اقرأ بهافی نفسك۔

جواب:۔ اس روایت کے دو حصے ہیں ایک مرفوع ایک موقوف۔ مرفوع صرف اتنا ہے من صلی صلوٰة لم یقرأ فیهابام القرآن فهی خداج غیر تمام اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منفرد کے لئے ہے کیونکہ اسی باب میں جابر کی حدیث ہے من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصلی الاان یکون وراء الامام ان میں تطبیق کی صورت صرف یہی ہے کہ منفرد کے لئے فاتحہ کو ضروری قرار دیں اور امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ بلکہ یہ تطبیق خود جابر کی حدیث میں موجود ہے۔

---

(16) صحیح مسلم ص:۱۶۹ ج:۱ ''باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة الخ''

دوسرا حصہ حدیث کا موقوف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ابو ہریرہ کی اپنی رائے ہے جو مرفوع حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔

جواب ۲:۔ اقرأ بھافی نفسك سے مراد یہ ہے کہ دل میں پڑھو یعنی امام کے الفاظ پر غور کرو۔

جواب ۳:۔ یہ بھی منفرد کے لئے ہے اور نفس کا اطلاق منفرد پر ہوتا ہے۔ جیسے حدیث قدسی (17) میں ہے۔

فان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم

یہاں نفس کا اطلاق منفرد پر ہوا ہے۔

شوافع کی دلیل ۳:۔ ابوقلابہ کی حدیث ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ (18) میں ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاصحابه هل تقرأون خلف امامكم فقال بعض نعم وقال بعض لافقال ان كنتم لابد فاعلين فليقرأ احدكم فاتحة الكتاب في نفسه

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کی حجت ہے کہ اولاً یہ سوال کیا کہ ھل تقرأون؟ معلوم ہوا کہ اصل نماز میں عدم قراءت خلف الامام ہے اگر اصل قراءت خلف الامام ہوتا تو ھل لاتقرأون کہتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان كنتم لابد فاعلين یعنی پڑھنا تو نہیں چاہئے اگر آپ لوگوں کو شوق ہے تو دل میں پڑھیں۔ نیز امام ترمذی نے خود باب فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ میں حمد فی الصلوٰۃ

---

(17) رواہ البخاری ص:۱۱۰۱ ج:۲ ''باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ الخ'' ایضاً صحیح مسلم ص:۳۴۳ ج:۲ ''باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللہ تعالیٰ''

(18) مصنفہ ابن ابی شیبہ ص:۳۷۴ ج:۱ ''من رخص القراءۃ خلف الامام'' ایضاً اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ ص:۱۲۷ ج:۲ رقم حدیث ۲۷۶۶ القراءۃ خلف الامام

کومکتوبہ میں فی نفسہ (دل میں) پڑھنے پرمحمول کیا ہے "فی الصلوٰۃ المکتوبۃ انمایحمداللّٰہ فی نفسہ الخ۔

اعتراض:۔کم ازکم جواز تو اس حدیث سے معلوم ہوا۔

جواب:۔ جوحنفیہ سری نمازوں میں قراءت کے قائل ہیں تو وہ اس کو سری نمازوں پرمحمول کرتے ہیں اور جوسری میں بھی قراءت کے قائل نہیں وہ اس کو شروع اسلام پرمحمول کرتے ہیں کہ پہلے قراءت جائز تھی۔

یہ تین روایات ہیں شافعیہ کی طرف سے جن کے جوابات ہوئے اس کے علاوہ شافعیہ کے پاس کوئی صحیح اور صریح دلیل نہیں۔

دلائل حنفیہ:۔ "واذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون"(19) اور چونکہ امام بھی قراءت کرتا ہے لہٰذا فاستمعوا اور انصتوا صیغہ امر ہیں تو استماع وانصات واجب ہے جس پر عمل قراءت مقتدی کی صورت میں نہیں ہوسکتا لہٰذا مقتدی قراءت نہیں کریگا۔

اعتراض:۔ یہ آیت خطبے کے بارے میں ہے نہ کہ قراءت کے بارے میں تو استدلال درست نہیں۔

جواب ا:۔ شیخ نے لمعات میں (20) بیہقی سے نقل کیا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ:

اجمع الناس علی ان هذه الآیة فی الصلوٰة لماورد فی الصلوٰة خلف الامام

سیوطی نے بھی اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ نیز ابن جریر طبری (21) ابن ابی حاتم اور بیہقی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ شروع میں قراءت خلف الامام کرتے تھے تو یہ آیت اتری "واذاقری القرآن فاستمعوا له وانصتوا "الآیۃ مجاہد کی روایت اگرچہ مرسل ہے مگر ان کی جلالت شان کی وجہ سے قابل استدلال ہے کیونکہ ایک تو ابن عباس رئیس المفسرین کے شاگرد ہیں دوسرا ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس جاتا تھا تاکہ ان کی خدمت کرسکوں مگر ابن عمر مجھ سے خدمت لینے کی جگہ میری خدمت کرنے لگتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر مجاہد کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر

---

(19) سورۃ اعراف آیۃ:۲۰۴

(20) ذکرالبیہقی فی کتاب القراءۃ ص:۸۷ رقم:۲۱۶ مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ

(21) دیکھئے تفسیر روح المعانی ص:۱۵۰ ج:۵ آیۃ:۲۰۴ سورۃ اعراف کے تحت

چلتے۔طبری نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔

صلی ابن مسعود فسمع ناساً یقرأون مع الامام فلما انصرف قال اماآن لکم ان تفقھوا اماآن لکم ان تعقلوا"واذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا "کماامرکم الله

ابن مسعود کا اس آیت کی وجہ سے روکنا دلیل ہے اس بات پر کہ یہ قراءت خلف الامام کے بارے میں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کا وجوب مدینہ میں ہوا ہے تو یہ خطبے کے بارے میں کیسے ہوسکتی ہے؟

اعتراض:۔بیہقی کہتے ہیں کہ مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ خطبے کے بارے میں ہے۔

جواب ا:۔سیوطی نے اتقان میں اور شاہ ولی اللہ نے فوز الکبیر (22) میں لکھا ہے کہ صحابہ کبھی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ یہی شان نزول ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اور اگر مان بھی لیں کہ یہ آیت خطبے کے بارے میں ہے تو یہ قاعدہ مسلمہ ہے ہے کہ العبرۃ لعموم الالفاظ لالخصوص المورد جیسے نماز کا حکم صحابہ کو اولاً ہے مگر یہ نہیں کہ ہم پر نماز فرض نہیں یا انفال فقط بدر کے بارے میں نازل ہوئی تو آج کل تقسیم غنائم نہ ہوگی؟ بلکہ حکم عام ہے تو قراءت قرآن کو بھی شامل ہے۔

جواب۲:۔اگر بالفرض تسلیم ہو کہ خطبے کے بارے میں ہے تو قراءت خلف الامام کے ترک پر بطور موجب استدلال ہوسکتا ہے کہ خطبے میں صرف قرآن نہیں بلکہ احادیث وعظ وغیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے جب اس کے سننے کا حکم ہے تو امام تو قرآن پڑھتا ہے اس کو سننے کا حکم تو بطریق اولی ہوگا۔

ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ آیت میں عقلاً تین احتمال ہیں۔

(۱) قراءت خلف الامام کے بارے میں ہو تو یہی ہمارا مدعی ہے۔

(۲) خطبہ وقراءت دونوں کے بارے میں ہو تب بھی مدعی ثابت ہے۔

(۳) فقط خطبے کے بارے میں ہو مگر یہ احتمال مردود ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور خطبے کا وجوب مدینہ میں

---

(22) فوز الکبیر ص:۳۶

ہوا تو مابعد ماقبل کے لئے کیسے شان نزول بن سکتا ہے۔ نیز جب مقتدی بھی پڑھ رہا ہو تو امام کو قراءت کرنے پر مکلّف کرنے کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک آدمی آپ کی بات نہیں سن رہا ہو یا نہیں سمجھ رہا ہو اور آپ کو اس سے بات کرنے پر مکلّف بنایا جائے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ولهذا روی فی الحدیث مثل الذی یتکلم والامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفاراً فهکذا اذا کان یقرأ والامام یقرأ علیه (ص:۲۷۹ ج:۲۳)

ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ تعجب ہے شافعی پر کہ مقتدی کو قراءت خلف الامام پر کیسے قادر سمجھتا ہے؟ کیونکہ جب امام پڑھ رہا ہو تو مقتدی یا امام کے ساتھ قرآن کا منازعہ کرائے گا یا سننے سے گریز کرے گا یا شافعیہ کی توجیہ کے مطابق سکتات میں پڑھے گا پہلے دو احتمال تو ساقط ہیں تیسرے احتمال کے بارے میں پوچھیں گے کہ اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی کیا کرے گا کیونکہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ امام کے لئے سکوت واجب نہیں۔

البتہ ایک اعتراض حنفیہ پر ہو سکتا ہے کہ جہری میں انصات کا حکم سمجھ میں آتا ہے مگر سری میں مقتدی کیوں خاموش رہے گا حالانکہ قرآن تو نہیں سن رہا۔

جواب:۔ وہ لوگ جو سری میں قراءت کے قائل نہیں ہیں جواب یہ دیتے ہیں کہ آیت میں دو حکم ہیں ایک استماع کا یہ جہری نمازوں میں اور ایک انصات کا یہ سری نمازوں کے لئے ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت کے علاوہ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اور بھاری تعداد حنفیہ کے مستدل ہے۔ جو سنداً نہایت قوی بھی ہیں۔ مسلم (23) میں ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ہے۔

وفیه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا و علمنا صلوٰتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا و اذا قرا فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین

اس مضمون کی حدیث ابو ہریرہؓ سے بھی نسائی (24) میں مروی ہے۔

---

(23) ص:۱۷۴ ج:۱ "باب التشهد فی الصلوٰۃ" (24) ص:۱۴۶ ج:۱ "تاویل قوله عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الخ"

انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا و اذاقرافانصتوا و اذاقال سمع اللّٰہ لمن حمده فقولوا اللهم ربنالك الحمد

ان دونوں احادیث میں قراءت کے وقت انصات کا حکم دیا ہے خصوصاً مسلم کی روایت اس پر ناطق ہے کہ یہ فاتحہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس میں ہے اذاقرا فانصتوا و اذاقال غیر المغضوب الخ اس میں واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے جو عندالشوافع ترتیب کے لئے ہے یعنی غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بعد آمین کہو اور اس سے پہلے خاموش رہو اور پہلے سورہ فاتحہ ہی ہوتی ہے۔

اعتراض:۔ واذاقرا فانصتوا کی زیادتی صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث چار صحابہ سے مروی ہے۔ ا۔ابوموسیٰ اشعری۔۲۔ابوہریرہ۔۳۔حضرت عائشہ۔۴۔حضرت انس (25) ان میں سے حضرت عائشہ وانس (26) یہ زیادتی نقل نہیں کرتے حضرت انس کی حدیث ترمذی میں اور حضرت عائشہ کی بخاری میں صلوٰۃ القاعد میں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس زیادتی کے نقل کرنے میں تلامیذ قتادہ میں سے سلیمان التیمی متفرد ہے۔

جواب:۔ جہاں تک سلیمان التیمی کی بات ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے متابع دارقطنی (27) میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ موجود ہیں۔اسی طرح صحیح ابوعوانہ میں ابوعبیدہ نے بھی متابعت کی ہے سلیمان کا تفرد کجا است؟

اگر بالفرض تفرد سلیمان تسلیم بھی کرلیں تو اس کا تفرد صحت حدیث کیلئے مضر نہیں وجہ یہ ہے کہ سلیمان ثقہ راوی ہے بلکہ اس زیادتی کی بڑی شان ہے کہ پوری مسلم میں امام مسلم نے فقط اس حدیث کی تصحیح پر تصریح کی ہے۔ہوا یوں کہ جب امام مسلم املاء کرا رہے تھے جب ابوموسیٰ اشعری کی حدیث پر پہنچے تو ان کے شاگرد ابوبکر ابن اخت ابی النضر نے اعتراض کیا کہ اس میں سلیمان التیمی ہے جو متفرد ہے تو مسلم نے فرمایا تـریـد احـفـظ مـن

(25) کمافی جامع الترمذی ص:۶۷ج:ا ''باب ماجاء اذا صلی الامام قاعداً الخ'' ایضاً اخرجہ البخاری ص:۱۵۰ج:ا ''باب صلوٰۃ القاعد الخ'' (26) اخرجہ البخاری فی صحیحہ ص:۱۵۰ج:ا ''باب صلوٰۃ القاعد الخ''

(27) ص:۳۲۴ج:ارقم حدیث:۱۲۳۴

سلیمان (التیمی)؟ کہ کیا اس سے بھی زیادہ قابل اعتماد حافظ کوئی ہے اور قانون یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے۔(28)

ابوہریرہ کی نسائی والی حدیث بھی صحیح ہے اگر چہ مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی مگر پوچھے جانے پر فرمایا ہوعندی صحیح۔

رہا یہ اعتراض کہ حضرت عائشہ وانس اس کی روایت نہیں کرتے تو ایک جواب یہ ہے کہ ایسا تو بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ ایک راوی حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کرتا ہے دوسرا دوسرا ٹکڑا۔ اس سے صحت حدیث پر اثر نہیں پڑتا۔

جواب۲:۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں اگر چہ متن معنی ولفظاً ایک ہیں مگر شان ورود دونوں کے مختلف ہیں کیونکہ حدیث عائشہ وانس اس وقت کی ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سقوط فرس کا واقعہ ہوا تھا جو بتصریح ابن حجر ۵ھ کا ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(29) کہ انما جعل الامام لیؤتم بہ وفیہ ....واذاصلی جالسا فصلوا جلوساً اجمعون اس ارشاد کے وقت ابوہریرہ وابوموسیٰ اشعری نہیں تھے کیونکہ یہ حضرات تو ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر آئے تھے چونکہ اس مقام پر یہ مقصد تمام احکامات بتانا نہیں تھا بلکہ یہ بتانا تھا کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اس لئے حضرت عائشہ وانس نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ دوسرا ارشاد بعد کا ہے جب ابوہریرہ اور ابوموسیٰ اشعری موجود تھے چنانچہ خطبنا رسول اللہ الحدیث الفاظ ان کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں اس میں مقصد قراءت کے احکام بتانے تھے۔ تو فرمایا ''واذاقرافانصتوا''۔

حنفیہ کی دلیل ۳:۔ باب ثانی میں ابوہریرہ کی حدیث ہے۔(30)

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انصرف من صلوٰۃ جہر فیہا بالقراء ۃ فقال

---

(28) دیکھئے صحیح مسلم ص:۱۷۴ ج:۱ (29) رواہ ابوداؤد ص:۹۶ ج:۱ ''باب الامام یصلی من قعود''

(30) ترمذی کے علاوہ یہ روایت دیکھئے مؤطا مالک ص:۶۹ ''ترک القراءۃ خلف الامام'' اور نسائی ص:۱۴۶ ج:۱ ''ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر'' سنن ابی داؤد ص:۱۲۷ ج:۱ ''باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب اذاجہر الامام'' سنن ابن ماجہ ص:۶۱ سنن کبریٰ للبیہقی ص:۱۵۷ ج:۲

هل قرأ معی منکم احد آنفاً فقال رجل نعم فقال انی اقول مالی انازع القرآن
قال فانتهی الناس عن القراءۃ فیما جهر به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الخ

اس میں تصریح ہے کہ صحابہ پہلے خلف الرسول قراءت کرتے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا تو منع فرمایا۔

اعتراض:۔اس میں ابن اکیمہ اللیثی مجہول ہے۔(31)

جواب:۔ابن اکیمہ کو مجہول کہنا غلط ہے کے بے شمار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور ترمذی نے ان کے نام کی بھی وضاحت کردی کہ ان کا نام عمارہ یا عمرو بن اکیمہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کی توثیق ہو جائے تو وہ مجہول نہیں رہتا۔(32)

اعتراض۲:۔اس میں فانتهی الناس عن القراءۃ مع رسول اللّٰه الحدیث یہ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں بلکہ مدرج من الزہری ہے جیسے کہ ترمذی نے کہا ہے وذکر بعض اصحاب الزہری وفیہ قال قال الزہری الخ۔

جواب:۔ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ قول ابو ہریرہ کا نہیں بلکہ زہری کا ہے کہ ابوداؤد(33) میں ابن السرح کی روایت میں تصریح ہے قال ابو ہریرۃ فانتہی الناس اور جنہوں نے اس کو زہری کا مقولہ قرار دیا ہے یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔غلط فہمی اس طرح ہوئی کہ ابوداؤد میں سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ جب ہم زہری کے حلقہ درس میں حدیث سن رہے تھے اس دوران زہری کا یہ جملہ نہ سن سکا تو معمر سے پوچھا جو ہم درس تھا تو معمر نے کہا قال الزہری الخ یہاں سے یہ غلط فہمی دور ہوئی کہ قال الزہری کا مقصد یہ نہیں کہ یہ زہری کا مقولہ ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ معمر نے سفیان کے پوچھنے پر بتایا کہ قال الزہری یعنی زہری نے یہ حدیث بیان کی۔

اگر بالفرض مان لیں کہ یہ زہری کا مقولہ ہے تو بھی استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ ایک تو زہری نے صحابہ کو دیکھا ہوگا کہ وہ قراءت نہیں کرتے ہیں اور جب صحابہ قراءت نہیں کرر ہے تو کوئی دلیل ہوگی لامحالہ۔

(31) دیکھئے سنن کبری للبیہقی ص:۱۵۹ ج:۲ ''باب من قال یترک الماموم القراءۃ الخ''

(32) کمافی ذیل السنن الکبری للبیہقی ص:۱۵۸ ج:۲۔اسی طرح امام مالک نے اپنی مؤطا میں ص:۶۹ ''ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر بہ'' کے تحت ابن اکیمہ کی روایت کی تخریج کی ہے۔

(33) ص:۱۲۷ ج:۱ ''باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب اذا جہر الامام''

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا استدلال فانتھی الناس الخ پر موقوف بھی نہیں مالی انازع القرآن پر تام ہے کہ مقتدی کی قراءت کو منازعہ قرار دیا ہے لہٰذا ممنوع ہے۔

اعتراض ۳:۔

قال الترمذی ولیس فی ھذا الحدیث مایدخل علی من رأی قراءۃ خلف الامام لان اباھریرۃ ھو الذی روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذا الحدیث وروی ابوھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی صلوٰۃ لم یقرأفیھا بام القران فھی خداج غیر تمام فقال لہ حامل الحدیث انی اکون وراء الامام فقال اقرأبھا فی نفسک۔

حاصل یہ ہے کہ یہاں ابوہریرہ ترک قراءت کے راوی تو ہیں مگر ان کا فتویٰ ''اقرأ بھافی نفسک'' ہے تو قراءت کے قائلین کے خلاف حجت نہیں۔

جواب:۔ پہلے گذرا کہ اقرأبہافی نفسک یہ ابوہریرہ کی اپنی رائے ہے جو مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں اور خصوصاً شوافع کے لئے یہ جملہ مفید نہیں کہ ان کا قاعدہ ہے العبرۃ بمارویٰ لا بمارای۔

حنفیہ کی دلیل ۴:۔ جابر بن عبداللہ کی روایت جو ابن ماجہ (34) مؤطا (35) شرح معانی الآثار (36) بیہقی (37) مصنف ابن ابی شیبہ (38) مصنف عبدالرزاق (39) مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید میں مروی ہے وفیہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔

اس پر بھی شوافع کی طرف سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس روایت کو اکثر روات موقوف علی جابر روایت کرتے ہیں۔

جواب:۔ ابوحنیفہؒ سفیان ثوری جریرؒ ابوالزبیر اور شریک یہ حضرات اس کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

---

(34) ص:۶۱ ''باب اذا قرأالامام فانصتوا'' (35) مؤطا محمد ص:۹۸و۹۹ ''باب القراءۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام''

(36) شرح معانی الآثار ص:۱۵۹ ج:۱ ''باب القراءۃ خلف الامام''

(37) سنن کبریٰ للبیہقی ص:۱۶۰ ج:۲ ''باب من قال لایقرأخلف الامام علی الاطلاق''

(38) ص:۳۷۶ ج:۱ ''من ذکرہ القراءۃ خلف الامام'' (39) ص:۱۳۶ ج:۲ ''باب القراءۃ خلف الامام'' رقم حدیث:۲۷۹۷

اعتراض۲:۔ دارقطنی (40) وغیرہ میں جابر بن عبداللہ سے عبداللہ بن شداد بن الہاد روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کا سماع جابر سے ثابت نہیں۔

جواب:۔ حافظ نے الاصابہ میں تصریح کی ہے کہ عبداللہ بن شداد بن الہاد صحابی ہے لہٰذا سماع ثابت ہوا اگر بالفرض ثابت نہ بھی ہو تو مرسل صحابی ہوگی جو بالاجماع قابل حجت ہے۔

اعتراض۳:۔ دارقطنی (41) کی روایت میں جابر اور عبداللہ بن شداد کے درمیان ابوالولید کا واسطہ ہے جو مجہول ہے عن عبداللہ بن شداد ابن الہاد عن ابی الولید عن جابر۔

جواب:۔ یہ ہے کہ ابوالولید خود عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے کوئی دوسرا شخص نہیں مگر کاتب کی غلطی کی وجہ سے لفظ عن کے اضافے نے شک پیدا کر دیا۔

اعتراض۴:۔ دارقطنی میں اس حدیث کا مدار ابوحنیفہؒ اور حسن بن عمارہ پر ہے دارقطنی نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور بیہقی (42) کی سند میں مدار لیث بن ابی سلیم اور جابر جعفی پر ہے جو ضعیف ہیں۔

جواب:۔ دارقطنی کا امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف کہنا یہ خود ان کے اعتراض کے ضعف کی دلیل ہے کہ ان کا ورع و تقویٰ اور حفظ و اتقان معروف ہے حسن بن عمارہ اور لیث بن ابی سلیم کی توثیق بھی بعض محدثین نے کی ہے۔ رہا جابر جعفی تو یہ ضعیف ہے مگر اس روایت کا مدار صرف یہ تو نہیں۔

جواب:۔ مجموعی طور پر ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث کا ایک طریق کا ضعیف ہونا یہ تمام طرق کے ضعف کی دلیل نہیں۔ بیہقی اور دارقطنی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق (43) مسند عبد بن حمید وغیرہ میں یہ روایت مذکورہ طرق سے خالی ہے لہٰذا مذکورہ اعتراضات اس پر وارد نہیں ہوتا۔

حضرت جابر کی حدیث پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ یہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کے ساتھ متعلق ہے۔

جواب:۔ حضرت جابرؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے المـامـوم لایـقـرا الفاتحة ایضاً کمافی

---

(40) ص:۳۲۱ ج:ا رقم حدیث ۱۲۲۰ و ۱۲۲۱ (41) حوالہ بالا رقم حدیث ۱۲۲۳

(42) کتاب القراءۃ ص:۱۳۲ رقم ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ بحوالہ درس ترمذی (43) چنانچہ دیکھئے من ص:۱۲۷ الی ۱۴۱ ج:۲

المؤطا۔(44)

اعتراض:۔ممکن ہے کہ یہ جہری نمازوں کے ساتھ متعلق ہو تو سری میں ثابت نہیں۔

جواب:۔ جابر کی حدیث ظہر یا عصر میں وارد ہوئی ہے جس کی مؤطا میں امام محمد (45) نے تصریح کی ہے۔

قال محمّد اخبرنا اسرائیل عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبداللّٰه بن شداد قال ام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الناس فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلماان صلی قال لم اغمزتنی فسمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال من کان له امام فقراء ة الامام الخ

معلوم ہوا کہ یہ روایت عصر کے ساتھ متعلق ہے۔

حنفیہ کی دلیل ۵:۔صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلاد بن رافعؓ سے فرمایا ''ثم اقرأ بماتیسر معك من القرآن ''اس میں فاتحہ کا ذکر نہیں اگر قراءت فاتحہ ضروری ہوتی تو آپؐ اس کو ضرور ذکر فرماتے واذلیس فلیس۔

حنفیہ کی دلیل ٦:۔صحابہ کے عمل وآثار(46) سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام خاص طور پر خلفائے راشدین وکبار صحابہ جیسے سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، جابر بن عبداللہ اور ابن عمر فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھتے تھے۔

---

(44)ص:۱۰۱''باب القراءۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام''

(45)ص:۱۰۳ج:٦ مکتبہ رشیدیہ

(46)خلفائے اربعہ کا اثر دیکھئے مصنف عبدالرزاق ص:۱۳۹ج:۲رقم حدیث ۲۸۱۰۔حضرت سعد کا اثر اور حضرت زید کا اثر دیکھئے مؤطا محمد ص:۱۰۲اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر دیکھئے مجمع الزوائد ص:۲۸۵ ج:۲رقم ۲٦۴۷ حضرت جابرؓ کا اثر دیکھئے مؤطا مالک ص:٦٦ حضرت ابن عمرؓ کا اثر دیکھئے مؤطا مالک ص:٦٨ اور حضرت عبداللہ بن عباس کا اثر دیکھئے شرح معانی الآثار ص:۱٦۰ج:۱''باب القراء ۃ خلف الامام''ایضاًان سب کے مجموع کے لئے دیکھئے شرح معانی الآثار ص:۱٦۰ج:۱۔حنفی

قال ابن العربی فی العارضة وقد کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام و کان اعظم
الناس اقتداء برسول الله صلی الله علیه وسلم
اس کے باوجود قراءت خلف الامام نہیں کرتے تھے۔
مؤطا میں ابن عمر سے مروی ہے من صلی خلف الامام کفتہ قراءتہ۔ دوسری سند میں ہے کہ جب ان سے قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو فاجاب تکفیک قراءۃ الامام۔ جابر بن عبداللہ کی حدیث ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام
هذا حدیث حسن صحیح

صاحب عمدہ علامہ عینیؒ نے ۸۰ صحابہ سے یہ نقل کیا ہے۔ صاحب ہدایہ (47) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے۔

فلهذا قال من قال ان المأموم لا یقرأ لان تامینه علی قراءة الفاتحة بمنزلة قراء تها ولهذا جاء فی الحدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة رواه احمد فی مسنده و کان بلال یقول: لاتسبقنی بآمین یارسول الله فدل هذا المنزع علی ان المأموم لاقراءة علیه فی الجهریة والله اعلم انتهیٰ
(ص:۳۲ ج:۱ مطبع قدیمی کتب خانہ)

سورہ یونس کی آیت "قد اجیبت دعوتکما" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وقد یحتج بهذه الآیة من یقول ان تامین المأموم علی قراءة الفاتحة ینزل منزلة قراء تها (ص:۴۳۹ ج:۲)

(47) ہدایہ ج:۱ ص:۱۲۰ باب الامامۃ سے کچھ پہلے۔

باب مایقول عنددخوله المسجد

رجال:۔

لیث ان سے مرادلیث بن ابی سلیم ہے صدوق ہیں تاہم اخیراً اختلاط کی وجہ سے تمیز کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

عبداللہ بن الحسن الہاشمی المدنی جلیل القدراورثقہ ہیں۔ هو عبدالله بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ثقة۔ عن امه فاطمة بنت الحسین الهاشمية المدنية زوج الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ثقة۔

عن جدتها سے مرادفاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدۃ نساءاہل الجنۃ رضی اللہ عنہاہیں۔حضرت علی کی ان سے سنہ ۲ ہجری میں شادی ہوئی۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعدانتقال فرماگئیں۔عمربیس سال سے متجاوزتھی۔☆

تشریح:۔

باب کی حدیث سے معلوم ہوا کہ دخول مسجد کے وقت صلوۃ وسلام کہے اور یہ دعا پڑھے اللّٰهم افتح لی ابواب رحمتك اور جب خارج ہوتو صلوٰۃ وسلام کے بعد اللهم افتح لی ابواب فضلك۔ابن تیمیہ نے الجواب الباہر میں لکھا ہے کہ اس کا طریقہ یوں ہونا چاہئے بسم الله والصلوٰة والسلام علی رسول الله رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك اور نکلنے میں بھی ایسا ہی کرے۔عندالدخول دایاں پاؤں داخل کرے اور عندالخروج بایاں پاؤں نکال دے بایاں پاؤں جوتے پر رکھنالازمی نہیں کما ہوالمعتاد بلکہ زمین پر رکھے چاہے جوتے پر پھر دایاں پاؤں جوتے میں داخل کرے۔

ملاعلی القاریؒ(1) نے فرمایا کہ وقت دعایحتمل قبل الدخول ویحتمل بعده والاول اولیٰ پھر

باب مایقول عند دخوله المسجد

(1)مرقاۃ ص:۱۹۸ج:۱مکتبہ امدادیہ

داخل ہوتے وقت اللھم افتح لی ابواب رحمتك اورعندالخروج ابواب فضلك کہا جائیگا۔اس کی وجہ ایک نکتے پرمبنی ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہوتا ہے تو ایسے اعمال میں مصروف ہوتا ہے کہ جو دخول جنت کا باعث ہیں تو اس کو رحمت سے تعبیر کیا اور خروج کے بعد رزق حلال کے لئے سعی کرتا ہے تو اس کو فضل سے تعبیر کیا کمافی الآیۃ (2) ''فاذاقضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ ''اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مسجد چونکہ رحمت کی جگہ ہے تو زیادہ تر وقت مسجد میں گذارنا چاہئے اور چونکہ رزق حلال کے لئے خروج من المسجد صحیح ہے تو عندالخروج نیت رزق حلال کی ہونی چاہئے مگر دل مسجد کے ساتھ ہی معلق رہنا چاہئے کہ اگر باہر کوئی ضرورت نہ ہوتی تو مسجد ہی میں رہتا۔بعض نے کہا کہ مسجد سوق من اسواق الجنۃ ہے اور یہاں معاملہ جنت کے اعمال کا ہوتا ہے تو اس پر رحمت کا اطلاق ہوا اور خروج دنیا کے بازاروں کی طرف ہوتا ہے تو اس پر فضل کا اطلاق ہوا۔ یہ دونوں توجیہات مالاً ایک ہیں۔شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے کہ مسجد میں نعم روحانیہ ملتے ہیں تو لفظ رحمت استعمال ہوا اور باہر نعم جسمانیہ ملتے ہیں تو لفظ فضل کا استعمال ہوا۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں درود پڑھتے تھے؟ تو عندالبعض تعلیماً پڑھتے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت نبی اپنے اوپر ایمان لانا واجب ہوتا ہے یعنی ان کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ میں نبی ہوں کمافی شرح العقائد لہٰذا اس حیثیت سے اپنے اوپر نبی درود پڑھا کرتے تھے پھر شامی وغیرہ میں ہے کہ یہ درود مستحب ہے۔

وفی الباب ابوحمید وابوہریرہ کی حدیث ابن ماجہ (3) میں ہے۔

اذادخل احدکم المسجد فلیسلم علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم لیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتك واذاخرج فلیقل اللّٰھم انی اسئلك من فضلك

ابواسید کی حدیث مسلم (4) میں ہے جس میں فقط دعا کا ذکر ہے سلام کا ذکر نہیں۔

قال ابوعیسیٰ مقصد یہ ہے کہ باب کی روایت منقطع ہے کماقال الترمذی ولیس اسنادہ

---

(2) سورۃ جمعہ آیت:۱۰ (3) سنن ابن ماجہ ص:۵۶ ''باب الدعاء عندخول المسجد'' ایضاً الحدیث لابی حمیدؓ اخرجہ الدارمی ص:۳۸۶ ''باب القول عندخول المسجد'' (4) ص:۲۴۸ ج:۱ ''باب مایقول اذادخل المسجد''

بمتصل وفاطمة ابنة الحسين لم تدرك فاطمة الكبریٰ اس کے باوجود اس کو حسن قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی محدثین اصول مدونہ سے ہٹ کر اپنے ذوق کے مطابق بھی کسی حدیث پر حکم لگاتے ہیں جس کی یہ حدیث واضح دلیل ہے۔(5)

باب ماجاء اذادخل احدكم المسجد فليركع ركعتين

رجال:۔

عامر بن عبداللہ بن الزبیر ثقة عابد۔عمرو بن سلیم ثقة کبار تابعین میں سے ہیں بعض نے صحابی قرار دیا ہے۔☆

تشریح:۔

ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مسجد آئے تو فليركع ركعتين قبل ان يجلس اى فليصل ركعتين تسمیۃ الکل باسم الجزء کی بنیاد پر صلوٰۃ پر رکوع کا اطلاق ہوا۔

فليركع صیغہ امر کا ہے جو عموماً وجوب کے لئے آتا ہے الا یہ کہ قرینہ صارفہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے کما سیجئ۔اس وجہ سے عندالجمہور ندب کے لئے ہے البتہ بعض اہل ظواہر اس کو وجوب پر حمل کرتے ہیں جیسے داؤد ظاہری وغیرہ اور بعض جمہور کی طرح ندب پر محمول کرتے ہیں جیسے ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ۔

ترمذی نے یہاں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا کہ:

والعمل على هذا الحديث عنداصحابنا استحبوا اذادخل الرجل المسجد ان

لايجلس حتىٰ يصلي ركعتين

معلوم ہوا کہ اہل ظواہر کا اختلاف قابل ذکر نہیں۔

اہل ظواہر کی دلیل باب کی روایت ہے فلیرکع امر ہے والامر للوجوب لہٰذا تحیۃ المسجد واجب ہے۔

---

(5) یہی روایت ابن ماجہ ص:۵٦ پر بھی ہے۔

جواب:۔ امر وجوب کے لئے وہاں ہوتا ہے جہاں قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو اور یہاں قرینہ صارفہ ہے جیسے مصنف ابن ابی شیبہ(1) میں زید بن اسلم کی روایت ہے۔

قال كان اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یدخلون المسجد ثم یخرجون ولایصلون ورایت ابن عمر یفعله

اعتراض:۔ مبارکپوری صاحب نے اس پر یہ کہا ہے کہ صحابہ جو نماز (تحیۃ المسجد) نہیں پڑھتے اس وجہ سے کہ وہ مرور فرماتے تحیۃ اس کے لئے ہے جو بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جواب:۔ نماز کا تعلق بیٹھنے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق مسجد کے احترام سے ہے اس وجہ سے اس کا نام تحیۃ المسجد رکھا تحیۃ الجلوس نہیں رکھا۔ نیز یدخلون ثم یخرجون کا لفظ صراحۃً دال ہے اس بات پر کہ مرور نہیں کرتے نہ یہ مراد ہے بلکہ مسجد میں داخل ہوتے پھر مسجد سے نکلتے ورنہ یمرون کہہ دیتے اگر مرور مراد ہوتا۔

پھر حنفیہ کے نزدیک اگر آدمی داخل ہوا اور وقت مکروہ تھا جیسے طلوع وغروب وزوال کا وقت تو اس میں نماز نہ پڑھے یہی مالکیہ کا بھی مذہب ہے۔ شافعیہ کے مشہور مذہب میں اوقات مکروہ میں بھی تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے۔ یہ اختلاف مبنی ہے اس پر کہ حنفیہ کے نزدیک نہی عام اور امر خاص ہے جبکہ شوافع کے نزدیک امر عام نہی خاص ہے لہٰذا ان کے ہاں نوافل ذوات الاسباب مستثنیٰ ہیں کما مر۔

قبل ان یجلس کی قید کی وجہ سے شافعیہ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی بیٹھ گیا تو نماز فوت ہوگئی کوئی تدارک نہیں ہوسکتا بعض فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے کہ بیٹھنے سے پہلے فضیلت بعد میں جواز یا پہلے اداء بعد میں قضاء ہے بعض روایات میں ہے کہ اگر زیادہ دیر تک بیٹھے تو سقوط متحقق ورنہ نہیں۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک بیٹھنے سے سقوط متحقق نہیں ہوتا ہے چاہے تھوڑی دیر ہو یا زیادہ۔ دلیل مصنف ابن ابی شیبہ(2) میں ہے۔

باب ماجاء اذادخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین

(1) ص:۳۴۰ ج:۱ ''من رخص ان یمر فی المسجد ولایصلی فیہا''

(2) ص:۳۴۰ ج:۱ ''من کان یقول اذادخلت المسجد فصل رکعتین'' عن ابی ذرؓ

دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھوفی المسجد فقال لی یااباذر صلیت قلت لاقال فقم فصل رکعتین

معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے بعد بھی نماز ادا ہوسکتی ہے پھر جو آدمی ایک مسجد میں پانچوں وقت آتا ہے تو اس کو دن میں کم از کم ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینی چاہئے اور چونکہ اس کا مقصد تقرب الی اللہ ہے لہٰذا اگر کوئی دوسری نماز پڑھی فرض یا سنن وغیرہ قضاء ہو یا ادا تو بھی تحیۃ المسجد ادا ہوگئی اگرچہ نیت نہ ہو۔

اگر وقت نہ ملے تو اربع کلمات اربع مرات کہے۔سبحان اللّٰہ والحمدللہ ولاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر بعض نے لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم کا اضافہ کیا ہے۔(3) اسی طرح اگر مسجد میں کوئی آیا اور جمات کھڑی ہوچکی تھی یا اقامت شروع ہوچکی تو بالاتفاق تحیۃ المسجد نہیں اگر مسجد حرام میں کوئی داخل ہو تو اس کا تحیۃ المسجد طواف ہے نماز نہیں۔

باب ماجاء ان الارض کلھامسجد الاالمقبرۃ والحمام

وابوعمار ثقہ ہیں۔ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی ہے سوائے مقبرہ اور حمام کے۔ یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ اہل کتاب پر لازم تھا کہ وہ نماز اپنے معبد میں پڑھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی بدولت امت محمدیہ کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ سیاح تھے تو شام کی سرزمین پر جگہ جگہ کلیسا بنائے گئے تھے اس وجہ سے آج بھی شام میں کلیسا بکثرت موجود ہیں۔

اس حدیث میں دو جگہوں کا استثناء ہے ایک مقبرہ ایک حمام' دوسری روایت (1) میں دیگر مواضع کا بھی

---

(3) دیکھئے معارف السنن ص:۲۹۵ ج:۳

باب ماجاء ان الارض کلھا مسجد الاالمقبرۃ والحمام

(1) کمافی روایۃ الترمذی "باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ وفیہ" ایضاً تفصیل کے لئے دیکھئے تلخیص الحبیر ص:۱۳۵ ج:۱ رقم حدیث:۳۲۰

ذکر ہے مثلاً نجاست کی جگہ یا ذبح کی جگہ یا اونٹوں کا باڑہ یا ارض مغصوبہ وغیرہ۔ابن العربیؒ (2) نے تقریباً سترہ مواضع کا نام لیا ہے اور تقریباً بارہ ذکر کی ہیں۔

جامع صغیر میں ہے کہ قبر کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر کوئی حائل ہو تو صحیح ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ اگر مسجد کے آگے قبر یا حمام یا نجاست ہو تو وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر حائل ہو تو صحیح ہے۔یا پھر اتنے فاصلے پر ہو کہ اگر یہ خاشعین والی نماز پڑھے تو نگاہ اس پر نہ پڑھے۔فتاوی قاضی خان میں ہے اگر حمام میں جگہ صاف ہو وہاں تصویر وغیرہ نہ ہو اسی طرح مقبرہ میں جگہ صاف ہو آگے قبر نہ ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔(3) یہ صورت وہاں ہے جہاں ایک دو قبریں ہوں جس کو مقبر کہتے ہیں اگر قبریں زیادہ ہوں (تو اس کو مقبرہ کہتے ہیں کہ مفعلہ کا وزن دلالت کرتا ہے کثرت پر جیسے مدرسہ جس میں درس کثرت سے ہوتا ہو) تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں نماز مکروہ ہے یہی ایک روایت امام مالک سے ہے دوسری جواز کی ہے۔

امام احمدؒ واہل ظواہر کے نزدیک مقبرے میں نماز حرام ہے بلکہ نماز ہوگی ہی نہیں۔کما ذکرہ المحشی امام شافعی کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر مقبرے کی مٹی ناپاک ہے کہ اس میں مردوں کا خون یا پیپ یا گوشت کی آمیزش ہو تو نماز صحیح نہیں اور یہ صورت نہ ہو تو جائز ہے۔

باب ماجاء فی فضل بنیان المسجد

رجال:۔

ابوبکر الحنفی ان کا نام عبدالکبیر البصری ہے ثقہ ہیں کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔☆

تشریح:۔

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے اسی طرح کا گھر جنت میں بنائیں گے۔للہ یعنی نیت ثواب کی ہو اخلاص کے ساتھ لہٰذا

(2) عارضۃ الاحوذی ص:۹۸ ج:۲ (3) دیکھئے معارف السنن ص:۲۹۸ ج:۳

جوخلوص نیت کے ساتھ نہیں بنائے گا وہ اس کا مستحق نہیں۔ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جومسجد پر نام کندہ کرائے یہ اخلاص کے منافی ہے۔جو مزدور اجرت پر مسجد میں کام کرتا ہے اور وہ اپنے کام سے زائد کام کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھی ماجور ہوگا۔

مسجداً میں تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی چاہے چھوٹی مسجد ہو یا بڑی۔مثله فی الجنة میں ایک توجیہ یہ ہے کہ جنت کا گھر مسجد کے بقدر ہوگا لکنه انفس منه لیکن اس میں آسائشیں بہت ہونگی اور زیادہ مزین ہوگا۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں پر اطلاق بیت کا ہوگا اگر چہ جنت کا گھر بہت بڑا ہوگا۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر جنت کے گھروں میں اس طرح افضل ہوگا جس طرح مسجد دنیا کے گھروں میں ممتاز ہوتی ہے۔

پھر بظاہر نفس تعمیر ابتداءً اور مرمت دونوں اس میں شامل ہیں البتہ اصل تعمیر سے زائد کام جیسے نقش ونگار ومینار وغیرہ اس میں فقہاء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ مکروہ ہے ایک تو اس میں اسراف ہے جوممنوع ہے دوسرا اس میں تکلف ہے تیسری بات یہ ہے کہ تزئین وآرائش اور اگر آیات قرانیہ کندہ ہوں تو اس میں نمازی کے خشوع وخضوع پر اثر پڑے گا۔دوسرا قول یہ ہے کہ قربت ہے یعنی کار خیر اور کار ثواب ہے۔قول ثالث یہ ہے کہ مباح ہے۔

پھر جو علماء جواز کے قائل ہیں وہ مقید کرتے ہیں اپنے قول کو اس بات کے ساتھ کہ مینار یا نقش کا خرچہ متولی کے اپنے پیسوں سے ہو۔اگر وقف مال سے کرے گا تو ضامن ہوگا۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آج کل لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ میرے پیسے اس پر لگیں گے اس کے باوجود دیتے ہیں گویا معطی اس پر راضی ہے تو متولی کو ضامن نہیں ہونا چاہئے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تزیین کی جگہ وہ پیسہ فقراء کو دیا جائے تو یہ افضل ہے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر فنڈ زیادہ ہے اور ضیاع کا خطرہ ہے تو تزیین پر لگایا جاسکتا ہے۔علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے کہ اگر فنڈ اس قدر زیادہ ہو کہ اگر مسجد کی دوبارہ مرمت کی ضرورت پیش آئے تو پوری ہو سکے اور پھر بھی فنڈ بچ جائے تو زائد مدرسے میں دیا جاسکتا ہے۔

باب ماجافی کراھیۃان یتخذ علی القبر مسجداً

رجال:۔

عبدالوارث ثقہ ہیں۔محمد بن جحادہ بضم الجیم وتخفیف الحاء ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرات القبور اوراس پر مساجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اہل کتاب میں دستور تھا کہ وہ انبیاء کی قبروں کو وثن بناتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کواس سے منع فرمایااوران پر لعنت کردی۔ آج اگرکوئی نیک آدمی کی قبر کے قریب تبرکاً مسجد تعمیر کرے اور نیت تعظیم کی نہ ہواور نہ نیت توجہ الی القبر کی ہوتو جائز ہے۔بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نہی عام ہےاور مسجد قبر پر مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ اگر قبر پر مسجد کا مقصد قبر کی تعظیم ہوتو شرک جلی ہےاور اگر مقصد توجہ ہے تو شرک خفی ہے اگر دونوں مقصد نہ بھی ہوں تو تشبیہ بعبدۃ الاوثان ہے جوسداً للذرائع مکروہ ہے۔قبر پر گنبد بنانا یااس کو پختہ بنانا یا نام کندہ کرنا بالاتفاق ائمہ اربعہ مکروہ ہے۔

زائرات القبور قبر کی زیارت (عورتوں کے لئے) کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دوروایتیں ہیں ایک تحریم کی بدلیل حدیث الباب دوسری رخصت کی۔رخصت والے قول کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ممانعت فرمائی پھراجازت دی۔ کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا(1) صیغہ اگرچہ مذکر کا ہے مگر عورتیں تبعاً داخل ہیں اور ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے۔

البتہ رخصت مشروط بشرط ہے کہ عبرت یا تذکر موت کے لئے جایا جائے۔لیکن اگر مقصد جزع فزع یا استمداد ہوتو ممنوع ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر جانا منکر کو مستلزم ہوتو منع ہے۔بوڑھی عورتیں اگر صحیح مقصد کے لئے

باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً

(1) رواہ مسلم ص:۳۱۴ ج:۱''کتاب الجنائز''کے آخر میں۔

جاتی ہیں تو مردوں کے حکم میں ہیں اگر وہ نوحہ یا جزع فزع کرتی ہیں تو ان کے لئے بھی جانا ممنوع ہے جیسے شروع میں عورتیں مسجد جایا کرتی تھیں پھر جوان عورتوں پر پابندی لگی پھر بوڑھیوں پر بھی پابندی لگی کی نیات میں فتور آنے لگا اگر مردوں کا مقصد بھی غلط ہو جیسے آج کل مزارات پر ہوتا ہے تو ان کے لئے بھی ناجائز ہے۔

سرج جمع سراج کی ہے اگر جلانا اس مقصد کے لئے ہے کہ مردے کو روشنی ہو یا اس کو فائدہ پہنچے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر مردہ جنتی ہے تو اس کو اس دنیا کی روشنی کی ضرورت نہیں اگر جہنمی ہے تو اس کو اس روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اگر مقصد زائرین کو سہولت دینا ہو کہ ان کو راستہ نظر آئے تو جائز ہے بشرطیکہ میلے کی شکل اختیار نہ کرے۔

باب ماجاء فی النوم فی المسجد

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد میں سویا کرتے تھے اور ہم جوان (شباب) تھے۔ شباب بروزن فعال کسحاب شاب کی جمع ہے فاعل کی جمع فعال کے وزن پر صرف اسی مادہ میں آتی ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ معتکف کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے اس کے علاوہ جمہور کے نزدیک مسجد میں سونا مکروہ ہے جمہور سے مراد امام ابوحنیفہؒ امام مالک امام احمد امام اوزاعی حضرت مجاہد اسحٰق بن راہویہ طاؤس اور عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک مسجد میں سونا جائز ہے ابن حجر نے اس کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے کیونکہ امام شافعی کے علاوہ سعید بن مسیب، عطاء، عبداللہ بن عمرؓ حسن بصری اور محمد بن سیرین بھی مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔ ابن عباسؓ سے دونوں قول مروی ہیں ایک ممانعت کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ ''لاتتخذ المسجد مرقداً'' یعنی مسجد کو خواب گاہ نہ بناؤ۔ یہاں بھی ترمذی نے ان کا قول یہی نقل کیا ہے۔ قال ابن عباس ''لایتخذہ مبیتاً ومقیلاً'' یعنی نہ رات کو سوئے نہ دن کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''ان کنت تنام فیہ لصلوۃ فلاباس'' بعض حضرات فرق کرتے ہیں کہ اگر عادت نہ بنائی جائے اور کبھی کبھی سوجائے تو حرج نہیں۔ امام مالک تفصیل کرتے ہیں کہ اگر اپنا گھر ہے یا کسی اور جگہ سونے کا بندوبست ہوسکتا ہے تو مسجد میں سونا نہیں چاہیئے اگر کوئی ٹھکانہ نہیں تو

سوسکتا ہے جیسے آدمی مسافر ہو یا مقیم ہو لیکن گھر نہ ہو۔ ابن العربیؒ نے مریض کا بھی اضافہ کیا ہے کہ مریض بھی حضور فی الصلوٰۃ کی نیت سے مسجد میں سوسکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لئے جب وہ زخمی ہو گئے تھے تو مسجد میں خیمہ لگوایا تھا حنفیہ کے نزدیک بھی یہ صورتیں جواز کی ہیں۔ البتہ بعضوں نے لکھا ہے کہ آدمی کو سونے کی ضرورت پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرے شامی نے کچھ اضافہ کیا ہے کہ اولاً کچھ عبادت بھی کرلے پھر سو جائے۔

جمہور کی دلیل نمبرا:۔ کہ بلاوجہ مسجد میں سونا نہیں چاہیئے ابوذرؓ کی حدیث ہے (معارف السنن بحوالہ مسند دارمی) وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سورہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے ''فضربنی برجله فقلت غلب عینی النوم'' (الحدیث) تو نبی کا پاؤں مارنا ناپسندیدگی کی دلیل ہے اور ابوذرؓ کا غلب عینی النوم کے ساتھ عذر بیان کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام بھی اس کو اچھا نہ جانتے تھے۔

دلیل ۲:۔ مسجد عبادت کے لئے متعین ہے اور نیند میں غفلت عن العبادۃ ہے تو یہ مقصد مسجد کے خلاف ہے امام شافعی کا استدلال جواز نوم پر باب کی حدیث سے ہے اسی طرح اصحاب صفہ اور عزبین وغیرہ کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔

جواب:۔ اصحاب صفہ اور ابن عمر چونکہ معذورین تھے کہ اصحابہ صفہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور ابن عمر کے بارے میں بخاری (1) وغیرہ میں تصریح ہے کہ عزب لا اہل لہ اور عزبین کا کوئی مکان نہیں تھا بلکہ وہ مسافر تھے لہٰذا اس سے مطلق جواز پر استدلال صحیح نہیں۔

باب ماجاء فی النوم فی المسجد

(1) ص:۶۳ ج:۱ ''باب نوم الرجال فی المسجد''

باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده اس سند کے بارے میں ائمہ حدیث کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ قابل حجت ہے یا نہیں؟ بعض اس کو صحیح کہتے ہیں اور بعض ضعیف، امام ترمذی نے دونوں قول نقل کئے ہیں تصحیح میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے "قال محمّد بن اسماعیل رایت احمد واسحق وذکر غیرھما یحتجون بحدیث عمرو بن شعیب" اور ناقدین میں سے یحی بن سعید کا قول نقل کیا ہے انہ قال حدیث عمرو بن شعیب عندنا واہ قول فیصل یہ ہے کہ یہ سند کم از کم درجہ حسن کی ہے جو قابل احتجاج ہے۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت مرسل ہے یا متصل؟ اس سند میں دو ضمیریں ہیں ایک عن ابیہ کی اور ایک عن جدہ کی ابیہ کی ضمیر تو عمرو کی طرف راجع ہے پورا سلسلہ نسب ان کا یوں ہے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص عبداللہ اور عمرو (کبیر) دونوں صحابی ہیں محمد جو کہ دادا ہے عمرو صغیر کا یہ تابعی ہے مطلب یہ ہوگا کہ عمرو صغیر اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں لیکن عن جدہ کی ضمیر کے مرجع میں ایک احتمال یہ ہے کہ عمرو کی طرف راجع ہو اور یہ اصول کے مطابق بھی ہے کہ اصول یہ ہے کہ سند کی ضمائر راوی کی طرف لوٹتی ہیں مطلب یہ ہوگا کہ عمرو اپنے والد شعیب سے اور شعیب عمرو کے جد سے روایت کرتے ہیں۔ پھر جد میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جد ادنی مراد ہو تو وہ محمد ہے لہٰذا روایت مرسل ہو جائے گی اور اگر جد سے مراد جد اعلی ہو یعنی عبداللہ بن عمرو ہو تو روایت متصل ہو جائے گی اور چونکہ شعیب کا سماع عبداللہ بن عمرو سے ثابت ہے لہٰذا یہ روایت وجادت نہیں ہوگی سماعاً ہوگی۔ ترمذی ثانی ص: ۷۷ ایچ ایم ابواب صفۃ القیامۃ عمرو بن شعیب کی روایت یوں آئی ہے۔ باب بلاترجمۃ (1) ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد

(1) ھکذا ابوداؤد ص: ۱۷۰ ج: ۱ "باب التکبیر فی العیدین" پر بھی اسی طرح سند مذکور ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن جده عبدالله بن عمرو قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول خصلتان من کانتا فیه کتبه الله شاکراً صابراً

یہاں ترمذی نے تصریح کی ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت عبداللہ بن عمرو سے ہے۔ اسباب میں بھی ترمذی نے تصریح کی ہے قال محمّد وقد سمع شعیب بن محمّد من عبدالله بن عمرو۔

حـــده کی ضمیر میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ راجع ہو شعیب کی طرف علامہ گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں اسی پر جزم کیا ہے اور اس کا ارجاع عمرو کی طرف غلط قرار دیا ہے اس میں اگر چہ انتشار ضمائر ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ یہ سند عام طریقہ معروفہ کے خلاف ہے (کہ ضمیر راوی کی طرف لوٹنی چاہئے) دلیل اس کی یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جب جد سے مراد محمد ہو تو وہ عن جدہ کی جگہ عن ابیہ کہتے ہیں یعنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن ابیہ لہٰذا یہاں جد سے مراد جد شعیب یعنی عبداللہ بن عمرو ہی ہوئے۔

ترمذی نے اس باب میں تین حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک مسجد میں بیع وشراء کا مکروہ ہونا انشاد ضالہ اور شعر گوئی حدیث میں اگر چہ انشاد ضالہ کا ذکر نہیں لیکن یہ بات پہلے بھی گذری ہے کہ ترمذی اشارہ کرتے ہیں ترجمہ میں باقی احادیث کی طرف اگر چہ باب کی حدیث میں وہ لفظ نہیں ہوتا۔ یا یوں کہیں کہ انشاد ضالہ کا حکم بطور قیاس مستنبط کیا ہے تو عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تناشد اشعار سے ممانعت فرمائی ہے۔ نشدۃ صوت اور نشید رفع الصوت کو کہتے ہیں۔ شعر کی دو حیثیتیں ہیں اگر اس میں غلط مضمون یا عشقیہ اشعار ہیں تو مسجد میں پڑھنا اور سننا ممنوع ہے اور اگر صحیح مضمون کے اشعار ہیں تو اس کا پڑھنا اور سننا ثابت ہے جیسے کہ حسان بن ثابت (2) کے لئے منبر رکھا جاتا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اشعار پڑھتے۔ اسی طرح مسند احمد (3) وترمذی میں جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں سو مرتبہ سے زیادہ حاضر ہوا ہوں تو نبی صحابہؓ کے اشعار سنتے یا زمانہ جاہلیت کی باتوں کو سنتے تو تبسم فرماتے۔ اسی طرح کعب بن زہیر (4) کا قصیدہ بردہ پڑھنا بھی ثابت ہے کہ انہوں نے قصیدہ مدح النبی پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر

---

(2) چنانچہ دیکھئے سنن نسائی ص:۱۱۷ ج:۱ "الرخصۃ فی انشاد الشعر الحسن الخ"۔

(3) مسند احمد ص:۱۴۱،۱۴۰ ج:۷ مسند جابر بن سمرۃؓ رقم حدیث ۲۰۸۹۷ (4) عارضۃ الاحوذی ص:۱۰۳ ج:۲

(بردہ) عنایت فرمائی۔ اسی وجہ سے قصیدہ بردہ کہلانے لگا۔ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ دلائل الخیرات کا قصیدہ بعد کا ہے جب صاحب دلائل الخیرات بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ لکھا تو شفاء ہوئی جو قصیدہ البراءت کے نام سے موسوم ہے۔ ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ جن اشعار کا مجموعی مضمون حمایت دین کا ہوتو اگرچہ بعض اشعار میں ذکر خمر وغیرہ کا ہوتو ممنوع نہیں ہوگا۔

البتہ علم ادب کے اشعار جو مسجد میں کہے جائیں بطور درس وتکرار کے تو بعض نے فرق کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار سے مقصد چونکہ عربی پر عبور ہے تو پڑھنا پڑھانا صحیح ہے البتہ فلسفے وغیرہ کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں اقول من یتذاکر الفلسفۃ فی المساجد کما ھو داب طلبۃ العصر یقال لہ لا علمك اللہ۔

وعن البیع والشراء مسجد میں بیع وشراء اس لئے ممنوع ہے کہ یہاں آخرت کا سودا ہوتا ہے یہاں دنیا کے بازاروں کا کام نہیں کرنا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ مسجد میں آنے کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر معتکف بیع وشراء کرتا ہے چونکہ اس کے لئے باہر جانا ممنوع ہے تو بغیر احضار مبیع کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک معتکف کے لئے یہ بھی مکروہ ہے پھر فقہاء نے معتکف کے لئے لاباس بہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ترک بیع اس کے لئے بھی اولی ہے کیونکہ بیع وشراء سے انابت پر اثر پڑتا ہے پھر معتکف کے لئے بھی اجازت محدود ہے کہ فقط ضروریات زندگی مثلاً کھانے پینے کے چیزوں کے بیع کرسکتا ہے دیگر اشیاء کی مکروہ ہے۔

بعض نامعلوم افراد کے نزدیک مسجد میں بیع وشراء جائز ہے۔ قال الترمذی وقد روی عن بعض اھل العلم من التابعین رخصۃ فی البیع والشراء فی المسجد مگر باب کی حدیث ان کے خلاف جمہور کے لئے شاہد عدل ہے۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مسجد میں اگر بیع وشراء ہوئی تو منعقد ہوگی واجب النقض نہیں ہوگی۔

وان یتحلق الناس یوم الجمعۃ جمعہ کے دن مسجد میں حلقہ بنانا بھی مکروہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ حلقہ مذاکرہ علم وذکر کے لئے ہوتو جائز ہے اگر گپ بازی کے لئے ہوتو مکروہ ہوگا۔ بعض کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے پھر کراہیۃ کی وجہ عند البعض یہ ہے کہ یہ ہیئت اجتماع صلوٰۃ کے منافی ہے کہ ہیئت جمعے کی یہ ہے کہ لوگ آکر خطبہ سنیں اور حلقہ استماع کے منافی ہے اور اس میں رکاوٹ ہے اور عند البعض یہ مقصد کے منافی ہے کہ یہ وقت

انصات واستماع کا ہے اور حلقہ اس کے منافی ہے۔

قبل الصلوٰۃ کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ فقط جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے اگر جمعہ کے بعد حلقہ بنائیں تو جائز ہے جیسے کہ ترمذی میں حدیث ہے کہ تین آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے ایک مجلس میں فرجہ پا کر بیٹھ گیا دوسرا اخیر میں بیٹھا تیسرا واپس ہوا۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے لہٰذا مطلقاً ممنوع نہیں۔

انشـاد الضـالة یہ چوتھا حکم ہے باب کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ترمذی نے ترجمۃ الباب میں اس کو لیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انشاد الضالۃ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چیز باہر گم ہوئی اور اعلان مسجد میں کرے تو یہ اشنع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو چیز مسجد میں گم ہوئی اس کا اعلان مسجد میں کرے تو یہ بھی مکروہ ہے مگر اخف ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں شور وغل نہ ہو تو اس صورت میں جائز ہے۔ مسلم (5) میں ہے کہ گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے اگر کسی کو سنے تو کہے لا ردھا الله عليك ۔نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ (6) میں ہے کہ مسجد میں تجارت کرنے والے کو لا اربح الله تجارتك کہے۔ کبیری شرح منیہ میں مسجد کے احکام کے لئے ایک ضابطہ لکھا ہے کہ جس عمل میں عبادت کا پہلو موجود ہو اور اس سے مسجد کی توہین اور تلویث نہ ہوتی ہو تو مسجد میں جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔ لہٰذا مال غنیمت کی تقسیم مسجد میں جائز ہے کہ اس میں عبادت کا پہلو ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحرین سے آیا ہوا مال مسجد میں تقسیم کیا تھا۔

ابن العربی نے لکھا ہے کہ مسجد میں صدقہ بھی دیا جا سکتا ہے اور جس چیز سے مسجد کی توہین یا تلویث ہوتی ہو یا اس میں عبادت کا پہلو نہ ہو تو یہ سارے امور مکروہ ہیں پھر اس ضابطے پر چند مسائل مرتب کئے ہیں کہ فضول باتیں مسجد میں مکروہ ہیں بلکہ لغو کلام مسجد میں نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح جانور گھاس کو یا آگ لکڑیوں کو۔ اسی طرح رفع الصوت فی المسجد بھی مکروہ ہے۔ حدود کا اجرا پاگلوں کا مسجد میں لانا چھوٹے بچوں کو لغیر الصلوٰۃ لانا اسی طرح بغیر ضرورت چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا' پانی کا کنواں مسجد میں بنانا کیونکہ پانی لینے کے لئے اس میں عورتیں اور بچے آئیں گے جس سے مسجد کی توہین ہوگی اگر پرانا کنواں ہو مسجد میں جیسے بیر زمزم تو اس کو باقی رکھا جائے اسی طرح درخت لگانا بھی مکروہ ہے کیونکہ درخت لگانے سے وہ جگہ ناقابل استعمال

---

(5) ص:۲۱۰ ج:۱ ''باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد وما یقولہ من سمع الناشد'' (6) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ص:۱۳۳

ہو جائے گی نماز کے لئے الا یہ کہ درخت لگانے کی ضرورت ہو کہ مسجد کی مٹی نرم ہو اس پر ستون نہ ٹکے یا زمین میں نمی ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ناریل وغیرہ کا درخت لگانا جائز ہے اسی طرح مسجد میں گذرنا بغیر ضرورت کے یہ بھی مکروہ ہے اگر گذرنے کے دوران یاد آ جائے تو واپس ہونا چاہئیے مسجد میں وضو بھی مکروہ ہے البتہ اگر کوئی جگہ وضو کے لئے مختص ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جگہ خارج از مسجد ہوگی۔

مسجد میں تھوکنا فرش یا دیواروں پر مکروہ ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر کپڑے میں تھوکے پھر کپڑے کو رگڑے کما ورد فی الحدیث البزاق فی مسجد خطیئة و کفارتها دفنها متفق علیہ دفن سے مراد عند البعض اخراج ہے کہ تھوک کو باہر نکال دے کیونکہ مسجد کی مٹی محترم ہے اور عند البعض بواری (دریوں) کے اوپر مٹی وغیرہ ڈال دے فرش پر نہ تھوکے بلکہ عند الضرورت دریوں پر تھوکے کیونکہ فرش مسجد کا حصہ ہے جبکہ دریاں مسجد کا حصہ نہیں۔ اسی طرح بعد الوضوء ہاتھ پاؤں اور داڑھی کا پانی مسجد میں جھاڑنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ماء مستعمل ہے اسی طرح دیوار یا ستون یا مسجد کے فرش کے ساتھ پاؤں پونچھنا منع ہے البتہ اگر کوئی پائیدان یا کپڑہ وغیرہ ایسا ہے کہ اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس سے پاؤں پونچھنا جائز ہے اگر چہ ترک افضل ہے۔ پیاز لہسن وغیرہ کھا کر مسجد میں آنا مکروہ ہے کہ اس سے لوگوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ صحیحین (7) میں ہے فان الملائکة تتاذی مما یتاذی منه بنو آدم اسی طرح ایسی بیماری والا شخص کہ لوگوں کو اس کی شرکت سے ناگواری ہو تو اس کو بھی مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔ قیاساً علیہ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اخراج ریح فی المسجد بھی مکروہ ہے بعض نے معتکف کے لئے اجازت دی ہے اور بعض نے ضرورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے احتیاط بہر حال اولیٰ ہے۔

مسجد میں سوال کرنا حرام ہے سائل کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ترغیب علی السوال کے مترادف ہے بعض نے کہا کہ سائل کے سوال سے کسی کو اگر تکلیف نہ ہوتی ہو تو جائز ہے۔ بغیر نماز کے مسجد میں بیٹھنا یعنی بلا انتظار صلوٰۃ جائز ہے تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔ مسجد میں ایسا کمرہ بنانا کہ اس میں مسجد کا سامان رکھا جائے یہ جائز ہے کہ اس پر امت کا تعامل ہے۔ اسی طرح اصل میں تو مسجد کے دروازے بند کرنا مکروہ ہے لیکن صاحب

---

(7) صحیح البخاری ص:۱۱۸ ج:۱ "باب ماجاء فی الثوم الخ" ص:۸۲ ج:۲ "باب ما یکرہ من الثوم" صحیح مسلم ص:۲۰۹ ج:۱ "باب نہی من اکل ثوما او بصلا او کراثا اونحوا الخ"

کبیری نے لکھا ہے کہ ضرورت کے بناء پر یہ جائز ہے کہ مثلاً چوری کا خدشہ ہو۔اسی طرح مکروہ ہے اسلحہ دکھانا اور ننگا کرنا' کچا گوشت بھی لانا' گذارنا مکروہ ہے اس طرح جوئیں پھینکنا مسجد میں مکروہ ہے اگر زندہ ہو تو بھوک کی تعذیب کی بنا پر اگر مری ہوئی ہوں تو نجاست اور تقذیر کی وجہ سے منع ہے۔بعض نے اس کو کبیرہ قرار دیا ہے نیز اس سے نسیان بڑھتا ہے۔جتنے کام مسجد کے اندر مکروہ ہیں وہ سب مسجد کے اوپر بھی ممنوع ہیں۔

باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی التقویٰ

رجال:۔

اُنیس بن ابی یحییٰ انیس بضم الہمزہ مصغر ہے الاسلمی اور ثقہ ہیں۔ابی یحی کا نام سمعان المدنی ہے لہذا ابیہ سے مراد یہی سمعان ہے۔☆

تشریح:۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے (امتراء) مباحثہ کیا کہ مسجد اسس علی التقویٰ کونسی ہے ایک آدمی بنی خدرہ کا تھا دوسرا بنی عمرو بن عوف کا خدری نے کہا کہ یہ مسجد نبوی ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسجد قبا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو ہذا یعنی وہ میری مسجد ہے۔

یہاں دو اشکال ہیں ایک یہ کہ تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ''لمسجد اسس علی التقویٰ'' اور'' فیه رجال یحبون ان یتطهروا '' یہ قباء کے بارے میں نازل ہوئی اور حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی کے بارے میں ہے تو حدیث وقرآن میں تعارض ہوا۔

اشکال نمبر۲ یہ ہے کہ جب یہ آیت قباء کے بارے میں مشہور ہے تو خدری نے کیوں کہا کہ هو مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

اشکال اول کے جواب میں متعدد توجیہات کی گئیں ہیں۔ایک یہ کہ آیت کو ترجیح دی جائے گی حدیث پر کہ آیت قطعی ہے۔

جواب ۲: ۔ ممکن ہے کہ یہ آیت دو دفعہ نازل ہوئی ہو سورت فاتحہ کی طرح ایک دفعہ قباء کے بارے میں اور دوسری دفعہ مسجد نبوی کے بارے میں لیکن چونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں تو یہ جواب مردود ہے۔

جواب ۳: ۔ ''لمسجد اسس علی التقویٰ'' مسجد نبوی کے بارے میں ہے جبکہ ''فیہ رجال یحبون ان یتطھروا'' یہ قباء کے بارے میں ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس صورت میں تشتت ضمائر لازم آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب مراجع متعین ہوں تو تشتت جائز ہے جیسے وتعزروہ وتوقروہ کی ضمائر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں وتسبحوہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے لیکن چونکہ مراجع متعین ہیں تو جائز ہے محققین کے ہاں یہ تینوں جواب ناپسندیدہ ہیں۔ اس لئے صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں تعارض نہیں اور یہی بعینہ دوسرے اشکال کا جواب بھی ہے کہ خدری نے دیکھا کہ اوصاف قباء تو مسجد نبوی میں بدرجہ اتم موجود ہیں تو اس لئے کہا کہ مسجد نبوی مراد ہے اس آیت سے اور دوسرے نے خصوص مورد کو دیکھا تو مسجد قباء کہا۔ حاصل یہ ہوا کہ دونوں حضرات نزول آیت فی قباء پر متفق تھے اختلاف یہ ہوا کہ قباء کے ساتھ خاص ہے یہ آیت یا مسجد نبوی کو بھی شامل ہے؟ تو خدری نے معنی کو دیکھا تو دونوں کو شامل جانا اور دوسرے نے مورد کو دیکھا تو قباء کے ساتھ خاص کر دیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری مسجد ہے یعنی آیت دونوں کو شامل ہے۔

ہو ہذا میں ادوات حصر نہیں ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ قباء کی طرح مسجد نبوی کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے کہ دونوں کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھی ہے اور دونوں تقوی پر ہیں یا جواب کا مطلب یہ ہے کہ آیت ''لمسجد اسس علی التقویٰ'' اس کا حکم حصر تخصیص نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی بہ نسبت مسجد ضرار کے تقوی اس کی بنیاد ہے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ ابو عامر رومی ایک منافق تھا اس نے بعض لوگوں کو امادہ کیا کہ ایک اور مسجد بنائی جائے تا کہ لوگوں کو مسجد قباء میں آنے سے روکا جائے اور بہانہ یہ بنایا کہ بارش اندھیرے وغیرہ میں آنا چونکہ مشکل ہوتا ہے تو ہم اس مسجد میں ہی نماز پڑھ لیا کریں گے جب مسجد تیار ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افتتاح کی دعوت دی گئی کہ آپ برکت کے لئے اس میں نماز کی ابتداء فرمائیں لیکن چونکہ غزوہ تبوک کا موقعہ تھا اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سے واپسی پر افتتاح کی یقین دہانی کرائی۔ واپسی پر یہ آیت اتری کی یہ مسجد ضرار ہے

اس میں نماز نہ پڑھیں۔ لہٰذا آیت میں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اگر بالفرض حصر مانا جائے کیونکہ ہو ہذا میں مبتداء وخبر معرفتین ہیں جو مفید حصر ہیں ابواب التفسیر ترمذی میں ہے ہو مسجدی ہذا تو یہ بھی صحیح ہے کہ مسجد نبوی میں صحابہ جن انوار سے فیضیاب ہوئے تھے یا اس میں جتنی کثرت سے نمازیں ہوئی تھیں اس لئے یہ زیادہ قابل ہے اس بات کے کہ اس کو مؤسس علی التقویٰ کہا جائے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مورد کے بارے میں حکم نازل ہو مگر دوسری چیز اس حکم میں اس کے برابر یا اعلیٰ ہو لہٰذا یہاں آیت اگرچہ قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن مسجد نبوی بناء وتاسیس علی التقویٰ کے حکم میں اس سے اعلیٰ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی قباء

رجال:۔

ابوالابرد مقبول ہیں ترمذی فرماتے ہیں وابوالابرد اسمہ زیاد مدینی۔ اسید بن ظہیر دونوں تصغیر کے ساتھ ہیں۔☆

تشریح:۔

قباء بضم القاف ممدود اور مقصور مذکر ومؤنث منصرف اور غیر منصرف ہر طرح استعمال ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر مؤنث ہوگا تو غیر منصرف اور اگر تانیث کا اعتبار نہیں کریں گے تو منصرف کہا جائے گا۔ مدینہ کے عوالی میں دو یا تین میل کے فاصلے پر مکے کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔

الصلوٰۃ فی مسجد القباء کعمرۃ اس حدیث کو بعض نے ضعیف قرار دیا ہے ذہبی نے میزان الاعتدال (1) میں منکر قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ روایت منکر نہیں اگرچہ سفیان بن وکیع اور ابوالابرد کی وجہ سے ضعیف ہے مگر اس مضمون کی دیگر روایات (2) موجود ہیں لہٰذا روایت قابل احتجاج ہے خصوصاً فضائل میں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قباء میں نماز کا عمرے کے برابر ہونے کا حکم اضافی ہے یعنی بالنسبۃ الی المسجد

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی قباء

(1) میزان الاعتدال ص: ۲۶۰ ج: ۱ بحوالہ معارف السنن (2) دیکھئے معارف السنن ص: ۳۲۱ ج: ۳

النبوی اور مسجد نبوی میں نماز حج کے برابر ہے۔اس کی مثال یوں ہے جیسے کہ حدیث (3) میں آتا ہے کہ جب آدمی صبح کی نماز پڑھے پھر طلوع شمس تک بیٹھا رہے پھر دو رکعت پڑھ لے یہ حج وعمرہ کی طرح ہے یعنی جس طرح حج وعمرے میں جتنا فرق ہے ثواب کا اسی طرح صبح کی نماز اور اشراق میں فرق ہے۔ یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ جو فرق حج وعمرے میں ہے اسی طرح کا فرق مسجد نبوی اور مسجد قباء میں ہے ثواباً۔

باب ماجاء في اى المساجد افضل

رجال:۔

زید بن رباح المدنی ثقہ ہیں۔عبید اللہ ثقہ ہیں۔ابی عبد اللہ الاغر کا نام سلمان ہے کما صرح بہ الترمذی یہ بھی مدنی اور ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد میں نماز باقی مسجدوں کے بہ نسبت ایک ہزار گنا اولی ہے سوائے مسجد حرام کے۔اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ سوائے مسجد حرام کے کہ وہ مسجد نبوی کے برابر ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ سوائے مسجد حرام کے کہ اس کا ثواب مسجد نبوی سے زیادہ ہے اور یہی مطلب صحیح ہے۔اس کی تائید مسند احمد (1) وابن ماجہ (2) کی روایت سے ہوتی ہے کہ مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتی ہے جبکہ مسجد نبوی میں ہزار کے برابر۔بعض روایات (3) میں ہے کہ مسجد نبوی میں ایک کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہوتا ہے مگر باب کی روایت اصح ہے نسبۃً۔امام نووی وغیرہ کے

---

(3) رواہ الترمذی ص:۷۶ ج:۱ ''باب ماذکر مما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح الخ''

باب ماجاء فی ای المساجد افضل

(1) رواہ احمد وابن حبان والطبرانی کذا فی معارف السنن ص:۳۲۳ ج:۳ (2) ص:۱۰۱ ''باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ فی المسجد الحرام الخ'' (3) کما فی روایۃ ابن ماجہ ص:۱۰۲ ''باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع''

نزدیک یہ فضیلت صرف اس بقعہ کو حاصل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مسجد کا حصہ تھا۔ جمہور کے نزدیک تمام تر زیادتی کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے۔ اسکی وجہ عینی نے یہ لکھی ہے کہ مسجدی ہذا میں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہوگئے ہیں تو اعتبار تسمیہ کا ہوگا اور مسجد کا اطلاق زیادتی پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی تائید بعض روایت سے ہوتی ہے کہ اگر اس مسجد کی توسیع ذوالحلیفہ تک جیسے کہ حضرت عمر کی روایت (4) میں ہے یا صنعاء تک جیسے کہ ابوہریرہ کی روایت (5) میں ہے ہوجائے تب بھی مسجد نبوی ہی ہوگی۔ یہ دونوں روایتیں وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ میں ہیں اگرچہ سنداً کمزور ہیں۔ (از حاشیہ درس ترمذی)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تمام بقاع میں سے افضل ترین بقعہ وہ مٹی ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد تماس کررہا ہے یہاں تک کہ کعبہ وعرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔ پھر کعبہ پھر مسجد نبوی پھر مسجد حرام پھر مدینہ پھر مکہ۔ لیکن جمہور کے نزدیک مسجد حرام کا ثواب مسجد نبوی سے زیادہ ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ تین مساجد مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ جس کو بیت المقدس بھی کہتے ہیں دوسری مساجد کے بہ نسبت افضل ہیں۔ مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں سے اولیٰ ہے مسجد نبوی میں نماز ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچسو کے برابر ہے۔ کبیری میں ہے کہ تین مساجد کے بعد پھر قباء ہے ثم الاقدم فالاقدم ثم الاعظم فالاعظم البتہ اگر نئی مسجد گھر کے قریب بن گئی ہے تو وہ اولی ہے بہ نسبت دور کی مسجد کے اگرچہ وہ اقدم ہو۔ اگر دونوں مسجدیں مسافت وقدامت میں مساوی ہوں تو اگر آدمی فقیہ اور ایسا عالم ہے کہ جس کی شرکت کی وجہ سے لوگ شمولیت کرتے ہیں تو اس کو ایسی مسجد میں جانا چاہئے جہاں لوگ کم آتے ہوں تاکہ اسکی وجہ سے تکثیر جماعت ہو اگر عام آدمی ہے تو اس کو اختیار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسجد میں جائے کہ جس کا امام متقی ہو۔ اس پر اتفاق ہے کہ استاد کی مسجد میں استفادے کے لئے جانا بہرحال اولیٰ ہے اگر قریبی مسجد میں جماعت ہوچکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت ملنے کی امید ہو تو وہاں جانا اولی ہے سوائے مساجد ثلاثہ مذکورہ کے اگر تکبیر تحریمہ فوت ہوجائے یا ایک دو رکعتیں چھوٹ جائیں تو دور والی مسجد میں نہیں جانا چاہئے کیونکہ جماعت کا ثواب تو مل گیا اور قریب کا حق مقدم ہے البتہ اگر قریب والی مسجد کا امام زانی' سود خور' یا ان امور کا مرتکب ہو جن

(4) کمافی تحفۃ الاحوذی ص:۲۸۲ ج:۲ (5) حوالہ بالا

سے نماز مکروہ ہوتی ہو تو دور والی مسجد میں جانا اولیٰ ہے۔

حدیث لاتشد الرحال رحال جمع رحل کی ہے بمعنی کجاوہ شد بمعنی کسنا، باندھنا۔ ترجمہ یہ ہے کہ کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف یہ کنایہ ہے سفر سے یعنی رخت سفر نہ باندھو مگر تین مسجدوں کی طرف۔ الا الی ثلثۃ مساجد مستثنیٰ ہے مستثنیٰ منہ مقدر ہے مستثنیٰ منہ کیا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے گویا اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ لاتشد الرحال کی نہی تحریمی ہے یا تنزیہی؟ دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہے یا خاص؟ تو جمہور کے نزدیک خاص ہے تقدیر یوں ہوگی لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثۃ مساجد اور نہی شفقۃ ہے تحریم کے لئے نہیں کہ ان تین کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھے گا تو سفر کی مشقت برداشت کی اور وہاں جانے سے کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہ ہوا کہ ان تین کے علاوہ باقی مساجد تو ثواب میں برابر ہیں۔ اور بے فائدہ کام شان عاقل کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد قباء کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہاں نماز عمرے کے برابر ہے لیکن قباء جا کر عمرے کا ثواب حاصل ہوگا اور یہ ثواب تو فجر کی نماز پڑھ کر اشراق تک بیٹھ کر دو رکعت پڑھ کر اپنی مسجد میں بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

ان تین کا استثناء اس لئے فرمایا ہے کہ اگر تکلیف برداشت کر کے وہاں جائے گا تو ثمرہ بھی ملے گا کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب اور مسجد نبوی میں ہزار سے زیادہ کا ثواب اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کے برابر کا ثواب ملے گا۔ تو جو کام مہینوں میں نہیں کر سکتا تھا وہ ایک نماز میں مل گیا۔ دوسرا مطلب جمہور یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی اعتکاف کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانے کی نذر مانتا ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جانے کی ضرورت نہیں حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی مسجد میں اعتکاف کیا تو نذر پوری ہو جائیگی۔

اور اگر تین مساجد میں سے کسی مسجد کا تعین کرتا ہے تو جا سکتا ہے اگر قریبی مسجد میں اس حال میں بھی ادا کی تب بھی پوری ہو جائے گی۔

جمہور کی پہلی دلیل مسند احمد (6) کی روایت ہے لاینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد الخ اس میں ایک تو لاینبغی سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی تحریم کی نہیں بلکہ تنزیہ کی ہے دوسرا مستثنیٰ منہ کی تصریح ہے کہ مسجد ہے بعض اہل

---

(6) مسند احمد ص: ۱۲۸ ج: ۴ رقم حدیث ۱۱۶۰۹ ایضاً مسند احمد ص: ۱۸۵ ج: ۴ ولفظہ لاتشد المطی الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجد المدینۃ وبیت المقدس ایضاً مجمع الزوائد ص: ۶۶۹ ج: ۳ رقم الحدیث ۵۸۵۰

ظواہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں شہر بن حوشب ضعیف ہے۔

جواب یہ ہے کہ شہر بن حوشب مختلف فیہ راوی ہے بعض نے اگر چہ اس کی تضعیف کی ہے مگر بہت نے تصحیح وتوثیق بھی کی ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسلم کے رواۃ میں سے ہے۔

دلیل ۲:۔ اگر مستثنیٰ منہ عام مانا جائے کما ہو رای البعض لاتشد الرحال الی موضع یا الی مکان (الحدیث) ہو تو سفر تجارت جہاد علم زیارت والدین واساتذہ کے عدم جواز کا قول کرنا پڑیگا۔ حالانکہ یہ جائز ہے چونکہ جمہور کے نزدیک نہی برائے تحریم نہیں بلکہ شفقۃً ہے تو اگر کسی نے مزار یا مسجد کا قصد کیا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یعنی محض سفر کرنے کا گناہ نہیں ہوگا۔

اعتراض:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قباء کی طرف راجلاً ' راکباً جانا ثابت ہے حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ ہے۔

جواب ا:۔ مراد اس سے سفر کی نفی ہے جو کم از کم تین دن کی مسافت کا نام ہے اور قباء دو یا تین میل پر واقع ہے۔

جواب ۲:۔ قباء عام مخصوص منہ البعض ہے کہ حکم لاتشد کا عام ہے مگر قباء مستثنیٰ ہے مساجد ثلاثہ کی طرح۔

مذہب ۲:۔ قاضی عیاض امام حرمین کے والد ابو محمد الجوینی ابن تیمیہ اور ابن قیم کا ہے شاہ ولی اللہ کی رائے بھی اسی کے مطابق ہے اس کو مولانا رشید احمد گنگوہی نے پسند کیا ہے کہ نہی تحریم کے لئے ہے اور مستثنیٰ منہ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے تقدیر یوں ہوگی لاتشد الرحال الی مکان یا الی موضع الخ اس پر ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ قاعدہ مستثنیٰ مفرغ میں یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ مسجد بھی تو عام ہے اگر اسکو خاص بھی مانیں تو مسند احمد کی حدیث کی تصریح کی وجہ سے مانتے ہیں یا یوں کہیں کہ مستثنیٰ منہ وہاں عام ہوتا ہے جہاں تخصیص کی دلیل نہ ہو یا تعمیم سے مانع نہ ہو اور یہاں اگر عام مانیں پھر اسفار جائزہ کو ناجائز کہنا پڑے گا۔

دلیل ۲:۔ اصحاب سنن (7) نے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہؓ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو نضرۃ الغفاری نے کہا لو کنت ادرکتک قبل ان تخرج لم تخرج یعنی میں آپ کو وہاں جانے نہ دیتا اگر مجھے آپ کے جانے

(7) بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص: ۲۸۵ ج: ۲

کے ارادے کا علم ہوتا اور استدلال اس روایت سے کیا اور ابو ہریرہ نے بھی اس کی بات تسلیم کرلی۔

مؤطا مالک (8) میں ہے کہ کعب الاحبار کوہ طور گئے واپسی پر اس روایت سے بعض صحابہ نے تنقید کی معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ عام ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب یہی ہے کہ اگر عموم کا قول کریں تو اسفار جائزہ کے عدم جواز کا قول کرنا پڑیگا کالجہاد والعلم وغیرہما۔ پھر ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے بعد اس کے کہ مستثنیٰ صورتیں جائز ہیں اتفاقاً مثلاً زیارت روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں تو مذکور الصدر چار حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔ شاہ ولی اللہ وگنگوہی کے نزدیک جائز ہے باقی مقابر کے لئے سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ قال گنگوہی یہ قول اس لئے اختیار کیا کہ اس زمانہ میں شرک وبدعت کا زور ہے تو سد باب کے لئے اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے اہل حدیث نے بھی اربعہ کے قول کو اختیار کیا ہے اس لئے وہ حج کر کے زیارت کئے بغیر واپس آتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ابن تیمیہ وغیرہ کا مقصد یہ ہے کہ نیت زیات کی نہ ہو بلکہ مسجد نبوی کی ہو اگر وہاں پہنچے تو بالاجماع زیارت جائز ہے۔ ابن تیمیہ نے استدلال حدیث باب سے اپنے رسالہ الجواب الباہر فی زیارۃ المقابر میں کیا ہے اس رسالے کا رد ابن سبکی نے لکھا ہے پھر ابن تیمیہ کے شاگردوں نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔ جمہور کے پاس ایک مضبوط دلیل ہے جس کے جواب سے ابن تیمیہ کے شاگرد قاصر ہیں وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک تعامل امت ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں بلکہ بعض نے تو مستطیع کے لئے واجب لکھا ہے۔ (9)

وہ حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ لوگ مسجد نبوی کی نیت کر کے جاتے ہونگے مگر یہ توجیہ رکیک ہے کہ اول یہ کہنا کہ کسی کی نیت روضے کی نہیں مستبعد ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ توجیہ ان لوگوں کے بابت ممکن ہے جو مدینہ کے آس پاس یا شمال میں رہتے ہیں مگر جو مکہ یا مکہ کے جنوب میں یمن وغیرہ کے علاقوں میں رہتے ہیں تو وہ جب مسجد

(8) مؤطا مالک میں تلاش کے باوجود بندہ کو یہ مطلوبہ روایت نہ مل سکی۔ واللہ اعلم

(9) اس مضمون کے متعلق احادیث کے لئے دیکھئے آثار السنن ص: ۳۳۹ "باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" فی آخر الکتاب

حرام میں لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کر رہے ہیں تو وہ ایک ہزار کے لئے کیوں آئیں گے۔

باب ماجاء فی المشی الی المسجد

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہو تو دوڑ کر مت آؤ بلکہ سکینہ ووقار کے ساتھ آؤ جو ملے وہ پڑھو جو رہ جائے تو بعد میں ادا کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے جن میں مسارعت مسابقت وغیرہ کا تذکرہ ہے کقولہ تعالیٰ (1)"واذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" الآیۃ وقولہ تعالیٰ (2)"فاستبقوا الخیرات" و کقولہ تعالیٰ (3)"سابقوا الی مغفرۃ" تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی طرف بھی بھاگو بلکہ آیات کا مقصد یہ ہے کہ کام کاج چھوڑ کر نماز کی تیاری کرنی چاہیئے جب جماعت کھڑی ہو تو بھاگ کر نہیں آنا چاہیئے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ وقار کے خلاف ہے اور آداب مسجد کے منافی ہے اس میں گرنے کا بھی خطرہ ہے جو مزید تاخیر کا باعث ہے اس سے سانس پھول جائے گی تو ثناء وغیرہ پر قادر نہیں ہوگا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وضو ٹوٹنے کا بھی خطرہ ہے مگر یہ وجہ نادر ہے بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب گھر سے نماز کی تیاری کر کے نکلا تو یہ نماز ہی میں ہے اس کو ثواب مل رہا ہے تو بھاگنے کا کیا معنیٰ؟ پھر گھر سے نماز کی تیاری کر کے آنے والا نماز میں کیسے ہوتا ہے تو قیل حکماً نماز میں ہوتا ہے گو کہ نماز کے کل احکام اس پر جاری نہیں کہ وہ چل پھر رہا ہے استقبال قبلہ اس میں ضروری نہیں وغیرہ یا پھر نماز میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا ثواب برابر اس کو ملے گا۔

حضرت گنگوہی الکوکب الدری میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے یہ جو اقوال نقل کئے ہیں کہ تحریمہ کے فوت کے خوف کی وجہ سے سعی کر سکتا ہے تو یہ اگر چہ بظاہر اس حدیث کے منافی ہے مگر اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ خیال کیا کہ نہی اگر چہ ہے مگر تحریمہ کی فضیلت بھی بہت ہے تو نہی سے جو کراہیۃ ہوگی وہ ادراک تحریمہ سے ختم ہو جائے گی بلکہ زیادہ فضیلت حاصل ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر چہ فوت تحریمہ کا

باب ماجاء فی المشی الی المسجد

(1) سورۃ جمعہ رقم آیۃ:۹ (2) سورۃ بقرہ رقم آیۃ:۱۴۸ (3) سورۃ حدید رقم آیۃ:۲۱

اندیشہ ہو پھر بھی نہ دوڑے۔ کیونکہ ایک طرف نہی ہے دوسری طرف فضیلت اور قاعدہ یہ ہے کہ امر و نہی متعارض ہوں تو اعتبار نہی کا ہوگا تو نہی اور افضلیت میں بطریق اولی اعتبار نہی کا ہوگا۔ پھر جب آدمی کو نماز مل جائے کچھ رکعت کے فوات کے بعد تو یہ آخری نماز اس کی شمار ہوگی یا پہلی نماز؟ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے ساتھ والی نماز آخری نماز ہے اور ماقبی نماز اس طرح پڑھے گا جس طرح ابتداء سے نماز پڑھتا ہے تو ثناء تعوذ وتسمیہ وضم سورت کرے گا وھی روایۃ عن احمد وقال الشافعی علی عکس ماقال الامام کہ امام کے ساتھ والی نماز اس کی ابتدائی نماز ہے بعد والی آخری ہوگی یہی ایک روایت امام احمد و مالک سے بھی ہے۔ ثمرہ اختلاف کوئی خاص نہیں کیونکہ قراءت عند شافعی ہر رکعت میں فرض ہے تو ماقبی میں بھی کریگا کما عند ابی حنیفۃ البتہ عند الشافعی ثناء یا توجیہ نہیں پڑھیگا۔

بعض اہل ظواہر کے نزدیک آخری رکعتوں میں ضم سورت واجب نہیں یہ ان کے نزدیک ہے جن کے نزدیک عام نمازوں میں فی الاخریین بھی ضم واجب نہیں۔ امام مالک کے نزدیک امام کے ساتھ جو ملے وہ اول ہے باعتبار افعال کے کہ باقی نماز کی بناء اس پر کرے گا آخر ہے باعتبار اقوال کے کہ قراءت کریگا۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اس کی ماقبی نماز اول ہے باعتبار قراءۃ کے اور آخری ہے باعتبار تشہد کے۔

امام شافعی کا استدلال باب کی روایت سے ہے ومافاتکم فاتموا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی نماز امام کے ساتھ والی ہوگی اور ماقبی کا اتمام کرے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ومافاتکم فاقضوا کے الفاظ حدیث سے ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اتموا کا اطلاق قضاء پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں یعنی معنی یہ ہوگا کہ امام والی نماز آخری ہے اور پہلی رکعات کی قضاء کرو و بالعکس لہٰذا یہ روایت کسی فریق کا مستدل نہیں ہوسکتی۔

حنفیہ کی دلیل ابوداؤد (4) کی روایت ہے کہ شروع میں جب صحابہ نماز کے لئے آتے تو پہلے شروع کی رکعات فائتہ پڑھتے پھر امام کے ساتھ شریک ہوتے ایک دفعہ حضرت معاذ آئے صحابہ نے اشارہ کیا کہ پہلی رکعت نہیں تو معاذ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس رکعت میں ہونگے میں بھی اسی میں ہونگا نبی صلی اللہ علیہ

(4) ص:۸۱ ج:۱ ''باب کیف الاذان''

وسلم نے تحسین فرمائی اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم بھی ایسا کرو۔ حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام کی نماز کا اعتبار کیا ہے کہ امام کی آخری نماز ہے تو مقتدی کی بھی آخری نماز ہے امام شافعی نے مقتدی کا اعتبار کیا ہے کہ مقتدی پہلے اول نماز پڑھے گا پھر آخری پڑھے گا۔

باب ماجاء فی القعود فی المسجد وانتظار الصلوٰۃ من الفضل

رجال:۔

همام بن منبه بضم الميم وفتح النون و كسر الموحدة المشددة یہ وہب بن منبہ کے بھائی ہیں ثقة من الرابعة۔☆

تشریح:۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی برابر نماز میں رہتا ہے جب تک نماز کا انتظار کرے اور فرشتے برابر دعا کرتے رہتے ہیں تم میں سے ایک پر جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے اللّٰهم اغفر له اللّٰهم ارحمه جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے حضرموت کے ایک آدمی نے کہا کہ محدث ہونا کیا ہے تو ابوہریرہ نے فرمایا فساء اوضراط فساء ریح بلاصوت اور ضراط ریح باالصوت کو کہتے ہیں۔ پہلے گزرا ہے کہ نماز میں رہنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ حکم نماز میں ہوتا ہے۔ تشبیک جو ممنوع ہے وہ استحباب پر محمول ہے منافات اس میں نہیں۔ اس حدیث کے مطلب کی شرح میں شراح کے متعدد اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ آدمی مسجد میں آیا اور نماز کا وقت نہیں ہوا کقبل الزوال یا ہو گیا لیکن ابھی جماعت میں دیر ہے تو وہ نماز کا انتظا کرتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہوا اور دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ گیا مادام فی المسجد میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ مطلب ہوتا تو اسلاف اس پر عمل کرتے نیز اس سے ذرائع معاش کا تعطل لازم آئے گا۔

جواب یہ ہے کہ انتظار کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے تو ثواب ملے گا اور متقارب اوقات میں اسلاف سے انتظار الصلوٰۃ منقول ہے جیسے عصر و مغرب و عشاء۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابوہریرہ نے حدث کی تفصیل فساء و ضراط سے کی ہے یہ بھی قرینہ ہے مسجد میں انتظار کا کیونکہ یہی چیزیں عموماً مسجد میں حدث کی متصور ہیں۔

اشکال:۔ بخاری (1) کی روایت میں ہے کہ مادام فی مصلاہ الذی صلی فیہ تو ترمذی اور بخاری کی روایات میں تعارض ہے کیونکہ ترمذی کی روایت میں فی المسجد آتا ہے اور مسجد عام ہے مصلیٰ خاص ہے۔

جواب:۔ بخاری کی روایت میں مراد اسی شخص کی سجدہ گاہ نہیں بلکہ الموضع الذی اعد للصلوٰۃ مراد ہے چاہے کسی کی بھی سجدہ گاہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم مسجد پر بھی صادق ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ آدمی باہر جائے مگر دل میں ارادہ صلوٰۃ ہو اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے وقلبہ معلق بالمسجد وہ بھی فضیلت پائے گا۔

لاتزال الملائکۃ میں الف لام یا عہد کے لئے ہے مراد حفظہ ہیں یا کراماً کاتبین یا ملائکہ سیاحین فی الارض یا استغراق کے لئے ہے اور مراد استغراق اضافی ہے یعنی سارے وہ فرشتے جو مسجد میں ہوتے ہیں۔

تصلی علی احدکم سے محدثین کی تائید ہوتی ہے کہ غیر نبی پر درود جائز ہے فقہاء منع کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ درود و صلوٰۃ یہ رحمت کاملہ کا ایک حصہ ہے جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

مالم یحدث حدث کا اطلاق بدعت و جنابت دونوں پر بھی ہوتا ہے اس لئے راوی کو تفسیر پوچھنے کی

باب ماجاء فی القعود فی المسجد و انتظار الصلوٰۃ من الفضل

(1) صحیح بخاری ص:۹۰ ج:۱ ''باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ وفضل المساجد'' ایضاً صحیح مسلم ص:۲۳۴ ج:۱ ''باب فضل صلوٰۃ المکتوبۃ الخ'' ولفظہ ما کان فی مصلاہ

ضرورت پیش آئی کہ یہاں کیا مراد ہے؟

قال فساء او ضراط مراد حدث ہے لیکن چونکہ مسجد میں عموماً یہی دو صورتیں متصور ہیں اس لئے خاص طور پر اس کو ذکر کر دیا حصر مراد نہیں یا تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ مراد وہ حدث ہے جو فرشتوں کی تکلیف کا سبب بنے اس وجہ سے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں وہ کام جس سے فرشتے نفرت کرتے ہیں اس کے سبب سے بھی فرشتوں کی دعا منقطع ہو جائے گی مثلاً غیبت یا غلط باتیں کرنا کہ حدیث میں ہے کہ غلط بات سے فضاء بدبودار ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء فی الصلوة علی الخمرة.

باب ماجاء فی الصلوة علی الحصیر.

باب ماجاء فی الصلوة علی البسط .

ترمذی نے یہاں تین باب باندھے ہیں مطلب تینوں کا ایک ہے لیکن چونکہ احادیث میں متعدد عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے اس لئے تین مختلف ابواب میں ذکر کیا۔ پہلے باب میں ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمرہ پر نماز پڑھی۔ خمرہ میں ایک قول یہ ہے کہ چٹائی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جس کو سجدے میں ہاتھ اور چہرے کے لئے استعمال کیا جائے اس کو خمرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دھاگے چھپے ہوئے ہوتے ہیں کہ خمرہ کا معنی چھپانا ہے یا اس لئے کہ اس کی پتیاں ایک دوسرے کے اندر چھپائی جاتی ہیں یا اس لئے کہ چہرے اور ہاتھوں کو زمین کی حرارت و برودت سے بچا لیتی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی مطلب لیا ہے۔ قال ابوعیسیٰ والخمرة ہو حصیر صغیر۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خمرہ مطلق چٹائی کو کہتے ہیں اس کی تائید ابن عباس کے قول سے ہوتی ہے۔

ان الفارة جرت الفتيلة فالقاها على لخمرة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعداً عليها فاحرقت موضع درهم

معلوم ہوا کہ بڑی چٹائی پر بھی خمرہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

دوسرے باب میں ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصیر پر نماز پڑھی۔ حصیر بڑی چٹائی کو کہتے ہیں قیل جو انسان کے قد کے برابر ہو۔

تیسرے باب میں لفظ بسط آیا ہے جمع بساط بکسر الباء مابسط علی الارض بفتح الباء الارض الموسعۃ یعنی ہموار زمین گویا پہلے باب میں چھوٹی چٹائی دوسرے میں بڑی اور تیسرے میں مطلق بساط چاہے وہ جنس ارض میں سے ہو یا نہ ہو مذکور ہے۔ مقصد ترمذی کا یہ ہے کہ مصلی اور زمین کے درمیان اگر کوئی حائل آئے خواہ وہ جنس ارض میں سے ہو یا نہ ہو اس پر نماز صحیح ہے یہی جمہور کا مذہب ہے فقہاء نے اس میں تقیید کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہو کہ اس پر سر ٹکے فوم وغیرہ نہ ہو۔ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ بساط کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو جنس ارض میں سے ہو اور اسمیں کوئی تغیر بھی نہ ہوا ہو دوسرا یہ کہ وہ جنس ارض میں سے ہو مگر اس میں صنعت کی وجہ سے تبدیلی آئی ہو جیسے کاٹن کہ روئی زمین کی پیداوار ہے مگر اس میں تغیر کر کے کاٹن بنایا۔ تیسری وہ جو جنس ارض میں سے نہ ہو جیسے اون۔ امام مالک کے نزدیک جو جنس ارض میں سے نہ ہو یا ہو لیکن اس میں تغیر آیا ہو تو اس پر نماز مکروہ ہے کہ یہ تشبیہ بالمترفین ہے دوسرا قول امام مالک کا یہ ہے جس کو گنگوہی نے کوکب اور بنوری نے معارف میں نقل کیا ہے کہ اس پر نماز ناجائز ہے مگر اس کو ابن العربی نے نہیں لیا شاید یہ ان کا شاذ قول ہوگا۔

تیسرے قول کے مطابق اس میں تفصیل ہے کہ اگر فرض ہے تو براہ راست زمین پر پڑھنی چاہئے اور اگر نفل ہے تو گنجائش ہے کیونکہ نوافل میں نماز چٹائی پر ثابت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ فرض میں ثابت نہیں۔

مگر جواب نمبر ا یہ ہے کہ نماز کے احکام علی السویہ ہیں۔

جواب ۲:۔ بعض احادیث میں اطلاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھی ہے جیسے پہلی دونوں روایتوں میں ہے اور المطلق یجری علی اطلاقہ تو فرض و نفل دونوں کو شامل ہوا۔

عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ وہ نماز کے وقت سجدے کی جگہ چٹائی پر مٹی ڈالتے۔ عروہ بن زبیر سے مصنف ابن ابی شیبہ (1) میں مروی ہے کہ وہ چٹائی پر نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر کراہت سے مراد شاید تنزیہی

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الخمرۃ، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الحصیر، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی البسط

(1) بحوالہ نیل الاوطارص:۱۲۷ج:۲ "باب الصلوٰۃ علی الفراء والبسط وغیرہما من المفارش"

ہوگی۔ طبرانی (2) میں ہے کہ ابن مسعود چٹائی پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ابراہیم نخعی چٹائی پر کھڑے ہوتے اور سجدہ زمین پر لگاتے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مسند احمد (3) میں ام سلمہ کی روایت ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا افلح ترب وجہک گویا انہوں نے پیشانی کے گرد آلود ہونے کو ضروری سمجھا۔

جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ ترب سے مراد یہ ہے کہ سجدے میں پھونک مت مارا کرو یا تمکین جبہ کرو اس لئے جمہور کے نزدیک کسی بھی چیز پر نماز پڑھنا صحیح ہے۔

نیل الاوطار (4) میں ہے کہ بعض صحابہ وتابعین مثلاً زید بن ثابت، ابوذر، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، سعید بن المسیب، اور مکحول وغیرہ حصیر پر نماز کو مستحب سمجھتے تھے۔

قول ۴:۔ مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں ہے محمد بن سیرین کا ہے کہ بساط پر نماز بدعت ہے سعید بن مسیب کا قول بھی انہی کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے کہ ان کے دو قول ہوں۔ ۱۔ چٹائی پر مسنون۔ ۲۔ اور بساط (قالین دری) پر بدعت۔

تیسرے باب میں حضرت انس کی روایت ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یخالطنا ای یمازحنا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھل مل کر رہتے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ دوسرے ملوک وسلاطین کمزور لوگوں خصوصاً بچوں کے ساتھ بے تکلفی نہیں کرتے کہ وہ ہمہ وقت رعب جمانے کے چکر میں پڑے ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخالطت بھی فرماتے پھر بھی لوگ ڈرتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے دیکھا تو کانپنے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں ہیبت ناک سمجھتی ہو میں تو قدید یعنی سوکھا گوشت کھانیوالی ماں کا بیٹا ہوں وفی روایۃ مجھے ایک مہینے کے بقدر رعب دیا گیا ہے۔

یا ابا عمیر مافعل نغیر نغیر یا نغیر کی تصغیر ہے یا نغر بالضم کی تصغیر ہے نغر چڑیا کی طرح ایک چھوٹا پرندہ ہے اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ صاحب تحفہ نے صاحب قاموس سے نقل کیا ہے کہ اہل مدینہ اس کو بلبل کہتے

---

(2) کمافی نیل الاوطار ص: ۱۲۸ ج: ۲ ایضاً ابن ابی شیبہ رواہ ص: ۴۰۰ ''فی الصلوٰۃ علی المسوح'' (3) دیکھئے مسند احمد ص: ۱۹۲ ج: ۱۰ رقم حدیث ۲۶۶۳۴ ولفظہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لغلام یقال یسار ونفخ ترب وجہک اللہ ایضاً ص: ۲۲۸ ج: ۱۰ رقم حدیث ۲۶۸۰۶ (4) ص: ۱۲۸ ج: ۱ (5) ص: ۴۰۱ ج: ۱ ''من کرہ الصلوٰۃ علی الطنافیس الخ''

ہیں۔ یہ حنفیہ کی دلیل ہے اس بات میں کہ مدینہ کا شکار کھیلنا جائز ہے اس کا حکم مکے کی طرح نہیں۔ جمہور نے یہ جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے کہ باہر سے پکڑ کر لائے ہوں۔

گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جواب مفید نہیں کہ باہر کا شکار حرم میں حرم کا حکم رکھتا ہے اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ بچہ اگر پرندے سے کھیلے اور اس کو تکلیف نہ پہنچائے تو یہ جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ولد کے نہ ہونے کے باوجود بھی کنیت جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ ایسی بے تکلفی جس میں خلاف واقع بات نہ ہو تو جائز ہے کہ حضور کا مذاق ایسا ہی ہوتا تھا۔

والعمل علیٰ ھذا الخ والطنفۃ بمعنی قالین دری وغیرہ یعنی قالین پر نماز میں کوئی حرج نہیں لم یروابا ساً میں اشارہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنے میں تواضع زیادہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الحیطان

رجال:۔

حسن بن ابی جعفر ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت مروی ہے۔ اپنے والد کی کنیت کی طرف نسبت سے مشہور ہیں والد کا نام عجلان ہے وقیل عمرو۔ حسن کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں قد ضعفہ یحیٰ بن سعید وغیرہ۔ وابو الزبیر اسمہ محمد بن مسلم بن تدرس یہ صدوق ومدلس ہیں۔ وابو الطفیل اسمہ عامر بن واثلۃ۔☆

تشریح:۔

حیطان جمع حائط کی ہے بمعنی دیوار چونکہ مدینہ منورہ میں باغات کے گرد دیواریں ہوتی تھیں تو دیوار بول کر باغات مراد ہیں۔ قال ابوداؤد یعنی بساتین میں اسی کا بیان ہے۔

کان یستحب الصلوٰۃ فی الحیطان اس کی وجہ یہ ہے کہ باغات میں خاموشی ہوتی ہے تو توجہ زیادہ ہوتی ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبرک کے لئے نماز پڑھتے تھے کہ نماز سے برکت ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صلوٰۃ تحیۃ المکان ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ میں نزول کے وقت نماز

پڑھتے تھے۔ برکت فی الحیطان کے لئے نماز کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مدینہ مسلمانوں کا مرکز اور مرجع ہے اور مسلمانوں کا دارومدار اکل وشرب کا باغات پر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور اس کے لئے نماز پڑھی تاکہ آنے والوں کے لئے خوراک کا بندوبست ہو اور اس لئے فرمایا اللھم بارک لنا فی مدنا وصاعنا۔ (1) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ صلوٰۃ تودیع ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ سے روانگی کے وقت وہاں کے لوگوں کے لئے دعا فرماتے اور نماز پڑھتے۔

اس باب میں اس مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ اگر زمین ناپاک ہوجائے اور سوکھ جائے اور نجاست مٹی میں تبدیل ہوجائے تو وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ باغات میں گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں تو یہ تو ہم ممکن تھا کہ باغات میں نماز نہیں ہوتی کیونکہ زمین ناپاک ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دفع توہم کے لئے نماز پڑھی کہ قلب حقیقت کے بعد اشیاء کا حکم تبدیل ہوجاتا ہے جیسے انگور کا رس ہے تو وہ پاک ہے شراب اس سے بنتی ہے جو ناپاک ہے پھر سرکہ پاک ہے جو شراب سے بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح نطفہ ناپاک گوشت وغیرہ جو اس سے بنے وہ پاک ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر گدھا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو یہ پاک ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ قلب حقائق محال ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عناصر میں انقلاب محال ہے بلکہ مفہومات ثلاثہ (واجب، ممکن، ممتنع) میں انقلاب نہیں ہوسکتا عناصر میں انقلاب کے تو فلاسفہ قائل ہیں جیسے کہ میبذی وغیرہ میں ہوا کا پانی بننا ثابت ہے۔

قال الگنگوہیؒ　قلب حقیقت کے لئے مادہ وصورت دونوں کی تبدیلی ضروری ہے صرف صورت کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی نہیں آئے گی لہٰذا اگر کسی نے پیشاب سے آٹا گوندھا اور روٹی پکائی تو اگرچہ صورت تبدیل ہوئی مگر مادہ وہی ہے تو ناپاک رہے گا۔ معلوم ہوا کہ خلط سے شی ناپاک ہی رہے گی جیسے ایک دو قطرے خون کلو دودھ میں ڈالا جائے تو ناپاک ہی رہے گا کیونکہ اگرچہ صورت تبدیل ہوئی مگر مادہ وہی ہے۔

اشکال:۔ امام محمد نے فرمایا کہ طین بخارا پاک ہے معلوم ہوا کہ خلط سے چیز پاک ہوتی ہے کیونکہ گوبر

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الحیطان

(1) کمافی صحیح البخاری ص:۲۵۳ ج:۱ ''باب بلا ترجمۃ'' ابواب فضائل المدینۃ

وغیرہ بھی مٹی میں خلط ہوتے ہیں۔

جواب :۔ یہ فتوی خلط کی وجہ سے نہیں بلکہ عموم بلوی کی وجہ سے ہے کہ اس میں تعذر ہے اور مجتہد کو حالات کی بناء پر فتوی کی تبدیلی کا اختیار ہوتا ہے۔

حسین بن جعفر کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے مگر چونکہ مسئلہ فضائل کا ہے کہ باغات میں نماز مستحب ہے اور خطیب نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ تحریم وتحلیل میں ہم سختی کرتے ہیں جبکہ فضائل میں تسامح کرتے ہیں لہٰذا حدیث قابل حجت ہے اگر بالفرض نہ بھی ہوتو بھی یہ مضمون دوسری روایت سے ثابت ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً (2) لہٰذا باغات میں نماز پڑھنا صحیح ہوا۔

باب ماجاء فی سترۃ المصلی

حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے آگے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی طرح کوئی چیز رکھ دے اور نماز پڑھے تو یہ پرواہ نہ کرے کہ آگے کون گذرتا ہے۔

مؤخِرۃ مؤخَرۃ موخرۃ بغیر الہمزہ اور مؤخرۃ بالتشدید یہ لغات اس میں ہیں رحل کجاوے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ کجاوے کی پچھلی لکڑی (پالان) کی طرح سترہ ہونا چاہئے اگر صحرا ہے یا بڑی مسجد ہے تو امام احمد سے ابن العربی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک سترہ واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فقط مستحب ہے صاحب معارف نے امام احمد کا قول جمہور کی طرح نقل کیا ہے ممکن ہے کہ ان سے دو قول ہوں پھر سترہ کی مقدار کیا ہونی چاہیے؟ تو حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذراع لمبا ہو انگلی کے بقدر موٹا ہو کیونکہ موخرۃ الرحل ایک ذراع سے لے کر تین ذراع تک ہوتا ہے تو ایک کم از کم متعین ہے اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں سترہ کو رکھا یا گاڑھا نہیں جا سکتا مثلاً پختہ فرش ہے تو امام احمد کے ہاں خط کھینچا جائے فقہائے حنفیہ میں سے ابن ہمام وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں پھر لاٹھی رکھنے اور خط کھینچنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ طولاً رکھی جائی ایک یہ عرضاً ہو مثل الہلال۔ اس کے برعکس صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا کہ اس میں فائدہ نہیں۔ ابن ہمام کی جانب

(2) رواہ البخاری ص:۶۲ ج:۱ ''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً''

سے کہا جاسکتا ہے کہ ابوداؤد(1) میں روایت ہے جس میں خط کی تصریح ہے۔

اعتراض:۔اس کو ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے شافعی سے بھی تضعیف منقول ہے۔

جواب:۔یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی فضائل میں کارآمد ہے۔دوسری وجہ ابن ہمام یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں فائدہ ہے کہ اس سے مصلی کے افکار مجتمع ہوجاتے ہیں۔

پھر جس ستون یا لاٹھی وغیرہ کو سترہ بنایا ہے اس کی طرف سیدھا کھڑا نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو ایک طرف کی آنکھ کے برابر کرنا چاہئے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں تصریح ہے۔

اگر کسی نے سترہ نہیں رکھا تو وہاں سے گذرنے والے کا کیا حکم ہے؟ اگر صحراء یا بڑی مسجد یا بڑا گھر ہو تو اس میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سجدے کی جگہ چھوڑ کر گذر جائے تو جائز ہے۔بعض نے تین گز بعض نے پانچ گز بعض نے چالیس گز بعض نے دو صف بعض نے تین صف کی تحدید کی ہے۔صحیح یہ ہے کہ اگر نمازی کی نظر سجدے کی جگہ پر ہو اور تبعاً جہاں نگاہ جاتی ہے تو وہاں سے آگے گذرنا جائز' وہاں تک ناجائز ہے۔یہ مقدار تقریباً تین صفیں ہے۔

اگر مسجد چھوٹی ہو تو جہاں بھی نماز پڑھے اس کی آگے گذنا ممنوع ہے۔بعض مسجد صغیر و کبیر میں فرق نہیں کرتے ہیں۔جو فرق کرتے ہیں وہ کبیر کو بمنزلۂ صحرا قرار دیتے ہیں' مسجد کبیر کی حد عند البعض یہ ہے کہ جو مسجد حرام جتنی ہو قیل مایساوی جامع مسجد دمشق قیل ستون ذراعاً وعندالاکثر اربعون ذراعاً قیل اربعون قدماً مگر یہ قول قریب قریب ہیں کہ ذراع وقدم میں کوئی خاص فرق نہیں۔تاہم نہایہ میں مسجد کی کوئی قید نہیں ہے۔والاصح انہ لوصلیٰ صلوۃ الخاشعین بان یکون بصرہ حال قیامہ الی موضع سجودہ لایقع بصرہ علی المار لایکرہ وھومختار فخر الاسلام ورجح ابن الھمام ماذکرہ فی النھایۃ من غیر تفصیل بین المسجد وغیرہ۔(کذا فی المرقات علی المشکوٰۃ)

پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے لہٰذا اگر امام نے آگے سترہ رکھا تو مقتدیوں کو

باب ماجاء فی سترۃ المصلی

(1) سنن ابی داؤد ص:۱۰۷ ج:۱ "باب الخط اذا لم یجد عصیً" ایضاً ابن ماجہ ص:٦٧ "باب مایستر المصلی"

رکھنے کی ضرورت نہیں امام مالک کے نزدیک بھی حکم یہی ہے وہ فرق یہ کرتے ہیں کہ امام بذات خود مقتدیوں کا سترہ ہے لہٰذا سترے کا حکم امام منفرد کے لئے ہے نہ کہ مقتدیوں کے لئے۔(2)

باب ماجاء فی کراھیة المرور بین یدی المصلی

بسر بن سعید سے روایت ہے کہ زید بن خالد جہنی نے ابوجہیم کے پاس بھیجا بخاری (1) اور مؤطا (2) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرسل الیہ ابوجہیم ہے۔ مسند بزار (3) میں ابن عیینہ کی روایت ہے کہ مرسل الیہ زید بن خالد ہے یعنی بالکل برعکس حل اس کا یہ ہے کہ بخاری ومؤطا کی روایت راجح ہے مسند بزار کی روایت سے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے کیونکہ مرسل یہاں واحد ہے اور مرسل صحابی تھے معلوم ہوا کہ صحابہ بھی خبر واحد کو حجت مانتے تھے۔

ماذا علیہ ماعبارت ہے اثم سے۔ خیر کاا ایک مطلب بہتر ہے یعنی اس کے لئے چالیس سال کھڑا رہنا بہتر ہوتا یا بمعنی آسان یعنی چالیس سال تک کھڑا رہنا آسان ہوتا اس مشقت وتکلیف کے بدلے جو اس کو ملے گی اس فعل کی وجہ سے اگر چہ فی نفسہ چالیس سال قیام مشکل ہے۔ بعض روایات میں اربعین (4) خریفاً ہے بعض میں (5) مائۃ عام ہے۔

اشکال یہ ہوتا ہے کہ مائۃ اور اربعین میں تعارض ہے۔

جواب:۔ یہ ہے کہ مراد کثرت ہے کہ مائۃ واربعین دونوں سے تحدید مقصد نہیں ہوتی بلکہ برائے کثرت آتے ہیں۔

---

(2) راجع للتفصیل معارف السنن ص:۳۵۱و۳۵۲ ج:۳

باب ماجاء فی کراھیة المرور بین یدی المصلی

(1) دیکھئے ص:۷۳ ج:۱ "باب یرد المصلی من مر بین یدیہ الخ" (2) مؤطا مالک ص:۱۳۸ "التشدید فی ان یمر احد بین یدی المصلی" ایضاً صحیح مسلم ص:۱۹۷ ج:۱ "باب سترۃ المصلی الخ" (3) دیکھئے مجمع الزوائد ص:۲۰۲ ج:۲ رقم حدیث ۲۳۰۲

(4) کمافی مسند البزار بحوالہ بالا (5) کمافی روایۃ ابن ماجہ ص:۶۷ "باب المرور بین یدی المصلی"

جواب۲:۔ یہ حالت مار پر محمول ہے اس کی چار صورتیں ہیں۔

۱) مصلی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو کہ وہاں لوگوں کا آنا جانا ہو اور دوسری جگہ مل رہی تھی مگر قصداً یہاں نماز پڑھی اور مار کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا تو نمازی گناہ گار ہوگا مار نہیں۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ نمازی کو دوسری جگہ نہیں ملتی اور مار جان بوجھ کر بلا عذر مذکور گذرتا ہے تو یہ گناہ گار ہوگا۔

۳) نمازی کو جگہ نہیں مل رہی تھی اور مار کو راستہ نہیں مل رہا تھا تو دونوں معذور ہیں۔

۴) دونوں کو دوسری صورت مل رہی تھی پھر بھی کوتاہی کرتے ہیں تو دونوں گناہ گار ہونگے۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ گذرنا نہیں چاہئے پھر اگر یمیناً وشمالاً مرور ہو تو ناجائز ہے۔ قبلے کی طرف ہو تو جائز ہے۔ پھر اگر گذرنے کی ضرورت ہو تو رومال یا لاٹھی جو کم از کم ایک ذراع کے بقدر ہو اس کو کھڑا کر کے گذر سکتا ہے اور اگر دو آدمیوں کے یمیناً وشمالاً گذرنے کی ضرورت ہے تو ایک نمازی کے آگے کھڑا رہے یا بیٹھ جائے اور پشت مصلی کی طرف کرے دوسرا گزر جائے پھر جو گذر رہا ہے یہ مصلی اور رجل آخر کے درمیان کھڑے ہو کر رجل آخر کو جانے کا موقع دے پھر خود ہٹ جائے یہ بحالت ضرورت شدیدہ حیلہ ہے ورنہ انتظار بہر حال اولیٰ ہے۔

باب ماجاء لایقطع الصلوٰۃ شئ. باب ماجاء انه لایقطع الصلوٰۃ الاالکلب والحمار والمرأۃ

دونوں بابوں کی حدیثیں صحیح ہیں روات ثقات ہیں تاہم پہلی حدیث متفق علیہ ہے جبکہ دوسری کی تخریج جماعت مصنفین نے تو کی ہے مگر بخاری میں نہیں۔

ترمذی نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں پہلے میں یہ حکم لگایا ہے لایقطع الصلوٰۃ شئ یہ ظاہر پر محمول نہیں کیونکہ ظاہر پر حمل کی صورت میں شئ عام ہے حدث کو بھی شامل ہے حالانکہ حدث اتفاقاً مفسد صلوٰۃ ہے لہذا یہاں

مراد مرورشی شے ہے۔ دوسرے باب میں شئ سے استثناء کلب حمار اور مرأۃ کا ہے ابواؤد(1) میں خنزیر و کافر اور بعض روایات(2) میں مجوسی کا بھی استثناء آیا ہے۔ پہلے باب میں ابن عباس کی روایت ہے کہ اتان پر سوار ہو کر آیا اتان بفتح الہمزہ مادہ خر کو کہا جاتا ہے بکسر الہمزہ بھی صحیح ہے یہ موقعہ حجۃ الوداع کا تھا۔

اشکال:۔ حدیث میں مرور اتان سے عدم قطع صلوٰۃ کا حکم ہے جبکہ باب میں مرورشی سے عدم قطع کا حکم ہے ایں چیست؟

جواب ا:۔ کبھی ترمذی ایک دوسری روایت سے ترجمۃ لے کر باب باندھتے ہیں یہاں بھی اس طرح ہے کہ ابوداؤد(3) اور مصنف ابن ابی شیبہ(4) میں ابوسعید خدری کی روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لایقطع الصلوٰۃ شئ اسی کو بعینہ ترجمۃ الباب بنایا ہے۔

جواب ۲:۔ جب اتان قاطع صلوٰۃ نہیں تو معلوم ہوا کہ آئندہ باب میں استثنائی صورتیں منسوخ ہیں تو حکم عام رہ گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جدار کے علاوہ کوئی سترہ تھا یا نہیں؟ تو بخاری(5) وجود سترہ اور بیہقی(6) عدم سترہ کے قائل ہیں۔

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مرورشی سے نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بعض اہل ظواہر کے نزدیک مذکورہ تین چیزوں کے مرور سے نماز ٹوٹتی ہے یہی ایک قول احمد کا ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ کلب اسود نماز توڑ دیتا ہے۔ یہی اسحٰق کا بھی مذہب ہے حمار والمرأۃ کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں وفی نفسی من الحمار والمرأۃ شی اس تردد کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں مختلف روایات موجود ہیں کما سیجئ۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مرورشی سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

ظاہریہ کا استدلال باب ثانی کی حدیث سے ہے کہ بغیر سترہ نماز کی صورت میں کلب حمار اور مرأۃ نماز توڑ دیتے ہیں۔

باب ماجاء لایقطع الصلوٰۃ شئ. باب ماجاء انہ لایقطع الصلوٰۃ الخ

(1) ص:۱۰۹ ج:ا ''باب مایقطع الصلوٰۃ'' (2) حوالہ بالا (3) ص:۱۱۱ ج:ا ''باب من قال لایقطع الصلوٰۃ شئ'' (4) ص:۲۸۰ ج:ا ''من قال لایقطع الصلوۃ شئ وادرأوا ما استطعتم'' (5) صحیح بخاری ص:۷۱ ج:ا ''باب سترۃ الامام سترۃ من خلفہ'' (6) دیکھئے بیہقی کبری ص:۲۷۳ ''باب من صلی الی غیر سترۃ''

جواب ا:۔اگر قطع سے مراد فساد ہو تو یہ منسوخ ہے وجہ یہ ہے کہ حمار کے بارے میں سابقہ روایت میں تصریح ہے کہ اس کے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور عورت کے بارے میں بخاری (7) ونسائی (8) کی روایت عائشہ ہے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز پڑھتے اور میں آگے جنازے کی طرح سوئی رہتی۔عینی فرماتے ہیں کہ جب عورت کا آگے سوئے رہنا خصوصاً حائضہ کا مفسد صلوٰۃ نہیں تو مرور بطریق اولیٰ مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا۔کلب اسود کے بارے میں صریح روایت نہیں مگر وہ اس پر قیاس ہے۔البتہ نفس کلب کے بارے میں روایت ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور کتا اور اتان دونوں آپ کے آگے کھیل رہے تھے۔مصنف عبدالرزاق (9) میں دوسری بات یہ ہے کہ ان اشیاء میں سبب قطع شیطانی مادہ ہے اور جب نفس شیطان کے مرور سے نماز نہیں ٹوٹتی جیسے کہ صلوۃ کسوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہٹے تو وجہ پوچھے جانے پر یہ بیان کی کہ شیطان آگ کا شعلہ لایا تھا تو جب شیطان کے پیش آنے سے نماز ختم نہیں ہوتی تو مسبب کی وجہ سے نماز کیسے ختم ہوگی؟

جواب ۲:۔قطع سے مراد فساد نہیں بلکہ قطع وصلہ اور رابطہ ہے کیونکہ حدیث میں لفظ قطع آیا ہے جو وصلہ کو چاہتا ہے اور وصلہ رابطے کا ہوتا ہے ورنہ فسدت کہہ دیتے اگر فساد مراد ہوتا۔

اعتراض:۔تشویش ہر چیز سے لاحق ہوتی ہے ان تین کی تخصیص کیوں؟

جواب:۔کلب اسود شیطان ہے یعنی شیطان کالے کتے کی شکل میں آتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ کالا کتا شیطان کی طرح زیادہ مضر ہوتا ہے۔حمار کے بارے میں آتا ہے کہ اس کی نہیق شیطان کو دیکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور مراۃ کے بارے میں آتا ہے النساء حبائل الشیطان لہٰذا ان تینوں کی تخصیص اس شیطانی اثر کی وجہ سے ہے۔

دوسری وجہ شیخ الہندؒ نے ورد الشذی میں لکھی ہے کہ تخصیص مراد نہیں بلکہ ضابطے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جو چیز مرغوب یا مبغوض ہو تو اس کی وجہ سے نماز سے توجہ ہٹ جاتی ہے مراۃ مرغوب ہے اور حمار کلب اور کافر وغیرہ مبغوض ہیں۔اسی طرح ابوداؤد (10) کی روایت کے مطابق خنزیر اور مجوسی بھی اس قسم ثانی میں داخل ہیں۔

---

(7) صحیح بخاری ص:۷۳ ج:۱ "باب الصلوۃ خلف النائم" وبعدہ ایضاً (8) سنن نسائی ص:۳۸ ج:۱ باب ترک الوضوء من مس الرجل امراتہ من غیر شہوۃ" (9) ص:۲۸ ج:۱ رقم حدیث ۲۳۵۸ (10) ابوداؤد کے علاوہ دیکھئے مصنف عبدالرزاق ص:۲۷ رقم حدیث ۲۳۵۲

یہاں بعض حنابلہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ باب کی حدیث قولی ہے اور جمہور کے مستدلات فعلی ہیں لہٰذا ترجیح قولی کو ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ترجیح کہ بات تب ہوتی ہے جب تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں تو تطبیق ہو سکتی ہے کما مر یعنی قطع سے مراد قطع الوصلہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد

عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ کے گھر ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اشتمال کو التحاف بھی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا درست ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ امام احمد سے مروی ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ معارف السنن (1) میں مغنی کے حوالہ سے منقول ہے کہ آدمی کے کندھے اگر کھل جائیں اور چھپانے کا انتظام ہو تو عند احمد نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک ایک کپڑے میں نماز پڑھنا بشرطیکہ پورا بدن ڈھک جائے بلا کراہت جائز ہے صحیحین (2) کی روایت ہے لایصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه منه شیٔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چادر بڑی ہے تو پورے بدن کو ڈھانپ لینا چاہئے اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر چادر اوسع ہے تو اس میں التحاف کرے چادر سینے پر باندھے۔

۲۔ اگر چادر درمیانہ ہو یعنی وسیع ہو اوسع نہ ہو تو عاتق پر باندھے۔

۳۔ اگر چھوٹی ہو تو ازار باندھے لیکن سینے یا گردن پر باندھنے میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ بند نہ

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد

(1) معارف السنن ص:۳۶۳ ج:۳

(2) صحیح بخاری ص:۵۲ ج:۱ ''باب اذا صلیٰ فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه'' ولم اجده فی صحیح المسلم ولکن رواه ابوداؤد والنسائی بحوالہ المعجم المفہرس ص:۳۰۹ ج:۱

رہیں کہ باہر نکالنا مشکل ہو کہ یہ مکروہ ہے اور علامت یہود ہے۔ کبیری میں خلاصے کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر ایک عورت سمندر سے نکلے اور اس کے پاس اتنا کپڑا ہے کہ وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنا چاہے تو ساق کا اتنا حصہ کھل جاتا ہے کہ وہ مانع عن الصلوٰۃ ہے تو وہ قعوداً نماز پڑھے گی اگر اتنی چادر ہے کہ باقی بدن اور ربع رأس کو چھپا سکتی ہے اور سر پر نہ ڈالے تو سر نہ چھپانے کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر ربع رأس سے کم کے لئے کافی ہے تو سر پر ڈالنا ضروری نہیں پھر مستحب یہ ہے کہ آدمی تین کپڑوں میں نماز پڑھے شلوار قمیض اور عمامہ۔

اگر بغیر عمامہ کے نماز پڑھی تب بھی بلا کراہت نماز جائز ہے۔ فتاوی امینیہ میں جو یہ ہے کہ امام کے لئے بغیر عمامہ نماز مکروہ ہے بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت اصل مذہب میں نہیں عمدۃ الرعایہ میں لکھنوی صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ عوام کی روایت ہے اصل مذہب یہ نہیں۔

باب ماجاء فی ابتداء القبلة

ترمذی نے باب ابتدائے قبلہ کا باندھا ہے اور حدیث مشیر ہے تحویل قبلہ کی طرف تو عنوان اور معنون میں مطابقت نہیں۔

جواب یہ ہے کہ کلام میں تقدیر ہے اصل میں ترجمہ یہ ہے فی ابتداء القبلۃ بعد الہجرۃ فی المدینۃ تو موافقت پیدا ہوگئی۔

قبلہ مقابل کی ہیئت وحالت کو کہتے ہیں یا سامنے کی جہت کو عرف شرع میں قبلہ نام ہے اس مکان کا جس کی طرف مصلی نماز پڑھ رہا ہو چاہے عین کعبہ ہو یا جہت کعبہ۔ یہ براء بن عازب کی روایت ہے۔

صلی نحو بیت المقدس سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی بیت المقدس میں ترکیب اضافی وتوصیفی دونوں صحیح ہیں وجہ یہ ہے کہ مقدس میں دو قراءت ہیں ضابطہ یہ ہے کہ اگر میم مفتوحہ ہو تو دال مخففہ مکسورہ ہوگی اور ترکیب اضافی ہوگی اور یہ من قبیل اضافۃ الموصوف الی الصفہ ہوگی مسجد الجامع کی طرح اگر میم پر ضمہ ہو تو دال مشددہ مفتوحہ ہوگی مُقَدَّس۔ پھر اس کی ترکیب اضافی بیت المقدس اور ترکیب توصیفی البیت المقدس دونوں صحیح

ہیں اگر بیت مجرد عن الالف واللام ہوتو یہ ترکیب لفظاً اضافی معنیً توصیفی اور اگر بیت معرفہ ہوتو لفظاً ومعنیً دونوں توصیفی ہے۔

اس میں کلام ہے کہ تحویل قبلہ کتنی مرتبہ ہوئی ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔

ایک یہ ہے کہ دو دفعہ تحویل ہوئی ہے۔ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ تحویل قبلہ تحریم متعہ اور تحریم لحوم حمر دو دو دفعہ ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ چوتھی چیز بھول گیا ہوں ویمحو اللہ مایشاء اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے ان کو کعبے کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا پھر مدینہ آنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ملا پھر ۱۶ مہینے بعد یہ بھی منسوخ ہوا اور کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ملا یہ دوسرا نسخ ہوا۔

قول ثانی یہ ہے کہ نسخ ایک دفعہ ہوا ہے یعنی ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے بعد اس سے پہلے مدنی دور اور پورے مکی دور میں قبلہ بیت المقدس تھا البتہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تھے تو رکنین یمانیین کے درمیان نماز پڑھتے تو مواجہت الی کعبۃ و بیت المقدس کلیہما ہوتی۔

قول ثالث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں اختیار تھا "لله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله" مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکنین یمانیین کے درمیان نماز پڑھتے کما ہو مصرح فی روایۃ ابن عباس فی مسند احمد و بزار (1) والراجح ہو القول الاول۔ یعنی نسخ دو دفعہ ہوا ہے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جو پڑھائی تھی وہ بتصریح روات عند باب الکعبۃ تھی اور باب کعبہ کعبے کے مشرق میں ہے جب دروازے کی طرف کھڑے ہوئے تو دروازہ مغرب کی طرف ہوا جبکہ بیت المقدس شمال کی طرف ہے لہٰذا بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا مکے میں صحیح نہیں ہوا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں کعبے کی طرف اس لئے نماز پڑھی ہوگی کہ اگر وہاں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے اور میزاب پیچھے آجاتا تو مخالفت مشرکین میں اضافہ ہوتا کیونکہ کعبے کی

باب ماجاء في ابتداء القبلة

(1) مجمع الزوائد ص: ۱۱۸ ج: ۲ رقم حدیث ۱۹۲۷ "باب ماجاء فی القبلۃ"

تعظیم وہ بھی کرتے تھے تو کعبے کی طرف نماز میں مشرکین کی تالیف قلبی تھی جب مدینہ آئے تو یہود کی کثرت تھی اور ان کا قبلہ بیت المقدس تھا تو مدینہ میں یہود کی تالیف قلبی کی خاطر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا بالسنۃ (کیونکہ آیت للنسخ نہیں اتری)(2)۔

ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ یہود کی مخالفت بڑھ گئی۔ تو قبلے کی طرف نماز کی خواہش ہوئی اور یہ حکم عام اشیاء کا بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں یہود کی مشابہت کو اختیار کرتے پھر ان کی مخالفت بڑھنے کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے لگے۔

ستة او سبعة عشر شهراً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول کے وسط میں ہوئی اور تحویل قبلہ آئندہ سال رجب میں ہوئی کمافی روایۃ ابن شعبان یا شعبان کے وسط میں کمافی روایۃ الواقدی۔ مؤطا(3) میں ہے کہ تحویل قبلہ غزوہ بدر سے دو مہینے پہلے ہوئی اس سے ابن شعبان کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے اگر کسر شمار کریں تو سترہ مہینے ورنہ سولہ مہینے بنتے ہیں۔

و کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب ان یوجه الی الکعبة ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آبائی قبلہ تھا دوسری یہ ہے کہ اس سے یہود کی مخالفت ہوتی تھی فانزل اللّٰه تعالیٰ "قد نری تقلب وجهك فی السماء"۔

اعتراض:۔ مسلم(4) میں ہے کہ فی الصلوٰۃ آسمان کی طرف نظر ممنوع ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دیکھا؟

جواب ا:۔ یہ دوران صلوٰۃ نہیں تھا۔

جواب ۲:۔ منع بلاضرورت ہے اور اجازت للضرورت ہے یعنی آپ کا دیکھنا انتظار وحی کے لئے تھا۔

---

(2) اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے کمافی صحیح البخاری ص:۸۷۷ ج:۲ "باب الفرق

(3) ص:۱۸۳ "ماجاء فی القبلۃ"

(4) صحیح مسلم ص:۱۸۱ ج:۱ "باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ"

فصلی رجل معہ العصر اس رجل کا نام عباد بن بشر ہے وقیل عباد بن نہیک۔ اس پر پانچ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ بعض روایات (5) سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد نبوی میں پیش آیا اور بعض (6) میں ہے کہ مسجد قبلتین میں یہ تعارض ہے۔

جواب:۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مسجد قبلتین میں پیش آیا ہے ظہر کے وقت مگر چونکہ وہ تیسری رکعت کے رکوع میں پیش آیا تھا تو بعض نے پوری نماز کا اعتبار کر کے مسجد نبوی کہا اور پوری نماز عصر کی مسجد نبوی میں ادا کی گئی اور بعض نے اصل کو دیکھتے ہوئے مسجد قبلتین کہا۔

اعتراض ۲:۔ بعض روایات (7) میں ہے کہ واقعہ مذکورہ ظہر کی نماز میں پیش آیا بعض (8) میں عصر کی نماز کا ذکر ہے۔

جواب:۔ اصل حکم ظہر میں آیا تھا مگر وہ نماز پوری ہونے کو تھی اس لئے بعض نے عصر کا ذکر کیا ہے کہ وہ پوری کعبے کی طرف پڑھی گئی۔

ثم مرعلی قوم من الانصار وهم ركوع فی صلاة العصر نحو بیت المقدس فقال .....الخ

اعتراض ۳:۔ آدمی جب خبر لے کر دوسری مسجد میں پہنچا تو وہ حالت رکوع میں تھے عصر کی نماز میں اور اس باب کی ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلوٰۃ صبح میں تھے۔

جواب:۔ جس مسجد میں اطلاع دوران صلوٰۃ عصر پہنچی وہ مسجد بنی عبدالاشہل تھی اور جس میں صلوٰۃ صبح کے وقت پہنچی وہ مسجد قباء تھی۔

فانحرفوا وهم ركوع چونکہ مدینہ منورہ قبلتین کے درمیان واقع ہے تو ایک طرف رخ کرنا مستلزم

---

(5) کمافی مجمع الزوائد ص:۱۱۹ ج:۲ ''باب ماجاء فی القبلة'' (6) دیکھئے فتح الباری ص:۹۰ ج:۱ بحوالہ معارف السنن

(7) کمافی روایۃ ابن کثیر ایضاً معارف السنن ص:۳۶۶ ج:۳

(8) کمافی روایۃ البخاری ص:۶۴۴ ج:۲ ''باب قولہ سیقول السفہاء الخ''

ہے دوسری طرف پشت کرنے کو تو انحراف کی صورت یہ ہوئی کہ امام جو کہ دیوار شمالی کے پاس کھڑا تھا وہ جنوبی کے پاس چلا گیا عورتیں مردوں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے۔ امام اس لئے گیا کہ اگر وہ اپنی جگہ پھرتا تو پیچھے دیوار ہوتی تو مردوں پر عورتوں کا اور مردوں کا امام پر تقدم لازم آتا جو قلب موضوع ہے۔ اور عمل کثیر فی الصلوٰۃ اس وقت جائز تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اثنائے صلوٰۃ میں اگر غیر قبلے کی طرف ہونا معلوم ہو جائے تو قبلے کی طرف ہو جانا چاہئے یہ بھی معلوم ہوا کہ سابقہ نماز صحیح ہے اور بقایا نماز کی بناء اس پر صحیح ہے بشرطیکہ ابتدائے صلوٰۃ میں اطمینان قبلہ کر چکا ہو کالمشتبہ علیہ القبلۃ۔

اعتراض ۴:۔ یہ خبر واحد ہے اور بیت المقدس کی طرف نماز قطعی تھی خصوصاً عند الحنفیہ خبر واحد سے قطعی کا نسخ کیسے ہوا؟

جواب ۱:۔ خبر واحد کا قابل نسخ نہ ہونا یہ بعد کی اصطلاح ہے تو اس وقت کی خبر واحد قطعی تھی بعد میں احتمالات کی وجہ سے اس میں ظنیت پیدا ہوگئی۔

جواب ۲:۔ جو اصح ہے وہ یہ کہ خبر واحد جو محتف بالقرائن ہو تو وہ بھی قطعی ہوتی ہے۔ کما فی شرح العقائد و شرح النخبۃ کالخبر بقدوم الزید عندتسارع الناس الی دارہ وبموتہ عندبکاء اھلہ وتھیاء الجنازۃ مثلاً تو یہاں بھی لوگوں کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے توجہ الی الکعبہ کی تو وحی کے آنے کا پہلے سے انتظار ہو رہا تھا۔

اشکال ۵:۔ یہ اشکال مبنی ہے ایک تمہید پر وہ یہ کہ ناسخ پر عمل کب ضروری ہوتا ہے؟ تو اس میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ نسخ کی خبر ایک مکلّف تک بھی پہنچے تو ناسخ پر عمل لازم ہوگا۔

قول ثانی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ناسخ کی خبر پہنچے تو عمل ضروری ہوگا۔

قول ثالث جمہور کا ہے کہ جس جس مکلّف کو خبر ناسخ کی پہنچے گی تو اس کے لئے عمل ضروری ہوگا۔

اس دوسرے اور پہلے قول پر اعتراض ہے کہ بقول ابن العربی منگل کے دن بوقت ظہر بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا تو مسجد بنی عبد الاشہل میں ظہر کی نماز منسوخ قبلے کی طرف پڑھی قباء والوں نے بھی بدھ کی صبح

تک منسوخ پر عمل کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادے کا حکم بھی نہیں دیا ان کی طرف سے دو جواب ممکن ہیں۔

جواب ۱:۔ یہ قاعدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لئے نہیں بعد کا ہے۔

جواب ۲:۔ یہ جب ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم از خود خبر پہنچانے کا اہتمام نہ کریں اگر کریں تو ناسخ پر عمل اس وقت ضروری ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچے گا۔ اور دار قطنی (9) کی روایت ہے کہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا لہٰذا اس پر جس وقت اطلاع ہوگی اس وقت سے مکلف ہوگا پہلے کی نمازیں صحیح ہیں۔

باب ماجاء ان مابين المشرق والمغرب قبلة

رجال:۔

محمد بن ابی معشر السندی ابو معشر کا نام نجیح ہے۔ محمد خود صدوق ہیں مگر ان کے والد ضعیف ہیں کما فصلہ الترمذی۔ محمد بن عمرو صدوق لہ اوہام۔

ابی سلمۃ ان کا نام عبد اللہ ہے وقیل اسماعیل مراد ان سے ابن عبد الرحمٰن بن عوف الزہری المدنی ہے ثقہ اور مکثر من الثالثہ ہیں۔ ☆

تشریح:۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے یہ حکم باتفاق محدثین وفقہاء ان لوگوں کے لئے ہے جو کعبہ کے جنوب یا شمال میں رہتے ہیں چونکہ مدینہ منورہ کعبہ کے شمال پر واقع ہے اس لئے انکا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان واقع ہے جب رخ جنوب یعنی کعبہ کی طرف ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولكن شرقوا اوغربوا جیسا کہ یہ حکم مدینہ اور اس کے محاذات میں واقع شہروں کے لئے ہے تو یہ حکم بھی اس خط

(9) دار قطنی ص:۲۸۱ ج:ا رقم حدیث ۲۸۱ ولفظ الحدیث جاء منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان القبلۃ قد حولت الی الکعبۃ الخ،، حنفی

والوں کے لئے ہے جو مشرق کعبہ یا مغرب کعبہ میں رہتے ہیں ان کا قبلہ جنوب وشمال کے درمیان ہوگا بشرطیکہ رخ قبلے کی طرف رہے جیسے ہندوستان و پاکستان کا قبلہ۔ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جو مسجد حرم میں نماز پڑھتا ہو وہ اپنے مخالف جہت کی طرف منہ کرے گا مثلاً جو مشرق میں ہوگا وہ مغرب کی طرف وبالعکس اور جو شمال میں ہوگا وہ جنوب کی طرف منہ کرنے وبالعکس بشرطیکہ قبلہ یعنی کعبہ سامنے ہو۔ علی ہذا القیاس جب اس دائرہ کو وسعت دی جائے گی تو بھی یہی حکم ہوگا کہ جہت معتبر ہوگی لہٰذا جو آدمی جنوب مشرق میں واقع ہے تو اس کو مغرب کی طرف مائل ہونا چاہئے اور جو جنوب مغرب میں واقع ہو تو وہ مشرق کی طرف مائل ہوگا جو شمال مشرق کی طرف ہو تو اس کے قبلے کا میلان مغرب کی طرف ہوگا جو شمال مغرب میں واقع ہے اس کے قبلے کا میلان مشرق کی طرف ہوگا۔

جو آدمی مسجد الحرام کے اندر ہے اس کے لئے مواجہت الی عین الکعبہ ضروری ہے باہر والوں کے لئے جہت ضروری ہے نہ کی عین کہ یہ ممکن نہیں اگر اس میں تھوڑی بہت غلطی واقع ہو جائے تو ۴۵ درجے زاویئے تک گنجائش ہے زیادہ کی نہیں ورنہ نماز فاسد ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قبلہ ڈھونڈنے میں آلات جدیدہ کے بارے میں غلو سے کام نہیں لینا چاہئے کہ بعض مساجد کے بارے میں ظن بد ہوگا کہ ان کا قبلہ غلط تھا تو اسلاف کے بارے میں سوء ظن پیدا ہوگا۔

قال ابن عمر الخ اس کا مقصد یہ ہے کہ مواجہت الی عین الکعبہ ضروری نہیں بلکہ استقبال الی جہۃ الکعبہ ضروری ہے۔ اذا استقبلت القبلۃ اس لئے کہا کہ اگر قبلے کی طرف پشت ہو جائے پھر مواجہت نہیں ہوگی۔

وقال ابن المبارك الخ یعنی یہ جو حکم ہے کہ قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے یہ اہل مشرق کے لئے ہے۔

اس قول کے مطلب میں شراح پریشان ہیں۔ ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حکم مشرق میں رہنے والوں کے لئے ہے حالانکہ یہ حکم غلط ہے کیونکہ اہل مشرق کا قبلہ بین الشمال والجنوب ہے۔

تو اس کی ایک توجیہ یہ ممکن ہے کہ ان کا قبلہ مشرق ومغرب کے خط پر واقع ہے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ مشرق سے مراد لغوی نہیں اور جغرافیائی بھی نہیں بلکہ عرفی عند المحدثین ہے جس کا اطلاق عراق کوفہ بصرہ پر ہوتا ہے پھر مطلب صحیح ہوگا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اہل مشرق سے مراد وہ بلاد ہیں جو مروہ کے مشرق میں ہیں جیسے بلخ، سمرقند و بخارا

اور اہل مروہ ان بلاد کے مغرب میں واقع ہے۔تو ان کے لئے قبلہ مابین المشرق والمغرب ہے لیکن مائل الی المشرق کہ مروہ شمال مغرب میں واقع ہے۔

باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم

رجال:۔

اشعث بن سعید السمان متروک ہیں ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔عاصم بن عبید اللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی ضعیف ہیں۔عبداللہ بن عامر العنزی کبار تابعین میں سے ہیں ثقہ ہیں۔عن ابیہ یعنی عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک مہاجرین اولین میں سے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔دو ہجرتیں کر چکے ہیں اور بدری بھی ہیں رضی اللہ عنہ۔☆

تشریح:۔

عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں اندھیری رات میں تھے تو ہم قبلے کی سمت معلوم نہ کر سکے تو ہر آدمی نے اپنے خیال کے مطابق (تلقاء وجہہ) یعنی اپنے آگے کی طرف نماز پڑھی۔ یا یہ واقعہ تہجد کا ہے کیونکہ عشاء کی نماز صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر تہجد بالجماعۃ وفرادیٰ دونوں احتمال ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ عشاء کی نماز ہو کہ سخت اندھیری رات میں یا بارش وغیرہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منادی کراتے الاصلوا فی الرحال کی جب صبح ہوئی تو ہم نے یہ بات ذکر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو یہ آیت اتری ''فاینما تولوا فثم وجہ اللہ'' اس سے معلوم ہوا کہ اسکا شان نزول یہ واقعہ ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اندھیرا ہو یا نہ ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سواری پر نفل نماز کے بارے میں ہے۔

چوتھا یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا تو بعض صحابہ کو تشویش ہوئی کہ آبائی قبلہ کو چھوڑ دیا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ یہود نے تحویل قبلہ پر اعتراضات شروع کر دیئے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ قبلے کا بھی علم نہیں کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف منہ کرتے ہیں تو یہ آیت اتری۔ مگر پہلے گذرا ہے کہ سیوطی اور شاہ ولی اللہ نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کبھی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس کے بارے میں اتری ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس کا مصداق بن سکتا ہے تاہم سیوطی نے اتقان میں دوسرے اصول کی وجہ سے پانچویں قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس کی سند سب روایات سے قوی ہے۔ (انظر الزاد الیسیر فی مقدمۃ التفسیر)

اگر کسی پر قبلہ مشتبہ ہوا اور نماز پڑھی بعد میں علم ہوا کہ غیر قبلے کی طرف نماز پڑھی ہے تو معارف میں مغنی کے حوالے سے ہے کہ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ نماز ہوگئی۔ نووی نے شرح مہذب میں امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ غیر قبلے کی طرف نماز کا اعادہ واجب ہے۔ قرطبی نے احکام القرآن میں امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اگر وقت باقی ہو اور علم ہوا کہ نماز غیر قبلہ کی طرف پڑھی گئی ہے تو اعادہ مستحب ہے۔

جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اعادہ ضروری نہیں مگر شرط یہ ہے کہ جس پر قبلہ مشتبہ ہوا اول تو وہ کسی سے پوچھے اگر کوئی واقف نہ ہو تو مصلی تحری کریگا اگر بعد التحری اثناء صلوٰۃ میں اول تحری کی غلطی معلوم ہوگئی تو جس طرف کا علم ہو اس طرف انحراف کرے اور چونکہ سابقہ نماز صحیح ہے تو باقی نماز کی بناء بھی اس پر صحیح ہے۔ نماز کے بعد اگر علم غلطی تحری کا ہو جائے تو اعادہ ضروری نہیں کما مر۔ البتہ اگر وہ شاک نہیں قبلے کے بارے میں یا اشتباہ ہے مگر کسی سے سوال اور تحری نہیں کرتا اور بغیر تحقیق کے نماز پڑھتا ہے تو بالاتفاق وہ نماز باطل ہے۔ یہ منفرد کا حکم ہے اگر لوگ امام کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیں تو اگر سب نے ایک جہت میں تحری کر کے نماز پڑھی تو ان کی نمازیں صحیح ہیں اور اگر جہات مختلف ہوں تو جس آدمی کو دوران نماز علم ہوگا کہ وہ امام سے آگے نکلا ہے یا اس کی جہت امام کی جہت سے مختلف ہے تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی اگر بعد از نماز علم ہو تو نماز صحیح ہے اعادہ عند الجمہور نہیں۔

دلیل باب کی روایت ہے اگر چہ یہ اشعث بن سعید اور عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے مگر مؤیدات (1) موجود ہیں تو قابل استدلال ہے اور شافعیہ کے خلاف جمہور کی حجت ہے۔

باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم

(1) چنانچہ مؤیدات کے لئے دیکھئے مسند طیالسی ص:۱۵۶ ج:۵ اور سنن بیہقی ص:۱۱ ج:۲ ''باب استبیان الخطاء بعد الاجتہاد'' دارقطنی ص:۲۲۸ ج:۱ رقم حدیث ۱۰۵۰ ''باب الاجتہاد فی القبلۃ وجواز التحری فی ذالک'' ومجمع الزوائد ص:۱۲۳ ج:۲ رقم حدیث ۱۹۸۱

باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلیٰ الیہ وفیہ

رجال:۔

مقری اقراء سے ہے۔ یہ عبداللہ بن یزید ابوعبدالرحمٰن مقری ہے امام بخاری کے اکابر شیوخ میں سے ہیں ان کو مقری اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے مکہ میں ۳۵ سال اور بصرہ میں ۳۶ سال قرآن پڑھایا ہے۔(1)

قال الحافظ اس نسبت کے کافی راوی موجود ہیں مگر یہاں مراد ابوعبدالرحمٰن ہے۔

یحیٰ بن ایوب المصری اہل مصر کے مفتی وعالم تھے صدوق ربما اخطأ۔

زید بن جبیرۃ بفتح الجیم وکسر الباء متروک ہیں ترمذی میں ان سے سوائے اس روایت کے کوئی اور حدیث مروی نہیں۔☆

تشریح:۔

یہ باب ان مواضع کے بیان میں ہے کہ جن کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اگر ان سات مواضع ممنوعہ میں (جیسا کہ روایت میں ہے) نماز پڑھی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز ہو جائے گی امام احمد سے مغنی میں ایک روایت کراہیت اور ایک عدم صحت کی ہے مزبلہ زبل سے ہے بمعنی سرقین یعنی گوبر مراد گندگی۔مجزرہ جزارت سے ہے جہاں اونٹ نحر اور دیگر جانور ذبح کئے جاتے ہوں۔مقبرہ یعنی قبرستان قارعۃ الطریق میں اضافت الصفۃ الی الموصوف ہے ای الطریق المقروعۃ یعنی وہ راستہ جو زیادہ آنے جانے کی وجہ سے بجتا ہے مراد شارع عام ہے وقیل وسط الطریق وقیل نفس الطریق۔

معاطن الابل جمع معطن کی ہے لغۃ وہ جگہ جہاں اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد لا کر رکھا جاتا ہے تاکہ دوبارہ پانی پئیں کیونکہ وہ ہفتے بھر کا اسٹاک کرتا ہے۔مراد یہاں مطلق اونٹ ٹھہرانے کی جگہ ہے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلیٰ الیہ

(1) تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب التہذیب ص:۸۳و۸۴ج:۶

سات مواضع میں نماز کی کراہیت کی وجہ عند البعض معلل بعلت نہیں۔ عند الاکثر معلل بعلت ہے کیونکہ مزبلہ میں گندگی کی وجہ سے نماز مکروہ ہے وہاں بدبو بھی ہوتی ہے جبکہ نماز کے لئے صاف جگہ ہونی چاہئیے۔ اگر کسی نے گندی جگہ میں نماز پڑھی بغیر حائل کے تو نماز نہیں ہوگی اگر حائل ہو تو نماز صحیح مع الکراہیت ہوگی' مجزرہ میں بھی یہی علت ہے۔ مقبرہ میں گندگی کے ساتھ ساتھ تشبہ بعبدۃ الاوثان بھی ہے کما مر قارعۃ الطریق میں نماز سے لوگوں کو تکلیف ہوگی گویا یہ راستہ بند کرنے کے مترادف ہے۔ حمام میں ایک وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا مستعمل پانی ٹپکتا ہے جس سے جگہ ناپاک ہوتی ہے اگر کسی نے پاک جگہ بنائی یا مصلی پر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہوگی۔ اگر وہاں کشف عورت ہو یا شور و شغب ہو تو بھی مکروہ ہے۔ قیل چونکہ وہ موارد شیاطین ہیں اس لئے بھی مکروہ ہے۔ اس علت کی بناء پر نماز ہر صورت میں مکروہ ہوگی چاہے پاک جگہ ہو یا نہ ہو۔ معاطن میں ایذاء ابل کا بھی اندیشہ ہے۔

فوق ظهر بيت الله حنفیہ کے ہاں اس کی کراہیت کی وجہ سوء ادب ہے کہ تقدیس برقرار نہیں رہتی۔ امام شافعی کے ہاں نماز ہوگی بشرطیکہ چھت کے ایسے حصے پر نماز پڑھے کہ دیوار تک کا فاصلہ کم از کم تین گز کا ہو۔ حنفیہ کے ہاں یہ شرط نہیں کیونکہ قبلہ عرصے کا نام ہے۔ امام احمد کے نزدیک فرائض علی سقف البیت صحیح نہیں نوافل صحیح ہیں۔

امام مالک کے نزدیک فرائض وتر' رکعتی الطواف اور سنن فجر درست نہیں باقی نمازیں صحیح ہیں اور تقریباً یہی اختلاف جوف کعبہ میں نماز پڑھنے میں ہے۔ ان کا استدلال ''فولوا وجوہکم شطرہ'' (2) سے ہے جبکہ حنفیہ وشافعیہ کا استدلال ''وطہر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود'' (3) سے ہے۔ تدبر

ابن العربی وغیرہ نے کچھ اور مواضع ذکر کئے ہیں جن میں نماز مکروہ ہے مثلاً یہود ونصاریٰ کا معبد یا سامنے تصویر ہو بیت الخلاء کی چھت پر یا ایسی دیوار کی طرف جس پر گندگی موجود ہو مقبرے کی طرف رخ کر کے بعض نے کہا ہے کہ بغیر ضرورت مسجد کے چھت پر نماز بھی مکروہ ہے۔ جیسے اس پر بلا وجہ چڑھنا مکروہ ہے معارف میں ہے کہ شاید یہ قیاس علی بیت اللہ ہے جو صحیح نہیں۔

---

(2) سورت بقرہ رقم آیت: ۱۴۴

(3) سورت بقرہ رقم آیت: ۱۲۵

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی مرابض الغنم و اعطان الابل

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنم کے باڑے میں نماز پڑھو اونٹوں کے باڑے میں مت پڑھو۔ مرابض جمع مربض ہے بکریوں کا باڑہ کتب میں غنم' معز' شاۃ ضأن کے الفاظ آتے ہیں غنم جنس ہے بھیڑ بکری سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ ضأن ذات الوبر یعنی اون والا جانور (میشی) معز بکری کو کہتے ہیں شاۃ میں ایک قول یہ ہے کہ غنم کی طرح عام ہے دوسرا یہ کہ شاۃ ضأن کو کہتے ہیں۔ اعطان عطن سے ہے عطن یا معطن لغۃً اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ پانی پی کر کچھ دیر کے لئے ٹھہرے رہیں بڑے جانوروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک مرتبہ سے سیر نہیں ہوتے۔ بلکہ دو دفعہ پیتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق باڑہ ہے یہ امر وجوبی نہیں کہ اصل میں سائل کے ایک سوال کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتے ہو یا مقصد بیان فرق ہے اونٹوں اور بکریوں کے باڑے میں تو وہاں فرض یا واجب نہیں۔

اس کی علت کیا ہے؟ تو بقول ابن حزم یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب تعمیر مسجد نبوی نہیں ہوئی تھی اور مسجد میں نماز کا انتظام نہیں تھا چونکہ بکریوں کے باڑے ہموار ہوتے ہیں تو اجازت دی جمہور کے نزدیک یہ حکم موقت بوقت نہیں۔ پھر اس کی علت امام شافعی نے یہ بیان کی ہے کہ بکریوں کے باڑے عموماً صاف ہوتے ہیں بخلاف اونٹوں کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بکریوں کے چرواہے باڑے میں پیشاب وغیرہ نہیں کرتے اونٹوں والے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ امام مالک نے علت یہ بیان کی کہ بکری ضعیف جانور ہے خدشہ نہیں نقصان کا اونٹ شریر و مضر ہے فی بعض الراویۃ (1) اس پر شیطان کا اثر ہوتا ہے اس علت کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ بول مایوکل لحمہ پاک ہے تو ان کو فرق کرنا مشکل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ناپاک ہے تو نجاست میں دونوں برابر ہیں البتہ اگر کسی نے نماز پڑھ لی جگہ صاف تھی یا کی گئی کپڑا ڈال کر اور رطوبت نہ پہنچے تو عند الجمہور نماز صحیح ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی مرابض الغنم و اعطان الابل

(1) کمافی روایۃ ابی داؤد ص: ۷۷ ج: ۱ ''باب النہی عن الصلوٰۃ فی مبارک الابل''

عنداحمد فی الروایۃ المشہورۃ عنہ واہل الظواہر اعطان الابل میں نہیں ہوگی بکریوں کے باڑے میں ہو جائے گی۔ حسن بصری اسحٰق ابوثور کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی۔ قیل اونٹ جب پیشاب کرتا ہے تو چھینٹیں پڑنے کا ظن غالب ہوتا ہے بخلاف بکری کے اور یہ علت عندالحنفیہ ہوسکتی ہے کہ ان کے نزدیک بول مایوکل لحمہ ناپاک ہے۔

قیل اونٹوں کے باڑے میں تعفن وبدبو ہوتی ہے صفائی کا انتظام نہیں ہوتا اور ان کے پیشاب میں تعفن بھی ہوتا ہے بخلاف بکری کے۔ بعض نے کہا کہ بکریوں کا باڑہ ہموار ہوتا ہے بخلاف اونٹوں کے باڑے کے قیل اونٹوں کے باڑے میں تشویش ہوگی کچلنے کی بخلاف بکری کے، قیل بکری کو جنت کا جانور قرار دیا ہے فی روایۃ (2) تو اس کی قربت سے اطمینان اور اچھا تاثر پڑتا ہے یہ ہے بھی ضعیف جو نماز میں خشوع کے ساتھ مناسب ہے بخلاف اونٹوں کے کہ یہ سخت مزاج ہوتے ہیں اسلئے بکریوں کے پالنے والے بہ نسبت اونٹوں کے پالنے والوں کے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ گائے کو ابن منذر نے غنم کے ساتھ اور مسند احمد کی ابن لہیعہ والی روایت میں ابل کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الدابۃ حیث ماتوجهت به

رجال:۔

یحی بن آدم الکوفی ثقہ اور حافظ ہیں۔ سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ ☆

تشریح:۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا تھا جب واپس آیا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راحلہ پر مشرق کی طرف رخ کرتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں (غیر قبلے کی طرف) اور سجدہ رکوع کی بہ نسبت نیچا ہوتا۔

(2) کمافی مؤطا محمد ص:۱۴۴ ''باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم'' ایضاً رواہ ابن حبان ص:۲۱۹ ج:ا رقم حدیث ۲۸۰ ولفظہ قال امسح رغامہا وصل فی مراحہا فانہا من دواب الجنۃ

راحلہ وہ اونٹ جس میں نجابت وعمدگی ہو کہ دوسروں میں پہچانا جائے۔ ہر اونٹ پر راحلہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جیسے بخاری کی روایت میں ہے کہ انسان کی مثال اونٹوں کی طرح ہے کہ سو میں ایک بمشکل سواری کے قابل ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راحلہ کا نام قصویٰ تھا امام ترمذی نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ سواری پر نفل نماز بلا اختلاف جائز ہے۔

والعمل علیه عندعامة اهل العلم لانعلم بینهم اختلافاً لایرون باساً ان یصلی الرجل علی راحلته تطوعاً

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسا کرنا مطلق سفر میں جائز ہے یا اس سفر میں جس میں قصر جائز ہو یا کسی سفر کی قید نہیں تو چار اقوال ہیں۔

امام شافعی واحمد کے نزدیک مطلق سفر کے دوران چاہے وہ حد شرعی تک پہنچے یا نہ نفل نماز سواری پر جائز ہے۔

دوسرا قول امام ابوحنیفہ ؒ کا ہے یہ بھی مطلق سفر میں جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ سواری آبادی سے اتنی دور چلی جائے جہاں آدمی قصر پڑھ سکے۔

قول ۳:۔ امام مالک کا ہے سواری پر نفل اس وقت جائز ہے جب وہ سفر مبیح قصر ہو۔

قول ۴:۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ سفر وحضر کی کوئی قید نہیں یہی قول شافعیہ میں سے ابوسعید اصطخری اور اہل ظواہر کا ہے۔

پھر امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق مصلی کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ تحریمہ کے وقت قبلے کی طرف توجہ کرے عندالحنفیہ یہ مستحب ہے۔

دوسرا قول امام شافعی کا عدم وجوب کا ہے استقبال قبلہ عند تحریمہ ضروری نہیں۔

قول ۳:۔ اگر آسانی سے ہو سکے تو واجب ہے ورنہ واجب نہیں۔

امام احمدؒ سے بھی دو قول ہیں پھر نفلی نماز کے لئے جس طرح استقبال قبلہ ضروری نہیں تو سجدہ میں وضع

الجبہہ بھی ضروری نہیں ہاں اخفض من الرکوع ہونا چاہئے۔ اسی طرح زین اور سیٹ کا پاک ہونا بھی شرط نہیں۔

قال شیخ الہند فی الورد الشذی آج کل وہ سواری جو دو پہیوں والی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں سوار کی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ اس کا رخ وجہہ دابے کی طرف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دوسری سواریوں میں استقبال قبلہ ممکن ہے تو وہاں استقبال قبلہ ضروری ہے۔

یہ مسئلہ تو نوافل کا ہے فرائض وواجبات عندالحنفیہ سواری پر جائز نہیں ہاں اگر ضرورت شدیدہ ہو مثلاً کوئی مطلوب ہو کہ نماز پڑھنے پر اسے پکڑا جائے گا یا زمین پر کیچڑ اتنی ہے کہ اگر اتر بھی جائے تب بھی زمین پر نماز نہ پڑھ سکے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ مطلوب کی طرح طالب کو بھی دابہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

آج کل ریل گاڑی کشتی پر بھی قیاس ہے اس میں استقبال قبلہ وقیام دونوں ضروری ہونگے اگر کسی کا سر چکرائے یا متلی آئے تو اولاً تو یہ چاہیئے کہ نماز مؤخر کر کے کسی اسٹیشن پر پڑھ لے اگر فوتگی کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اگر گاڑی میں ازدحام ورش ہو اور نماز پڑھنے کے لئے جگہ میسر نہ ہو تو اولاً لوگوں سے جگہ مانگے جیسے کہ کسی کے پاس اگر پانی نہ ہو تو مانگنا چاہئے اگر نہ دے تب تیمم کی اجازت ہے بعض نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ پانی نہ دینے کی وجہ تو یہ ہے کہ سفر میں پانی مشکل سے ملتا ہے لہٰذا عند البعض اگر ظن غالب ہو کہ دیدے گا تو مانگے ورنہ نہیں جگہ تو ہر کوئی دیتا ہے یہ ہر صورت میں مانگنا ضروری ہے اگر نہیں مانگی اور بیٹھ کر نماز پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہوگی۔ بس وغیرہ بھی اسی پر قیاس ہے اگر چہ بس میں قیام مشکل ہوتا ہے لہٰذا اسٹاپ پر اتر کر پڑھے یا ڈرائیور سے رکنے کو کہے اگر نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے۔

مولانا تھانوی نے بوادر النوادر میں لکھا ہے کہ جہاز میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ نہ وہ زمین ہے نہ زمین پر قائم بلکہ معلق ہے بنوری نے اولاً جواز کا فتوی دیا بعد میں تھانویؒ کے قول کی طرف رجوع کیا البتہ عذر کو مستثنیٰ کیا ہے۔ میرے خیال میں سجدہ کی تعریف میں ارض سے مراد اگر ''ما یتمکن علیہ'' ہو تو پھر جہاز میں نماز صحیح ہوگی مگر احتیاطاً اعادہ کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی الصلوۃ الی الراحلۃ

یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔ اس روایت سے یہ شبہ دفع ہوا کہ کسی جانور کی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ جانور کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے البتہ جس جانور کی عبادت (جیسے گائے) ہوتی تھی یا ہوتی ہے اس کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔ جیسے فقہاء لکھتے ہیں ہر وہ چیز جس کی طرف نماز میں مظنہ تعظیم وعبادت ہو اس کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے قرآن یا آگ کی طرف۔

اعتراض:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاطن الابل میں نماز سے ممانعت فرمائی ہے اور یہاں خود ابل کو سترہ بنایا۔

جواب ۱:۔ ممانعت علت نجاست کی وجہ سے ہے اور وہ یہاں نہیں تھی۔

جواب ۲:۔ ممانعت اونٹ کے شر کے ڈر کی وجہ سے ہے اور یہاں اونٹ ساکن تھا۔

جواب ۳:۔ ممانعت کی علت شیطان کا اثر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یہاں نہیں تھا۔

پھر امام شافعی کے نزدیک راحلہ کو سترہ بنانا وہاں جائز ہوگا جہاں کوئی اور سترہ نہ ہو۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ راحلہ کو تب سترہ بنایا جا سکتا ہے جب اس پر کجاوے کی لکڑی موجود ہو کیونکہ اس سے اونٹ ساکن رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرف اس لئے نماز پڑھی ہو کہ عرب ریگستانی خطہ ہے وہاں دیگر کسی چیز کا سترہ بنانا یا ملنا مشکل ہے۔ نیز راحلہ کو آگے رکھنے میں اونٹ کے بھاگنے اور اس کے گم ہونے کا احتمال نہیں رہتا جس سے نماز میں دلجمعی پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ سامان اور جوتے وغیرہ سامنے رکھے جائیں۔

باب ماجاء اذااحضر العشاء واقيمت الصلوة فابدأوا بالعَشاء

يبلغ به النبى صلى الله عليه وسلم اى يرفعه عليه الصلوٰة والسلام۔

عَشاء بالفتح رات کے کھانے کو کہتے ہیں چونکہ عرب والے غروب کے وقت کھانا کھاتے تھے اس لئے مرادعشاء سے مغرب کی نماز کے وقت کا کھانا ہے۔

فابدأوا امر ہے اہل ظاہر کے نزدیک وجوب پرمحمول ہے لہٰذا جب کھانا حاضر ہوتو نماز پڑھنا صحیح نہیں اگر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔ علامہ شوکانی نے امام احمدؒ کی طرف بھی یہی نسبت کی ہے مگر ابن قدامہ نے مغنی (1) میں ان سے جواز کی روایت نقل کی ہے ممکن ہے کہ ان سے دوقول ہوں۔ جمہور کے نزدیک اگر کسی نے اس صورت میں نماپڑھ لی تو جائز ہے لہذاامر برائے ندب ہے۔

پھر اولاً نماز نہ پڑھنے کی اور کھانا کھانے کی علت کیا ہے؟ تو گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ (عرب میں خصوصاً صحابہ کو کھانا دووقت کا عموماً میسر نہ تھا اسی طرح عموماً وہ حضرات روزے بھی رکھتے تھے) اور صحابہ کم بھی کھاتے تو کھانے میں بے حد اشتہاء ہوتی تھی لہٰذا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ بھوک ہو یا نہ ہو ہر حالت میں اولاً طعام پھر صلوٰۃ۔ ترمذی نے اسکی علت میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ قال وکیع یقول فی ہذا الحدیث اذا کان طعاماً یخاف فسادہ۔ یہی روایت امام غزالی سے بھی ہے بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ یہ اس وقت ہے جب شدید خواہش ہواور بعد میں کھانا ملنے کا زیادہ امکان نہ ہو۔ جبکہ مالکیہ سے منقول ہے کہ کھانا قلیل ہواور بچنے کی امید نہ ہو بعد میں تو پہلے کھانا کھائے۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے لان يكون اكلى كله صلوٰة احب الى من ان يكون صلوٰتى

باب ماجاء اذاحضر العشاء واقيمت الصلوٰة فابداوا بالعشاء

(1) ص:۴۷۴ج:۲مسألہ رقم ۲۱۰

کـلـهـا اکلاً اس کا مطلب یہ ہے کہ بھوک کی حالت میں اگر نماز پڑھے گا تو دل کھانے میں لگا رہے گا اس سے یہ اچھا ہے کہ کھانے میں نماز کا دھیان رہے اور اس میں دل معلق رہے۔

ابن عباس کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے اس سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے ابن عمر سے بھی پہلے کھانا پھر نماز منقول ہے۔

وھو یسمع قراء ۃ الامام گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ روزے رکھتے تھے اس لئے طعام قبل الصلوٰۃ فرماتے۔ طحاوی مشکل الآ ثار(2) میں انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد روزے دار کے لئے ہے اگرچہ عندالجمہور اس کی علت روزہ نہیں۔ بخاری (3) نے ابوالدرداء سے نقل کیا ہے کہ آدمی کی فقاہت کی علامت یہ ہے کہ فارغ البال ہوکر نماز پڑھے۔ یہ اعذار ترک جماعت میں سے تو ہے مگر اعذار قضاء صلوٰۃ میں سے نہیں لہٰذا کھانے سے نماز قضاء نہیں کی جاسکتی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عندالنعاس

نعاس اور سنہ میں اکثر اہل لغت فرق نہیں کرتے بعض نے فرق کیا ہے۔ معارف (1) میں عرف الشذی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نعاس جسکا اثر دماغ پر ہو اور سنہ جس کا اثر آنکھوں پر ہو اور نوم جس کا اثر قلب پر ہو۔ قرطبی (2) نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ نعاس کا اثر آنکھوں میں سنہ کا سر میں اور نوم کا قلب میں ہوتا ہے یہ شاہ صاحب کی تعریف کے برعکس ہے۔ بنوری صاحبؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ عرف الشذی میں ناسخ کی غلطی ہو۔

فلیرقدؒ میں امر ندب کے لئے ہے لہٰذا اس حال میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی۔ پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ اس کا تعلق نوافل وفرائض دونوں کے ساتھ ہے یا صرف صلوٰۃ اللیل کے ساتھ نووی نے نقل کیا ہے مذھبنا

---

(2) مشکل الآ ثار ص:۴۰۲ ج:۲ بحوالہ معارف (3) صحیح بخاری ص:۹۲ ج:۱ ''باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ''

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عند النعاس

(1) معارف السنن ص:۴۰۲ ج:۳ (2) ص:۲۷۲ ج:۳

ومذهب الجمهور انه عام في صلاة الفرض والنفل في الليل والنهار۔

حافظ فرماتے ہیں انہ جاء علی سبب لکن العبرۃ لعموم اللفظ فیعمل بہ ایضاً فی الفرائض صاحب تحفہ نے اس کی وضاحت کی کہ یہ اشارہ ہے حدیث عائشہ کی طرف۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حولاء بنت تویت کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ یہ رات کو نماز پڑھتی ہے نیند کے وقت رسی سے نیند دور کرنے کے لئے خود کو باندھ لیتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نیند آ جائے تو سونا چاہئے۔(3)

لیکن نووی وابن حجر کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ نماز قضاء ہو جائے پھر بھی سونا چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وقت میں توسیع ہو تب۔ اسکے مقابل ایک جماعت کہتی ہے کہ تعلق صلوٰۃ اللیل کے ساتھ ہے فرائض کے ساتھ تعلق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نوافل کا وقت زیادہ ہوتا ہے اور رات کو پڑھے جاتے ہیں جو نیند کا وقت ہے فرائض کے اوقات مختصر ہیں اور سونے کے اوقات بھی نہیں لہٰذا فرائض کے ساتھ تعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ عشاء کی نماز میں بیٹھے بیٹھے سو جاتے مگر یہ مروی نہیں کہ نماز چھوڑ کر کوئی سو گیا ہو۔ حدیث میں یہ وجہ بیان کی ہے فان احدکم الخ یعنی اگر وہ نماز اونگھ کی حالت میں پڑھتا رہے تو مقصد تو یہ ہوگا کہ گناہوں کی بخشش کرائے لیکن فیسب نفسہ اس جملے کا مقصد ملا علی قاری کے نزدیک ظاہر پر ہے یعنی جب وہ تھک جائے گا تو تھکاوٹ کے وقت غصے میں آ کر اپنے آپ کو بھی برا بھلا کہہ دیتا ہے۔ دوسرے حضرات یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسا جملہ کہہ دے گا جو کہنا نہیں چاہتا مثلاً اللہم اغفر لی کی جگہ اعفر کہہ دے یعنی خاک دے دیں یا لاتغفر لی کہہ دے۔

اعتراض:۔ قلب لاہی کی دعا یا بددعا تو قبول نہیں تو یہاں کیوں؟

جواب:۔ بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ہر بات قبول ہو جاتی ہے چاہے دل لاہی ہو یا خاضع۔

جواب۲:۔ جب اپنی بات کا پتہ نہیں ہوگا تو اس بلا وجہ تکلیف کا کیا معنیٰ تو سونا چاہئے۔

---

(3) رواہ البخاری ص:۱۵۴ ج:۱ ولفظہ لمسلم ص:۲۶۷ ج:۱ "باب فضیلۃ العمل الدائم الخ" ایضاً رواہ ابوداؤد ص:۱۹۳ ج:۱ ایضاً نسائی "باب اللیل"

جواب۳:۔ مایطاق تکلیف اپنے نفس کو دینی چاہئے جب وہ سورہا ہوتو اتنی طاقت نہیں تو آئندہ کا شوق نہیں رہے گا جیسے خطیب کو تقریر اس وقت منقطع کرنی چاہئے جب وہ محسوس کرے کہ لوگ تھک گئے ہیں تاکہ شوق برقرار رہے۔

باب ماجاء من زار قوماً فلایصل بھم

رجال:۔

بدیل بالتصغیر ہے۔العقیلی بضم العین ثقہ ہیں۔ابی عطیہ مبدل منہ رجل بالجر بدل ہےاور منہم کی ضمیر بنوعقیل کی طرف عائد ہے۔ذہبی نے میزان میں ابوعطیہ کو مجہول قرار دیا ہے جبکہ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے ''ابوعطیۃ مولی بنی عقیل مقبول من الثالثۃ''۔☆

تشریح:۔

ابوعطیہ فرماتے ہیں کہ مالک بن حویرث ہماری مسجد میں تشریف لاتے تھےاور احادیث بیان کرتے تھےایک دن جماعت تیار ہوئی تو ہم نے ان کو کہا کہ آگے ہوجائے تو انہوں نے کہا کہ آپ میں سے کوئی آگے ہوجائے حتیٰ احدکم فی ابی داؤد۔ساحدکم (1) کہ میں کیوں آگے نہیں ہوتا پھر نماز کے بعد حدیث بیان فرمائی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ جس نے کسی قوم کی زیارت کی تو وہ امامت نہ کرے۔

اس پر اتفاق ہے کہ زائر کو بغیر اجازت کے نماز پڑھانے کا حق نہیں بشرطیکہ امام راتب یا صاحب منزل امامت کا اہل ہو عورت یا بچہ یا امی محض نہ ہو۔

البتہ ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ زائر اعلم اور افضل ہو مزور سے تو مزور کے لئے بہتر یہ ہے کہ زائر کو آگے کردے اگر دونوں مساوی ہوں پھر حسن ادب یہ ہے کہ وہ زائر کو آگے ہونے کے لئے کہے۔لہٰذا اگر مزور زائر کو اجازت دے تو عندالجمھور بلا کراہت جائز ہے۔البتہ مالک بن حویرث نے حدیث کے ظاہر پر عمل

باب ماجاء من زار قوماً فلایصل بھم

(1) ص:۹۵ ج:ا''باب امامۃ الزائر''

کرتے ہوئے باوجود اجازت کے تقدم سے انکار کیا ہے۔ یہی مذہب امام اسحٰق کا ہے کماذکرہ الترمذی وشدد فی ان لایصلی احد بصاحب المنزل وان اذن لہ صاحب المنزل الخ استدلال مذکورہ روایت سے کرتے ہیں کہ مالک بن حویرث اجازت کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔

شیخ الہند الورد الشذی میں فرماتے ہیں کہ امام اسحٰق کا استدلال صحیح نہیں اگرچہ بڑوں کی تخطیہ نہیں کرنی چاہئے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ صحابی ہیں اور ہم تابعی ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے ہمیں نماز پڑھانے کا حق نہیں پہنچتا۔ تو اس زعم کو دور کردیا کہ اگرچہ میں صحابی ہوں مگر زائر ہوں اس میں عام ترتیب ملحوظ نہیں ہوگی بلکہ مزور اولیٰ بالامامۃ ہے۔ چونکہ ان لوگوں کو اس حدیث کا پتہ نہیں تھا لہذا امام اسحٰق کا استدلال درست نہیں۔ جیسے ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے دابہ پر اگلی نشست خالی کردی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی نشست کا حق صاحب دابہ کا ہوتا ہے الا یہ کہ اجازت دے تو یہاں بھی اس آدمی کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بیٹھ سکتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے زعم کو رد کردیا کہ سواری تمہاری ہے حق تمہارا بنتا ہے اگر اجازت دیں تو میں بیٹھ سکتا ہوں اسی طرح امامت مع الاجازت صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یوم الرجل فی سلطانہ ولا یجلس علی تکرمتہ الا باذنہ۔

ابن العربی (2) نے عارضہ میں ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان کی زیارت کی اور نماز بھی پڑھائی معلوم ہوا کہ عندالاجازت نماز پڑھانا صحیح ہے بغیر اجازت کے نہ پڑھائے ایک اس لئے کہ بدنظمی پیدا ہوگی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام راتب کی دل شکنی ہوگی تیسری وجہ یہ کہ یا زائر کی قراءت اچھی ہوگی یا مزور کی تو جس کی اچھی نہیں ہوگی تو لوگ اس سے بدظن ہوجائیں گے۔

---

(2) عارضۃ الاحوذی ص:۱۲۹ ج:۲

باب ماجاء فی کراھیة ان یخص الامام نفسه بالدعاء

رجال:۔

اسماعیل بن عیاش الحمصی اپنے اہل بلد سے روایت کرنے میں صدوق ہیں مگر دوسروں سے روایت کرنے میں ان سے خلط ہوجاتا ہے۔ تاہم امام احمد، ابن معین، بخاری اور ابن عدی نے اہل شام سے روایت کرنے میں توثیق کی ہے اور حجازیین سے اخذ کی تضعیف کی ہے چونکہ مذکور روایت حبیب ابن ابی صالح سے ہے اور حبیب بھی حمصی اور ثقہ ہیں اس لئے امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔

یزید بن شریح بھی حمصی ہیں حافظ نے مقبول اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابی حی المؤذن اسمہ شداد بن حی صدوق ہیں۔ حیی بضم الحاء وشد الیاء المفتوحة۔ سیوطی نے قوت المغتذی میں لکھا ہے کہ ترمذی میں ان تینوں یعنی حبیب و یزید اور ابوحی سے سوائے اس حدیث کے دیگر کوئی حدیث نہیں ہے۔

ثوبان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں التزام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو شام تشریف لے گئے اور بالآخر حمص میں سنہ ۵۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ☆

تشریح:۔

اس حدیث میں تین حکم بیان کئے ہیں ایک یہ کہ کسی کو کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکنا صحیح نہیں کیونکہ پردے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی گھر کے حالات وعورات پر مطلع نہ ہو اور دیکھنے سے یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے اور کبھی آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کو دیکھے یا عورتیں ہوتی ہیں جن کو دیکھنا نہیں چاہیئے فان نظر فقد دخل کیونکہ دخول سے بھی مقصد آگاہی ہوتی ہے وہ باہر سے حاصل کرلی لہٰذا دروازے

سے ہٹ کر کھڑا رہنا چاہئے یا نگاہ کو نیچے رکھے۔اگر دروازہ کھلا ہے اچانک نظر پڑ گئی تو غلطی صاحب خانہ کی ہے اگر چہ دیکھنے والا اس کا پابند ہے کہ نظر فوراً لوٹا دے۔اگر اجازت مل گئی پھر دیکھ سکتا ہے پھر بھی عورتیں اس اجازت میں داخل نہیں کہ شرعاً دیکھنے سے ممانعت ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ امام اپنے لئے بغیر مقتدیوں کے دعا نہ کرے فان فعل فقد خان وجہ یہ ہے کہ جماعت کا مقصد یہ ہے کہ امام ان کا سفیر ہو تو ایسا عمل وقول اختیار کرنا چاہیئے جو سب کی نمائندگی کرے اب اگر یہ خود کو مخصوص کرتا ہے تو یہ مقصد امامت کے خلاف ہے۔اس جملے کے مقصد میں مختلف اقوال ہیں۔

قیل واحد متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کرنا چاہئے مگر اس پر اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ میں مفرد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

وقیل کہ اپنے علاوہ غیر کی نفی نہ کرے کقول الاعرابی (1) اللھم ارحمنی ومحمد أولا ترحم معنا احداً۔

وقیل رکوع وسجود کے مواضع میں دعائیں نہ پڑھے کہ مقتدی تسبیحات پڑھتا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی رائے ہے یعنی ایسے مواضع میں امام کو دعا نہیں مانگنی چاہئے جو دعا کے مواضع نہیں ہیں۔

قال التقی عثمانی کہ بہتر صورت یہ ہے کہ ایسی دعا نہیں کرنی چاہئے جو آدمی کی ذات کے ساتھ متعلق ہو مثلہ اللھم زوجنی۔

مگر زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ امام دعا کے وقت سب کی طرف سے نیت کرے یہ اجتماعی دعا کہلائے گی چاہے صیغہ جمع ہو یا مفرد اگر اپنی نیت کرے گا تو انفرادی دعا کہلائے گی اگر چہ صیغہ جمع کا ہو۔

قال المدنیؒ کہ مفرد کے ساتھ جمع کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ حقن ہو جس کو پیشاب آیا ہوا یک حاقب ہے جس کو بڑا پیشاب آیا ہو مگر اکثر یہ فرق نہیں کرتے یعنی جس کو قضائے حاجت کا تقاضا ہو چاہے چھوٹا پیشاب ہو یا بڑا پیشاب باقی اگر کسی نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو اس کا حکم گذر چکا ہے۔(2)

باب ماجاء فی کراهیة ان یخص الامام نفسه بالدعاء

(1) رواہ ابوداؤد ص:۱۳۵ ج:۱ "باب الدعاء فی الصلوٰۃ" (2) انظر للتفصیل معارف السنن ص:۴۰۶ ج:۳

باب ماجاء من أم قوماً وهم له كارهون

رجال:۔

محمد بن القاسم پر امام ترمذی نے کلام کیا ہے ان سے ترمذی میں یہی ایک حدیث مروی ہے امام احمد ان کی احادیث کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

فضل بن دلهم بفتح الدال و سكون اللام بوزن جعفر ہے ان میں لین اور اعتزال ہے۔ الحسن یعنی البصری۔☆

تشریح:۔

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں پر لعنت کی ہے پہلا وہ شخص جو امام ہو اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں دوسرا وہ عورت جو رات (تنہا) گذارے اور اسکا شوہر اس سے ناراض ہو تیسرا وہ شخص جو اذان سنے اور مسجد میں نہ جائے۔

اس حدیث میں تین آدمیوں کو ملعون قرار دیا ہے آخر الباب میں ابوامامہ کی روایت میں عبد آبق کا بھی ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نماز ان کے کانوں سے تجاوز نہیں کرے گی مراد لاترفع الی السماء ہے کمافی روایۃ ابن عباس لاترفع فوق رؤسھم شبراً (1) جیسے کہ طبرانی (2) میں ابن عباس کی روایت ہے لاتقبل لھم صلوٰۃ مراد ترتب ثواب ہے اگرچہ ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۱) وہ غلام جو بھاگ جائے۔ (۲) وہ عورت جو شوہر کی ناراضگی کے ساتھ رات گذارے۔

باب ماجاء من ام قوماً وهم له كارهون

(1) رواہ ابن ماجہ ص:٦٨ ''باب من ام قوماً وہم لہ کارہون''

(2) بحوالہ معارف السنن ص:۳۱۴ ج:۲ لیکن معجم کبیر للطبرانی ص:۱۱۵ ج:۱ رقم حدیث ۲۱۰ میں تصریح ہے کہ وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔

(۳) وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ امام سے مراد یہاں حاکم ہے یا امام مسجد ہے دونوں کو یہ روایت شامل ہے۔ لیکن اس میں یہ بات ہے کہ اہل سنت کو اہل بدع ناپسند کرتے ہیں اہل نعم کو غیر اہل نعم ناپسند کرتے ہیں اور ارباب اقتدار کو عموماً رعایا ناپسند کرتی ہے تو بظاہر اگر چہ اس کا حکم عام ہے مگر مقصد یہ ہے کہ امام کے دین میں خامی ہو جس کی وجہ سے لوگ ناپسند کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ امام اس وعید میں آتا ہے تو یا اپنی اصلاح کرے یا استعفاء دے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس میں دینی خامی موجود ہو تو اگر کل یا بعض لوگ نماز نہ پڑھیں تو جماعت میں رخنہ پڑتا ہے اگر پڑھیں تو ان کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ اس آدمی کو امامت پر باقی رہنا مکروہ تحریمی ہے کمافی معارف السنن (3)

اس کے برعکس اگر وہ امام متدین ہے اہل بدعت اس کو پسند نہیں کرتے یا امام عادل ہے وہ شرعی سزائیں دیتا ہے تو جرائم پیشہ ٹولہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو گناہ امام پر نہیں بلکہ ناپسند کرنے والوں پر ہے۔ اگر یہ اختلاف امر دنیوی میں ہے تو اگر امام حق بجانب ہے اور لوگ ناپسند کرتے ہیں تو امام ماخوذ نہیں ہوگا امام احمد کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے۔

قال احمد واسحق فی هذا اذا کره واحد او اثنان او ثلاثة فلا باس ان یصلی بهم حتیٰ یکرهه اکثر القوم۔

یہ مجمل ہے مطلب گذر گیا ہے کہ مراد امر دینی ہے اتنا معلوم ہوا کہ ان کے ہاں اعتبار اکثر کا ہے۔

بعض نے کہا کہ اگر اقل اہل علم ہے تو ان کا اعتبار ہے اگر چہ اکثر اختلاف کرتے ہوں۔

دوسرا حکم کہ وہ عورت جو شوہر کی ناراضگی کی حالت میں رات گذارے یہ حکم بھی اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس وقت ہے کہ عورت شوہر کو بداخلاقی بے ادبی کی وجہ سے ناراض کرتی ہو۔ ترمذی میں ایک روایت آئے گی کہ اگر عورت کو شوہر اپنے بستر پر بلائے وہ نہ آئے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر مرد ظالم ہے یا معصیت کا حکم کرتا ہے مثلاً حالت حیض میں وطی کا حکم کرتا ہے پھر حکم برعکس ہوگا کیونکہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

تیسرا حکم جو اذان سنے ثم لم یجب اجابت کی ایک قسم قولی ہے جس کا بیان باب الاذان میں گزر گیا۔

---

(3) معارف السنن ص:۴۱۱ ج:۳

دوسری اجابت فعلی یہاں یہی مراد ہے کہ اجابت قولی مستحب ہے جو موجب لعنت نہیں۔

باب ماجاء اذاصلی الامام قعوداً فصلّو اقعوداً. باب منه

رجال:۔

پہلے باب کے سب راوی ثقہ اور معروف ہیں۔ دوسرے باب میں شبابہ بن سوار مدائنی اصلاً خراسانی ہیں ثقہ حافظ رمی بالا رجاء ویقال اسمہ مروان۔

نعیم مصغر ہے۔ ابی ہند کا نام نعمان ہے ثقہ ہیں۔ ابی وائل کا نام شقیق بن سلمہ الکوفی ہے ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے فجحش جحش کھال کا چھل جانا بعض روایت (1) میں تصریح ہے کہ داہنا پہلو چھل گیا تھا۔

امام ترمذی نے یہاں دو باب باندھے ہیں پہلے باب میں انس کی حدیث ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھنا چاہیئے۔ دوسرے باب میں مرض وفات کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے تھے اشارہ ہے پہلے باب کی منسوخیت یا کم از کم اقدمیت کی طرف۔

ابن حبان (2) کی تصریح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ سنہ ۵ ہجری میں پیش آیا تھا جس میں داہنا پہلو چھل گیا تھا ان دنوں میں بھی مسجد نبوی میں آنے سے قاصر تھے اور عائشہ کے مشربہ میں نماز پڑھتے تھے اور بعض صحابہ وہیں آ کر نماز پڑھتے۔

دوسرے باب کی حدیث پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ ابوبکر کی اقداء کرتے تھے

باب ماجاء اذاصلی الامام قعوداً فصلّو اقعوداً. باب منه

(1) کذا فی ابی داؤد ص:۹۶ ج:۱ ’’باب الامام یصلی من قعود‘‘ ایضاً صحیح بخاری ص:۹۶ ج:۱

(2) موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ص:۱۰۸ رقم: ۳۶۵ بحوالہ نصب الرایۃ

اور ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو دو امام ہوئے اور دو امام جائز نہیں۔

جواب:۔ قال الشیخ فی الورد الشذی کہ اصل امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ضعف کی وجہ سے تکبیر اتنی اونچی نہیں تھی کہ لوگ سن سکیں اس لئے ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے تو ابوبکر زور سے تکبیر کہتے تو لوگ اس کو سنتے تھے گویا مکبر تھے نہ کہ امام۔

اعتراض ۲:۔ حدیث عائشہؓ سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام اور ابوبکر مقتدی تھے (3) اور دوسری روایت انہی کی اور انس کی روایت میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی خلف ابی بکر وھو قاعد تو روایات میں تعارض ہوا۔

جواب:۔ قال شیخ الہند ایک جواب یہ ہے کہ مرض وفات میں کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تھے اور کبھی ابوبکر امام ہوتے تھے تو یہ متعدد واقعات ہیں۔

جواب ۲:۔ جو زیادہ تحقیق ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے اور مقصد یہی تھا کہ ابوبکر بدستور امام رہے مگر جب ابوبکرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ بھی فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو مگر وہ پیچھے ہوئے ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ جو عائشہ نے کہا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں ابوبکر نرم دل آدمی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے پیچھے ہٹنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ابن ابی قحافہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے۔ (4)

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوبکر حصر عن القراءۃ کی وجہ سے پیچھے ہوگئے یا رعب کی وجہ سے یا بکاء کی وجہ سے تو جس نے پہلی حالت کو دیکھا تو ابوبکر کو امام قرار دیا جس نے آخری حالت کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امام قرار دیا۔

ابن العربیؒ عارضہ (5) میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں تین قول ہیں۔

---

(3) کما علم من روایۃ البخاری ص:۹۵ ج:۱ ”باب انما جعل الامام لیؤتم بہ“

(4) دیکھئے صحیح بخاری ص:۹۴ ج:۱ (5) عارضۃ الاحوذی ص:۱۳۴ و ۱۳۵ ج:۲

ایک یہ کہ امام کے بیٹھنے کی صورت میں مقتدی کھڑے رہیں یہ امام ابوحنیفہ امام شافعی ابوثور اور ولید بن مسلم کی روایت میں امام لک کا مذہب ہے گویا یہ جمہور کا مذہب ہے۔

دوسرا مذہب امام احمد واسحٰق وظاہر یہ کا ہے کہ اگر امام بیٹھے عذر کی وجہ سے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھنا چاہئے پھر حافظ عراقی اور ابن قدامہ نے کچھ تقییدات کی ہیں ایک یہ کہ امام راتب ہو۔۲۔عذر اثناء صلوٰۃ میں پیش نہ آیا ہو بلکہ شروع سے ہو۔۳۔عذر مرجو الزوال ہو لہٰذا اگر ان تین شرائط میں سے ایک بھی مفقود ہوئی تو بیٹھنا جائز نہیں ہوگا یعنی مقتدیوں پر قیام لازم ہوگا۔

تیسرا قول امام مالک کی طرف منسوب مشہور روایت ہے کہ امام قاعد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ہی نہیں چاہے بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر امام محمد کی طرف بھی یہ منسوب ہے۔بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی بھی معذور ہو تو بیٹھ کر قاعد امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔امام مالک کا استدلال مصنف عبدالرزاق (6) اور سنن دارقطنی (7) کی روایت سے ہے لا یؤمن رجل بعدی جالساً معلوم ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

جواب:۔اس میں جابر جعفی ہے جو ضعیف ہے لہٰذا استدلال صحیح نہیں۔

جمہور کا استدلال اس آیت سے ”وقوموا للّٰہ قانتین “(8) الامر للوجوب لہٰذا بغیر عذر کے قیام ساقط نہیں ہوسکتا۔

دلیل۲:۔عن عمران بن حصین فی ابی داؤد (9) کان بی الناسور فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلی جنب طریق استدلال یہ ہے کہ باوجود عذر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت نہیں دی جب تک کہ عذر مانع عن القیام نہ ہو۔

دلیل۳:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قاعداً پڑھائی اور لوگ قائم تھے اور یہ آخر الامرین ہے خود ابن العربی فرماتے ہیں کہ امام مالک اور امام احمد وغیرہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ آخر الامرین احق

---

(6) مصنف عبدالرزاق ص:۴۶۳ ج:۲ رقم حدیث:۴۰۸۷

(7) دارقطنی ص:۳۸۳ ج:۱ رقم حدیث:۱۴۷۰ ”باب صلاۃ المریض جالساً بالماموین“ ایضاً اخرجہ البیہقی ص:۸۰ ج:۳ ”باب ماروی فی النہی عن الامامۃ“ (8) سورۃ بقرہ آیت رقم:۲۳۸ (9) ص:۱۴۴ ج:۱ ”باب صلوٰۃ القاعد“

بالاتباع ہوتا ہے۔

امام احمدؒ وغیرہ کی دلیل:۔ واذا صلی قاعداً فصلوا قعوداً اجمعون روایت باب ہے۔

جواب:۔ یہ سنہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے جبکہ باب ثانی کا واقعہ اخیر کا ہے تو یہ ناسخ ہے وہ منسوخ۔

امام احمد کی طرف سے جمہور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے واقعہ کو ناسخ قرار دینا صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق (10) میں عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد فرمایا تھا وان صلی قاعداً فصلوا قعوداً معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھائی لیکن صحابہ کی نماز قائماً پر خوش نہیں تھے۔

جواب:۔ یہ ہے کہ عطاء کی مرسل نا قابل استدلال ہوتی ہے کہ ضعیف ہوتی ہے۔

اعتراض ۲:۔ امام احمد و اہل ظواہر کی طرف سے یہ ہے کہ ابوداؤد (11) میں ہے کہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذاصلی الامام جالساً فصلوا جلوساً واذاصلی قائماً فصلوا قائماً ولاتفعلوا کمایفعل اہل فارس بعظمائہا

اس روایت میں نہ صرف یہ کہ امام کے بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا بلکہ اس کی علت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہ تشبیہ اہل فارس کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ علت آج بھی ہے تو مقتدیوں کو امام کے بیٹھنے کی صورت میں بیٹھنا چاہیے۔

جواب:۔ شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں ایک مسئلے کے ضمن میں دیا کہ شروع میں چونکہ لوگوں کے عقائد راسخ نہیں ہوئے تھے اور اسلامی ضابطے پوری طرح ممتاز نہیں ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چھوٹی جزئیات میں بھی دیگر اہل ملل کے ساتھ تشبیہ سے منع کرتے۔ اور اہل فارس کا دستور یہ تھا کہ ان کا سردار بیٹھا رہتا دیگر عوام تعظیم میں کھڑے رہتے لیکن بعد میں عقائد پختہ ہوئے تو یہ حکم منسوخ ہوا چنانچہ مرض الوفات کا قصہ ناسخ ہے بلکہ اس سے پہلے یہ بات منسوخ ہوئی تھی کہ صحابہ کا کھڑا رہنا باوجودیکہ سنہ ۵ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ بیٹھ جایا کرو معلوم ہوا کہ پہلے کوئی ناسخ آیا تھا اسی طرح حضرت سعد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

(10) ص:۴۵۸ ج:۲ رقم حدیث:۴۰۷۴ (11) ص:۹۶ ج:۱ ''باب الامام یصلی من قعود''

فرمایا تھا قوموا السید کم۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور فاطمہؓ ایک دوسرے کی آمد پر اکراماً کھڑے ہو جاتے۔

جواب ۲:۔ یہ واقعہ نفل سے متعلق ہے نہ کہ فرائض کے ساتھ اور نفل میں بغیر عذر کے بھی بیٹھنا جائز۔ ہے لہذا اگر امام بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ جائے فرض میں بغیر عذر کے قیام ساقط نہیں ہوگا۔

اعتراض:۔ ابوداؤد (12) میں جابر کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے گرنے کے دنوں میں جب آپ مشربہ عائشہ میں قیام پذیر تھے ہم آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کرتے ہم نے ایک دن نماز کھڑے ہو کر پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیا کی۔ دوسری دفعہ فصلی المکتوبۃ جالساً فقمنا خلفہ فاشار الینا فقعد نا اس میں تصریح ہے کہ یہ فرائض کا واقعہ ہے۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نماز تھی صحابہ کی نفل تھی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے ایام میں آپ کئی دن تک گھر میں نماز پڑھتے رہے تو اول تو پورے ایام میں ممکن نہیں کہ مسجد نبوی میں جماعت نہ ہوئی ہو دوسری بات یہ ہے کہ عائشہ کا مشربہ اتنا نہیں تھا کہ اس میں سارے آسکیں۔ ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھ کر صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کے لئے آئے تھے اور بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے پہلے نماز نہ پڑھتے ہونگے نہ جماعت کے دوران بلکہ مسجد میں جماعت ہو جانے کے بعد ہی پڑھتے ہونگے اس لئے آپ کی نماز فرض اور صحابہ کی نفل تھی۔

جواب ۳:۔ شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق مسبوق کی نماز سے ہے اور یہ اس لئے کہ شروع میں صحابہ آکر پہلے اپنی نماز جو رکعتیں ان سے چھوٹ گئیں ہوتی وہ پڑھتے پھر امام کے ساتھ پہنچ کر امام کے ساتھ اس رکن میں شریک ہو جاتے تو عبداللہ بن مسعود آئے کمافی مصنف عبدالرزاق (13) اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام وقعود کی متابعت کرونگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے آپ کے لئے طریقہ منتخب کیا ہے اسی پر عمل کو۔

جواب ۴:۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے دلیل کنز العمال (14) بحوالہ مصنف عبدالرزاق

(12) حوالہ بالا (13) مصنفہ عبدالرزاق ص:۲۲۹ ج:۲ رقم حدیث:۳۱۷۶ "باب الذی یکون لہ وترولا مام شفع"

(14) کنز العمال ص:۲۵۸ ج:۴ بحوالہ معارف ص:۲۲۳ ج:۳

میں عروہ یا ابوعروہ کی روایت (15) ہے کہ بلغني انه لا ينبغي لاحد غير النبي صلى الله عليه وسلم غیرنبی کے لئے اس طرح مناسب نہیں۔ مصنف کی روایت میں اگر عروہ ہے تو فقہاء سبعہ میں سے ہے اور اگر ابوعروہ ہے تو وہ شیخ عبدالرزاق ہے یہ بھی ثقہ ہے۔

باقی حنابلہ نے یہ جو تقیید کی ہے شروط ثلاثہ کے ساتھ تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی کوئی دلیل نہیں خود ساختہ ہیں۔

باب ماجاء في الامام ينهض في الركعتين ناسياً

جیسے کہ پیچھے گزرا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کا اطلاق چار راویوں پر ہوتا ہے یہاں مراد محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ ہے جو صدوق ہے دیانۃً صحیح ہے مگر حافظہ کمزور ہے۔ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ نے نماز پڑھائی تو دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوئے تو قوم نے تذکیر کے لئے تسبیح کی۔ گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ تذکیر کے لئے سبحان اللہ ضروری نہیں کوئی بھی اللہ کا نام ہو تو صحیح ہے تو انہوں نے بھی تسبیح کی۔ مقصد یہ تھا کہ اب تو کھڑا رہنا ضروری ہے فراغت کے وقت دو سجدے سہو کے کئے۔

وھو جالس تو ہم یہ تھا کہ سجدہ سہو کے لئے بھی قیام ضروری ہوگا جیسا کہ سجدہ تلاوت کے لئے ہے تو دفع کر دیا کہ کھڑا ہونا نہیں پھر دلیل پیش کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی قعدہ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو جائے تو قیام جاری رکھے۔

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ اگر اقرب الی القعود ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو نہیں ہوگا اور اگر اقرب الی القیام ہے تو کھڑا رہے اور نہ بیٹھے پھر اقرب الی القعود میں اختلاف ہے۔ قیل گھٹنے زمین پر ہوں اور ارتفاع الالیتین متحقق ہوا ہو۔ قیل رکوع کی حالت تک نہ پہنچا ہو تو اقرب الی القعود ہوگا۔ قیل نصف اسفل سیدھا نہ ہو مگر ان دونوں قولوں کا مآل ایک ہے کہ رکوع کی حالت میں نصف اسفل سیدھا رہتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ بیٹھ گیا کھڑے ہونے کے بعد تو مشہور یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوئی کیونکہ

(15) دیکھئے روایت ابوعروہ مصنفہ عبدالرزاق ص: ۳۶۰ ج: ۲ رقم حدیث: ۴۰۷۸ ایضاً حاشیہ نمبر ۴

اس نے واجب کے لئے فرض ترک کر دیا کہ قیام فرض اور قعدہ اولیٰ واجب ہے۔ مگر محققین کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی البتہ سجدہ سہو کرے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ واپس نہ آئے قیام جاری رکھے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ نظیرہ ایک آدمی وتر میں قنوت بھول کر رکوع کرے تو وہ اخیر میں سجدہ سہو کرے لیکن اگر وہ رکوع ترک کر کے واپس آئے قنوت کے لئے تو محققین کا قول یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹے گی البتہ سجدہ سہو کرے۔ یہ مسئلہ فرض رباعی یا ثلاثی میں ہے۔ نفل رباعی میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ سیدھا کھڑا بھی ہو جائے تب بھی بیٹھنا لازمی ہوگا کہ ہر شفع مستقل ہے تو قعدہ بھی فرض ہی ہوا نہ کہ واجب۔

امام ترمذی نے ضمناً ایک مسئلہ ذکر کیا ہے کہ سجدہ سہو قبل التسلیم ہے یا بعد التسلیم مگر آگے مستقل باب آرہے ہیں تو وہاں تفصیل آئے گی۔

باب ماجاء فی مقدار القعود فی الرکعتین الاولیین

رجال:۔

سعد بن ابراھیم بن عبدالرحمن بن عوف ولی قضاء المدینة و کان ثقةً فاضلاً عابداً۔

اباعبیدہ کا تعارف پہلے گذرا ہے تاہم اگر ان کا سماع اپنے والد سے ثابت نہ بھی ہو تب بھی امام منذری فرماتے ہیں ''وقد احتج البخاری و مسلم بحدیثه فی صحیحیهما''۔☆

تشریح:۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھ جاتے تو یوں لگتا جیسے آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔ رضف گرم پتھر جس کو آگ پر تپایا ہو کنایہ ہے جلدی اٹھنے سے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ رکعتین اولیین سے مراد پہلی اور تیسری رکعت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے بلکہ سیدھے کھڑے ہوتے تو جلسہ استراحت کی نفی ہوئی۔ جمہور کے نزدیک پہلی اور دوسری رکعت مراد ہے ثانی کو اول یا تغلیباً کہا یا وہ بھی بہ نسبت ثالث کے اول ہے۔ ظاہری حدیث سے بھی یہی

معلوم ہوتا ہے ''اذا جلس فی الرکعتین الاولیین'' مطلب یہ ہوگا کہ جب قعدہ اولی میں بیٹھتے تو اتنی جلدی کھڑے ہوتے جیسے گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔

قال شعبة ثم حرك شفتيه بشئ یعنی شیخ سعد بن ابراہیم نے رضف کے بعد ہونٹ ہلائے لفظ ظاہر کرنے کیلئے مگر کہا نہیں تھا تو میں نے دل میں کہا کہ اب حتیٰ یقوم کہیں گے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ امام ترمذی نے اسی کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے۔

والعمل على هذا الى ان قال ولا يزيد على التشهد شيئاً فى الاوليين وقالوا ان زاد فى التشهد فعليه سجدتى السهو

البتہ امام شافعی سے خلاف مروی ہے وماذکرہ الترمذی امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں درود پڑھنا فرض ہے۔ امام شافعی کی دلیل ''یاایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً''۔

جواب ا:۔ امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا۔

جواب ۲:۔ تشہد میں سلام مذکور ہے۔ السلام علیک الخ لہٰذا دیگر درود کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک پہلے قعدے میں درود نہیں اگر کسی نے عمداً کہا تو نماز مکروہ ہوگی اگر نسیاناً کہا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ پھر سجدہ سہو کتنی قراءت دورد سے واجب ہوگا تو اس کی مقدار میں اقوال مختلف ہیں۔ (۱) اللہم (۲) اللہم صل علی محمد پر (۳) علی آل محمد تک (۴) انک حمید مجید پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اعدل الاقوال یہ کہ علی محمد تک کہنے سے سجدہ سہو ہوگا کہ فی نفسہ درود موجب سہو نہیں بلکہ مقصد تاخیر ہے یعنی اتنی تاخیر کہ اس میں مختصر رکن ادا کیا جاسکتا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ علی محمد پر سجدہ سہو ہوگا۔

دوسرے قعدے میں بھی امام شافعی کے نزدیک درود فرض ہے ہمارے نزدیک دوسرے میں سنت ہے نماز کے باہر عمر میں ایک دفعہ فرض ہے کسی مجلس میں ذکر ہو تو مرۃ واجب ہے بار بار مستحب ہے۔

باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلوٰۃ

رجال:۔

نابل مقبول ہیں۔صہیب بن سنان الرومی یقال اسمہ عبدالملک وصہیب لقب مشہور صحابی ہیں یہ اصلاً رومی تو نہ تھے مگر رومی ان کو قیدی بنا کر روم لے گئے تھے تو وہیں پرورش پائی۔☆

وکان منزله بارض الموصل بين دجلة والفرات فاغارت الروم على تلك الناحية فسبته وهو غلام فنشاء بالروم فابتاعه منهم كلب ثم قدمت به مكة فاشتراه عبدالله بن جدعان فاعتقه ويقال انه لما كبر فى الروم وعقل هرب منهم وقدم مكة فحالف عبدالله بن جدعان واسلم قديماً بمكة وكان من المستضعفين المعذبين فى الله بمكة ثم هاجر الى المدينة وفيه نزل "ومن الناس من يشترى نفسه ابتغاء مرضاة الله" كذافى اسماء الرجال لصاحب المشكاة۔ تحفة الاحوذی۔☆

تشریح:۔

حضرت صہیبؓ سے ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ میرا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا میں نے سلام کیا تو فردعلی اشارۃ ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر کسی نے زبانی جواب دیا تو نماز فاسد ہوگی۔حسن بصری ابن المسیب اور قتادہ کے نزدیک لفظاً بھی جواب جائز ہے اشارۃ جواب ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے بلا استحباب وبلا کراہیۃ جیسے امام احمد و مالک کا قول ہے یا مع الاستحباب کما ہو قول الشافعی وعند ابی حنیفہ ہذا مکروہ ایضاً۔نماز سے باہر ہاتھ کے ساتھ اشارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی بہرہ ہو تو جائز اگر آدمی قریب ہو اور بہرہ بھی نہ ہو تو سلام کے وقت یا جواب کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے مشابہت نصاریٰ کی وجہ سے۔

امام طحاوی (1) کی تحقیق یہ ہے کہ جب کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہوا تو اشارہ فی الصلوٰۃ بھی منسوخ ہوا انہوں نے ابن مسعود کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب انہوں نے نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو جواب نہیں دیا نہ لفظاً نہ اشارۃً (2) البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد قباء میں تشریف لاتے اور صحابہ سلام کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃً جواب دیتے یہاں ترمذی نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

عن ابن عمر قال قلت لبلال کیف کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یرد علیهم حیث کان یسلمون علیه فی مسجد بنی عمرو بن عوف ای مسجد قباء قال کان یرد اشارۃً

معلوم ہوا کہ اشارہ منسوخ نہیں مگر یہ نوافل کا واقعہ ہے جس میں گنجائش زیادہ ہوتی ہے تطبیق یوں ہوگی کہ ابن مسعودؓ نے فرض نماز میں سلام کیا تو جواب نہیں ملا اور قباء میں نفل پڑھتے تھے تو اشارۃً جواب دے دیتے۔

شرح منیہ میں ہے۔

لو رد السلام بیده او براسه او طلب منه شئ فاوما براسه او عینه او قال نعم او لا "لا تفسد بذالك صلوته لکنه یکره

لہٰذا عند الحنفیہ اشارہ مکروہ ہے اگرچہ مفسد نہیں۔ خطابی نے کہا ہے کہ رد السلام بعد الخروج سنۃ یعنی بعد از فراغ من الصلوٰۃ جواب دے اگر مصافحہ فی الصلوٰۃ کیا تو نماز فاسد ہوگی۔

باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلوۃ

(1) شرح معانی الآثار ص:۲۹۶ ج:۱ ''باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ''

(2) شرح معانی الآثار ص:۲۹۷ ج:۱ ''باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ''

باب ماجاء ان التسبیح للرجال والتصفیق للنساء

باب کی حدیث تقریباً سب ہی نے روایت کی ہے۔

تسبیح بمعنی سبحان اللہ کہنا اور پہلے گذرا ہے کہ گنگوہیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ تذکیر کے لئے اسم من اسماء اللہ کافی ہوگا۔ تصفیق یا صفقہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنا چاہے اپنے ہاتھ پر مارے یا دوسرے کے ہاتھ پر۔ فقہاء عقد بیع کو صفقہ اس لئے کہتے ہیں کہ عرب عند العقد ہاتھ ملاتے یا ہاتھ پر ہاتھ مارتے یہ عموماً باطن کف کو باطن کف سے مارنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر مارنا ہے۔ مقصد حدیث کا یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے تو فتح میں مرد سبحان اللہ کہے اور عورت تصفیق کرے یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں کے لئے تسبیح ہے وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ والتصفیق للنساء میں اس فعل کا ذم بیان کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ تصفیق تو عورتوں کا کام ہے یہ نہ کریں۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا پہلا حصہ خبر بمعنی امر ہے بلکہ سہل بن سعد کی حدیث جو بخاری (1) ابوداؤد (2) وغیرہ میں ہے اس میں فلیسبح الرجال یعنی امر ہے لہٰذا تصفیق بھی بمعنی امر ہوگا بلکہ معارف السنن (3) میں وتصفق النساء صیغہ امر ذکر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کی آواز بھی عورت ہے اس لئے ان کو اذان دینے اقامت وغیرہ سے روکا ہے تو امام کو لقمہ کیسے دیگی؟

باب کی دوسری روایت علیؓ سے ہے کنت اذا استاذنت النبی ہو یصلی سبح معلوم ہوا کہ تسبیح صرف امام کو تذکیر کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اگر یہ بتانا مقصد ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو تسبیح

باب ماجاء ان التسبیح للرجال والتصفیق للنساء

(1) صحیح بخاری ص:۱۰۶۶ ج:۲ "باب الامام یاتی قوماً فیصلح بینہم"

(2) ص:۱۴۲ ج:۱ "باب التصفیق فی الصلوٰۃ" ایضاً دیکھئے نسائی ص:۱۷۶ ج:۱

(3) ص:۴۴۶ ج:۳ اسی طرح صحیح بخاری ص:۱۰۶۶ پر صیغۂ امر مذکور ہے۔

کہی جاسکتی ہے مثلاً کوئی باہر سے آئے یا آگے سے گذرنے والے کو یا بچہ گر رہا ہے تو فارغ کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تسبیح جائز ہے۔ بعض روایات میں سبح کی جگہ تنحنح ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ اگر کسی نے تنبیہ کے لئے کھانسنے سے آگاہ کیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی (علی الصحیح) وکذا قال ابن تیمیہ فی فتاواہ شافعیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں اگر تنحنح کو تفرد راوی پر حمل کریں تو روایت شاذ ہوجائے گی۔

باب ماجاء فی کراهیة التثاؤب فی الصلوٰة

یہ روایت بخاری میں بھی ہے مگر الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

اذاتثاؤب احدکم فی الصلوة فلیکظم مااستطاع ولایقل هافانما ذالکم من الشیطان یضحك منه

تثاؤب کا معنی ہے جمائی لینا ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت اس کو روکے شریعت میں جن چیزوں کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے تو وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان اس میں دخیل ہوتا ہے اور جن چیزوں کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس میں فرشتے دخیل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے کاموں کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ اللہ اچھائی کا حکم کرتا ہے اور برے کاموں کی نسبت شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ جمائی شیطان کا اثر اس لئے ہے کہ اس کی وجہ یا غفلت یا کسل یا کثرت اکل یا غلبہ نیند ہوتی ہے۔ اور یہ سب چیزیں نماز میں مذموم ہیں خصوصاً اور خارج صلوٰۃ میں عموماً اور ان چیزوں پر شیطان آمادہ کرتا ہے تو اس کی طرف نسبت کی ہے۔

اس کے برعکس چھینک کو من الرحمٰن قرار دیا ہے کہ اس سے چستی آتی ہے البتہ نماز میں دونوں مذموم ہیں چھینک خارج صلوٰۃ میں ممدوح ہے اس لئے الحمدللہ کہا جاتا ہے۔ جمائی خارج صلوٰۃ میں بھی مذموم ہے۔

اشکال:۔ جمائی جب نماز سے خارج بھی مذموم ہے تو فی الصلوٰۃ کی قید کیوں ہے؟

جواب:۔ یہ ہے کہ مزید شناعت کی طرف اشارہ ہے کہ مذموم کی مذمت نماز میں بڑھ جاتی ہے پھر جمائی کو حتیٰ الوسع روکنا چاہئے طریقہ یہ ہے کہ آدمی تصور کرے کہ انبیاء کو جمائی نہیں آتی تھی۔قوت المغتذی (1) میں ہے روی یزید بن اصم ماتثاؤب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ قط قلت ولاخارجھا قط۔حضرت بنوریؒ (2) نے دیگر احادیث ذکر کی ہیں کہ کسی نبی علیہم السلام کو جمائی نہیں آتی تھی کہ یہ شیطان کا اثر ہے جس سے انبیاء محفوظ ہوتے ہیں اس سے اگر نہ رکے تو جبڑوں کو ملائے ورنہ دانتوں کے درمیان ہونٹ کو دبائے۔

قال ابراھیم انی ارد التثاؤب بالتنحنح تو یہ تیسرا طریقہ ہوگا اگر آ ہی جائے تو حالت قیام میں سیدے ہاتھ کو منہ پر رکھے تاکہ منہ نہ کھلے کیونکہ شیطان ہنستا ہے بلکہ فی روایۃ داخل ہوتا ہے اور قیام میں ہاتھ باندھنے کی ہیئت کو دائیں ہاتھ کے استعمال سے بگاڑنے کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آئے گی۔اگر دیگر ہیئت میں ہے پھر ظہر الکف رکھے بائیں ہاتھ کا۔پھر عالمگیری میں اشارہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی استنجاء میں استعمال ہوتی ہے تو اس کو منہ پر نہ رکھے۔دائیں ہاتھ میں اختیار ہے چاہے ہاتھ کی ہتھیلی استعمال کرے یا اس کی پشت۔

باب ماجاء فی کراھیة التثاؤب فی الصلوٰة

(1) رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ ص:۴۲۷ ج:۲ ''فی التثاؤب فی الصلوٰۃ''

(2) انظر معارف السنن ص:۴۴۵ ج:۳

باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم

عمران بن حصین کے بارے میں بخاری میں ہے وکان مبسوراًای کانت بہ بواسیر یہ روایت بخاری میں بھی ہے۔

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں تو فرمایا کہ کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے بیٹھ کر آدھا ثواب ہوگا جس نے نائماً یعنی مضطجعاً پڑھی اس کو قاعد کے نصف ثواب ملے گا۔

اس حدیث کے مصداق میں اختلاف ہے کہ یہ برائے فرائض ہے یا برائے نوافل؟ ترمذی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ متنفل کے لئے ہے لہٰذا متنفل کو تینوں حالتوں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔تو حسن بصری کے مطابق نفل مضطجعاً جائز ہے تو اشکال نہیں۔ جمہور کے نزدیک جائز نہیں تو مصداق کے تعین پر اشکال ہے کہ نفل مضطجعاً جائز نہیں فرض پر حمل بھی صحیح نہیں کہ اگر مصلی صحیح ہے تو قاعداً و مضطجعاً نماز صحیح نہیں اگر معذور پر حمل کریں تو پھر قاعد کو پورا ثواب ملتا ہے تو نصف اجر کا کیا مطلب ہے؟

علامہ خطابیؒ نے جواب دیا ہے کہ یہ مفترض کے ساتھ مخصوص ہے لیکن وہ جو معذور ہو اس کی تفصیل ابن حجر اور شاہ صاحب نے یوں بیان کی ہے کہ معذور ایک وہ ہے کہ بالکل قیام پر قادر نہ ہو مع المشقۃ نہ بلا مشقت دوسرا وہ ہے کہ اتنا عذر ہے کہ قیام ساقط ہے مگر مع المشقۃ کھڑا ہوسکتا ہے یہاں یہی مراد ہے جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو اس کو اپنی نماز قیام کی حالت میں کا نصف ملے گا۔ کہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے صحیح کی نماز مراد نہیں۔

اس کی تائید مؤطا مالک (1) محمد (2) مسند احمد (3) سیرت ابن ہشام (4) میں ہے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے عمرو بن العاص کی روایت ہے کہ یہ ارشاد اس وقت کا ہے کہ ہجرت کے شروع میں مدینہ کی آب

باب ماجاء ان صلوٰۃ القاعد علیٰ النصف من صلوٰۃ القائم

(1) مؤطا مالک ص:۱۱۹ ''فضل صلوۃ القائم علی القاعد'' (2) رواہ فی مؤطاہ ص:۱۱۴ ''باب صلوٰۃ القاعد''

(3) مسند احمد ص:۶۲۶ ج:۲ رقم حدیث ۶۸۲۲ (4) سیرت ابن ہشام ص:۲۰۲ ج:۲ مکتبہ بیروت

وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے صحابہؓ بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو یہ ارشاد فرمایا پھر سیرت ابن ہشام میں ہے کہ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شرع کی معلوم ہوا کہ فرض کے متعلق ہے۔

اگر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو عندالائمہ ثلاثہ دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے ابن العربی (5) نے امام محمد سے یہی روایت نقل کی ہے۔

وقال بعضهم یہ حنفیہ کا مذہب ہے امام احمد بھی اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس کو اولی نہیں سمجھتے کہ مستلقیاً قبلے کی طرف پاؤں پھیلا کر نماز پڑھے۔

باب في من يتطوع جالساً

رجال:۔

المطلب بن ابی وداعۃ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا پھر مدینہ منورہ منتقل ہوئے وہیں انتقال ہوا ان کی والدہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد تھیں۔☆

تشریح:۔

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے تین طریقے مذکور ہیں۔

(۱) قیام قائماً کرتے رکوع بھی اسی حالت میں۔(۲) قیام جالساً رکوع جالساً۔

(۳) اولاً قاعداً ثانیاً جب تیس یا چالیس آیات رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے۔

(۴) شروع میں کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے رکوع حالت قعود میں کرے تو امام محمد کے نزدیک یہ صورت صحیح نہیں۔پھر جن نوافل میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے تو کسی بھی صورت میں بیٹھ سکتا ہے تربعاً بھی جائز ہے البتہ قعدہ میں تشہد کی صورت اختیار کرے۔معارف میں ہے کہ عوام میں جو نفل کی حالت میں تشہد کی صورت ہی مروج ہے

(5) عارضۃ الاحوذی ص:۱۴۲ ج:۲

یہ امام زفر کا مذہب ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے کمافی الشامیۃ وغیرہا۔

حتیٰ تکون اطول من اطول منھا یعنی جب ایک سورت ترتیلاً پڑھتے تو یہ سورت اس سورت سے جو اس مقروءہ سے زیادہ لمبی ہے اس سے بھی لمبی ہوجاتی ہے یعنی غیر مقروءہ میں اگر ترتیل نہ ہوتو اگرچہ وہ لمبی ہو مگر مذکورہ سورت ترتیل کی وجہ سے لمبی ہوجاتی ہے۔

باب ماجاء ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال انی لاسمع بکاء الصبی فی الصلوٰۃ فاخفِّف

یہ روایت ابوداؤد و نسائی کے علاوہ باقی سب میں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ تطویل فی القراءۃ بہ نیت تکثیر جماعت مستحب ہے کمافی صلوٰۃ الصبح لیکن قراءت کی طرح رکوع کو بھی طول دیا جاسکتا ہے تاکہ شامل ہونے والا پہنچ سکے؟ تو شافعیہ حسن بصری، شعبی، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک یہ جائز ہے بلاکراہیت بلکہ مستحب ہے بعض کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ امام مالک کے نزدیک بھی ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ مصلین کو تکلیف ہوگی۔ امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازیوں پر بوجھ پڑتا ہوتو تطویل نہ کرے ورنہ تطویل جائز ہے۔

عندالحنفیہ تفصیل ہے اگر جائی نامعلوم شخص ہے اور اس کے پاؤں کی آہٹ سن کر زیادہ تسبیح پڑھتا ہے تو جائز ہے اگر جائی متعین ہے تو مکروہ۔ امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہؒ سے وجہ پوچھی تو فرمایا اخشی ان یکون شرکاً۔

اعتراض:۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کو کافر قرار دیکر مباح الدم قرار دیا۔

جواب:۔ یہ ہے کہ مراد شرک جلی نہیں بلکہ شرک خفی مراد ہے یعنی ریاء۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر جائی شریر ہے تو تحرزاً عن شرہ امام کے لئے گنجائش ہے۔ شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اگر اس نیت سے رکوع کو طول دے کی نماز میں شامل ہوگا اللہ خوش ہوگا تو جائز ہے مگر فساد زمانہ کی وجہ سے یہ نیت مشکل ہے۔ شافعیہ وغیر کا استدلال قیاس سے ہے کہ تخفیف رکوع وصلوٰۃ اس امر عارض کی وجہ سے جائز تو

تطویل بھی جائز ہے۔

جواب ۱:۔ یہ ہے کہ نماز میں اصل تخفیف ہے تو تخفیف اس کے موافق ہے تطویل منافی ہے۔

جواب ۲:۔ تخفیف وتطویل دونوں امور مبائن ہیں ایک دوسرے پر قیاس غلط ہے۔ اگر وہ تطویل رکوع کو تطویل قراءت پر قیاس کریں تو یہ بھی مع الفارق ہے کہ طویل قراءت ثابت ہے رکوع نہیں اور قیاس سے عبادت ثابت نہیں ہوتی۔

باب ماجاء لاتقبل صلوٰۃ الحائض الا بخمار

حائض سے مراد بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالقوہ حائض ہے کہ بالفعل حائض پر نماز ہے ہی نہیں دوپٹہ ہو یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے سر ڈھانپنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر سر کے بال کھلے رہے تو نماز نہیں ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ کچھ حصہ بھی ظاہر ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک چند بالوں کے کھلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی یہاں تک کہ ربع رأس مکشوف نہ ہو یہی حکم باقی بدن کا بھی ہے۔ البتہ چہرہ وکفین عورت میں داخل نہیں اصل مذہب میں۔ اسی طرح اگر فتنے کا خطرہ نہ ہو تو چہرے کو دیکھا جا سکتا ہے فتوی عدم جواز پر ہے کہ فساد زمانہ ہے۔

قدمین کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو قول ہیں امام شافعی کے نزدیک قدمین عورت میں داخل ہیں شرح مہذب میں نووی نے مزنی کا قول نقل کیا ہے کہ قدمین خارج از عورت ہیں۔ امام مالک بھی امام شافعی کی طرح مذہب رکھتے ہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف وجہہ عورت سے مستثنیٰ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ عضو کا اگر چوتھائی حصہ کھل جائے تو نماز فاسد ہوگی اس سے کم میں نہیں۔ امام شافعی کا مذہب ترمذی نے نقل کیا ہے لاتجوز صلوٰۃ المراۃ وشیٔ من جسدہا مکشوف۔

پھر اگر دوپٹہ اتنا باریک ہو کہ بال جھلکتے ہوں تو کشف کے حکم میں ہے یہ حکم حرہ کے لئے ہے امہ کا ستر مرد کی طرح ہے۔

باب ماجاءِ فی کراهیة السدل فی الصلوٰة

رجال:۔

قبیصہ صدوق ہیں۔عسل بن سفیان بکسر العین وسکون السین وقیل بفتحتین بصری' ضعیف ہیں تاہم ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔عطاء سے مراد ابن ابی رباح ہیں۔☆

تشریح:۔

سدل کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کوئی چادر رومال وغیرہ سر پر ڈالکر کنارے کھلے چھوڑ دے۔دوسرا یہ کہ چادر وغیرہ کندھوں یا ایک کندھے پر ڈال دے اور کنارے لٹکتے رہیں۔امام احمد کے نزدیک اگر قمیص کے اوپر یہ کیفیت ہے تو جائز ہے۔تیسری صورت یہ ہے کہ ازار یا شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو۔چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک چادر میں یوں لپیٹے خود کو کہ پورا بدن ڈھک جائے یہ اس لئے مکروہ ہے کہ ان میں سے چوتھی پہلی دو قسمیں یہود کی مشابہت کی وجہ سے اور تیسری صورت اس میں مشابہت کے علاوہ تکبر بھی ہے اور نماز خضوع کا عمل ہے۔قباء وغیرہ میں سدل یہ ہے کہ پہن کر ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے یہ وقار کے خلاف ہے۔اس پر قیاس کر کے ہر وہ عمل مکروہ ہوگا جو عادت کے منافی ہو جیسے شیروانی کے بٹن کھلے چھوڑ دے۔اس میں جو صورتیں خارج میں مکروہ ہیں اس کی کراہیت نماز میں اور بھی بڑھ جائیگی۔

باب ماجاء فی کراھیۃ مسح الحصیٰ فی الصلوٰۃ

رجال:۔

ابی الاحوص امام نسائی فرماتے ہیں لم نقف علیٰ اسمہ و لانعرفہ وقدانفرد الزھری بالروایۃ عنہ ترمذی میں ان سے فقط یہی روایت ہے منذری نے بھی یہی بات کی ہے تاہم حافظ نے تقریب میں مقبول قرار دیا ہے اور کہا ہے ابوالاحوص مولی بنی لیث وغفار۔☆

تشریح:۔

جب آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رحمت باری متوجہ ہوتی ہے تو ہر وہ عمل جو اس مواجھۃ کو متاثر کرے وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز میں لہولعب بھی مکروہ ہے کہ خضوع کے منافی ہے کہ دل کا خضوع جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے اس سے مواجہۃ پر اثر پڑتا ہے چونکہ کنکریوں کو ہٹانا یا ہموار کرنا لعب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا۔

دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کنت لابد فاعلاً فمرۃ واحدۃ بعض میں مرتین کا ذکر ہے لہٰذا اگر کنکریاں اس طرح ہوں کہ اس سے پیشانی یا گھٹنوں کے ٹیکنے میں تکلیف ہوتی ہو یا اتنا حصہ پیشانی کا نہ لگ رہا ہو جس کا لگنا ضروری ہے تو اس ضرورت کے تحت ایک یا دو دفعہ جائز ہے زائد عمل کثیر ہے جو مفسد للصلوۃ ہے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے پہلا یہ کہ عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں اور عمل کثیر مفسد ہے۔ دوسرا یہ کہ جو عمل اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو اور اس میں عمل کثیر نہ ہو تو فی الصلوٰۃ جائز ہے لہٰذا اگر شلوار ٹخنوں سے نیچے گئی تو ایک ہاتھ سے اوپر کرنا جائز ہے یا اسودین مارنا جائز ہے بشرطیکہ عمل کثیر تک مفضی نہ ہو۔ اگر ٹوپی گر جائے تو ایک ہاتھ سے سر پر رکھنا جائز ہے عمامہ درست کرنا جائز نہیں کہ دونوں ہاتھوں کا استعمال ہوگا اسی طرح اگر چادر اوڑھے ہوئے ہو تو درست کرنا جائز ہے تاکہ سدل کی صورت نہ بنے۔

باب ماجاء فی کراهیة النفخ فی الصلوٰة

رجال:۔

میمون ابی حمزۃ ضعیف ہیں۔ابوصالح کا نام بعض نے ذکوان اور بعض نے زاذان بتلایا ہے مقبول ہیں ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔☆

تشریحات:۔

ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا ایک غلام دیکھا جس کا نام افلح تھا بعض (1) میں رباح نام آیا ہے جب وہ سجدہ کرتے تو موضع سجدہ میں پھونکتے تاکہ جگہ صاف ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چہرے کو گرد آلود کر وجہ یہ ہے کہ مٹی پیشانی اور ناک پر لگے گی تو تضرع حاصل ہوگا جو موجب ثواب ہے۔

یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ سجدہ براہ راست زمین پر افضل ہے یا کسی حائل پر بھی سجدہ ہوسکتا ہے۔یہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفخ ثابت ہے۔(2) اور یہاں ممانعت کیوں فرمائی یہ کیوں؟ دوسرا اعتراض ترمذی نے نقل کیا ہے فقال بعضهم ان نفخ فی الصلوة استقبل الصلوٰة مراد بعض سے حنفیہ اور سفیان ثوری ہے۔مطلب یہ ہے کہ نفخ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لہٰذا اول تو یہ قول صلوٰۃ کسوف میں نفخ کے منافی ہے اور ثانیاً افلح کو بھی اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی تو یہ قول کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ نفخ ایک وہ ہے جو بغر صوت مسموع و بغیر احداث حروف تہجی کے ہو اور دوسرا جو صوت مسموع اور حروف تہجی کے ساتھ ہے اول سے نماز نہیں ٹوٹتی دوسری سے فاسد ہوجاتی ہے۔پھر نووی شرح مہذب میں

باب ماجاء فی کراهیة النفخ فی الصلوٰة

(1) کمافی روایۃ مسند احمد ص:۲۲۸ ج:۱۰ رقم حدیث:۲۶۸۰۶

(2) کذافی سنن ابی داؤد ص:۱۷۶ ج:۱ ''باب من قال یرکع رکعتین'' ایضاً رواہ النسائی واحمد کذافی تحفۃ الاحوذی

فرماتے ہیں کہ اگر دو حروف تہجی کے بن گئے نفخ کی وجہ سے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ تو تطبیق یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس نفخ ثابت ہے بغیر احداث حروف تہجی کے اور حنفیہ اس نفخ سے نقض صلوٰۃ کے قائل ہیں جس سے حروف تہجی بن جاتے ہیں۔

ایک قول حنفیہ کا یہ ہے کہ اگر کوئی معنی خیز حرف بن جائے تو اگرچہ ایک حرف ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسے "قِ" بمعنی بچاؤ معلوم ہوا کہ اگر جملہ بن جائے کہ معنی بھی ہو اور حروف سے مرکب بھی ہو تو بالاتفاق نماز ٹوٹ جائے گی۔

تنحنح کے بارے میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ احتیاج کے لئے ہو جیسے امام حصر عن القراءۃ کے وقت یا مار کو تنبیہ کرنے یا امام کو غلطی پر تنبیہ کے لئے ہو مفسد صلوٰۃ نہیں بغیر ضرورت کے عند البعض مفسد صلوٰۃ ہے۔

باب ماجاء فی النهی عن الاختصار فی الصلوٰۃ

یہ روایت ابن ماجہ کے علاوہ باقی سب میں ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز سے ممانعت فرمائی جس میں آدمی مختصر ہوں۔

مختصر اختصار سے ہے اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے کہ آدمی مخصرہ یعنی عصا کا سہارا لے کر نماز پڑھے لیکن ابن العربی نے عارضہ میں اعتراض کیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک عند الضرورت جائز ہے۔ بلکہ ابوداؤد(1) میں وابصہ بن معبد کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں عصا بنوایا تھا جس پر اعتماد کر کے نماز پڑھتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی مختصر نماز پڑھے کہ قراءت مختصر کرے یا تعدیل ارکان چھوڑے تو مکروہ ہے۔ قیل قراءت کے دوران آیت سجدہ چھوڑ کر آگے پیچھے پڑھ لے۔ قیل سورتوں کے آخری آیات پڑھے یا ایک

باب ماجاء فی النهی عن الاختصار فی الصلواۃ

(1) ص:۱۴۳ ج:۱ "باب الرجل یعتمد فی الصلوٰۃ علی عصا"

سورت میں مختلف مقامات سے پڑھے۔ چونکہ سورت ایک حقیقت مجموعی کا نام ہے تو جگہ جگہ سے پڑھنا نہیں چاہیے۔ قیل آدمی خاصرہ (کولہے) پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے۔ یہ راجح ہے تائید زیاد بن صبیح الحنفی کے قول سے ہوتی ہے جو ابوداؤد(2) میں مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور اپنا ہاتھ خاصرہ پر رکھا تو حضرت ابن عمر نے سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع کرتے تھے۔ خاصرہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا جمہور کے نزدیک مکروہ ہے اہل ظواہر کے نزدیک حرام ہے۔

وجہ ایک ترمذی نے ذکر کی ہے ویروی ان ابلیس اذا مشی یمشی مختصراً مضارع بمعنی ماضی ہے جب ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تو خاصرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا تھا تو اس میں تشبہ ہے اس کے ساتھ۔ دوسری وجہ روایت عائشہ میں ہے کہ یہود ایسا کرتے ہیں تو منع فرمایا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جہنمی تھکان کے وقت ایسا انداز اختیار کرتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ راجز انشاد اشعار کے وقت یوں ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کو کولہے پر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ اہل مصائب کا انداز یوں ہوتا ہے۔ چھٹی وجہ متکبرین یوں کھڑے رہتے ہیں(3) ان وجوہات کی بناء پر اختصار نماز میں بھی مکروہ ہے خارج از صلوٰۃ میں بھی مکروہ ہے البتہ نماز میں قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جو وجوہات زیادہ اقبح ہیں وہ زیادہ مکروہ ہیں مثلاً ابلیس کی مشابہت زیادہ قبیح ہے یہود کی مشابہت سے۔

---

(2) ص:۱۳۷ ج:۱ "باب فی التخصر والاقعاء"

(3) دیکھئے تحفۃ الاحوذی ص:۳۸۸ ج:۲

باب ماجاء فی کراھیۃ کف الشعر فی الصلوٰۃ

رجال:۔

عمران بن موسیٰ مقبول ہیں عندالحافظ اور ثقہ ہیں عند ابن حبان۔ سعید بن ابی سعید المقبری ثقہ ہیں اخیراً حافظہ متغیر ہوا تھا۔ ابیہ ہوا بوسعید ثقہ ہیں۔

ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسمہ ابراھیم وقیل اسلم او ثابت اوھرمز۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے شروع میں وفات پائی ہے۔☆

تشریح:۔

کف الشعر یعنی بال روکنا عند السجدہ باندھنا یا چوٹیاں بنانا یا ایسا طریقہ کہ بال زمین پر لگنے سے بچائے جاسکیں یہ مکروہ ہے وجہ یہ ہے کہ یہ منع عن السجدہ ہے دوسرے اعضاء کی طرح ان کو سجدہ کرنا چاہئے۔

ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں ان کا گذر حسن بن علی پر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے وقد عقص ضفرہ عقص کا معنی ہے کہ بالوں کو سر کے گرد باندھنا عمامہ کی طرح دوسرا معنی یہ ہے کہ رؤس الشعر کو اصول الشعر میں داخل کرنا مراد کوئی بھی ایسا طریقہ ہے کہ جس سے بال رک جائے تو ابورافع نے بالوں کو کھولدیا حضرت حسن غضبناک ہوکر متوجہ ہوئے فرمایا کہ نماز پڑھتے رہو غصہ نہ کرو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ذالک کفل الشیطان کفل سے مراد یا تو حصہ ہے گویا اس فعل سے شیطان حصہ پالیتا ہے۔ قیل کفل سے شیطان کے بیٹھنے کی جگہ مراد ہے کہ اس عمل سے شیطان خوش ہوتا ہے تو جلوس کی جگہ قرار دیا یہ معلوم ہوا کہ بالوں اور کپڑوں کو گرد وغبار سے روکنا نہیں چاہئے۔

کف الشعر مکروہ ہے امام مالک کے نزدیک اگر بال پہلے سے بندھے ہوئے ہوں اور یہ نیت نہ ہو کہ

میں نماز پڑھونگا اس لئے باندھتا ہوں تو مکروہ نہیں۔ نماز کے اندر باندھنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ ابوداؤد (1) کے اندر ابن عباس کی روایت ہے کہ انہوں نے نماز میں عبداللہ بن حارث کے بال کھولے تو پوچھا کہ آپ کو میرے بالوں سے کیا کام تھا تو فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنے والے کی مثال مکتوف کی طرح ہے۔ مکتوف وہ ہے کہ جس کے ہاتھ کمر کے ساتھ باندھے ہوئے ہوں یعنی ہاتھوں کی طرح بالوں کو بھی آگے ہونا چاہئے۔

ابوداؤد (2) کے محشی نے لکھا ہے کہ مکروہ سے روکنا بھی اسی طرح ہے جس طرح حرام سے روکنا ہے دوسرا یہ معلوم ہوا کہ منکر کو دیکھتے ہی ختم کرنا چاہئے کیونکہ ابورافع اور ابن عباس نے نماز کے ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو تو روک لینا چاہئے۔

باب ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ

رجال:۔

عبدربہ ثقہ ہیں۔ عبدالله بن نافع بن العمياء مجهول هيں قال البخاری لايصح حديثه۔

تشریح:۔

خشوع کی نسبت قرآن میں دل کی طرف بھی ہوئی ہے اور جوارح کی طرف بھی اس لئے دل میں خشوع عبارت ہے خشیت سے اللہ کے خوف سے بدن میں خشوع تمسکن سے عبارت ہے آنکھوں کا خشوع نیچے دیکھنا ہے البتہ آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اگر صورتحال ایسی ہے کہ کھلی رکھنے سے توجہ پر اثر پڑتا ہے تو بحر الرائق میں ہے کہ آنکھیں بند کرنا اولیٰ ہے۔

باب ماجاء فی کراهية كف الشعر فی الصلوٰة

(1) ص:۱۰۲ ج:۱ "باب الرجل يصلی عاقصا شعره"

(2) ابوداؤد ص:۹۵ حاشیہ: ا مکتبہ میر محمد کراچی

پھر حنفیہ کی کتابوں میں ہے کہ قیام میں نظر سجدے کی جگہ رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدہ میں ناک کے جانبین پر رکھے قعدے میں گود پر اور سلام میں کندھوں پر رکھے کہ اس میں خشوع ہے۔ پھر امام احمد نے روایت نقل کی ہے کان صلی اللہ علیہ وسلم اذاقام فی الصلوٰۃ طأطأ راسہ اتنا بھی نہیں جھکانا چاہئے کہ ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگ جائے۔ اسی طرح عندالتکبیر ۃ بھی نہیں جھکانا چاہئے تخشع مستحب ہے بلکہ نووی نے اس کے عدم وجوب پر اجماع نقل کیا ہے۔

اعتراض:۔ "وقوموا للہ قانتین" قال مجاھد ای خاشعین "تو خشوع واجب ہونا چاہیے۔

جواب:۔ علماء نے وجوب کا قول اس لئے نہیں کیا کہ عوام کی رعایت احکام میں ہوتی ہے اور اکثر عوام اس پر قادر نہیں ہوتے۔ البتہ اختیار فرض ہے یعنی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس وقت کی نماز ہے کونسی نماز ہے رکوع سجدہ کا علم ہونا چاہیئے حتیٰ کہ اگر نوم کی حالت میں رکن ادا کیا اور علم نہ ہوا تو نماز نہ ہوئی۔

تقنع یعنی اٹھانا صاحب معارف لکھتے ہیں کہ اس سے دعاء بعد الفرائض بہیت اجتماعیہ پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ اعدل الاقوال یہ ہے کہ دعا بعد الفرائض ثابت ہے ہاں بہیت الاجتماع التزام بدعت ہے نفس منفرد کے لئے ثابت ہے کمامر۔

باب ماجاء فی کراهیة التشبیک بین الاصابع فی الصلوٰة

رجال:۔

عن رجل چونکہ یہ روایت مسند احمد، سنن ابی داؤد، نسائی اور دارمی میں بھی ہے اس لئے رجل کی مجہولیت مضر نہیں۔

قال میرك: کلهم من حدیث سعید المقبری عن رجل غیر مسمیً عن کعب بن عجرة لم یذکر الرجل لکن له شاهد عنداحمد من حدیث ابی سعید

ابوداؤد نے اس کی کنیت ابوثمامہ الخیاط بتلائی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔☆

تشریح:۔

تشبیک شبکۃ سے ہے شبکہ جال کو کہتے ہیں یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا جس سے جال کی شکل بن جاتی ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ نماز میں تشبیک مکروہ ہے اور بظاہر کراہیت تحریمی ہے کہ اصل نہی میں تحریم ہے پھر یہاں تاکید بھی ہے نماز کے علاوہ اگر انتظار صلوٰۃ میں ہو یا عندالمشی الی الصلوٰۃ بھی تشبیک مکروہ ہے۔

اس کراہیت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ نماز میں اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے اور عبادت کے ساتھ ساتھ ایک نوع وحدت پیدا کرنا ہے تشبیک میں اشارہ تفریق کی طرف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تشبیک لعب ہے اور نماز میں یہ مکروہ ہے تو مقدمات صلوٰۃ میں بھی مکروہ ہوئی۔ تیسری وجہ یہ سستی کی وجہ سے ہوتی ہے اور نماز میں سستی نہیں کرنی

چاہئے" واذاقاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ "(1) تو جیسے تثاؤب سستی کی وجہ سے مکروہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ چوتھی وجہ کہ تشبیک عندالاحتباء ہوتی ہے جس سے نیند آ جاتی ہے۔ پانچویں وجہ کہ تشبیک کبھی مستلزم ہوتی ہے انگلیوں کے چٹخانے کو جو کہ مشابہت قوم لوط کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اعتراض:۔ بخاری (2) وغیرہ میں ذوالیدین کی روایت ہے کہ وہ نماز جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو ہوا تھا اس میں تشبیک فرمائی تھی تو تعارض ہوا۔

جواب ا:۔ تشبیک اگر لعب کی بناء پر ہو تو مکروہ ہے اگر تمثیل کی بناء پر ہو تو جائز ہے تو نفی کا محمل الگ اور اثبات کا الگ ہے۔

جوب ۲:۔ نہی کی روایت کے لئے محمل یہ ہے کہ مشی الی الصلوٰۃ یا انتظار صلوٰۃ یا فی الصلوٰۃ ہو نہ کہ عام حالات میں۔

باب ماجاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ

باب ماجاء فی کثرۃ الرکوع والسجود

ابوعمار کا نام حسین ہے نسائی نے توثیق کی ہے۔ معدان ثقہ ہیں۔ یہ دونوں روایتین مسلم ومسند احمد وغیرہ میں ہیں۔☆

تشریح:۔

ترمذی نے اس مسئلے کے لئے کہ طول قیام اور کثرت الرکوع والسجود میں سے کونسی چیز افضل ہے۔

پہلے باب میں جابر کی روایت لی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے فرمایا طول القنوت' قال ابن العربی القنوت لہ عشرۃ معان۔ ا۔ خشوع ۲۔ طاعت ۳۔ مطلق صلوٰۃ ۴۔ دعا ۵۔ عبادت ۶۔ قیام ۷۔ طول قیام ۸۔ اور سکون وغیرہ یہاں اتفاق ہے کہ مراد یہاں طول قیام ہے مطلب یہ ہوگا کہ زیادتی

باب ماجاء فی کراھیۃ التشبیک بین الاصابع فی الصلوٰۃ

(1) سورۃ نساء رقم آیہ:۱۴۲ (2) صحیح بخاری ص:۶۹ ج:ا "باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ"

قراءت کی وجہ سے طول قیام افضل ہے۔

دوسرے باب میں ہے فسکت عنی ملیا یعنی لمبی گھڑی یعنی دن کا اکثر حصہ حدیث جبرئیل میں تین دن پر بھی ملیا کا اطلاق ہوا ہے یعنی ثوبان نے سوچ کر فرمایا کہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بندہ سجدہ نہیں کرتا مگر اللہ اس کے بدلے میں گناہ مٹاتا ہے اور درجہ بڑھاتا ہے پھر ابوالدرداء نے بھی یہی کہا یا پھر سائل کا شوق دیکھنے کے لئے جواب میں تاخیر فرمائی۔ اس مسئلہ میں کل چار اقوال ہیں۔

اس میں ایک مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ طول قیام کثرت رکوع وسجود سے افضل ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے نقلہ النووی فی شرح المہذب وشرح المسلم بعض فقہاء حنفیہ نے ان کا مذہب کثرت رکوع کی افضلیت کا نقل کیا ہے مگر مفتیٰ بہ اول ہے امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت کثرت رکوع کی افضلیت کی منقول ہے۔

دوسرا مذہب ابن عمر اور امام محمد کا ہے کہ دن ہو یا رات دونوں حالات میں کثرت الرکوع طول قیام سے اولیٰ ہے امام محمد سے دوسری روایت امام ابوحنیفہؒ کی طرح ہے۔

تیسرا مذہب امام احمد کا ہے کہ اس میں توقف ہوگا کہ روایات میں دونوں کا ثبوت ہے کوئی فیصلہ مشکل ہے۔ کما نقلہ الترمذی وقال اسحٰق اما بالنہار فلکثرۃ الرکوع والسجود اور رات کو طول قیام اولی ہے اس کی دلیل ترمذی نقل کرتے ہیں لانہ وصف الخ کہ رات کو طول قیام مروی ہے اور دن کو طول قیام رات جتنا ثابت نہیں الا ان یکون رجل لہ جزء باللیل یعنی اگر کوئی رات کو وظیفہ مقرر کرتا ہے پھر اس میں دو قول ہیں۔ (۱) یا جزء قرآن مراد ہے۔ (۲) یا وقت۔ اس شخص کو کثرت الرکوع والسجود کرنا چاہئے کہ اسکا جزء پورا ہوگا اور کثرت سجود کا ثواب بھی ملے۔ یہ چاروں مذہب ترمذی نے نقل کئے ہیں مگر پہلے اور دوسرے کے ذاہبین کا نام نہیں لیا۔ پہلا مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کا ہے اور دوسرا ابن عمر اور امام محمد کا۔ ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ مفتی سے کوئی پوچھے کہ میں روزانہ ایک گھنٹہ افضل نوافل پڑھونگا تو کیسی نماز پڑھوں تو پہلے قول کے مطابق طول قیام کرے گا اگرچہ رکعات کم ہوں بقول ثانی رکعات زیادہ کرے۔

کثرت الرکوع والوں کی دلیل مسلم(1) میں ہے اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد كذافي ابی داؤد(2) وابن ماجه (3)۔

دلیل۲:۔ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے تھے تو ایک دن فرمایا کہ سل تو فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہنا چاہتا ہوں تو فرمایا فاعنی علیك بكثرت السجود او كماقال عليه السلام(4)۔

دلیل۳:۔دوسرے باب کی حدیث حضرت ثوبان وابوالدرداء سے ہے۔

حنفیہ وشافعیہ کی دلیل پہلے باب کی حدیث سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طول القنوت والی نماز افضل ہے ایؔ میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مقصود بالسوال فرد کا تعین ہوتا ہے اگر معرفہ ہو تو مقصد سوال جزء مضاف الیہ ہوتا ہے نہ کہ فرد یہاں مضاف الیہ معرفہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ نماز کے اجزاء میں سے کونسا جز افضل ہے تو فرمایا طول القیام۔

ادلہ کے جوابات‘ جواب ا:۔یہ ہے کہ آپ کی روایت سے فضیلت ثابت ہوتی ہے ہمیں اس سے انکار نہیں مگر ہماری مستدل روایت سے افضلیت ثابت ہوتی ہے تو ہماری روایت راجح ہے۔

جواب۲:۔کثرت الرکوع سے مراد کثرت الصلوٰۃ ہے۔

جواب۳:۔قیام میں قراءت ہوتی ہے جو فرض اور رکن ہے جبکہ سجدہ میں تسبیحات ہوتی ہیں جو مسنون ہیں۔

جواب۴:۔قیام میں قرآن پڑھا جاتا ہے جو کلام اللہ ہے اور رکوع وسجود میں تسبیحات جو کلام عبد ہے تو قیام اولیٰ ہے۔

باب ماجاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ الخ

(1) صحیح مسلم ص:۱۹۱ج:ا‘‘باب مایقال فی الرکوع والسجود’’(2) سنن ابی داؤد ص:۱۳۴ج:ا‘‘باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود’’
(3) لم اجدہ فی ابن ماجہ ولکن رواہ النسائی ص:۱۷۰ج:ا‘‘اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل’’ایضاً رواہ مسلم ص:۱۹۱ج:ا
(4) رواہ مسلم ص:۱۹۳ج:ا‘‘باب فضل السجود والحث علیہ’’

جواب ۵:۔ قیام میں فاتحہ ہے جس میں مناجات ہے کمافی مسلم (5) قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی الخ تو یہ افضل ہے۔ والجواب الآخر ماذکرہ الترمذی من کذا وصف الخ۔

باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصلوٰۃ

رجال:۔

علی ابن المبارک ثقہ ہیں۔ ضمضم بن جوس بفتح الجیم وسکون الواو ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں بچھو عموماً سفید ہوتا ہے اگرچہ بعض کالے بھی ہوتے ہیں تو اطلاق اسودین تغلیباً ہوگا اور یہ مراد نہیں کہ سفید سانپ قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے وعدہ لیا کہ وہ شکل بدل کر گھروں میں نہیں آئیں گے لہٰذا قتل پر گناہ نہیں۔ لیکن ان کے ضرر سے بچنے کے لئے مارنا نہیں چاہئے الا یہ کہ تین مرتبہ ان کو کہہ دے۔ ابراہیم نخعی کے نزدیک اسودین کا قتل صحیح نہیں کیونکہ ان فی الصلوٰۃ لشغلاً مگر عندالجمہور جائز ہے۔ پھر جمہور میں بعض کہتے ہیں کہ یہ امر مطلق ہے اگرچہ عمل کثیر لازم آئے کہ جس طرح نماز میں حدث کی صورت میں مشی اور تحویل الصدر عن القبلہ جائز ہے۔ وکمافی الصلوٰۃ الخوف تو یہاں بھی منافی نہیں ہوگا۔

اکثر فقہاء کے نزدیک مشروط ہے کہ ضربۃ یا ضربتین سے مارا جاسکتا ہو یا دو قدم سے زیادہ قدم کی ضرورت نہ ہو۔ کمافی شرح المنیة (1) هذا اذا لم یحتج الی المشی الکثیر کثلاث خطوات متوالیات ولاالی المعالجة الکثیرة کثلاث ضربات متوالیة واما اذا احتاج فمشی وعالج تفسد صلوته۔

(5) صحیح مسلم ص:۱۷۰ ج:۱ ''باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ الخ''

باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصلواۃ

(1) توضیح کے لئے رجوع فرمائے معارف السنن ص:۴۸۴ ج:۳

ابن عمر کی بیہقی والی روایت كفاك للحية ضربة اصبتها او اخطاتها (2) سے اس کی تائید ہوتی ہے اگر دوسے نہ ہوسکے اور ضرر کا خدشہ ہو تو نماز توڑ کر مارے اور نماز توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر اسی طرح بچہ کے کنویں میں گرنے یا پیسوں کو بچانے کے لئے بھی نماز کو قطع کیا جاسکتا ہے۔ اس کا قیاس حدث فی الصلوٰۃ یا صلوٰۃ الخوف پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ وہاں عمل کثیر خلاف القیاس ثابت ہے تو اپنے مورد پر بند رہے گا دیگر صور کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

باب ماجاء فی سجدتی السهو قبل السلام

عبداللہ بن بحینہ یہ ان کی والدہ کا نام ہے والد کا نام مالک ہے بحینہ باء کے ضمہ اور حاء کے فتح کے ساتھ تصغیر کا صیغہ ہے۔ ترمذی میں ان سے صرف یہی ایک روایت ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو فقط حسن کہا ہے مگر یہ صحیح بھی ہے کیونکہ شیخین نے اس کی تخریج کی ہے۔

سجدتی السہو مستحب یا سنت کے ترک سے لازم نہیں آتے اور نہ ہی ترک فرض سے سجدہ سہو جبیرہ بن سکتا ہے بلکہ اس صورت میں اعادہ ضروری ہے البتہ ترک واجب سے سجدہ سہو ضروری ہوگا یہ سجدہ اس نقصان کا جبیرہ ہوگا اگر سجدہ سہو نہ کرے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

سجدہ سہو قبل از سلام ہے یا بعد از سلام؟ تو ترمذی نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔ اختلاف کی بنیادی وجہ اختلاف الروایات ہے بعض میں قبل السلام ذکر ہے کما فی روایۃ الباب بعض میں بعد السلام کما فی الباب الآتی چونکہ یہ بات مقدمہ میں گذری ہے کہ حنفیہ اختلاف روایت کی صورت میں قاعدہ کلیہ کی مبین یا مشیر حدیث کو لیتے ہیں۔ تو حنفیہ کے نزدیک بروایۃ ابوداؤد (1) لکل سہو سجدتان بعد ما یسلم کے قاعدہ پر عمل ہوگا اور بعد السلام دو

---

(2) بیہقی کبری ص:۲۶۶ ج:۲ ''باب قتل الحیۃ والعقرب فی الصلواۃ'' لیکن یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے نہیں بلکہ حافظ الحدیث حضرت ابوہریرہؓ سے ہے۔ واللہ اعلم

باب فی سجدة السهو قبل السلام

(1) ابوداؤد ص:۱۵٦ ج:۱ ''باب من نسی ان یتشہد وھو جالس''

سجدے ہونگے پھر فقہاء حنفیہ کے ہاں تین اقوال ہیں ایک یہ کہ آگے کی طرف سلام کہہ کر سجدہ سہو کرے دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرے رجحہ صاحب الھدایۃ۔ اور تیسرا یہ کہ دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ کرے یہ معمول بہ ہے اور بعد السجدتین چونکہ پہلا تشہد اور سلام رفع ہوا تو دوبارہ تشہد وسلام ہوگا قعود رفع نہیں ہوگا کہ فرض ہے۔ تو سجدہ سہو کے ساتھ تشہد وسلام ہیں مگر اس کو سجدہ سہو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سلام وتشہد دراصل سلام وتشہد مرفوعہ ہیں تو اصل سجدتین کا عمل ہے۔

دوسرا مذہب امام شافعی کا ہے کہ سجدتی السہو قبل السلام ہونگے۔

تیسرا مذہب امام مالک کا ہے کہ اگر سہو سے نقصان ہوا ہو تو قبل السلام اگر زیادتی کی وجہ سے ہو تو بعد السلام ہوگا اس کی تعبیر القاف بالقاف والدال بالدال سے ہوتی ہے یعنی قبل السلام لاجل النقصان اور بعد السلام لاجل الزیادۃ۔

چوتھا مذہب امام احمد کا ہے کہ جن صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل السلام مروی ہے وہاں قبل السلام ہوگا مثلاً صلوٰۃ ظہر میں قاعدہ اولی ترک کرنے پر باب کی روایت کے مطابق قبل السلام ہوگا اور جہاں بعد السلام ہے جیسے کہ آدمی دو رکعت پر سہواً سلام پھیرے تو حدیث ذوالیدین (2) کے مطابق وہاں بعد السلام ہوگا اور جو صورت ماثور نہ ہو تو وہاں قول شافعی پر عمل ہوگا۔

پانچواں مذہب امام اسحٰق کا ہے جو امام احمد کے مذہب کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ غیر ماثورہ صورت میں قول مالک پر عمل کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً بعد السلام ہوگا اور جمہور کے نزدیک قبل السلام یا مطلقاً کما عند الشافعی او فی بعض الصور کما ہو عند الغیر۔ یہ اختلاف اولیت کا ہے جواز کا نہیں۔

جمہور کا استدلال باب کی روایت سے ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قام فی صلوۃ الظهر وعلیه جلوس فلمااتم صلوته سجد سجدتین یکبر فی کل سجدۃ وهو جالس قبل ان یسلم

(2) کمافی روایۃ الترمذی ص:۵۳ ج:۱ "باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظهر والعصر"

حنفیہ کا استدلال باب آئندہ میں ابن مسعود کی روایت سے ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی الظہر خمساً فقیل لہ ازید فی الصلوٰۃ ام نسیت فسجد سجدتین بعد ماسلم

دلیل۲:۔اگلے باب میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔ سجدھما بعد السلام قال ابو عیسیٰ ھذاحدیث حسن صحیح پہلی حدیث باب بھی حسن صحیح ہے۔

دلیل۳:۔ترمذی (3) میں ''باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظہر والعصر'' میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انصرف من اثنتین فقال لہ ذوالیدین وفیہ فصلی اثنتین اخریین ثم سلم ثم کبر فسجد مثل سجودہ او اطول (الحدیث)

دلیل۴:۔ ترمذی (4) میں مغیرہ بن شعبہ کی حدیث گذری ہے ''باب ماجاء فی الامام ینہض فی الرکعتین ناسیاً''، شعبی کی روایت ہے۔

صلی بنا المغیرۃ بن شعبۃ فنہض فی الرکعتین فسبح بہ القوم وسبح بہم فلما قضی صلوتہ سلم ثم سجد سجدتی السہو وھو جالس ثم حدثہم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فعل بہم مثل الذی فعل

دلیل۵:۔صحیحین (5) وغیرہ میں ابن مسعود کی مرفوع حدیث ہے۔

واذاشک احدکم فی صلوتہ فلیتحر الصوب فلتیم علیہ ثم لیسلم ثم یسجد سجدتین

---

(3) حوالہ بالا (4) ص:۴۸ ج:۱

(5) صحیح بخاری ص:۵۷ ج:۱ ''باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان'' صحیح مسلم ص:۲۱۲ ج:۱ ''باب السہو فی الصلوٰۃ والسجود لہ'' سنن نسائی ص:۱۸۴ ج:۱ ''باب التحری'' سنن ابی داؤد ص:۱۵۳ ج:۱ ''باب اذا صلی خمساً'' سنن ابن ماجہ ص:۸۵ ''باب ماجاء فیمن سجد ہما بعد السلام''

دلیل ۶:۔ثوبان کی حدیث ابوداؤد (6) وابن ماجہ (7) وغیرہ میں ہے لکل سھو سجدتان بعد مایسلم۔

اس پر شافعیہ وغیرہ کی طرف سے ایک اعتراض یہ ہے کہ کہ اس میں اسماعیل بن عیاش ہے لہٰذا روایت مجروح ہے۔

جواب پہلے گذرا کہ عراقین سے ان کی روایت حجت نہیں اور شامیین سے قابل حجت ہے اور یہ روایت عبداللہ بن عبیداللہ سے ہے جو شامی ہے۔

اعتراض ۲:۔ یہ ہے کہ لکل سھو میں کل کل افرادی ہے یعنی جتنی تعداد میں سہو ہو جائے اس کے لئے دو سجدے کافی ہیں۔

جواب:۔ یہ ہے کہ کل کا مضاف الیہ جب نکرہ ہو تو وہاں مراد عدد نوعی ہوتا ہے نہ کہ افرادی کمافی السلم (8) ولیس الکل من کل منہما بدیہی تو یہاں کل ثانی کا مضاف الیہ نکرہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ ولیس کل فرد من کل نوع من التصور والتصدیق الخ تو یہاں بھی مقصد یہ ہوگا کہ ہر قسم کے سہو کے لئے دو سجدے ہونگے۔ تائید کے لئے حضرت عائشہ کی روایت جو طحاوی (9) میں مروی ہے لکل زیادۃ ونقصان سجدتان للسہو معلوم ہوا کہ لکل سہو میں مراد قسم وصنف ہے۔

دلیل ۷:۔نسائی (10) وغیرہ میں عبداللہ بن جعفر کی مرفوع حدیث ہے من شک فی صلوتہ فلیسجد سجدتین بعد مایسلم۔

دلیل ۸:۔آثار صحابہؓ مثلاً ابن عباس ابن مسعود وغیرہم مثل علی وسعد بن ابی وقاص وعمار وعبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کمافی التحفۃ (11) کہ وہ بھی سجدہ سہو بعد السلام کرتے تھے۔

---

(6) ص:۱۵۶ ج:۱ (7) ص:۸۵ ج:۱ ''باب ماجاء فیمن سجد ہما بعد السلام'' ولفظہ فی کل الخ (8) سلم العلوم ص:۹ قدیمی کتب خانہ (9) شرح معانی الآثار ص:۲۹۰ ج:۱ ''باب سجود السہو فی الصلوٰۃ ہل ہو قبل السلام او بعدہ'' لیکن یہ روایت حضرت عائشہؓ سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم (10) ص:۱۸۴ ج:۱ ''باب التحری'' (11) تحفۃ الاحوذی ص:۴۰۷ ج:۲ ایضاً آثار صحابہؓ کے لئے رجوع فرمائے شرح معانی الآثار ص:۲۹۰ و۲۹۱ ج:۱ اسی طرح دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ص:۲۹ و۳۰ ج:۲ ''فی السلام فی سجدتی السہو قبل السلام او بعدہ''

دلیل ۹:۔ ابن العربی نے عارضہ میں کہا ہے کہ سجدہ سہو استدراک نقصان کے لئے ہے تو نماز سے الگ اور نماز کے بعد ہونا چاہئے۔

دلیل ۱۰:۔ جیسے کہ سنن ونوافل مکملات ہیں نماز کے لئے تو سجدہ سہو بھی مکمل ہے اور مکمل الشی شی سے خارج ہوتا ہے کمافی السنن والنوافل۔

امام شافعی کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ویقول ہذا الناسخ لغیرہ من الاحادیث غیرہ یعنی قبل السلام سجدہ ناسخ ہے بعدالسلام کے لئے ویذکران آخر فعل النبی صلی الله علیه و سلم کان علی هذا یہ قول زہری کی طرف اشارہ ہے گویا یہ ناسخ ہے۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ خود علامہ حازمی شافعی نے الاعتبار میں تسلیم کیا ہے کہ زہری کا یہ قول منقطع وناقابل اعتبار ہے۔

جواب ۲:۔ یہ قول زہری مرسل ہے قال یحی بن سعید القطان مراسیل الزہری شبہ لاشی۔

جواب ۳:۔ الزاماً یہ ہے کہ یہ کیسے ناسخ ہے حالانکہ بقول آپ کے واقعہ ذوالیدین ۷ھ کا ہے حنفیہ اگر ناسخ کہیں تو بات ہے کہ ان کے ہاں یہ واقعہ قبل از بدر ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ گنگوہیؒ نے فرمایا کہ قبل السلام اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا کہ اگر سلام کے بعد فرماتے تو چونکہ لوگوں کو یہ حکم ابھی معلوم نہیں تھا تو لوگ اٹھ جاتے یا باتوں میں مشغول ہو جاتے اسلئے سجدہ قبل السلام فرمایا جو وقتی حکم تھا۔

جواب ۲:۔ یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ جس کے ہم بھی قائل ہین لیکن دلائل عشرہ مذکورہ کی روشنی میں راجح بعدالسلام ہے۔

نیز امام مالک واحمد واسحاق کو جواب امام ابو یوسف کے الزام سے دیا جائے گا کہ جب انہوں نے امام مالک سے پوچھا کہ اگر آدمی سے کمی وزیادتی دونوں ہو جائے تو پھر کیا کریگا؟ یعنی قبل السلام سجدہ کرے گا یا بعد از سلام؟ تو وہ خاموش ہو گئے۔

باب ماجاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام

رجال:۔

حکم بفتحتین کوفی ہیں۔ ابراہیم ای ابن النخعی۔ اس روایت کی تخریج سب نے کی ہے۔☆

تشریح:۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی تو پوچھا گیا کہ نماز میں زیادتی ہوئی ہے یا آپ بھول گئے تو بعد السلام دو سجدے کئے۔

امام شافعی واحمد واسحٰق کا مذہب یہ ہے کہ اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے چاہے بیٹھا ہو یا نہ ہو سجدہ سہو سے اس کی نماز صحیح ہوگی یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک ایک رکعت نماز نہیں ہے اس لئے پانچ رکعت والی نماز بھی صحیح نہیں اور شوافع کے نزدیک ایک رکعت بھی نماز ہے جیسا کہ وتر بر کعۃ میں اس لئے چھٹی کی ضرورت عندہم نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے بلاقعود تو سجدے سے پہلے پہلی نماز کی طرف لوٹ جائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح ہے اور پانچویں رکعت قابل رفض بھی ہے۔ اور اگر سجدہ ملایا تو اب وہ رکعت پوری ہوگئی یہی وجہ ہے کہ اگر آدمی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھونگا تو بغیر سجدے والی رکعت سے حانث نہیں ہوگا۔ اور سجدے کے بعد حانث ہو جاتا ہے۔

پھر امام ابو یوسف کے نزدیک پیشانی رکھتے ہی رکعت پوری ہو جائیگی امام محمد کے نزدیک سر اٹھانے کا اعتبار ہے۔ ثمرہ خلاف یہ ہے کہ اگر اس صورت میں حدث لاحق ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک رکعت ہوگئی تو وضو کے بعد دوسری رکعت ملا کر بنا کرے گا جبکہ امام محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ پھر ایک رکعت ملا کر یہ نماز نفل ہو جائے گی اور فرض باطل

ہونگے اخیر میں سجدہ سہو نہیں ہوگا۔ اگر وہ بقدر تشہد چوتھی رکعت کے بعد بیٹھ چکا ہو اور پھر کھڑا ہوا تو فرض نماز صحیح ہوئی کہ فرائض وارکان ادا ہو گئے فقط سلام باقی ہے جس کی تاخیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اس میں بھی اگر سجدے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ کر سجدہ سہو کرے کھڑے سلام نہ پھیرے کہ قیام سلام کا محل نہیں۔ اگر اس نے پانچویں رکعت میں سجدہ کرلیا تو ایک رکعت اور ملائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے چار فرض اور دو نفل ہو جائے گی اگر ظہر کی نماز ہے یہ دو رکعت سنت شمار نہیں ہوگی کہ اس کے لئے الگ تکبیر تحریمہ کہنا مستقل سنت ہے۔ امام شافعی وغیرہ کی دلیل باب کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بغیر پانچ رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا۔

حنفیہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ فرض ہے تو ترک سے نماز ادا نہیں ہوگی لہٰذا باب کی حدیث حنفیہ کے مسلک پر منطبق نہیں ہوتی۔ دلیل اگلے سے پیوستہ باب میں حدیث ہے کہ شک کی صورت میں بناء علی الاقل کرے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اگر سجدہ سہو ترک فرض کے لئے کافی ہوتا تو بناء علی الاقل کی ضرورت نہیں تھی۔ مذکورہ باب کی حدیث کے عموماً دو جواب دیئے جاتے ہیں۔

جواب ۱:۔ یہ ہے کہ یہ واقعہ حال ہے تو یہ عمومات کے لئے ناسخ نہیں یا معارض نہیں ہوسکتا۔

جواب ۲:۔ ممکن ہے کہ اس وقت قعود فرض نہ ہو۔

باب ماجاء فی التشهد فی سجدتی السهو

رجال:۔

اشعث بن عبدالملک ثقہ اور فقیہ ہیں۔ابن سیرین یعنی محمد بن سیرین جلیل القدر عالمؒ عابد اور ثقہ ہیں بصری ہیں روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے۔☆

تشریح:۔

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران نماز سہو ہوا تو دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھا اخیر میں سلام پھیرا معلوم ہوا کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد وسلام ہوگا۔اگر سجدہ سہو بعد السلام ہو تو یہ جمہور کا مذہب ہے لیکن اگر قبل السلام ہو پھر امام شافعی واحمد واسحٰق کے نزدیک تشہد کی ضرورت نہیں۔وجہ یہ ہے کہ سلام رافع ہے تشہد کے لئے تو جب وہ سلام پھیرے گا تو سابقہ تشہد رفع ہوگا تو اب تشہد پڑھنا ضروری ہوگا اور اگر سلام نہیں پھیرتا تو تشہد چونکہ اپنے حال پر باقی ہے تو صرف سلام پھیرے گا۔

مذہب۲:۔ابن سیرین وابن ابی لیلیٰ کا ہے کہ ان کے ہاں سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں ہوگا صرف سلام ہوگا جمہور کی طرف سے کہا جائے گا کہ تشہد احادیث سے ثابت ہے تو اسکا قول ضروری ہے مثلاً باب کی حدیث میں ثم تشہد کی تصریح ہے۔نسائی (1) وابوداؤد (2) میں ابن مسعود کی حدیث میں تشہد کی تصریح ہے۔بیہقی (3) میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں تشہد کا ذکر ہے یہ ابن سیرین وابن ابی لیلیٰ کے خلاف جمہور کی حجت ہیں۔ ان تینوں روایات پر اگرچہ کلام ہوا ہے مگر ان کا مجموعہ اور قدر مشترک حسن ہے لہٰذا قابل احتجاج ہے۔

مذہب۳:۔انسؓ حسن بصریؒ عطاءؒ اور طاؤسؒ کا ہے ان کے نزدیک سجدہ سہو سے نماز خود بخود ختم ہوئی

باب ماجاء فی التشهد فی سجدتی السهو

(1) ص:۲۲۲ ج:۱ ''باب التشہد والتسلیم فی صلوٰۃ الکسوف'' (2) ص:۱۵۶ ج:۱ ''باب سجدتی السہو فیہما تشہد وتسلیم''

(3) بیہقی کبریٰ ص:۳۵۵ ج:۲ ''باب من قال یتشہد بعد سجدتی السہو ثم یسلم''

لہٰذا تشہد وسلام کی ضرورت نہیں۔

جمہور کی طرف سے تشہد کے بارے میں وہی جواب ہوگا جو ابن سیرین کو دیا۔ تسلیم کے بارے میں عمران بن حصین کی روایت باب جو مسلم (4) میں بھی ہے اس میں ثم سلم کی تصریح ہے۔

باب فیمن یشک فی الزیادۃ والنقصان

اگر کسی کو نماز میں شک لاحق ہو کہ ایک یا دو یا تین کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ تو امام شعبی واوزاعی کے نزدیک اگر یقین ہو جائے فبہا ورنہ نماز کا اعادہ کرے گا حسن بصری کے نزدیک شک کی صورت میں اخیر میں سجدہ سہو کرے گا۔ ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ شک کی صورت میں بناء علی الاقل کر کے اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ شک پہلی بار لاحق ہوا ہو تو اعادہ کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شک بار بار ہوتا ہے لیکن تحری سے حق حاصل کر سکتا ہے تو پہلے وہ تحری کرے۔ اگر ظن غالب ہو جائے تو اس پر اعتماد کرے پھر اگر اس کو تحری میں ایک رکن کے بقدر دیر ہوگئی مثلاً بقدر تین تسبیحات کے تو سجدہ سہو کرے اور شک آتے ہی زائل ہو گیا تو سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر کسی نتیجے پر تحری کی وجہ سے پہنچ نہ سکے تو بناء علی الاقل کرے پھر اس آخری صورت میں جس رکعت میں یہ احتمال ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے تو اس پر بیٹھنا ضروری ہوگا مثلاً تین اور چار میں شک ہوا تو تین سمجھنے کی صورت میں اس پر بیٹھ جائے تاکہ اگر نفس الامر میں وہ چوتھی ہو تو ترک قعدہ سے فساد نماز لازم نہ آئے۔

اس اختلاف کی بنیاد بھی روایات کا اختلاف ہے مصنف ابن ابی شیبہ (1) میں ابن عمر کی روایت ہے کہ جس کو تین یا چار میں شک ہو جائے یعید حتیٰ یحفظ۔ صحیحین (2) میں ابن مسعود کی حدیث

---

(4) مسلم شریف ص: ۲۱۴ ج: ۱ ''باب من ترک رکعتین اونحوھما فلیتم ما بقی''

باب فیمن یشک الزیادۃ والنقصان

(1) ص: ۲۸ ج: ۲ ''من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد''

(2) صحیح بخاری ص: ۵۸ ج: ۱ ''باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان'' صحیح مسلم ص: ۲۱۱ ج: ۱ ''باب السہو فی الصلوٰۃ والسجود''

ہے اذاشك احدكم فی صلوٰته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين معلوم ہوا کہ تحری کریگا۔ بعض روایات (3) سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء علی الاقل کرے گا کمافی روایۃ ابی سعید الخذری۔ مسلم (4) میں ان سے روایت ہے اذاشك احدكم فی صلوته فلم يدر كم صلى فليبن على اليقين۔ اس باب میں عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت سے بناء علی الاقل کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی قسم کی روایات ایسی ہیں کہ جس سے مطلقاً سجدہ سہو کا حکم معلوم ہوا ہے کمافی روایۃ الباب عن ابی ہریرۃ کہ شیطان تمہاری نمازوں میں تلبیس کرتا ہے فاذا وجد ذلک احدکم فلیسجد سجدتین۔

امام شعبی واوزاعی نے اعادے کی روایات کو لے کر باقی کو ترک کر دیا حسن بصری نے مطلقاً سجدہ سہو کو لے کر باقی کو نظر انداز کر دیا ائمہ ثلاثہ نے بناء علی الاقل کو لیا باقی کو چھوڑ دیا۔ حنفیہ نے چاروں پر عمل کیا کہ پہلی مرتبہ شک ہو تو نماز فاسد ہوگی پہلی بار کی تفسیر میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ عمر میں پہلی مرتبہ شک لاحق ہوا ہو دوسرا یہ کہ نماز میں پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تیسرا قول یہ ہے کہ شک اس کی عادت نہ ہوا گر شک عادت ہو تو تحری کی روایت پر عمل ہوگا اگر یقین ہوا تو فبہا ورنہ بناء علی الاقل کی روایت پر عمل ہوگا ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو ہوگا والوجہ مامر۔

---

(3) کمافی روایۃ مسلم عن ابی سعید الخذریؓ ص:۲۱۱ ج:۱

(4) صحیح مسلم حوالہ بالا ۔

باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظهر والعصر

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھی اور لوٹ گئے فی روایۃ ظہر اور فی روایۃ عصر کی نماز تھی تو حضرت ذوالیدین (عبید بن عمرو) جن کو ذوالشمالین بھی کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ نماز مختصر ہوئی یا آپ بھول گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہا ہے لوگوں کے ہاں پر ما بقی دو رکعت پڑھ لیں اور سجدہ سہو کیا۔ اس حدیث کی وجہ سے کلام فی الصلوٰۃ کی حیثیت میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

مذہب ۱:۔ حنفیہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام احمد وفی روایۃ امام مالک کے نزدیک مطلقاً مبطل صلوٰۃ ہے یعنی چاہئے ناسیاً ہو خطأً ہو یا عمداً جہلاً عن الحکم ہو یا علماً ہو یا برائے اصلاح صلوٰۃ ہو یا نہ ہو مطلق کلام مفسد صلوٰۃ ہے۔

مذہب ۲:۔ اوزاعی کے نزدیک اگر کلام قلیل اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو مفسد نہیں فی روایۃ امام مالک بھی یہی قول کرتے ہیں۔

مذہب ۳:۔ اگر کلام ناسیاً ہو یا جہلاً عن الحکم تو مفسد نہیں یہ امام شافعی کا مذہب ہے نووی نے اس کو عدم طول کے ساتھ مقید کیا ہے کما فی شرح المہذب۔

مذہب ۴:۔ امام احمدؒ واسحٰق کا ہے اگر اس گمان کے مطابق بات کی کہ نماز پوری ہو چکی ہے اور جب معلوم ہو تو نماز کی تکمیل کرے تو یہ کلام مفسد نہیں اگر علم ہے کہ نماز ابھی باقی ہے پھر کلام کرے تو نماز فاسد ہوگی چاہے امام ہو یا مقتدی۔ امام احمد سے ایک ایک روایت باقی ائمہ کی طرح بھی ہے تو کل چار روایات ان کی ہو جائیں گی۔

ائمہ ثلاثہ باب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اوزاعی و مالک فرماتے ہیں کہ یہ کلام اصلاح صلوٰۃ کے لئے تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نسیاناً اور ذوالیدین کا جہلاً عن الحکم تھا۔ امام احمد

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو مکمل سمجھ کر انصراف کیا اور چونکہ احکام میں تبدیلی آتی رہتی تھی تو ذوالیدین بھی یہ سمجھ گئے کہ نماز دو رکعت ہوگئی۔ تو مقتدی کا کلام زمانہ نبوت کے ساتھ مخصوص تھا کہ آج نسخ کا احتمال نہیں۔ کما نقل الترمذی قول احمد وقال فیہ ولیس ھکذاالیوم لیس لاحد ان یتکلم علی معنی مایتکلم ذوالیدین لان الفرائض الیوم لایزاد فیھا ولا ینقص ۔

حنفیہ اس کو منسوخ مانتے ہیں اور اس کو اُس وقت پر حمل کرتے ہیں جب کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا منسوخیت کی ایک دلیل ''وقوموا للہ قانتین'' (1) ای ساکتین ہے۔

دلیل ۲:۔ زید ابن ارقم کی حدیث جو تمام صحاح ستہ (2) میں موجود ہے۔

عن زید بن ارقم کنانتکلم خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ غلیہ وسلم فی الصلوۃ یتکلم الرجل صاحبہ الی حنبہ حتی نزلت "وقوموا للّٰہ قانتین" فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام قال ابوعیسیٰ حدیث زید بن ارقم حدیث حسن صحیح

دلیل ۳:۔ روایت مسلم (3) معاویۃ بن الحکم السلمی الانصاری سے ہے وہ اپنا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو نماز میں چھینک آئی تو میں نے یرحمک اللہ کہا تو لوگ مجھے گھورتے رہے میں نے کہا واثکل امیاہ ماشانکم تنظرون الی فجعلوا یضربون بایدیھم علیٰ افخاذھم تو میں خاموش ہوگیا بعداز نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور میں نے آپ سے زیادہ مشفق استاد کبھی بھی نہ دیکھا فواللّٰہ ما کھرنی ولاضربنی ولاشتمنی فرمایا۔

ان ھذہ الصلوٰۃ لایصلح فیھا شی من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن ۔

باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظھر والعصر

(1) سورہ بقرہ رقم آیت: ۲۳۸

(2) بخاری ص: ۶۵۰ ج: ۲ مسلم ص: ۲۰۴ ج: ۱ ابوداؤد ص: ۱۴۴ ج: ۱ سنن نسائی ص: ۱۸۱ ''باب الکلام فی الصلاۃ'' ۔۱۲ حنفی

(3) صحیح مسلم ص: ۲۰۳ ج: ۱ ''باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ ونسخ ما کان من اباحتہ''

دلیل ۴:۔ ابن مسعود کی روایت نسائی (4) میں مروی ہے میں جب حبشہ کی ہجرت سے واپس آیا تو پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوسلام کرتے وہ جواب دیتے اب جب میں نے سلام کیا تو جواب آپ نے نہیں دیا تو مجھے تشویش ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا ہے آپ نے بعد از نماز فرمایا۔

ان اللّٰہ یحدث من امرہ مایشاء وانہ قد احدث من امرہ ان لایتکلم فی الصلوٰۃ

اس پر شافعیہ کی طرف سے اعتراض ہے کہ یہ واقعہ نسخ کے بعد کا ہے کہ نسخ الکلام فی الصلوٰۃ مکہ میں ہوا تھا اور یہ واقعہ کلام فی الصلوۃ مدینہ کا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ابن مسعود کی واپسی مکہ میں حبشہ سے ہوئی ہے معلوم ہوا کہ کلام فی الصلوۃ مکہ میں منسوخ ہوا ہے لہٰذا مطلق کلام مفسد نہیں بلکہ وہ مفسد ہوگا جو ہماری عائد کردہ شرائط سے باہر ہو۔

جواب:۔ ہم نے ابن مسعود کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے یہ مدینہ سے متعلق ہے تفصیل یہ ہے کہ ابن مسعود کی حبشہ سے واپسی دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ ۵ھ نبوی میں جب حبشہ میں افواہ پھیلی کہ سارے قریش مسلمان ہوئے تو ابن مسعود آئے مگر یہ افواہ غلط تھی تو پھر واپس گئے۔ پھر ۲ھ ہجری میں آئے جب بدر کی تیاری ہو رہی تھی ابن حجر وابن اثیر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ (5)

دلیل اس بات کی کہ کلام کی تنسیخ مدینہ میں ہوئی ہے' یہ ہے کہ معاویہ بن الحکم الانصاری کی حدیث اس پر شاہد ہے کہ اول ہجرت میں صحابہ کلام کرتے تھے فی الصلوٰۃ کہ یہ انصاری صحابی ہے معارف میں ہے کہ بہت سارے مدنی صحابہؓ سے کلام فی الصلوٰۃ مروی ہے مثلاً معاذ بن جبل' ابی امامہ جابر' ابوسعید خدری۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے وقوموا للہ قانتین اور بروایۃ زید بن ارقم اس کا شان نزول یہی کلام فی الصلوٰۃ ہے۔

اعتراض ۲:۔ من الشافعیہ کہ اگر ہم مان لیں کہ کلام فی الصلوٰۃ مدینہ میں منسوخ ہوا ہے پھر بھی باب کا واقعہ نسخ الکلام سے مؤخر ہے لہٰذا نسخ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوالیدین کا کلام ہوا اور نماز فاسد نہیں ہوئی معلوم ہوا کہ کلام بشروطِ جائز ہے اور بعدیت کی دلیل یہ ہے کہ راوی حدیث ابو ہریرہ ہیں جو ۷ھ میں فتح

---

(4) سنن نسائی ص:۱۸۱ ج:۱ ''باب الکلام فی الصلوٰۃ'' (5) راجع للتفصیل معارف السنن ص:۵۱۰ و ۵۱۱ ج:۳۔ حنفی

خیبر میں آئے تھے اور بعض روایات میں تصریح کرتے ہیں کہ میں خود موجود تھا مثلاً مسلم (6) میں ہے صلی لنارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور نسائی (7) میں صلی بناالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مسلم (8) میں بینما انااصلی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یہ اصرح ہے معلوم ہوا کہ یہ کم از کم ۷ھ کی بات ہے اور کلام فی الصلوٰۃ تو بہت پہلے منسوخ ہوا تھا۔

جواب:۔ یہ واقعہ ۲ھ یعنی غزوہ بدر سے پہلے کا ہے وجہ یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں تو سنہ ۷ ہجری میں شرکت کیسے ممکن ہے۔

اس پر شافعیہ اعتراض کرتے ہیں کہ ذوالیدین بدر میں شہید نہیں ہوئے بلکہ بدر میں ذوالشمالین (عبید بن عمرو من بنی خزاعہ) شہید ہوئے اور ذولیدین کا نام خرباق بن عمرو من بنی سلیم ہے تو دونوں الگ الگ ہوئے۔

جواب:۔ یہ دونوں ایک شخص کے دو نام ہیں واقعہ یہ ہے کہ ذوالیدین کا نام عبید بن عمرو ہے اور خرباق جاہلی لقب تھا ان کو ذوالشمالین بھی کہا جاتا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ذوالیدین کہتے تھے اور بنو سلیم بنو خزاعہ کی شاخ ہے مبرد نے بھی الکامل میں لکھا ہے کہ چونکہ یہ الٹے ہاتھ سے ہر کام کرتے تھے اس لئے ان کو ذوالشمالین کہا جاتا تھا گویا ان کا الٹا ہاتھ دو ہاتھ کے قائم مقام تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب ذوالیدین رکھا۔

نیز نسائی (9) میں دونوں لقبوں کو ایک ساتھ جمع کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ فقال لہ ذوالشمالین انقصت الصلوۃ ام نسیت یارسول اللّٰہ قال رسول اللّٰہ مایقول ذوالیدین (الحدیث)

تو دونوں لقب جمع ہوئے۔

(6) ص:۲۱۳ ج:۱ ''فصل من ترک رکعتین اونحوھما الخ''

(7) ص:۱۸۱ ج:۱ ''ما یفعل من سلم من اثنتین ناسیا وتکلم''

(8) ص:۲۱۴ ج:۱ ''فصل من ترک رکعتین الخ''

(9) نسائی ص:۱۸۳ ج:۱ ''ما یفعل من سلم من اثنتین ناسیا وتکلم''

اعتراض:۔ یہ تفرد زہری ہے کہ دونوں کو اکھٹا ذکر کیا ہے۔

جواب:۔ زہری منفرد نہیں نسائی (10) میں عمران بن ابی انس نے متابعت کی ہے طحاوی (11) میں ابراہیم بن منقذ نے اور مصنف ابن ابی شیبہ (12) میں عکرمہ نے متابعت کی ہے۔

رہا یہ سوال کہ مسلم ونسائی میں ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں اس نماز میں موجود تھا تو جواب یہ ہے کہ احادیث میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک صحابی جب دوسرے صحابی سے ارسال کرتے ہیں تو اگرچہ وہ خود موجود نہ ہو مگر وہ متکلم کا صیغہ استعمال کرتا ہے بلکہ تابعی بھی کبھی صیغہ متکلم استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً نزال بن سبرہ نے کہا قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا وایاکم کنانہ بنی عبد مناف حالانکہ ان کی ملاقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو لنا سے مراد لقومنا ہے۔

طاؤس کی روایت ہے قدم علینا معاذ بن جبل فلم یاخذ من الخضروات شیئاً حالانکہ جن دنوں میں معاذ بن جبل یمن گئے تھے تو طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو علینا سے مراد علیٰ قومنا ہوگا۔ قال حسن بصری خطبنا عتبہ بن غزوان حالانکہ اس خطبے کے وقت حسن بصری موجود نہیں تھے۔ اسی طرح یہود کے ساتھ جہاد میں ابو ہریرہ فرماتے ہیں بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انطلقوا الی یہود اس وقت ابو ہریرہ موجود نہیں تھے کہ سنہ ۵ھ یا سنہ ۴ھ کو غزوہ خندق ہوا اور ابو ہریرہ سنہ ۷ھ کو مدینہ آئے ہیں۔ (13) ان امثال سے واضح ہوگیا کہ متکلم کا صیغہ شرکت امر اور موجودگی کی دلیل نہیں۔

اس جواب پر اعتراض ہوتا ہے کہ جمع متکلم کی صورت میں یہ توجیہ ہوسکتی ہے مگر مسلم (14) میں بینا انا اصلی الخ ہے اس میں تاویل نہیں ہوسکتی کہ اس میں ابو ہریرہ کی موجودگی کی تصریح ہے۔

---

(10) ص:۱۸۲ ج:۱ (11) شرح معانی الآثار ص:۲۹۳ ج:۱ ''باب الکلام فی الصلوٰۃ لما یحدث فیہا من السہو''

(12) ص:۳۷ ج:۲ ''ما قالوا فیہ اذا انصرف وقد نقص من صلوٰتہ وتکلم''

(13) ان تمام آثار کے لئے رجوع فرمایئے شرح معانی الآثار ص:۲۹۵ ج:۱ ''باب الکلام فی الصلوٰۃ لما یحدث فیہا من سہو'' اور معارف السنن میں ص:۵۱۲ الیٰ ۵۱۶ پر زیادہ تفصیل ہے۔

(14) ص:۲۱۴ ج:۱

جواب:۔شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اول یہ شیبان کا تفرد ہے باقی شاگردان ابوہریرہ یہ الفاظ ذکر نہیں کرتے۔دوسری بات یہ ہے کہ دیگر دلائل کی روشنی میں یہ جواب ہوگا کہ یہ روایت بالمعنی ہے وہ اس طرح کہ جمع متکلم کے صیغے سے راوی یہ سمجھے کہ ابوہریرہ خود موجود ہوں گے تو واحد متکلم کا صیغہ بنایا مثلاً مستدرک حاکم (15) میں ابوہریرہ کی صحیح روایت ہے دخلت علٰی رقیۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ رقیہ کی وفات ابوہریرہ کی آمد سے پانچ سال قبل ہوئی تھی تو وہاں دخلت بمعنی دخلنا ای دخل المسلمون ہے تو یہاں بھی یہ توجیہ ضروری ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے کہ بخاری (16) میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نماز مسجد میں خشبہ معروضہ کے پاس گئے اور مسند احمد (17) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشبہ معروضہ اسطوانہ حنانہ تھا جو منبر بنوانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ جاتے۔پھر صحیح ابن خزیمہ (18) اور ابوعوانہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر بنوانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسطوانہ کو دفنایا تھا اور منبر کی بناء بدر سے پہلے ہوئی تھی کیونکہ مسند بزار (19) اور طبرانی کبیر (20) میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلے کا اعلان منبر سے فرمایا اور یہ یقینی بات ہے کہ تحویل قبلہ بدر سے قبل کا حکم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے کما ہو مصرح فی بعض الروایات حالانکہ جب ایسا واقعہ عمرؓ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں پیش آیا تو انہوں نے بناء نہیں فرمائی بلکہ اعادہ فرمایا معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

پہلے روایت گذری ہے کہ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء مقصد یہ ہے کہ اخبار امام کے وقت مرد تسبیح

(15) ص:۴۸ ج:۴ ''ذکر وفاۃ رقیۃ ودفنہا''

(16) صحیح بخاری ص:۶۹ ج:۱ ''باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ'' ایضاً صحیح مسلم ص:۲۱۳ ج:۱

(17) مسند احمد ص:۴۷ ج:۳ رقم حدیث ۷۳۸۰

(18) بحوالہ معارف السنن ص:۵۲۸ ج:۳

(19) کذا قال العلامۃ الہیثمی فی مجمع الزوائد ص:۱۱۹ ج:۲ رقم حدیث ۱۹۶۸

(20) معجم کبیر للطبرانی ص:۳۰۳ و ۳۰۴ ج:۲۲ رقم حدیث ۷۷۰

کہے عورت تصفیق، اگر کلام جائز ہوتا تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ ذوالیدین کی روایت منسوخ ہے۔

اگر بالفرض ہم کچھ دیر کے لئے شافعیہ کی بات مان لیں کہ یہ واقعہ سنہ ۲ھ میں نہیں بلکہ سنہ ۷ھ میں پیش آیا ہے جو بعد از نسخ ہے تو جواب یہ ہے کہ پھر بھی قابل احتجاج نہیں شدید اضطراب کی وجہ سے کہ بعض روایات میں ظہر (21) بعض میں عصر (22) بعض میں احدالعشائین (23) بعض میں نماز کا ذکر نہیں (24) بعض میں ابن سیرین فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ نے ذکر کیا لیکن میں بھول گیا ہوں۔ (25)

پھر اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس رکعت کے بعد سلام پھیرا تو بعض میں دو رکعت بعض میں تین رکعت کا ذکر ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ بعد از سلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گئے تو بخاری (26) میں ہے کہ خشبہ معروضہ کے پاس گئے مسلم (27) میں ہے کہ حجرہ میں گئے اسی طرح بعد از نماز سجدہ سہو کیا یا نہیں؟ تو بعض میں اثبات اور بعض میں نفی ہے تو ان اضطرابات کے ہوتے ہوئے احتجاج صحیح نہیں۔

نوویؒ نے جواب دیا ہے کہ یہ متعدد واقعات پر محمول ہے مگر عام محدثین اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور وہ روایات جو نفی کلام پر دلالت کرتی ہیں وہ قطعی ہیں وہ قولی ہیں جبکہ یہ فعلی ہے ترجیح قولی کو ہوتی ہے وہ روایت محکم ہیں یہ محتمل ہے کہ آپ جتنی بھی توجیہات کریں پھر بھی نسخ کا احتمال موجود ہے تو محتمل کو قوی اور محکم پر ترجیح کیونکر ہو سکتی ہے؟

اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی آپ کا استدلال درست نہیں کہ اس نماز میں ایسے امور سرزد ہوئے ہیں جو نماز کے عین منافی ہیں مثلاً نماز میں حجرے میں داخل ہونا جبکہ حجرہ مشرق میں ہے مسجد کے تو تحویل قبلہ ہوئی سرعان الناس کا مسجد سے نکلنا اور مشی فی الصلوٰۃ اور ایک رکن سے زیادہ وقت کا فاصلہ حائل ہونا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوالیدین کے کلام کو قلیل کہنا بھی صحیح نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر باقی صحابہؓ نے بھی کلام کیا حالانکہ ان کے کلام کو نسیان وخطا پر حمل نہیں کیا جا سکتا آخیر میں سجدہ سہو نہ کرنا یہ دلائل ہیں

(21) کمافی روایۃ صحیح مسلم ص: ۲۱۴ ج: ۱ (22) کمافی روایۃ مسلم ص: ۲۱۳ ج: ۱

(23) کمافی روایۃ صحیح بخاری ص: ۱۶۴ ج: ۱ و صحیح مسلم ص: ۲۱۳ ج: ۱ (24) کذافی روایۃ البخاری ص: ۶۹ ج: ۱

(25) کذافی تحفۃ الاحوذی ص: ۴۲۰ ج: ۲ (26) صحیح بخاری ص: ۱۶۴ ج: ۱

(27) صحیح مسلم شریف ص: ۲۱۴ ج: ۱

اس بات پر کہ یہ حکم جزئی ہے اس سے حکم کلی مستنبط نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حنفیہ نے اصول کلی کو دیکھتے ہوئے اس کو منسوخ مانا یا واقعہ جزئیہ پر حمل کیا کما ہو اصلہم۔

باب کے علاوہ امام شافعی کی دلیل ۲ وہ حدیث ہے رفع عن امتی الخطا والنسیان (28) یہ روایت مطلق ہے تو نماز میں خطا و نسیاناً مفسد نہ ہوگا۔

جواب:۔ یہ ہے کہ اول تو یہ حکم گناہ کے اعتبار سے ہے کہ خطا و نسیان پر مؤاخذہ اخروی نہیں ہوگا دنیاوی احکام کے اعتبار سے نہیں جیسے قتل خطا پر دیت آپ کے ہاں بھی ہے۔

جواب ۲:۔ خطا و نسیان میں قلیل و کثیر میں فرق نہیں جبکہ آپ نماز میں کلام قلیل و کثیر میں فرق کرتے ہیں کہ قلیل مفسد نہیں اور کثیر مفسد ہے۔

دلیل ۳:۔ قیاس علی الصوم کہ نسیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا کھانے پینے سے تو نماز میں بھی نسیاناً بات۔ سے نہیں ٹوٹنی چاہئے۔

جواب ا:۔ یہ قیاس مع الفارق ہے کہ نماز حالت مذکرہ ہے روزہ حالت مذکرہ نہیں۔

جواب ۲:۔ یہ ہے کہ روزے میں قلیل و کثیر کھانے میں نسیاناً فرق نہیں جبکہ آپ کے نزدیک قلیل و کثیر میں فرق ہے کی قلیل مفسد نہیں اور کثیر مفسد ہے۔

جواب ۳:۔ روزے میں نسیاناً عدم نقض میں نص ہے انما ہو رزق رزقہ اللہ جبکہ نماز میں اس طرح کوئی نص نہیں۔

---

(28) لم اجده بهذا اللفظ لكن رواه ابن عدی فی الكامل ولفظه رفع الله عن هذه الامة ثلاثا الخطا والنسيان والامر يكرهون عليه ص:۳۹۰ ج:۲ ايضاً راجع للتفصيل الدراية فی تخريج احاديث الهداية ص:۱۳۴ ج:۱

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال

رجال:۔

سعید بن یزید البصری ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

سعید بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے انس سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین میں نماز پڑھتے تھے قال نعم۔ قال ابو عیسیٰ حدیث انس حدیث حسن صحیح و العمل علیٰ ھذا غنداھل العلم۔

ترمذی نے اس باب میں اختلاف نقل نہیں کیا کیونکہ اس میں نماز جائز ہے ابن بطال فرماتے ہیں کہ طہارت نعلین ضروری ہے۔ اگر کسی نے نعلین میں نماز پڑھی تو اہل ظواہر امام احمد اور بعض حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ دوسری روایت بعض فقہاء کی کراہیت کی ہے۔ جمہور فقہاء و محدثین اس کو مباح مانتے ہیں نہ مستحب نہ مکروہ کہتے ہیں۔ قائلین استحباب کی دلیل باب کی روایت ہے ابی داؤد (1) میں شداد بن اوس عن ابیہ کی روایت ہے۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خالفوا الیھود فانھم لایصلون فی نعالھم ولاخفافھم قال الشوکانی لامطعن فی اسنادہ۔(2)

اگرچہ بعض نے سند میں کلام کیا ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ نعلین میں نماز رخصت ہے کہ مقصد صلوٰۃ میں مفید نہیں اگرچہ اس میں زینت مصلی ہے مگر اس میں نجاست کا بھی احتمال ہے اور قاعدہ ہے کہ جلب مصالح ومنفعت مؤخر ہوتا ہے دفع مفاسد ومضرت سے لہٰذا جوتے اتارنے چاہئیے۔ عالمگیری میں ہے کہ اگر نیچے نجاست ہو اور کوئی جوتوں کو اتار کر اسکے اوپر کھڑا ہو جائے تو یہ حائل نجاست ہو جائے گا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال

(1) سنن ابی داؤد ص:۱۰۲ ج:۱ "باب الصلوٰۃ فی النعل" (2) کذا قالہ فی نیل الاوطار ص:۱۳۰ ج:۲ "باب الصلوٰۃ فی النعلین والخفین"

اس کے علاوہ اور بھی روایات دال ہیں اس پر کہ نعلین زینت مصلی ہے مگر یہ ضعیف ہیں۔

جمہور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ''فاخلع نعلیک'' الآیۃ (3) قائلین استحباب کہتے ہیں کہ خلع کا حکم اس لئے تھا کہ وہ جلد الحمار کے بنے تھے یا مطلب خلع کا یہ ہے کہ اہل دنیا اور اس کی محبت دل سے نکال دو۔ یا مقدس وادی کی برکت ننگے پاؤں سے حاصل کرو۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ نعلین اتارنے میں تادب وتواضع زیادہ ہوتا ہے تو خلع کا حکم فرمایا اور خصوصاً جب اسمیں نجاست کا احتمال اور مسجد کی تلویث کا خطرہ ہو تو بطریق اولیٰ اتارنا چاہیے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل نے آکر خبر دی کہ آپ کے نعلین میں نجاست ہے تو اتار دیئے (4) فتح مکہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعلین اتارنا ثابت ہے (5) اور اسکو آخر الامرین کہا جاسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ایک قیاس یہ ہے کہ امراء کے پاس جاکر جوتے تادبا اتارتے ہیں اور دوسرا قیاس یہ ہے کہ جوتوں میں زینت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالفوا الیہود کہہ کر دوسرے قیاس کو ترجیح دی۔ معلوم ہو کہ آج کل چونکہ یہود وغیرہ بوٹ پہن کر عبادت کرتے ہیں تو ان کی مخالفت اتارنے میں ہوگی تو قیاس اول کو ترجیح ہوگی۔

معارف میں کوثری کا قول نقل کیا گیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آج کل کے جوتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے جوتوں پر قیاس نہ کیا جائے کہ اس زمانے میں نعلین اتنے نرم ہوتے کہ ان کے ہوتے ہوئے بھی انگلیوں کا موڑنا آسان تھا بخلاف آج کل کے جوتوں کے کہ یہ سخت ہوتے ہیں۔ اگر جوتے ایسے ہوں کہ پاؤں کا اگلہ حصہ جوتے کے اگلے حصے تک نہ پہنچ سکے تو نماز نہ ہوگی اسی طرح وہاں لوگ صحراء جاتے خلاء کے لئے اور استنجاء بالاحجار کرتے اور آج کل لیٹرین میں نجاست وتلویث کا احتمال زیادہ ہوتا ہے پھر اس مسجد میں کنکریاں تھیں تو زیادہ دیر کھڑے رہنے میں گرمی یا سردی میں حرج تھا یہ علت آج نہیں۔ اسی طرح وہاں گلیوں میں نجاست نہیں ہوتی تھی گلیاں بھی کچی تھیں اگر نجاست لگ بھی جاتی تو ریت کے رگڑنے سے ختم ہو جاتی۔

---

(3) سورۃ طٰہٰ رقم آیت: ۱۲ (4) کما فی ابی داؤد ص: ۱۰۲ ج: ۱ ''باب الصلوٰۃ فی النعل''

(5) حوالہ بالا

باب ماجاء فی القنوت فی صلوٰۃالفجر.

باب فی ترک القنوت.

ترمذی نے یہاں دو باب باندھے ہیں اور بظاہر دونوں نماز فجر میں قنوت کے بارے میں ہیں البتہ روایت خصوصاً پہلے باب کی تو اس سے قنوت نازلہ کا علم ہوتا ہے۔

قنوت کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے ایک وتر میں دعائے قنوت دوسرا قنوت فی صلوٰۃ الفجر دائماً تیسرا قنوت نازلہ پر۔قنوت فی الوتر عندالحنفیہ پورے سال واجب ہے شافعیہ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف اخیر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی یہ اختلاف ابواب الوتر میں آئے گا۔فجر میں قنوت عند مالک مستحب ہے عند الشافعی یہ مسنون ہے۔جمہور کے نزدیک نہ مستحب ہے نہ مسنون ہے۔یعنی امام ابوحنیفہ صاحبین' احمد واسحٰق سفیان ثوری اور ابن مبارک کا مذہب یہی ہے۔امام شافعی و مالک کی دلیل باب اول کی حدیث ہے۔

عن البراء بن عازب ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقنت فی صلوۃ الصبح والمغرب

جواب:۔اس سے مراد قنوت نازلہ ہے قرینہ یہ ہے کہ اس میں مغرب کا بھی ذکر ہے۔

اعتراض:۔کان استمرار پر دلالت کرتا ہے حالانکہ قنوت نازلہ ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ عندالنازلہ ہوتا ہے۔

جواب:۔نووی نے تصریح کی ہے کہ کان ہمیشہ احادیث میں استمرار کے لئے نہیں ہوتا۔

دلیل۲:۔دارقطنی (1) میں حضرت انس کی روایت ہے۔

مازال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقنت فی صلوٰۃ الصبح حتیٰ فارق الدنیا

جواب:۔یہ حدیث انس کی دوسری حدیث (2) سے جس کو خطیب نے نقل کیا ہے معارض ہے۔

باب ماجاء فی القنوت فی صلوٰۃ الفجر. باب فی ترک القنوت

(1) ص:۲۸ ج:۲ ''باب صفۃ القنوت وبیان موضعہ'' رقم حدیث ۱۶۷۶ (2) کمافی نصب الرایۃ ص:۱۲۵ ج:۲

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایقنت الااذادعالقوم اودعاعلیھم

جواب۲:۔کمامرابن العربی فرماتے ہیں کہ اطلاق قنوت دس معانی پر ہوتا ہے جن میں سے ایک طول قیام بھی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ صبح کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اخیر عمر تک طول قیام کرتے رہے۔

دلیل۳:۔ابوہریرہ کی روایت بخاری (3) میں ہے۔

قال لانااقربکم صلوٰۃً برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان ابوھریرۃ یقنت فی الرکعۃ الاخیرۃ من صلوٰۃ الصبح

جواب:۔یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جمہور کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے رواہ البزار (4) وابن ابی شیبہ (5) والطبرانی (6) والطحاوی (7) لم یقنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصبح الاشھراً ثم ترکہ صاحب ہدایہ (8) نے اس حدیث سے استدلال کر کے موقف اختیار کیا ہے کہ قنوت کی روایات منسوخ ہیں کیونکہ اس میں تصریح ہے۔ولم یقنت قبلہ ولا بعدہ اور رعل وذکوان کے خلاف قنوت نازلہ پر عمل کیا۔

بعض نے اس آیت ''لیس لک من الامر شیٔ'' سے استدلال کیا ہے کہ اس سے قنوت نازلہ فی الفجر بھی منسوخ ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بددعا فرماتے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ بددعا نہ فرمائیں کیونکہ اکثر عنقریب مشرف بہ اسلام ہونے والے ہیں۔

اعتراض:۔ابن مسعود کی اس روایت میں ابوحمزۃ القصاب ہے جو متکلم فیہ راوی ہے۔

جواب:۔یہ روایت ابوحنیفہؒ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود سے بھی آئی ہے۔(9)

---

(3) صحیح بخاری ص:۱۱۰ ج:۱ ولفظہ لاقربن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ''

(4) مسند بزار ص:۲۷۰ ج:۱ رقم حدیث ۳۹۳ (5) ص:۳۱۰ ج:۲ ''من کان لایقنت فی الفجر''

(6) معجم کبیر للطبرانی ص:۶۹ ج:۱۰ رقم حدیث ۹۹۷۳

(7) شرح معانی الآثار ص:۱۷۵ ج:۱ ''باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرہا''

(8) ہدایہ ص:۱۲۵ ج:۱ ''باب صلوٰۃ الوتر'' مکتبہ عربیہ (9) کذا فی نصب الرایۃ للزیلعی ص:۱۲۵ ج:۲ مکتبہ بیروت

دلیل۲:۔ خطیب نے کتاب القنوت میں روایت ذکر کی ہے۔

عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایقنت الااذادعالقوم او دعاعلیھم

معلوم ہوا کہ قنوت سے مراد نازلہ ہے۔

دلیل۳:۔ آئندہ باب کی روایت ہے ابو مالک اشجعی نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو کیا وہ قنوت پڑھتے تھے قال ای بنی محدث قال ابوعیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح معلوم ہوا کہ پورا سال قنوت مشروع نہیں البتہ حنفی اگر شافعی کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو خاموش کھڑا رہنا چاہئے کہ قعود میں مخالفت امام ہوگی بعض لوگ ان کی مسجد میں وقت قنوت بیٹھ جاتے ہیں جو صحیح نہیں۔

تیسرا مسئلہ قنوت نازلہ کا ہے امام شافعی کے نزدیک قنوت نازلہ ہر نماز میں ہے۔ حنفیہ کی ایک روایت میں صبح کی نماز میں رکوع کے بعد دوسری روایت یہ ہے کہ صلوٰۃ جہریہ میں قنوت نازلہ ہوگا۔ گنگوہی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نازلہ شدیدہ ہو تو تمام نمازوں میں قنوت نازلہ ہوگا ورنہ تین جہری میں فقط اس سے تمام روایات میں تطبیق ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ

رجال:۔

رفاعہ بن یحیٰ مسجد بن رزیق کے امام تھے صدوق ہیں۔عن عم ابیہ الرزقی یہ بھی صدوق ہیں۔عن ابیہ ای رفاعہ بن رافع الانصاری بدری صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔☆

تشریح:۔

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (مغرب کی) نماز پڑھی۔ مجھے چھینک آئی تو میں نے الحمدللہ الخ کہامبارکاً علیہ عندالبعض مبارکاً فیہ کے لئے تاکید ہےاور عندالبعض اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد میں برکت ہوکمافی مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کامعنی اس پر بقاء ہو یا مبارکاً فیہ حمد کے لئے اور مبارکاً علیہ حامد کے لئے۔بعدازفراغت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے من المتکلم فرمایامن الحامدنہیں فرمایامعلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوکلام قرار دیا۔تین مرتبہ کے بعد رفاعہ نے کہا کہ میں نے کہابعض روایت میں ہے کہ تیسری دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس نے کہا کیونکہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی تو رفاعہ نے کہا کہ میں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیسے کہا؟ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات سنی مگر دوبارہ پوچھا کہ سامع یہ نہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات نہیں سنی یا یہ نہ سمجھے کہ پہلے کلام کاحکم کوئی اور ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاقسم ہے کہ ۳۰ سے زائدفرشتے سبقت کررہے تھے کہ کون اٹھائے گا۔

"الیہ یصعد الکلم الطیب "ایھم مبتدایصعد بہاخبر ہے یاایھم حال ای قائلین ایھم یصعد بہاتو ایھم منصوب ہوگا۔ترمذی کے بقول یہ نفل کے ساتھ متعلق ہے ہاں فرض میں دل میں الحمدللہ کہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ چھینک پر الحمدللہ کہنا مستحب نہیں اگر کسی نے کہہ دیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی اس پر بھی اتفاق ہے۔حاشیہ میں شیخ ابن ہمام کاقول نقل کیا گیا ہے کہ اگر آدمی اپنے نفس کومخاطب کرتے ہوئے یرحمک اللہ کہے تو نماز نہیں ٹوٹے گی کقولہ یرحمنی اللہ اس کوظاہر الروایۃ قرار دیا ہے۔وروی عن ابی حنیفۃ ان ذالک اذعطس

فمہ فی نفسہ من غیران یحرک شفتیہ فان حرکہ فسدت صلوٰتہ مگر مفتی بہ قول ظاہر الروایۃ کا ہے۔ البتہ سامع نے یرحمک اللہ کہا تو اتفاقاً نماز ٹوٹ جائے گی کہ کلام الناس ہے۔ مسلم (1) میں معاویہ بن حکم کی روایت ہے کہ انہوں نے عاطس کا جواب دیا تو لوگ گھورنے لگے تو کہا:

واثکل امیاہ ماشانکم تنظرون الی فجعلوا یضربون بایدھم علیٰ افخاذھم وفیہ ان ھذہ الصلوٰۃ لایصلح فیھا شیٔ من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقراء ۃ القران

اعتراض:۔ جب رفاعہ نے یہ کلمات کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین بھی فرمائی تو علماء نے عدم استحباب کا قول کیوں کیا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کیوجہ سے کم از کم مستحب تو ضرور ہونا چاہیے۔

جواب:۔ یہ واقعہ جزئیہ ہے فقیہ کی نظر اصول پر ہوتی ہے نہ کہ جزئی واقعہ پر لہٰذا جزئیہ سے حکم مستنبط نہیں ہوسکتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس میں ایسی علت خفیہ موجود ہو جو ناپسندیدگی کا سبب ہو جو مجتہدین کو معلوم ہو ہمیں معلوم نہ ہو۔ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ علت خفیہ یہ ہوسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ پوچھا صحابہؓ نے جواب تیسری دفعہ دیا۔ تو جواب نہ دینا دلیل ہے اس بات پر کہ صحابہ ڈر گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ پوچھنے والے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال وانداز سے ناپسندیدگی معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ متکلم کبھی اس انداز سے بات پوچھتا ہے کہ مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ یہ بات متکلم کو گوارا نہیں۔

اعتراض:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کلمات کی تحسین فرمائی تو اگرچہ اول سے ناپسندیدگی معلوم ہوئی ہو مگر اخیر سے تحسین معلوم ہوئی اور اعتبار تو آخر الامرین کا ہوتا ہے۔

جواب:۔ تحسین کلمات کی فرمائی عمل کی نہیں کہ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اچھا کلمہ اٹھا کر لے جاتے

باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلوٰۃ

(1) صحیح مسلم ص:۲۰۳ ج:۱ ''باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ ونسخ ما کان من اباحیتہ'' ایضاً رواہ ابوداؤد ص:۱۴۱ ج:۱ ''باب تشمیت العاطس فی الصلوٰۃ''

ہیں۔ بہر حال معتمد علیہ قول یہی ہے کہ الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ اولیٰ کیا ہے؟ تو بقول ترمذی فرض میں خاموش رہ کر دل میں کہنا چاہئے وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ اشار الیہ العلی القاری کہ اسی میں احتیاط ہے۔

اعتراض:۔ صاحب تحفہ (2) نے کیا ہے کہ تحمید تو حدیث سے ثابت ہے (3) پھر خاموشی کا کیا مطلب؟

جواب:۔ ممکن ہے کہ یہ ان دنوں کی بات ہو جب کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا یا ابھی ابھی منسوخ ہوا ہو تو جیسا کہ معاویہ بن الحکم نے نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کے بعد جواب دیا تھا کما عند مسلم (4) وقد مر آنفاً ایضاً۔

باب ماجاء فی نسخ الکلام فی الصلوٰۃ

رجال:۔

حارث بن شبیل بالتصغیر ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

کلام فی الصلوٰۃ کی تفصیل گذری ہے ترمذی کا عموماً صنیع یہ ہے کہ تعارض احادیث کے وقت ناسخ اور منسوخ ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں منسوخ کو پہلے اور ناسخ کو بعد میں لاتے ہیں مگر یہاں کلام فی الصلوۃ کے بارے میں ذوالیدین کی حدیث ذکر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ جائز ہے پھر تین چار ابواب کے بعد کلام فی الصلوۃ کے نسخ کا باب باندھا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان تمام ابواب کا حکم شروع میں تھا اب منسوخ ہے کلام فی الصلوٰۃ کی طرح صلوٰۃ فی النعال منسوخ ہے کہ مکہ میں خلع النعال ثابت تھا جو آخر الامرین ہے صلوٰۃ الفجر میں تمام سال قنوت بھی منسوخ ہے۔ تشمیت العاطس فی الصلوٰۃ بھی منسوخ ہے پھر نسخ کلام میں زید بن ارقم کی حدیث لائے یہ اشارہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں منسوخ ہوا ہے یہ اشارہ ایک تو اس سے ملتا ہے کہ زید بن ارقم

---

(2) تحفۃ الاحوذی ص:۲۴۹ ج:۲ (3) کما فی روایۃ مصنفہ عبد الرزاق ص:۳۳۱ ج:۲ رقم حدیث ۳۵۷۵ ولفظہ اذا عطست وانت تصلی فاحمد فی نفسک (4) صحیح مسلم ص:۲۰۳ ج:۱

مدنی ہیں اور مکہ مکرمہ جانا ان کا ثابت نہیں یعنی قبل الہجرۃ اور احد کے غزوہ میں ان کو چھوٹا سمجھ کر شمولیت کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ''وقوموا للہ قانتین'' مدنی آیت ہے لہٰذا نسخ کلام مدینہ میں ہوا ہے نہ کہ مکہ میں کما قال الشافعی۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عندالتوبة

رجال:۔

عثمان بن المغیرۃ ثقہ ہیں۔ علی بن ربیعۃ ثقہ ہیں۔ اسماء بن الحکم کی عجلی نے توثیق کی ہے حافظ نے صدوق کہا ہے۔ ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔☆

تشریح:۔

حضرت علی سے روایت ہے کہ جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ کو جتنا نفع منظور ہوتا تو اس حدیث سے مجھے اتنا نفع بخش دیتے مقصد یہ ہے کہ میں اس پر عمل کرتا اور جب کوئی صحابی روایت مجھے بیان کرتا تو میں اسے قسم دیتا (اور وجہ یہ نہیں تھی کہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا بلکہ مزید اطمینان کے لئے تھا کیونکہ خبر واحد میں قوت آسکتی ہے لہٰذا بعد از قسم مجھے مکمل اطمینان ہوتا) اور ابوبکر نے حدیث بیان کی تو صدق ابوبکر یعنی وہ صدیق ہے بغیر حلف کے مجھے اطمینان حاصل ہوا۔ دوسرا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ ابوبکر صدیق روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے جبکہ اکثر صحابہ روایت بالمعنی کرتے تھے تو علی کا اکثر صحابہ کو قسم دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جو کچھ سنا ہے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہی تھا؟ ابوبکر صدیق چونکہ روایت باللفظ کرتے تھے تو مقصد کی تبدیلی کا احتمال نہیں تھا تو قسم کی ضرورت نہیں کوئی بندہ ایسا نہیں جو گناہ کرے پھر کھڑے ہوکر طہارت حاصل کرے پھر نماز پڑھ کر اللہ سے مغفرت حاصل کرے مگر یہ کہ اللہ اس کی بخشش کردیتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی ''والذین اذا فعلوا فاحشۃ'' الآیۃ استشہاد کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ شخص اس آیت کا مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عندالتوبہ نماز پڑھنا مشروع ہے امام ترمذی نے مستقل باب اس کے لئے باندھا تو بقول گنگوہی اس سے وہم

بدعت کو نفی کرنا مراد ہے کہ کوئی اس کو بدعت نہ سمجھے۔ کوکب الدری کے محشی نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس باب سے اس نماز کا استحباب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

استغفار ماضی کے گناہوں پر ہوتا ہے جبکہ توبہ ماضیہ حالیہ اور استقبالیہ تمام گناہوں سے دستبردار ہونے اور نہ کرنے کے عزم کا نام ہے اسی لئے استغفار دوسرے کے لئے صحیح ہے نہ کہ توبہ۔ پھر توبہ میں ایک شرط یہ ہے کہ جو گناہ آدمی سے سرزد ہوا اس پر پوری طرح ندامت کا اظہار ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان گناہوں کی معافی کا طلبگار ہو۔ تیسری شرط اس گناہ سے فوراً دستبردار ہو اور آئندہ کے لئے یہ عزم ہو کہ میں یہ گناہ پھر نہیں کرونگا۔ اور اگر وہ کسی کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ اس حق کا تدارک کیا جائے چاہے وہ حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد مثلاً نماز نہیں پڑھی تو قضاء پڑھ لے یا مال ضائع کیا ہے تو مال دے اگر تکلیف پہنچائی ہے تو بدلے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے یا اس سے معافی طلب کرے۔

پھر اگر گناہ سری ہے تو سری توبہ کافی ہے اگر گناہ جہری ہے تو جہری توبہ ضروری ہے مثلاً برسرِ منبر غلط فتوی دیا تو اس طرح توبہ کا اعلان کرنا چاہیے صلوٰۃ توبہ میں کوئی سورت متعین نہیں۔

باب ماجاء متیٰ یؤمر الصبی بالصلوٰۃ

رجال:۔

حرملہ کی ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ عمہ عبدالملک ان کی عجلی نے توثیق کی ہے مگر ابن معین نے تضعیف کی ہے ابن قطان کہتے ہیں کہ اگرچہ مسلم نے ان سے روایت لی ہے مگر یہ محتج بہ نہیں ہیں یعنی حرملہ اپنے چچا عبدالملک بن الربیع سے روایت کرتے ہیں۔

عن ابیہ یہ ضمیر ''عم'' عبدالملک کی طرف عائد ہے جن کا اب ربیع بن سبرہ ہے یعنی عبدالملک ربیع سے روایت کرتے ہیں ''ربیع'' ثقہ ہیں۔

عن جدہ ای جد عبدالملک جو کہ سبرہ ہیں یہ لفظ بفتح السین وسکون الباء ہے یہ صحابی ہیں ان کے غزوات

میں سب سے پہلے خندق ہے ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے وبینہ الترمذی۔☆

تشریح:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے کو نماز کی تعلیم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو مارو سات سال زیادہ سے زیادہ مقدار ہے کہ چھ سال کا بچہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے اگر بچے کا مال ہے تو اس کی تعلیم میں اسی کے مال میں سے معلم کو دیا جائے گا ورنہ اس کا ولی ذمہ دار ہوگا کہ وہ اس کی تعلیم پر خرچ کرے مراد تعلیم صلوٰۃ سے تعلیم ارکان وشرائط وغیرہ ہے۔

پھر سات و دس سال سے ظاہر یہ ہے کہ سات سال جب پورے ہو جائیں آٹھویں میں داخل ہو دس سال پورے ہو کر گیارہویں میں داخل ہو اس پر یہ حکم نافذ ہوگا پھر ضرب بالخشبہ نہیں بلکہ ہاتھ سے مارنا مراد ہے اور یہ ضرب تادیباً واعتیاداً للصلوٰۃ ہے مقصد تکلیف دینا نہیں اس سے ثابت ہوا کہ تادیباً مارنا جائز ہے جس طرح ترک معروف پر مارا جاسکتا ہے تو فعل منکر پر بھی مارا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے تین تھپڑ لکھے ہیں وہ بھی ایسے کہ چہرے سے اجتناب کرے اساتذہ کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ تین ضربات سے زیادہ مارنا صحیح نہیں۔ روزے کا بھی یہی حکم ہے کہ گیارہ سال میں اس کو عادت بنا دینی چاہیے۔ اسی طرح مضاجع بھی اس عمر میں الگ کر دیئے جائیں۔

امام احمد واسحٰق اس حدیث کے ظاہر کے مطابق دس سال کے بچے پر نماز کے وجوب کا قول کرتے ہیں اگر نہیں پڑھی تو اعادہ کرے گا۔

جمہور کے نزدیک یہ حکم محض اعتیاد کے لئے ہے کہ سات سال میں سمجھانے سے دس سال تک اس کو عادت پڑ چکی ہوگی اگر پھر بھی وہ سستی کرے تو مارا جائے تاکہ بلوغ تک عادت پڑ جائے۔(1)

نماز بعد از بلوغ فرض ہوگی کمافی الحدیث رفع القلم عن ثلاثۃ صبی حتیٰ اذاحتلم (2) اگر انزال یا احبال نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سترہ سال اور صاحبین وامام شافعی وغیرہ کے نزیک پندرہ سال حد

باب ماجاء متیٰ یؤمر الصبی بالصلوٰۃ

(1) اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے دیکھئے ص:۷۷ و ۷۸ ج:۱ ''باب متیٰ یؤمر الغلام بالصلوٰۃ''

(2) رواہ الحاکم فی المستدرک ص:۵۹ ج:۲ ''الرہن محلوب ومرکوب''

بلوغ ہے یہی مفتی بہ ہے۔(3)

دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گیارہ سال میں بلوغ کا امکان ہے تو اس کو پابند کیا جائے۔

باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد

رجال:۔

احمد بن محمد الملقب بمردویہ ثقہ وحافظ ہیں۔عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی ضعیف ہیں کما قالہ الترمذی۔

عبدالرحمٰن بن رافع یہ بھی قاضی افریقہ ہیں اور ضعیف ہیں عندالاکثر تاہم ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کی حدیثیں ابن انعم یعنی پہلے والے عبدالرحمٰن افریقی کی وجہ سے مناکیر بن گئی ہیں۔بکر بن سوادہ ثقہ ہیں۔

عبداللہ بن عمرو مکثرین صحابہ میں سے ہیں ان کا تذکرہ مقدمہ میں اجمالاً گذرا ہے۔☆

تشریح:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز صحیح ہوئی۔المعنی

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر سہواً وضو ٹوٹے اور بقدر تشہد جلوس کر چکا ہو تو بھی اس پر واجب ہے کہ وضو کر کے سابقہ نماز پر بناء کرے یا اعادہ کرے کما مر فی اول الکتاب لیکن اگر وہ جان بوجھ کر بے وضو ہوتا ہے تو اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی اور یہ جو مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنع المصلی فرض ہے لہٰذا اگر قصداً قبل از سلام بے وضو ہو جائے تو نماز ہو گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض ساقط ہوگا کوئی فرض رکن باقی نہیں نماز واجب الاعادہ رہے گی جو عملی فرض ہے۔دوسری صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی۔

یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ سلام فی الصلوٰۃ فرض یا واجب؟ کما مر سابقاً بالتفصیل

---

(3) کذا فی معارف السنن ص:۳۱ ج:۴

حنفیہ کے نزدیک چونکہ واجب ہے تو ترک الواجب سے نماز واجب الاعادہ تو رہے گی مگر فرض ذمہ سے ساقط ہوگا عدمِ اعادہ پر مرتکب کبیرہ ہوگا۔ باب کی حدیث امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ جو آدمی بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو پھر توڑ دے تو جاز صلوتہ اس طرح اگر صبح کے وقت مصلی پر سجدہ سہو واجب ہو قبل از سجدہ سورج طلوع ہوا تو نماز کامل ہوئی اور اعادہ کی ضرورت بھی نہیں۔ معارف بحوالہ فتح، بحر اور در مختار (1)

باب کی حدیث پر ترمذی نے کہا ہے کہ اس میں افریقی ہے جو بقول امام احمد بن حنبل و یحی بن معین کے ضعیف ہے لہٰذا حنفیہ کا استدلال درست نہیں۔

جواب :۔ اولاً یہ ہے کہ افریقی کا ضعف اختلافی ہے ان کا تقوی دیانت قابل اعتماد ہے حافظہ میں ضعف تھا۔

جواب ۲:۔ اس کے متابع موجود ہیں طحاوی (2) دارقطنی (3) مصنف ابن ابی شیبہ (4) بیہقی (5) بلکہ خود امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ کے اثر کی تخریج کی ہے اذا رفع راسہ من آخر سجدۃ فقد تمت صلوتہ۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ جب بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو۔ بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ظن صحیح ہے کہ بیہقی و دارقطنی میں قدر تشہد کی تصریح ہے۔

تائید ۲:۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث ابوداؤد (6) میں ہے ترمذی نے بھی تعلیقاً نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت تعلیم تشہد فرمایا اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتك۔

تائید ۳:۔ روایت ابن عباس حلیہ (7) میں ہے زیلعی (8) نے حسن بصری ابن مسیب عطا اور ابراہیم نخعی سے اس معنی کے آثار نقل کئے ہیں اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد

(1) معارف السنن ص:۳۳ ج:۴ (2) شرح معانی الآثار ص:۱۹۳ ج:۱ ''باب السلام فی الصلوٰۃ ھل ھو من فروضھا او سننھا''
(3) دارقطنی ص:۳۶۸ ج:۱ رقم حدیث ۱۴۰۷ عن عبداللہ بن عمروؓ (4) مصنف ابن ابی شیبہ ص:۱۹۵ ج:۲ ''فی الذی یـقـی او یرعف فی الصلوٰۃ'' (5) بیہقی کبریٰ ص:۱۷۳ ج:۲ ''باب تحلیل الصلوٰۃ بالتسلیم'' (6) ص:۱۴۶ ج:۱ ''باب التشہد''
(7) بحوالہ معارف السنن ص:۳۵ ج:۴ (8) نصب الرایۃ للزیلعی ص:۶۰ ج:۲ ''باب الحدث فی الصلوٰۃ''

ایک یہ کہ حنفیہ کا استدلال فقط روایت افریقی سے نہیں بلکہ دیگر روایات بھی ہیں۔ دوسرا یہ کہ امام ابوحنیفہؒ اس میں تنہا بھی نہیں۔

باب ماجاء اذا کان المطر فالصلوٰۃ فی الرحال

رجال:۔

زہیر بن معاویہ ثقہ ہیں ابواسحٰق کی احادیث کے بارے میں ان کی حیثیت پر کلام پہلے (باب فی الاستنجاء بالحجرین میں) تفصیلاً گذرا ہے۔ فلیتذکر اولیراجع ☆

تشریح:۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے بارش ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے خیمے میں نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے رحل کا اطلاق کجاوے پر ہوتا ہے مگر مراد یہاں مسکن ہے چونکہ سفر کا واقعہ ہے تو مراد رحل سے خیمے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بارش بھی ان اعذار میں سے ہے جن کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے پھر کرمانی فرماتے ہیں کہ علت مشقت ہے لہٰذا ٹھنڈک ہو یا تیز ہوا چل رہی ہو پھر بھی آدمی معذور سمجھا جائے گا۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ بارش کی کیا حد ہے؟ ایک روایت (1) میں ہے اذا کان مطروابل فصلوا الخ مگر اس کی سند ضعیف ہے اس لئے رائے مبتلی بہ کا اعتبار ہے مثلاً سڑک صحیح ہے تو زیادہ بارش بھی مانع نہیں اگر مٹی وغیرہ ہے تو معمولی بارش بھی مانع ہے۔ البتہ متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے اذاابتلت

باب ماجاء اذاکان المطر فالصلوٰۃ فی الرحال

(1) رواہ الحاکم فی المستدرک ص:۱۹۳ ج:۱ "الصلوٰۃ فی الرحال یوم الجمعۃ"

النعال فالصلو ۃ فی الرحال (2) لیکن چونکہ مدینہ منورہ کی مسجد کی چھت پختہ نہ تھی اور فرش بھی پختہ نہیں تھا تو تھوڑی سی بارش بھی مانع ہوتی تھی لہٰذا آج کل کی مساجد کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں اس وجہ سے امام محمد نے لکھا ہے کہ یہ رخصت ہے افضل یہی ہے کہ جماعت میں شامل ہو جائے کہ ان کے زمانے تک چھتوں کا انتظام ہو گیا تھا فقط راستے کا مسئلہ تھا آج تو یہ بھی نہیں لہٰذا آج کل نسبۃً جماعت زیادہ مؤکد ہے لہٰذا بارش کے باوجود آنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا۔

باب ماجاء فی التسبیح فی ادبار الصلوٰۃ

ابن عباس سے روایت ہے کہ فقراء صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے فرمانے لگے یارسول اللہ مالدار لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں مگر چونکہ ان کے پاس اموال بھی ہیں تو صدقات اداء کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں تو وہ ہم سے سبقت لے جاتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۱۰ مرتبہ لا الہ الا اللہ ہر نماز کے بعد کہو تو تم سبقت پالو گے اور بعد والے لوگ تم پر سبقت حاصل نہیں کرسکیں گے۔

اعتراض:۔ یہ امور سہل ہیں اور جہاد وغیرہ مشقت کے امور ہیں تو آسان عمل مشقت طلب افعال پر کس طرح فائق ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ یہ ہے کہ کبھی زیادہ اخلاص کی وجہ سے آسان عمل پر مشقت والے عمل سے زیادہ ثواب ملتا ہے نیز فقیر چونکہ کافی نعم سے محروم ہوتا ہے تو اس کا الحمدللہ کہنا شکر بھی ہے صبر بھی اور غنی کا الحمدللہ کہنا شکر ہے صبر نہیں لہٰذا فقیر کو زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر تسبیحات کے بارے میں متعدد روایات ہیں بقول حافظ عراقی یہ تمام

---

(2) اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔ تلخیص الحبیر ص:۸۰ ج:۲ تحت رفع ۵۶۵ البتہ مضمون حدیث کے لئے رجوع فرمائیے ابن ماجہ ص:۶۷ ''باب الجماعۃ فی اللیلۃ المطیر ۃ'' اس کے علاوہ اس مضمون کی حدیث بخاری کی تاریخ کبیر اور دار قطنی اور مسند احمد اور ابوداؤد صحیح ابن خزیمہ معجم طبرانی اور صحیح ابن حبان مستدرک حاکم مصنفہ عبدالرزاق وغیرہ میں بھی ہے۔ بحوالہ حاشیہ تلخیص الحبیر ص:۷۸ ج:۲ مکتبہ بیروت

طریقے جائز ہیں بہتر وہ ہے جس میں اذکار زیادہ ہوں۔

پھر اگر اس محدود درجے سے تجاوز کیا تو عند البعض چونکہ اس میں حکمت ہوگی تو اضافہ نہیں کرنا چاہئیے لہٰذا اضافے کی صورت میں اگر چہ نفس تحمید کا ثواب تو ملے گا مگر وہ ثواب نہیں ملے گا جو اس کے ساتھ مخصوص تھا۔ عند البعض جب اس مقدار سے ثواب حاصل کیا تو زیادتی سے اثر نہیں پڑنا چاہئیے۔

پھر ابن تیمیہ وابن قیم نے اس پر زور لگایا ہے کہ دبر الشی جزء من الشی ہوتا ہے جیسے دبر الدابہ جزء دابہ ہے لہٰذا جو ادعیہ ماثورہ ہیں یا تسبیحات ہیں ان کو سلام سے پہلے پورا کرنا چاہیے۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جو ادعیہ ماثورہ ہیں تو سلام سے پہلے مانگے اگر بعد میں مانگنا چاہے تو وہ درود تسبیحات پڑھ لے پھر دعا کرے تو وہ دعا دبر تسبیحات ہوگی نہ کہ دبر صلوٰۃ۔

فقہائے حنفیہ میں سے بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن ہیں تو تسبیحات بعد از سنن ہونی چاہئیے بعض فرق کرتے ہیں کہ امام کے لئے بقدر اللھم انت السلام الخ بیٹھنا چاہئے زیادہ مکروہ ہے البتہ مقتدی کو اختیار ہے چاہے فوراً کھڑا نہ ہو اور یہ تسبیحات پڑھ کر پھر سنن پڑھے یا چاہے تو امام کی طرح جلدی کھڑا ہو۔ مگر عام فقہاء امام ومقتدی میں فرق مذکور کے قائل نہیں ہیں۔ اور جن نمازوں کے بعد سنن نہیں مثل فجر وعصر تو اس میں دونوں برابر ہیں البتہ امام کے لئے زیادہ دیر تک رو بہ قبلہ بیٹھنا مکروہ ہے۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علیٰ الدابۃ فی الطین و المطر

رجال:۔

عمر بن الرماح متکلم فیہ ہیں۔عمرو بن عثمان مستور ہیں۔عن ابیہ یعنی عثمان بن یعلیٰ یہ بھی مجہول ہیں۔

عن جدہ مراد یعلیٰ بن مرۃؓ ہیں جو صحابی ہیں حدیبیہ وبعد ہا کے غزوات میں حاضر رہے۔☆

تشریح:۔

حضرت عمرو بن عثمان اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ہم ایک تنگ جگہ میں پہنچے (وادی) پھر اوپر سے بارش ہوئی نیچے کیچڑ بن گئی آپ نے اذان دی سواری پر اور اقامت کی سواری پر نماز پڑھائی رکوع وسجود دونوں اشارے سے کئے البتہ سجدہ رکوع سے اخفض تھا۔

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سواری پر نماز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ الگ الگ سواریوں پر جماعت ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

پہلا مسئلہ تفصیلاً گذر چکا ہے۔دوسرے مسئلے میں بین الفقہاء اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ وابو یوسف کے نزدیک الگ الگ سواریوں پر جماعت جائز نہیں بلکہ اگر نماز کی فوتگی کا اندیشہ ہو اور نیچے اترنے کی گنجائش نہ ہو کہ دشمن کا خطرہ ہو یا زمین نجس ہے یا کیچڑ ہے تو انفرادی نماز ہوگی نہ کہ جماعت سے۔

البتہ اگر دو آدمی ایک سواری پر ہیں تو جماعت ہوسکتی ہے تاہم کیچڑ کی صورت میں اگر آدمی کے پاس دابہ نہ ہو تو کھڑے کھڑے نماز پڑھ لے کہ کم از کم قیام تو حاصل کریگا البتہ کیچڑ کی اتنی مقدار اس عذر کے لئے ضروری ہے کہ جس میں عند السجدہ چہرہ رکھنے سے گھس جاتا ہو۔

ائمہ ثلاثہ وامام محمد کے نزدیک جماعت جائز ہے کہ امام کی سواری آگے ہو اور مقتدی پیچھے ہوں۔

شیخین کا استدلال آیت قرآن (1) سے ہے "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ"۔"فان خفتم فرجالاً" ۔یعنی جماعت کے لئے صفوف باندھنا ضروری ہے اگر صفوں کا انتظام نہ ہو سکے تو فرجالاً یعنی فرادی نماز پڑھے۔اور سواریوں پر اتصال صفوف نہیں رہتا لہٰذا جماعت جائز نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ وامام محمد کا استدلال باب کی روایت سے ہے لیکن جواب یہ ہے کہ اس میں دوراوی ہیں ایک عمر بن رماح یہ متکلم فیہ ہے ایک عمرو بن عثمان بن یعلیٰ یہ مجہول ہے لہٰذا روایت قابل استدلال نہیں۔

جواب ۲:۔اگر صحیح مان لیں تو یہ جماعت پر دلالت نہیں کرتی البتہ نماز انفراداً ہوئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہوئے کہ ایسا کرنا افضل ہے۔مثلاً فتح القدیر میں ہے کہ اگر ایک آدمی تلاوت آیت سجدہ کرے اور باقی سن لیں تو قاری آگے کھڑا ہو جائے اگر چہ جماعت نہیں ہوگی حتیٰ کہ حدث قاری سے سامعین کے سجدے پر اثر نہیں پڑھے گا۔شاہ صاحب نے مثالیں ذکر کیں ہیں کہ انفرادی نماز کے باوجود کبھی راوی صلی بنا سے تعبیر کرتا ہے گویا نفس شمولیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت سے تعبیر کرتا ہے۔مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (2) میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اپنے اپنے خیمے میں نماز ادا کی مگر راوی یصلی بنا کہتا ہے۔مسلم (3) میں ہے کہ تبوک سے واپسی پر صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاے حاجت کے لئے گئے مغیرہ بن شعبہ ساتھ تھے دیر کرنے پر عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسبوق تھے راوی یصلی بنا النبی سے تعبیر کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ باب کی روایت میں بھی راوی نے تعبیر کی ہے جماعت سے حقیقت میں جماعت نہیں ہوئی۔

جواب ۳:۔مدنی نے دیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مقتدی کی نماز امام کے تابع نہیں تھی جیسا کہ مسبوق پہلے اپنی نماز مکمل کرتا پھر امام کے ساتھ شرکت کرتا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی اس لئے بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم ایک دفعہ اذان دی ہے مگر صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی اور

باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الدابۃ فی الطین والمطر

(1) سورہ نساء آیت:۱۰۲ (2) بحوالہ معارف السنن ص:۴۶ ج:۴

(3) صحیح مسلم ص:۱۳۴ ج:۱ "باب المسح علی الخفین"

ترمذی کی روایت میں اختصار ہے۔ دارقطنی (4) میں ہے فامر المؤذن فاذن بعض میں فامر بلالاً فاذن لہٰذا اسمیں یعنی ترمذی میں اختصار ہے یا یہ نسبت مجازی ہے جیسے بنی الامیر المدینۃ۔

باب ماجاء فی الاجتهاد فی الصلوة

اس باب سے مقصد بعض اہل حدیث کی تردید ہے جو اجتہاد فی العبادات کو بدعت قرار دیتے ہیں مگر معلوم ہوا کہ اجتہاد فی الصلوٰۃ صحیح ہے ہاں تعمق فی الدین صحیح نہیں ہے۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آپ نماز پڑھتے یہاں تک کہ پاؤں متورم ہو جاتے تو کہا گیا کہ آپ اتنی محنت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے سارے ذنوب معاف کردئے گئے ہیں تو فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً ہمزہ استفہام صدارت کلام کو مقتضی ہے اور فاء توسط کو مقتضی ہے قول زمخشری کے مطابق عبارت میں یوں تقدیر ہے االترک الصلوٰۃ فلا اکون عبداً شکوراً یعنی شرافت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب اللہ نے احسان کیا تو میں شکر گذار بندہ بنوں فان الانسان عبد الاحسان سب سے زیادہ محسن اللہ ہے تو زیادہ عبودیت اسی کی ہونی چاہئیے گویا عبادت بطور شکر بھی ہوتی ہے۔ یہاں دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اعتراض ا:۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ کے سارے ذنوب معاف کئے گئے ہیں تو مغفرت ذنوب مقتضی ہے وجود ذنوب کو۔ شرح عقائد میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کذب سے بالاجماع معصوم ہیں البتہ بعضوں نے قاضی باقلانی کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک انبیاء سے کذب سہواً صادر ہوسکتا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ باقلانی کا مطلب یہ ہے کہ جو کذب عمداً ہے اس کا صدور انبیاء سے محال ہے دلیل سمعی دلیل عقلی اجماع اور معجزے کی وجہ سے کیونکہ اگر عمداً جھوٹ صادر ہو تو ان کی بات پر یقین کون کریگا؟ اور سہواً کذب ممنوع ہے سمعاً عقلاً و اجماعاً دلیل معجزاتی کے بناء پر ممنوع نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ صدور کذب انبیاء سے محال ہے اس طرح صدور کفر بھی انبیاء سے قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ نہیں ہوسکتا شیعہ (تقیہ) خوف کے وقت کفر کے اظہار کے قائل ہیں دلیل یہ ہے کہ اگر وہ تقیۃً اظہار کفر نہ کریں تو جان کو خطرہ ہوگا۔

(4) دارقطنی ص:۶ ۱۴ بحوالہ عارضۃ الاحوذی ص:۱۷۳ ج:۲ ایضاً رواہ احمد بحوالہ عارضۃ الاحوذی

جواب:۔ موسیٰؑ کو فرعون کے سامنے' ابراہیمؑ کو نمرود کے سامنے جان کا خطرہ تھا اس کے باوجود تقیۃً اظہار کفر نہیں کیا یہاں تک کہ بعض نے جان بھی دے دی۔

باقی گناہوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ گناہ یا صغائر ہونگے یا کبائر اسی طرح عمداً ہونگے یا سہواً یا خطا اور قبل النبوۃ ہونگے یا بعد النبوۃ تو کل آٹھ احتمالات ہوگئے ان میں صدور کبائر عمداً بعد النبوۃ نہ ہونے پر اجماع ہے۔ حشویہ جواز کی قائل ہے مگر وہ مضر اجماع نہیں کہ شرذمہ قلیلہ ہے۔ دوسرے احتمالات میں شیعہ ومعتزلہ کا مذہب واضح ہے کہ صدور صغائر وکبائر دونوں نہیں ہوسکتے۔

اہل سنت والجماعت کے اقوال مختلف ہیں لیکن شرح عقائد کے مقابلے میں شرح مقاصد وشرح مواقف میں نسبۃً زیادہ اچھا موقف ہے کہ عند الجمہور ہر قسم کے گناہ انبیاء سے صادر نہیں ہوسکتے۔ کذا قال بحر العلوم

جن کے نزدیک انبیاء سے صغائر صادر ہوسکتے ہیں تو وہ ذنب سے مراد صغائر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگلے پچھلے سارے کے سارے صغائر معاف ہیں۔ جمہور کے نزدیک صغائر کا صدور بھی نہیں ہوسکتا تو ذنب سے مراد خلاف الاولیٰ ہے کہ یہ معاف ہیں۔

اعتراض:۔ خلاف اولی تو جواز کا شعبہ ہے تو اس پر مواخذہ نہیں تو مغفرت چہ معنی دارد؟

جواب:۔ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی خلاف اولی اگر چہ باعث عذاب نہیں مگر یہ اعلی درجات تک لے جانے والے نہیں تو ان کی معافی کی ضرورت تھی۔

اعتراض۲:۔ لغزشیں تو تمام انبیاءکر معاف ہیں تو اس طرح عفو کا علم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دیا؟ باقی کو کیوں نہیں۔

جواب:۔ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن شفاعت کرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور مقام محمود کے لئے چنا گیا ہے تو ان کو کہا گیا کہ یہ آپ کی جگہ ہے تو اس کے حصول کے لئے سخت محنت کی ضرورت تھی اس لئے آپ کو آگاہ کیا گیا تا کہ تیاری شروع کریں۔

بظاہر حدیث باب کا واقعہ اس وقت کا ہے جب سورہ مزمل میں رات بھر یعنی اکثر لیل نماز کا حکم دیا گیا پھر ایک سال بعد اس کو منسوخ کردیا گیا۔

باب ماجاء ان اول مایحاسب به العبد یوم القیامة الصلوٰة

رجال:۔

حسن سے مراد بصری ہیں۔حریث بن قبیصہ تقریب میں ہے کہ زیادہ مشہور قبیصہ بن حریث ہے یعنی بالعکس صدوق ہیں۔☆

تشریح:۔

حریث بن قبیصہ کی روایت باب میں لائے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوگی مگر صورت کیا ہوگی اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ نوافل سے فرائض کا تدارک نہیں ہوسکتا لہٰذا اگر فرض نماز قضاء ہو تو زندگی بھر کے نوافل اس کا کفارہ نہیں اس قول کے مطابق یہاں تکمیل سے مراد خشوع و خضوع کے نقصان کی تکمیل ہے۔یعنی اگر فرائض میں کوئی کمی وکوتاہی ہوئی ہے تو نوافل اس کا جبیرہ ہونگے۔

دوسرا قول ابن العربی کا ہے کہ تکمیل فرائض یہ ہے کہ اگر نماز رہ گئی ہے اور وہ نہ پڑھ سکا ہو تو اسکی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا کہ سات سو نوافل ایک فرض کے بقدر ہونگے۔

تیسرا قول ابن عبدالبر کا ہے کہ اگر فرض نماز سہوا چھوٹ گئی ہو یا آدمی سوتا رہا نماز قضا ہوگئی تو اس کی تکمیل نوافل سے ہوسکتی ہے مگر قصداً چھوڑنے کی صورت میں چونکہ یہ کبیرہ ہے تو نوافل کفارہ نہیں بن سکتے۔

اعتراض:۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ پہلا حساب نماز کا ہوگا مگر بخاری (1) کی روایت میں ہے کہ دم وقصاص کا حساب ہوگا یہ تعارض ہے۔

باب ماجاء ان اول مایحاسب به العبد یوم القیامة الصلوٰة

(1) صحیح بخاری ص:۹۶۷ ج:۲''باب القصاص یوم القیامۃ''

جواب ا:۔ کہ حساب وکتاب اولاً نماز کا ہوگا لیکن فیصلہ اولاً دماء کا ہوگا۔ اور نسائی میں (2) اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نماز کے لئے لفظ حساب استعمال ہوا ہے اور دم کے لئے لفظ قضاء استعمال ہوا ہے۔

جواب ۲:۔ نماز کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں اولاً نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں اولاً حساب دماء کا ہوگا۔

باب ماجاء فیمن صلی فی یوم ولیلة اثنتی عشرة رکعة من السنة ماله من الفضل

رجال:۔

محمد بن رافع النیساپوری ثقہ ہیں۔ اسحاق بن سلیمان کوفی الاصل اور ثقہ ہیں۔

مغیرہ بن زیاد ہو کما قال الترمذی۔ عطاء سے مراد ابن ابی رباح ہیں ''قال ابو حنیفة مالقیت افضل من عطاء'' ابن سعد نے کہا ''انتهت الیه الفتوی بمکة'' ابن عباس سے کسی نے مسئلہ پوچھا تو فرمانے لگے ''یااهل مکة تجتمعون علی وعند کم عطاء'' ۱۱۴ھ میں وفات ہوئے۔☆

تشریح:۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزانہ بارہ رکعت سنتین مداومت کے ساتھ پڑھیں اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا چار قبل الظہر دو بعد الظہر دو بعد مغرب کے دو بعد العشاء دو قبل الفجر یہ بارہ ہوگئیں۔ ان کو سنن رواتب کہتے ہیں صاحب سفر السعادت نے عصر کی سنت کو بھی رواتب میں شمار کیا ہے۔ رواتب من الرتوب بمعنی دوام وثبوت بمقابلہ حرکت کے آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(2) ص:۱۶۲ ج:۲ ''باب تعظیم الدم''

نے اس نماز پر مداومت فرمائی ہے تو اس کو رواتب کہتے ہیں۔ سنت رواتب میں بہ نسبت سنن زوائد کے تاکید زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ دن میں بارہ رکعت سنت مؤکدہ ہیں البتہ امام مالکؒ کے نزدیک سنن مؤقت نہیں یعنی کوئی انضباط عدد مقرر نہیں تحدید نہیں۔

ایک جماعت جن میں ابن تیمیہ بھی ہیں ان کا کہنا ہے قبل از جمعہ سنن ثابت نہیں جمہور کے نزدیک سنن کی تعداد متعین ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ تعداد کتنی ہے؟ تو امام شافعی کے نزدیک کل دس رکعت ہیں جمہور کے نزدیک کل بارہ ہیں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ قبل الظہر سنن کی تعداد امام شافعی کے نزدیک دو ہے حنفیہ اور جمہور کے نزدیک چار ہیں۔ امام ترمذی نے باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر کا باب باندھا ہے۔ (ص۹۶) پھر فرمایا۔

والعمل علیٰ ھذاعند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن بعدھم وقال بعض اھل العلم صلوۃ اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ یرون الفصل بین کل رکعتین وبہ یقول الشافعی واحمد

امام شافعی واحمد سے ایک روایت چار کی ہے مگر دو تسلیمتین کے ساتھ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کی سنن قبلہ کے بارے میں دو طرح کی روایات ہیں حضرت عائشہ وغیرہ کی روایت میں چار کا ذکر ہے اور اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں مثلاً اس باب کی اول حدیث عن عائشہ ہے اس میں قبل الظہر چار کا ذکر ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث ام حبیبہ سے مروی ہے اس میں چار کی تصریح ہے اور اس کو ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ تیسری روایت عن علی ہے جو ترمذی میں باب ماجاء فی الاربع قبل الظہر میں مروی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتلایا ہے کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی قبل الظھر اربعاً وبعدھا رکعتین پھر ایک باب چھوڑ کر باب آخر (۹۷) میں عن عائشہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذالم یصل اربعاً قبل الظھر صلاھن بعدھا امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے اور اسی باب میں ام حبیبہ کی ایک اور حدیث ہے من صلی قبل الظھر اربعاً وبعدھا اربعاً حرمہ اللّٰہ تعالیٰ علی النار اسی باب میں

عنبسہ ابن ابی سفیانؓ کی روایت ہے جو اسی مضمون کی ہے یہ تمام روایات قبل الظہر چار رکعات سنن پر ناطق ہیں۔ دوسری قسم کی روایت ابن عمر سے مروی ہے جس سے دو رکعتوں کا ثبوت ملتا ہے جسے ترمذی نے باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر میں روایت کیا ہے (۹۶) عن ابن عمر صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ركعتين قبل الظهر وركعتين بعدها ۔

جمہور نے چار رکعت والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کثیر روایات اس پر ناطق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت چار پر فرمائی ہے دو بھی ثابت ہیں مگر چار رکعت والی روایات قوی بھی ہیں اور عملی بھی جبکہ دو کی روایت صرف عملی ہیں۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل چار پر ہے اور اقل عمل دو کا ہے۔ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ چار اکثر سنت ہیں دو اقل ہیں اور اکثر میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں ایک وجہ تطبیق کی یوں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں چار پڑھتے جس کا علم ازواج مطہرات کو تھا اور مسجد میں دو رکت پڑھتے جس کا مشاہدہ ابن عمر نے کیا پس یا تو تطبیق یوں ہوگی کہ روی کل بما رائ یا یوں ہوگی کہ جمہور اور عائشہ نے چار کو سنن قبلیہ قرار دیا اور دو کو تحیۃ المسجد جبکہ ابن عمر اور شافعی واحمد نے دو کو سنن قبلیہ اور چار کو سنت زوال قرار دیا۔ کہ روایت میں ہے ان ابواب السماء تفتح فی هذه الساعة فاحب ان يصعد لی فيها عمل اس میں یہ ہے کہ سئل الراوی يارسول الله ايفصل بينهن بسلام فقال لا رواه محمّد فی مؤطاه ص:۱۶۲ ''باب صلوٰۃ التطوع بعد الفريضة'' لہٰذا صراحۃً امام شافعی واحمد کی رائے کی نفی ہوئی جو دو تسلیمتین کے قائل ہیں۔

اس میں کلام ہوا ہے کہ بارہ سنتوں میں زیادہ مؤکد کونسی سنتیں ہیں؟ ذکر المحشی ان فی الكفاية ثم ترتيب السنن ذكر الحلوانی اقوى السنن ركعتاالفجر ثم سنة المغرب ثم التی بعد الظهر فانها سنة متفق عليها والتی قبلها مختلف فيها ثم التی بعد العشاء ثم التی قبل الظهر ثم التی قبل العصر ثم التی قبل العشاء وزاد وذكر الحلوانی الافضل ان يودی كلها فی البيت۔

باب ماجاء فی رکعتی الفجر من الفضل

رجال:۔

صالح بن عبداللہ نزیل بغداد ثقہ ہیں۔ زرارہ بضم الراء المعجمہ ہے قاضی بصرہ اور ثقہ ہیں۔

سعد بن هشام ثقه استشهد بارض الهند۔☆

تشریح:۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں اگر چہ اس میں گنجائش ہے کہ مراد دو رکعت فرض فجر ہو مگر محدثین سنن لیتے ہیں پھر یہ خیریت اضافی نہیں کہ یہ بہتر ہیں وہ بہتر نہیں بلکہ بیان واقع کے لئے ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ تسبیحہ وتہلیلہ خیر من الدنیا ومافیہا۔ اور خیر من الدنیا سے مراد خیر من انفاقہا ہے یعنی اس کے خرچ کرنے سے یہ بہتر ہے اس سے ان لوگوں کا زعم باطل کرنا مراد ہے جو متاع دنیا میں بہتری سمجھتے ہیں اسی طرح اور روایت سے بھی سنن فجر کی فضیلت ثابت ہے ولوطردتکم الخیل لاتو ہا حبواً (1) یہی وجہ ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت میں امام ابوحنیفہؒ سے اس کا وجوب منقول ہے کما ہو منقول عن الحسن البصری یہی وجہ ہے کہ امام محمد سے انفرادی طور پر اس کی قضاء مروی ہے یعنی اگر ضیق وقت کی وجہ سے صرف فرض پڑھ لے تو بعد طلوع شمس سنت پڑھ لے۔ عرف الشذی میں شیخین سے بھی ایک روایت اس کے مطابق نقل کی گئی ہے اور فرضوں کے ساتھ قضاء ہو جائے تو عندالاحناف اتفاق ہے کہ قبل الزوال مع الفرض اس کی قضاء ہوگی۔

قال الشاہ یہ جو مشہور ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج وقت کے بعد وہ تاکید

باب ماجاء فی رکعتی الفجر من الفضل

(1) رواہ ابوداؤد ص:۱۸۶ ج:۱ ''باب فی تخفیفہما'' فجر کی دو رکعت سنت کی اہمیت کے لئے احادیث دیکھئے صحیح مسلم ص:۲۵۰ و۲۵۱ ج:۱ ایضاً نسائی ص:۲۵۴ ج:۱

نہیں رہتی نفس قضاء تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے کہ روایت عائشہ سے ثابت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل اربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها (۹۷ باب آخر) عنایہ اور درمختار میں ہے کہ قضاء الفرض فرض وقضاء الواجب واجب وقضاء السنن سنۃ البتہ طلوع شمس سے پہلے اور فرض کے درمیان قضاء نہیں۔ کما سیجیٔ انشاء اللہ

باب ماجاء في تخفيف ركعتي الفجر والقراءة فيهما

رجال:۔

ابوعمار کا نام حسین بن حریث ہے ثقہ ہیں۔ ابواحمد کا تعارف امام ترمذی نے کرایا ہے تاہم ثوریؒ کی روایات میں ان سے غلطی ہوتی تھی۔ سفیان سے مراد ثوری ہیں۔☆

تشریح:۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ایک مہینے تک نگرانی کرتا رہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے فرض سے پہلے دو رکعتوں میں قل یاایہا الکافرون اور قل ہواللہ احد پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ دو سنن فجر میں تخفیف قراءت ہوگی اور ان دوسنتوں میں یہ دوسورتیں مسنون ہیں البتہ بحر الرائق میں ہے کہ جن نمازوں میں مخصوص سورتیں مسنون ہوں اکثر وہ پڑھنی چاہئے مگر کبھی تبدیلی بھی کرنی چاہئے تاکہ دیگر سور سے اعراض کی شکل نہ بنے۔ اس روایت میں ردعلی مالک ہے جو فجر کی سنن میں ضم سورت کے قائل نہیں۔

دلیل حدیث عائشہ ہے کہ اتنی جلدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں پڑھتے کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں۔ (1) متفق علیہ

باب ماجاء في تخفيف ركعتين الفجر والقراءة فيهما

(1) رواہ البخاری ص:۱۵۶ ج:۱ ''باب مایقرأ في ركعتي الفجر'' ایضاً صحیح مسلم ص:۲۵۰ ج:۱ ''باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما الخ''

جواب:۔ یہ ہے کہ عائشہ کا شک اس کو مستلزم نہیں کہ اس میں ضم سورت نہ ہو ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قراءت مختصر ہوتی خصوصاً جبکہ صریح روایت میں ضم سورت ثابت بھی ہے۔ خود عائشہ سے ابن ماجہ (2) میں ان دو سورتوں کا فجر کی سنتوں میں صراحۃً ذکر آیا ہے۔

صاحب تحفہ نے حنفیہ پر ایک اعتراض کیا ہے کہ ان کے ہاں فجر کی سنتوں میں تطویل قراءت مستحب ہے جو صریح روایات کے خلاف ہے اور استحباب کی روایت امام طحاوی نے (3) امام ابوحنیفہؒ سے نقل کی ہے ونقل روایۃ حسن بن زیاد قال ابو حنیفۃؒ ربما قراء ت فی رکعتی الفجر جزئین من القران۔

جواب:۔ شاہ ولی اللہ نے دیا ہے کہ یہ استحباب مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لئے ہے جو تہجد کا عادی ہو اور کسی دن تہجد کا موقع نہ ملے تو اس کی لئے تطویل قراءت کی گنجائش ہے۔ تاکہ حزب پورا ہو اور اس طرح کی روایت حضرت عمر سے بھی ہے اور امام مالک سے بھی ہے کہ تہجد کی عدم ادائیگی کی صورت میں سنن فجر کے ساتھ اس کی قضاء پڑھ سکتا ہے اور ربما سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ربما بمعنی قلما ہے۔

سنن فجر میں تخفیف کی حکمت میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تخفیف اس لئے ہے تاکہ فرض کے لئے جلدی فارغ ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس میں تخفیف اس لئے ہے تاکہ یہ اول صلوٰۃ الیل کے مشابہ ہو جائے چونکہ صلوۃ اللیل کے شروع میں رکعتین خفیفتین مشروع ہیں تو صلوٰۃ النہار کی ابتدا بھی رکعتین خفیفتین سے ہوتا کہ موافقت ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سنن فرائض کے لئے مکملات ہوتی ہیں تو اس میں اگر زیادہ وقت صرف ہوگا اور لمبی قراءت ہوگی تو اصل جو کہ فرائض ہیں اس میں نشاط نہیں رہے گا۔

---

(2) ص:۸۰ ’’باب ماجاء فیما یقرأ فی رکعتین قبل الفجر‘‘

(3) شرح معانی الآثار ص:۲۰۹ ج:۱ ’’باب القراءۃ فی رکعتی الفجر‘‘

باب ماجاء فی الکلام بعد رکعتی الفجر

رجال:۔

عبداللہ بن ادریس الکوفی فقیہ عابد اور ثقہ ہیں۔ ابوالنضر کا نام سالم بن امیہ المدنی ہے ثقہ ہیں۔

نوٹ:۔ یہاں ترمذی میں شاید کتابت کی غلطی سے ابی کا لفظ رہ گیا ہے یہ نضر نہیں بلکہ ابی النضر ہے کما عند ابی داؤد باب الاضطجاع بعد ہا اس میں سالم ابی النضر کی تصریح ہے۔

ابی سلمہ ھو ابن عبدالرحمن۔☆

تشریح:۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ قالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعت سنت پڑھتے تو اگر مجھ سے بات کی ضرورت محسوس فرماتے تو کر لیتے ورنہ نماز کے لئے نکل جاتے۔ مسلم (1) میں روایت ہے۔

عن عائشة قالت كان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذاصلی رکعتی الفجر فان کنت مستيقظة حدثنی والا اضطجع

فجر کی سنتوں کے بعد کلام کرنے کی حیثیت میں اختلاف ہے بعض فقہائے حنفیہ اسی طرح امام احمد واسحٰق کی طرف منسوب ہے کہ اگر بعد سنن باتیں کیں تو سنت باطل ہو جائے گی مگر مفتی بہ عندالحنفیہ عدم بطلان کا قول ہے۔ البتہ باتیں نہیں کرنی چاہئیے کہ باتیں کرنا غیر مرضٰی بہ ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے امام مالک سے بھی مدونہ نے نقل کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرض سے پہلے سنن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرض کے لئے آدمی نشاط پیدا کرے لہٰذا سنتوں اور فرضوں کے درمیان وصلہ ہوتا ہے جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے نیز سنن کے بعد وہ فرض کے انتظار میں ہے تو لایعنی باتیں نہیں کرنی چاہئے الا ما کان من ذکر اللہ او مالا بد منہ۔

باب ماجاء فی الکلام بعد رکعتی الفجر

(1) صحیح مسلم ص:۲۵۵ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم''

قال ابن العربی کہ طلوع فجر کے بعد خاموش رہنا ماثور نہیں البتہ نماز کے بعد طلوع شمس تک خاموش رہنا چاہیئے ان کا اشارہ روایت انس کی طرف ہے من صلی الفجر فی جماعۃٍ ثم قعد یذکر اللّٰہ حتیٰ تطلع الشمس ثم صلی رکعتین (2) تو اس کو پورے عمرے وحج کا ثواب ملے گا۔ البتہ عند البعض طلوع فجر کے بعد نماز تک باتیں کرنا مکروہ ہے۔ صحابہ میں عبداللہ ابن مسعود اس کے قائل ہیں۔ طبرانی (3) کی معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود کے بارے میں روایت ہے۔

خرج علیٰ قوم یتحدثون بعدالفجر فنھاھم عن الحدیث وقال انما جئتم الصلوٰۃ فاما ان تصلوا و اما ان تسکنوا

تابعین میں سے سعید بن جبیر، سعید بن المسیب'' عطا بن ابی رباح، ابراہیم نخعی اور بتصریح ترمذی امام احمد و اسحٰق کا بھی یہ مذہب ہے۔

باب ماجاء لاصلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین

امام ترمذی نے جو اس حدیث کو قدامہ کی وجہ سے غریب کہا ہے تو یہ اپنے علم کے مطابق ورنہ تو طبرانی نے قدامہ کے سوا دودیگر طرق سے اس کی تخریج کی ہے۔ کما سیأتی

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے بعد دو سجدوں کے سوا کوئی نماز نہیں۔ بعد الفجر سے مراد بعد طلوع الفجر ہے کما بینہ الترمذی۔

امام ترمذی نے اجماع نقل کیا ہے کہ بعد از طلوع فجر سوائے سنت فجر کے دوسری نماز مکروہ ہے لیکن ابن حجر نے تلخیص الحبیر (1) میں تعجب کا اظہار کیا ہے کہ یہاں تو اختلاف روایت مشہور ہے تو امام ترمذی نے

---

(2) اخرجہ الترمذی ص:۷۶ ج:۱ ''باب ماذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح''

(3) معجم کبیر للطبرانی ص:۲۸۵ ج:۹ رقم حدیث ۹۴۳۸

باب ماجاء لاصلوٰۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین

(1) تلخیص الحبیر ص:۱۸۳ ج:۱ تحت رقم حدیث ۲۷۷۔ حنفی

کیسے اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا کہ امام شافعی اس وقت میں نوافل پڑھنے کے مطلقاً قائل ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں لاباس بہ امام مالک بھی اس شخص کے لئے اجازت دیتے ہیں کہ جو تہجد کا عادی ہو اور کسی رات کلاً یا بعضاً نہ پڑھ سکے تو اس وقت پڑھ لے دلیل عمل عمر ہے کہ انہوں نے طلوع فجر کے بعد باقی حزب کو پورا کیا تھا۔

جمہور کے نزدیک اس وقت نماز مکروہ ہے چاہے تہجد کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو دلیل روایت باب ہے امام ترمذی نے اس کو قدامہ بن موسیٰ کا تفرد قرر دیا ہے لیکن جواب یہ ہے کہ یہ روایت کم از کم حسن کے درجے میں ہے کہ زیلعی نے نصب الرایہ (2) میں اس کی تین طریق سے تخریج کی ہے لہٰذا روایت قابل حجت ہے امام شافعی جو جواز نوافل کے قائل ہیں استدلال عمرو بن عنبسہ کی روایت سے کرتے ہیں جو ابوداؤد (3) ونسائی (4) میں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

ای اللیل اسمع قال جوف اللیل الآخر فصل ماشئت فان الصلوۃ مشھودۃ مکتوبۃ حتیٰ تصلی الصبح

جواب :۔ بنوری صاحب نے معارف (5) میں دیا ہے کہ یہ روایت مسند احمد (6) میں تفصیلاً مروی ہے۔

وفیہ ای الساعات افضل قال جوف اللیل الآخر ثم الصلوٰۃ المکتوبۃ مشھودۃ حتیٰ یطلع الفجر فلاصلاۃ الاالرکعتین حتیٰ تصلی الفجر

معلوم ہوا کہ اجازت طلوع فجر سے پہلے کی ہے۔

---

(2) نصب الرایہ ص:۳۲۹ ج:۱ (3) سنن ابی داؤد ص:۱۸۸ ج:۱ "باب من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ"
(4) ص:۹۸ ج:۱ "باب اباحۃ الصلوٰۃ الی ان یصلی الصبح" (5) معارف السنن ص:۶۷ ج:۴
(6) مسند احمد ص:۵۴ ج:۶ رقم حدیث ۱۷۰۱۵

باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر

رجال:۔

بشر بن معاذ بکسر الباء صدوق ہیں۔ عبدالواحد بن زیاد ان میں کچھ لین ہے۔ کماسیأتی ☆

تشریح:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو فجر کی دو سنتین پڑھ لے تو وہ دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اس سے ایک حکم یہ معلوم ہوا کہ صبح کے سنتوں کے بعد اضطجاع ہونا چاہئے دوسرا یہ کہ اضطجاع شق ایمن پر ہو۔

اس اضطجاع کی حیثیت میں بین الصحابہ' ائمہ اور فقہاء میں اختلاف ہے معارف السنن میں نو اقوال مروی ہیں۔

قول ۱:۔ اضطجاع سنت ہے و بہ قال الشافعی واتباعہ البتہ امام شافعی سے دوسرا قول یہ ہے کہ اضطجاع کا مقصد فصل کرنا ہے سنت وفرض کے درمیان چاہے وہ بالاضطجاع ہو یا بالحدیث ہو۔

مسلم(1) کی روایت سے دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔

عن عائشة كان النبي صلى الله عليه وسلم وفيه فان كنت مستيقظة حدثني والا اضطجع

معلوم ہوا کہ اصل مقصد فصل ہے۔

قول ۲:۔ اضطجاع مستحب ہے یہ قول ابوموسیٰ اشعری' ابو ہریرہ' رافع بن خدیج' اور حضرت انس کا ہے فقہاء سبعہ مدینہ وابن سیرین کا یہی قول ہے۔

باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر

(1) ص:۲۵۵ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ''

قول۳:۔ اضطجاع واجب ہے بلکہ من شروط الصلوٰۃ ہے حتیٰ ان من لم یضطجع لاتصح فرضہ ابن حافظ عراقی نے اسکو باطل قرار دیا ہے کہ جب ایک نماز دوسری نماز کے لئے شرط نہیں تو یہ شرط کیوں ہے؟

قول۴:۔ اضطجاع بدعت ہے یہ ابن مسعود وابن عمر کا ہے ابن عمر سے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کے لئے ہے کہ جو گھر میں سنتیں پڑھے مسجد میں نہیں اسود بن یزید، سعید بن جبیر سعید بن میتب اور ابراہیم نخعی بھی اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔

قول۵:۔ خلاف اولیٰ ہے۔ ہوقول الحسن البصری۔

قول۶:۔ یہ اس کے لئے ہے کہ جو رات کو تہجد پڑھتا ہو اور پھر تھوڑا سا برائے استراحت لیٹتا ہو ہوقول ابن العربی امام ابوحنیفہؒ کا قول ابن العربیؒ کے قول کے قریب ہے یعنی یہ اضطجاع برائے استراحت ہوتا تھا نہ کہ تشریع کے لئے تو یہ مباح ہے کہ استراحت مباح ہے البتہ اگر اس نیت سے لیٹ جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے تھے تو ثواب ملے گا۔

جو حضرات اس کی سنیت یا استحباب کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں باب کی روایت سے اس میں فلیضطجع امر ہے تو ابن حزم وغیرہ نے وجوب پر حمل کیا ہے دیگر نے ندب پر حمل کیا۔

جواب:۔ یہ روایت جس میں امر کا صیغہ ہے یہ عبدالواحد بن زیاد کی ہے جو عن اعمش روایت کرتے ہیں اور روایت عبدالواحد عن اعمش متکلم فیہا ہے تو استدلال درست نہیں ابن تیمیہ نے بھی اس پر عبدالواحد کے تفرد کی وجہ سے طعن کیا ہے۔

جواب۲:۔ تسلیم صحت کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عبدالواحد کی وجہ سے شاذ ہے۔ تدریب الراوی (2) میں شاذ کی مثال میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام رواۃ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرار دیتے ہیں اور یہ قول نقل کرتے ہیں کما مر فی روایۃ المسلم فان کنت مستیقظۃ حدثنی والا اضطجع۔

---

(2) تدریب الراوی ص:۲۳۵ ج:۱

جواب ۳:۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضطجاع بعد از صلوٰۃ اللیل ہوتا تھا کما فی المؤطا (3) اور ترمذی میں ہے۔

باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل (ص ۱۰۰)عن عائشۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی من اللیل احدی عشرۃ رکعۃ یوتر منہا بواحدۃ فاذا فرغ منہا اضطجع علیٰ شقہ الایمن قال ابوعیسیٰ ھذاحدیث حسن صحیح

اس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ یہ عمل تھا نہ کہ قول دوسرا یہ کہ صلوٰۃ اللیل کے بعد اضطجاع ہوتا تھا نہ کہ سنت فجر کے بعد۔

جواب ۴:۔ اگر تسلیم کریں کہ بعد از سنت فجر ہے اور امر بھی صحیح ہے تو یہ شفقۃ علی الامۃ ہے کہ سارے لوگ تہجد پڑھتے تو تھکان ہوتا تو اضطجاع کا حکم فرمایا۔ مطلقاً کیسے امر ہوسکتا ہے کہ نوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناقض نہیں اور نومنا ناقض ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یمین پر لیٹنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔ حکمت یہ ہے کہ دل صنوبری شکل میں بائیں جانب ہوتا ہے تو دائیں پہلو پر لیٹ جائے تو دل معلق رہتا ہے تو نوم غالب نہیں ہوتی جو اس حالت کے زیادہ مناسب ہے تاکہ نوم غالب و ناقض نہ ہو بائیں جانب لیٹنے کی صورت میں دل معلق بھی نہیں رہتا اور خوں کا دباؤ دل پر پڑھ جاتا ہے نوم غالب ہوجاتی ہے۔

(3) مؤطا مالک ص:۱۰۲ ''صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الوتر''

باب ماجاء اذااقمیت الصلوٰۃ فلاصلوۃ الاالمکتوبۃ

رجال:۔

روح بن عبادۃ بفتح الراء وسکون الواو خطیب نے ان کی توثیق کی ہے۔

زکریا بن اسحٰق قال ابن معین: بری القدر، وثقہ البخاری ومسلم۔☆

تشریح:۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہوتو سوائے مکتوبہ فرض کے دوسری نماز نہیں ہوگی۔ بظاہر اگر چہ یہ لفظ فائتہ کو بھی شامل ہے مگر مسند احمد (1) وطحاوی (2) میں اذااقیمت الصلوۃ فلاصلاۃ الاالتی اقیمت ہے یعنی وقتی نماز کے وقت دوسری کوئی نماز نہ ہوگی۔

اس پر اتفاق ہے کہ علاوہ از نماز فجر کسی بھی نماز کے دوران سنن ونوافل درست نہیں اس حدیث کی وجہ سے بعض اہل ظواہر کے نزدیک جماعت کے دوران نماز باطل ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اقامت سے پہلے جس نماز کی نیت باندھی ہے تو کم ازکم دورکعت پڑھنا ضروری ہے نہ تو باطل کرے کہ قال تعالیٰ ''ولاتبطلوا اعمالکم'' نہ ایک رکعت پر اکتفاء کرے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیراء لہٰذا اگر چہ اس کی نیت چار کی ہومگر جماعت کے قیام کے بعد دو پڑھ لے اگر وہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہوتو چوتھی رکعت کا ملانا ضروری ہے یعنی اگر تیسری رکعت میں جماعت شروع ہوجائے۔

فجر کے سنن کے بارے میں اختلاف ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں نو اقوال ہیں۔ معارف السنن میں پانچ اقوال مذکور ہیں۔

باب ماجاء اذااقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الاالمکتوبۃ

(1) مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد ص:۷۰اج:۲ رقم حدیث ۱۹۲۴

(2) شرح معانی الآثار ص:۲۵۴ ج:ا ''باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوٰۃ الفجر الخ''

قول ا:۔ جماعت کے دوران سنن مکروہ ہیں و بہ قال الشافعی واحمد واسحٰق۔

مجوزین کے چار اقوال ہیں۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ سفیان ثوریؒ واوزاعیؒ جواز کے قائل ہیں البتہ ان کے اقوال میں تفصیل ہے امام مالک فرماتے ہیں خارج از مسجد پڑھے گا بشرطیکہ دونوں رکعات ملنے کی امید ہو۔ گویا ان کے یہاں شرط جواز دو ہیں۔(ا) خارج المسجد (۲) رجاء وجدان رکعتین۔

دوسرا قول امام مالک کے مذہب کی معتبر کتاب جلاب (3) میں ہے اگرچہ دونوں رکعتیں ملنے کی امید نہ ہو پھر بھی سنت فجر پڑھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ خارج المسجد پڑھے اور دوسری رکعت میں شمولیت کا امکان ہو ایک قول یہ ہے کہ اگر تشہد میں شمولیت کی امید ہو تب بھی سنت پڑھے گا۔ معارف میں قیل کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تشہد میں شمولیت کا قول امام محمد کی طرف منسوب ہے اور رکعت ثانیہ میں شمولیت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے۔ تاہم مشائخ حنفیہ جن میں امام طحاوی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ مسجد میں ایسی جگہ پڑھے جہاں امام کی قراءت کی آواز نہ پہنچتی ہو بعض کہتے ہیں کہ دروازے کے پاس پڑھے قال الطحاوی (4) اگر صفوں اور اس کے درمیان حائل ہو تو بھی پڑھ سکتا ہے مثلاً ستون یا دیوار ہو یا برعکس کہ جماعت باہر ہو رہی ہو آدمی اندر پڑھ لے شنیع صورت یہ ہے کہ صفوں میں سنتیں پڑھے۔ دوسری صورت کراہیت کی یہ ہے کہ اس کے اور صفوف کے درمیان حائل نہ ہو۔

شیخ ابن ہمام کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ اگر حائل نہ ہو صفوف اور اس کے درمیان تو چھوڑنا بہتر ہے۔ امام ثوری مطلقاً مسجد میں پڑھنے کے قائل ہیں بشرطیکہ پہلی رکعت ملنے کی امید ہو۔ امام اوزاعی کے نزدیک مسجد میں مطلقاً پڑھنا جائز ہے۔ ان سے مزید تفصیل مروی نہیں ان کا استدلال ان روایات سے ہے جن سے فجر کی سنن کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ جیسے ولو طردتکم الخیل (5) یالاتوہا حبواً (6) یارکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیہا (7) اسی طرح بہت سارے صحابہؓ وتابعین سے بھی یہ مروی

(3) کذافی المعارف ص:۳۷ ج:۴ (4) کذافی شرح معانی الآثار ص:۲۵۵ ج:ا (5) رواہ ابوداؤد ص:۱۸۶ ج:ا ''باب فی تخفیفہما'' (6) رواہ البخاری ص:۱۰۰ ج:ا ''باب الصف الاول'' لیکن یہ حدیث بالخصوص سنت فجر کے لئے نہیں۔ ایضاً رواہ مسلم ص:۲۳۲ ج:ا (7) رواہ مسلم ص:۲۵۱ ج:ا ''باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیہا الخ'' ایضاً سنن نسائی ص:۲۵۳ ج:ا ''المحافظۃ علی الرکعتین قبل الفجر''

ہے۔ ابن مسعود ابن عمر وابن عباس ابو الدرداء اور حضرت عمر اس کے قائل ہیں۔ تابعین میں سے حسن بصری، مکحول، مجاہد، حماد ابن ابی سلیمان، حسن بن حی، ابراہیم نخعی وغیرہ جن کی تعداد ابن منذر ابن بطال ابن ابی شیبہ (8) اور طحاوی (9) سب کی روایات ملا کر ۲۰ نفوس بنتے ہیں۔ طحاوی (10) میں صحیح سند کے ساتھ ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ ہم صبح کی نماز سے پہلے حضرت عمرؓ کے پاس آتے تھے تو جماعت کھڑی رہتی ہم سنتیں پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ عمر کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ حضرت ضرور ان کو روکتے۔ اور اس کا معمول ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سنت فجر اس ضابطے سے مستثنیٰ ہے۔

باب کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر فجر کی سنن واجب ہوں پھر تو جواب کی ضرورت نہیں کہ یہ روایت سنن کے بارے میں ہے۔ واجبات وفرائض مستثنیٰ ہیں اگر سنت فجر کو سنت ہی کہا جائے تو جواب یہ ہے کہ بہت سارے محدثین نے اس کو موقوف قرار دیا ہے بقول شاہ صاحب محدثین جب کسی حدیث پر موقوف کا حکم لگاتے ہیں تو مجموعہ طرق کو دیکھتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔ وقف کی مثالیں۔ مسلم (11) میں یہ روایت موقوفاً بھی ہے مرفوعاً بھی طحاوی (12) میں حماد بن زید نے اس کو موقوف نقل کیا ہے خود امام شافعی نے کتاب الام میں اس کو ابو ہریرہ کا قول قرار دیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ (13) میں ابن علیہ نے موقوف نقل کیا ہے۔ علل ابی حاتم میں اسماعیل بن مجمع نے موقوف نقل کیا ہے۔ خود ابو حاتم کا قول ہے والصواب انہ موقوف کمافی تلخیصہ۔ (14)

محمد بن طاہر المقدسیؒ نے تذکرۃ الموضوعات میں کہا ہے الصواب انہ موقوف اور محمد بن طاہر حفاظ حدیث میں سے ہے۔ البتہ بیہقی (15) نے کہا ہے کہ حماد بن سلمہ سے ایک شاگرد نے پوچھا کہ ھل ھو عنہ علیہ السلام قال حماد نعم لیکن حماد نے مسلم میں موقوف نقل کیا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بیہقی کے اس قول میں

(8) ص: ۲۵۱ و ۲۵۲ ج: ۲ ''فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر'' (9) چنانچہ دیکھیے ص: ۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶ ج: ۱ (10) ص: ۲۵۶ ج: ۱
(11) صحیح مسلم ص: ۲۴۷ ج: ۱ ''باب کراہیۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن فی اقامۃ الصلوٰۃ الخ'' (12) ص: ۲۵۶ ج: ۱
(13) ص: ۲۵۲ ج: ۲ (14) ص: ۵۷ ج: ۲ رقم حدیث ۵۴۴
(15) سنن کبریٰ للبیہقی ص: ۴۸۳ ج: ۲ ''باب کراہیۃ الاستقبال بہا بعد ما اقیمت الصلوٰۃ''

تردد ہے کہ حماد بن سلمہ سے سائل ابن عیینہ ہے اور امام شافعی ابن عیینہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ حماد اس کو مرفوع قرار دے اور ابن عیینہ وامام شافعی اس کو موقوف قرار دے اور علم تک بھی نہ ہو۔ اسی طرح طحاوی ابن ابی شیبہ کا میلان بھی اس کے وقف کی طرف ہے۔ عمرو بن دینار نے بھی اخیراً اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ مرفوع احادیث جن میں تاکید سنن فجر معلوم ہوتی ہے کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور بہت سارے صحابہ وتابعین اس پر عمل پیرا تھے۔

جواب ۳:۔ اشارالیہ العینی وغیرہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد لوگوں کو مسجد میں سنتوں سے روکنا تھا کہ فقط فجر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام سنتوں کا بھی یہی حکم ہے اور ترغیب ہے کہ لوگ مسجد میں سنن پڑھ کر فرض پڑھتے تو فصل واقع نہ ہوتا تو گھروں میں پڑھ لے تاکہ فصل واقع ہو۔

ایک چشم دید واقعہ:۔

مسجد نبوی کے قریب ایک مسجد میں جو غالباً غیر مقلدین کی تھی میں نے کسی عارض کی بناء پر عشاء کی نماز پڑھی، جیسے ہی جماعت ختم ہوئی اور لوگ سنتوں کے لئے کھڑے ہوئے تو اتنے میں محراب کے قریب دوسری جماعت شروع ہوئی چونکہ نماز عشاء کی تھی اس لئے امام جہراً قراءت کرتا رہا مسجد چونکہ زیادہ بڑی نہیں تھی اس لئے سب لوگ قراءت کی آواز سن رہے تھے۔ میں نے یہ غریب منظر دیکھ کر جہاں ایک طرف اہل ظواہر پر افسوس کیا وہیں دوسری طرف میرے ذہن میں فقاہت کی قدر اور بڑھ گئی کہ یہ لوگ فجر کی سنتوں کو جماعت شروع ہوجانے پر ترک کردیتے ہیں جبکہ وہ قریب الوجوب ہیں اور یہاں کسی نے عشاء کی سنت ترک کرکے جماعت میں شمولیت پر توجہ نہ دی اس بیماری کا کیا علاج ہے؟ کیا یہ باب کی حدیث فقط جماعت فجر اور سنن فجر کے ساتھ مختص ہے؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ گو کہ اس میں اس توجیہ کی گنجائش ہے کہ حدیث میں فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ میں مکتوبہ سے مراد مکتوبہ امام نہیں بلکہ سب کی مراد ہے مگر اس قسم کی تقییدات کے فقہاء تو قائل ہوسکتے ہیں ظاہریہ کی نظر ان کی طرف نہیں جاتی۔ خاص کر جبکہ ظاہریہ وحنابلہ کے نزدیک جماعت ثانیہ میں ادا کی جانے والی نماز فرض ہوتی ہے۔ کمامر من قبل

باب ماجاء فی من تفوته الرکعتان قبل الفجر یصلیهما بعد صلوٰۃ الصبح

رجال:۔

محمد بن عمرو السواق صدوق ہیں بخاری نے بھی ان سے روایت لی ہے۔

عبدالعزیز بن محمد امام احمد فرماتے ہیں اذاحدث من کتابه فهو صحیح و اذاحدث من کتب الناس وهم ابوزرعہ کہتے ہیں سی الحفظ۔

سعد بن سعید قال الحافظ صدوق سی الحفظ۔ محمد بن ابراہیم ثقہ ہیں تاہم یہ روایت منقطع ہے کما قالہ الترمذی۔☆

تشریح:۔

حضرت قیسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جماعت کھڑی ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکالمہ نماز کے بعد ہوا تو فرمایا۔

مهلاً یاقیس اصلوٰتان معاً قلت یارسول اللّٰه انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلااذاً

اگر ضیق وقت کی وجہ سے دو رکعت نہ پڑھ سکا کہ جماعت کھڑی ہو تو وہ دو رکعت آدمی پڑھے یا نہیں پڑھے؟ پڑھے تو کب پڑھے گا؟ تو حنفیہ مالکیہ اور امام احمد کے نزدیک اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے۔ اور پہلے گذرا ہے کہ یہ جو عندالاحناف مشہور ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مؤکد نہیں شاید یہ توہم اس لئے پیدا ہوا کہ لفظ قضاء واجب الاداء حق کے لئے استعمال ہوتا ہے اور سنتیں

واجب الاداء نہیں مگر امام محمد سے تصریح ہے کہ طلوع شمس کے بعد پڑھے گا شیخین نے ممانعت نہیں کی۔

امام شافعی کا مذہب اور اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اور بعد الفرض پڑھے دلیل باب کی روایت ہے جو حضرت قیس سے مروی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس وقت نماز سے ممانعت آئی ہے بخاری ومسلم (1) میں ہے۔

لاصلوٰۃ بعد الصبح حتیٰ ترتفع الشمس و لاصلوٰۃ بعدالعصر حتیٰ تغیب الشمس

قال الشاہؒ یہ معنیً متواتر ہے جبکہ باب کی روایت متکلم فیہ ہے کما سیجئ لہٰذا یہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اگر صحیح بھی ہو تو مسئلہ جزئیہ ہے حکم بھی وہی ہے لاصلوۃ میں لانفی جنس کے لئے ہے یعنی کوئی نماز صحیح نہیں تو قاعدہ کلیہ ہوا۔

قال ابن العربی فی العارضۃ کہ قیس کی یہ روایت مؤطا (2) میں بھی ہے اس میں ہے کہ لوگ اقامت بھول گئے اور نماز پڑھنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو فرمایا اصلوٰتان معاً قال ابن العربی (3) معلوم ہوا کہ یہ فرض پڑھنے سے پہلے کا واقعہ ہے پھر مؤطا میں یہ تفصیل نہیں کہ دو رکعت فجر کی تھیں یا نفل کی اگر نفل ہو تو چونکہ یہ وقت نفل کا نہیں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اگر سنت فجر ہو تو ابھی عینی کا قول گذرا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ گھروں میں سنتیں پڑھیں۔ (4)

جواب ۲:۔ یہ مرسل ومنقطع ہے ابوداؤد نے اس کو مرسل قرار دیا ہے۔

قال الترمذی وانما یروی ھذالحدیث مرسلاً وقال واسناد ھذالحدیث لیس بمتصل محمّدبن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس

باب ماجاء فیمن تفوتہ الرکعتان قبل الفجر یصلیھما الخ

(1) صحیح بخاری ص:۸۲ ج:۱ "باب الصلوٰۃ بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس"، صحیح مسلم ص:۲۷۵ ج:۱ "باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا" (2) مؤطا مالک بحوالہ عارضۃ الاحوذی ص:۱۸۴ ج:۱ اور بحوالہ العرف الشذی علی جامع الترمذی ص:۲۱۴ ج:۱

(3) عارضۃ الاحوذی ص:۱۸۴ ج:۲ (4) ص:۱۸۷ ج:۱ "باب من فاتتہ متی یقضیہما"

لہٰذا یہ روایت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

جواب ۳:۔ اگر صحیح بھی ہو تو فلا اذا کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی حرج نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پھر بھی مت پڑھو اور یہ نفی کے لئے مسلم جلد ۲ (5) میں نعمان بن بشیر کی روایت میں استعمال ہوا ہے کہ ان کو والد نے غلام بطور ہدیہ دیا تو بیوی نے کہا کہ میں تب مطمئن ہونگی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ بناؤ گے جب آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب بیٹوں کو اتنا دیا کہا نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلا اذاً یعنی میں گواہ نہیں بنوں گا۔

مستدرک حاکم (6) میں صحیح روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے پوچھا کہ رطب کو تمر کے عوض بیچا جا سکتا ہے؟ فقال لمن حوله اینقص الرطب اذاجف قالوا نعم قال فلااذاً یہاں بالاتفاق بمعنی نفی ہے کہ مت بیچو تو یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ مت پڑھو تو یہ کلمہ اجازت کے لئے نہیں بلکہ کلمہ نفی ہے۔

دلیل ۲:۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ عند القفل عن التبوک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عوف کے پیچھے نماز پڑھی سنتیں نہیں پڑھیں قال ابوداؤد ولم یزد علیہ شیئاً (7) حالانکہ سنتیں قضاء ہوئیں تھیں پھر بھی نہ پڑھیں۔

دلیل ۳:۔ اگلے باب کی حدیث ہے من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس اس پر عمرو بن العاصم الکلابی کے تفرد کا اعتراض کیا گیا ہے مگر جواب یہ ہے کہ عمرو صدوق راوی ہے لہٰذا انکا تفرد مضر نہیں۔

---

(5) صحیح مسلم ص:۳۶ ج:۲ ''باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ''

(6) ص:۳۸ ج:۲ ''نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الصبرۃ من التمر الخ''

(7) ابوداؤد ص:۲۲ ج:۱ ''باب المسح علی الخفین''

باب ماجاء فی اعادتهما بعدطلوع الشمس

رجال:۔

عقبه بضم العين وسكون القاف۔ بن مكرم بضم الميم وسكون الكاف وفتح الراء۔

العمى بفتح العين وتشديد الميم قال ابوداؤد "ثقة ثقة"۔

عمرو بن عاصم یہ بھی بصری ہیں صدوق ہیں قابل حجت ہیں تاہم حافظہ کمزور تھا۔

بشیر بن نہیک بفتح النون وکسر الہاء یہ بھی بصری اور ثقہ ہیں۔☆

باب ماجاء فی الاربع قبل الظهر

رجال:۔

بندار بضم الباء وسكون النون هو محمّد بن بشار ثقة۔ ابوعامر اسمه عبدالملك ثقة من التاسعة۔

عاصم بن ضمرة صدوق ہیں ابن مدینی اور ابن معین نے توثیق کی ہے دوسروں نے ان پر کلام کیا ہے۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر

ان تینوں ابواب کی تفصیل گذر چکی ہے۔

باب آخر

رجال:۔

عبدالوارث صدوق ہیں۔☆

تشریح:۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات نہ پڑھ سکتے تو بعد از ظہر ادا فرماتے وھو قول الجمھور کہ اگر قبل الظھر اربع رکعات ادا نہ کر سکے تو بعد الظھر ادا کرے۔ مگر اشکال یہ ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت سنت بھی ہیں تو یہ چار پہلے پڑھے یا بعد میں؟ تو ایک قول جو امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے کہ پہلے چار فائتہ پھر وقتی کا ہے عقلی وجہ اس کی یہ ہے کہ چار کی ترتیب یہ ہے کہ فرض سے بھی پہلے ادا کی جائیں مگر بعذر اگر قبل فرض سے ادا نہ کی جا سکیں تو دو سنت سے پہلے تو پڑھ لے تا کہ بالکل تاخیر لازم نہ آئے۔

قول ثانی امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے کہ پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھے عقلی وجہ یہ ہے کہ چار اپنے وقت پر ادا نہ ہوئیں یہ دو تو اپنے وقت پر پڑھ لے تا کہ یہ تو قضاء نہ ہوں دونوں قولوں کا قیاس برابر ہے مگر فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے کہ اس کی تائید روایت عائشہ سے ہوتی ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذافاتتہ الاربع قبل الظھر صلاھا بعدالرکعتین بعد الظھر رواہ ابن ماجہ (1) لہٰذا یہ راجح ہے۔

اس باب میں دوسری روایت ام حبیبہ کی ہے اور اس باب کی تیسری روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے بعد چار رکعت ہے دو رکعت تو سنن رواتب ہیں اور دو غیر راتب ہیں اگر چہ اس بارے میں اختلاف ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان چار رکعت کو الگ الگ سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے گا یا ایک کے ساتھ؟ اگر الگ الگ

باب آخر

(1) ابن ماجہ ص:۸۰ ''باب من فاتتہ الاربع قبل الظھر''

سلاموں کے ساتھ ہوتو کوئی اشکال نہیں اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھتا ہے تو اشکال یہ ہے کہ عندالتحریمہ اگر وہ نیت مؤکدہ کی کرے تو چاروں تو مؤکدہ نہیں اگر نیت نفل کی کرے تو یہ نیت دو پر صادق ہے مگر دو مؤکدہ ہیں۔ابن ہمام فرماتے ہیں۔

ووقع عندی انہ اذا صلی اربعاً بعد الظهر بتسلیمة اوثنتین وقع عن السنة والمندوب سواء احتسب هو الراتب منها اولا لان المفاد بالحدیث المذکور انه اذاوقع بعدالظهر اربعاً مطلقًا حصل الوعد المذکور

مقصد یہ ہے کہ چار رکعت پڑھنی چاہئے چاہے ایک سلام ہو یا دو نیت مؤکدہ کی ہو یا غیر مؤکدہ کی' البتہ اس میں یہ ہے کہ اگر آدمی ایک سلام کے ساتھ پڑھنا چاہے تو پہلی دو رکعتوں کو سنت مؤکدہ سمجھے تا کہ تکبیر تحریمہ اسی کے لئے آجائے۔تدبر

باب ماجاء فی الاربع قبل العصر

رجال:۔

سفیان سے بظاہر مراد ثوری ہیں۔ابی اسحٰق کا نام عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے ثقہ مدلس ہیں۔☆

تشریح:۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل کرتے تھے مقربین فرشتوں پر اور جو ان کے تابع ہیں مسلمانوں میں سے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ غیر راتب ہیں۔صاحب سفر السعادت اور بعض دیگر نے اس کو بھی راتب میں شمار کیا ہے کمامر۔

اس میں اختلاف ہے کہ چار بتسلیمہ ہونگی یا بتسلیمتین کے ساتھ؟ تو ترمذی نے ایک اسحٰق بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ فصل بالسلام نہ ہونا چاہیے۔واحتج بهذا الحدیث اس میں اگر چہ فصل بالسلام کا ذکر تو ہے مگر یہ وہ

سلام نہیں جو قطع صلوٰۃ کے لئے ہوتا ہے بلکہ مراد اس سے تشہد ہے کہ اس میں بھی سلام ہے یہی حنفیہ کا بھی مذہب ہے کہ سلام ایک ہونا چاہئیے ۔ واضح ہو کہ اسحٰق بن راہویہ اور اسحٰق بن ابراہیم دونوں ایک ہیں۔

دوسرا قول امام شافعی واحمد کا ہے کہ یختاران الفصل یہ مسئلہ ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ امام شافعی امام احمد کے نزدیک سوائے فرض کے کوئی بھی نماز دن ہو یا رات بہتر یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھی جائے۔ صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ کما سیجیٔ۔

دوسری حدیث ابن عمر سے ہے کہ اللہ رحم فرمائے اس آدمی پر جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔ قال اشرف علی التھانوی کہ یہاں مطلق رحم اللہ امرأ کہا وجہ یہ ہے کہ فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی کہ الفاظ سے اسکا احاطہ کیا جاسکے۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعدالمغرب والقراءۃ فیھما

رجال :۔

بدل بفتحتین بن المحبر علی وزن محمد زائدہ کے علاوہ باقی حدیثوں میں ثبت ہیں۔ عبدالملک بن معدان وھو عبدالملک بن الولید بن المعد ان مختلف فیہ ہیں۔ عاصم بن بہدلہ الکوفی احد السبعۃ القراء ثبت فی القراءۃ وھو فی الحدیث دون الثبت صدوق یہم۔ صحیحین میں ان کی مقرون روایت ہے۔ ☆

تشریح :۔

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھے شمار یاد نہیں کہ میں نے کتنی دفعہ مغرب وفجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون وسورۃ اخلاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

ابن تیمیہ نے سورہ کافرون وسورہ اخلاص دونوں کو سورہ اخلاص کہا ہے کہ اس میں خالص توحید کا بیان ہے۔ ان دو وقتوں میں ان سورتوں کے پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ صبح دن کی ابتداء اور شام کو رات کی ابتداء ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے شروع اور رات کے شروع میں بھی توحید کا اعلان فرماتے کہ دونوں کے شروع

میں قل پر عمل ہو جب طرفی اللیل والنہار نے توحید کا احاطہ کر لیا تو درمیان کا وقت بھی اس میں داخل ہوا مگر کبھی کبھی دیگر سور بھی پڑھنی چاہئے کما مر سابقاً۔

باب ماجاء انه یصلیهما فی البیت

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر میں مغرب کے بعد دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس حدیث سے ایک یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت ہے مگر یہ مسئلہ ضمناً ہے کہ پہلے مستقل باب آچکا ہے۔ دوسرا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعت گھر میں پڑتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں کم از کم دو دفعہ سنن پڑھنا ثابت ہے ایک مسجد بنی عبدالاشہل میں مغرب کی اس کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو گھر میں نماز کی ترغیب دی۔ (1)

دوسرا واقعہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ عباس نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو میں نے آپ کو مسجد میں دیکھا کہ آپ عشاء تک نماز پڑھتے رہے۔ (2) مگر شاہ صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ زیادتی معلول معلوم ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، شافعی، احمد) کے نزدیک تمام سنن ونوافل میں بہتر یہی ہے کہ گھر میں ادا ہوں۔ شامی نے چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں۔ صلوٰۃ کسوف تراویح مگر انفرادی نماز سوائے تحیۃ المسجد یا تحیۃ القدوم من السفر یا تحیۃ الاحرام باقی گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔

امام مالکؒ وسفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ دن کے رواتب مسجد میں رات کے گھر میں ایک روایت امام احمد سے ہے کہ ظہر کے بعد دو رکعت مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔ عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (احمد) سے پوچھا کہ مغرب کے بعد دو رکعت مسجد میں جائز نہیں؟ تو پوچھا کس نے کہا میں نے کہا محمد بن

باب ماجاء انه یصلیهما فی البیت

(1) کذا فی سنن ابی داؤد ص:۱۹۱ ج:۱ ''باب رکعتی المغرب این تصلیان'' ایضاً نسائی ص:۲۳۷ ج:۱ ابن ماجہ ص:۸۱

(2) کذا فی معارف السنن ص:۱۱۲ ج:۴

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ تو کہا کہ سچ کہا وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنی عبدالاشہل میں نماز پڑھی اور جب دیکھا کہ لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا یہ نماز گھر میں پڑھ لیا کرو۔

عندالجمہور یہ حکم عام ہے ایک اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس پر تھا دوسرا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو مقبرے مت بناؤ یعنی کہ نماز سے خالی ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ فرائض میں ریاء نہیں ہوتا نوافل میں ریاء کا امکان ہے گھر میں پڑھنے سے آدمی بچ سکتا ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ فرضوں و نفلوں کے درمیان فصل ہونا چاہیئے جیسے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پڑھنا چاہے تو تقدم و تاخر کرے تاکہ ہیئت جماعت باقی نہ رہے۔

متاخرین کا فتویٰ یہ ہے کہ لوگوں میں عبادات کا اہتمام کم ہو رہا ہے تو گھر جانے سے سنت چھوٹنے کا خطرہ ہے یا بات چیت میں لگ جانے سے تاخیر کا خطرہ ہے تو کمی ثواب کا اندیشہ ہے ہاں اگر کوئی التزام کرے کہ درمیان میں باتیں کئے بغیر گھر میں سنن پڑھ لے تو یہ عین سنت ہے۔

باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعدالمغرب

رجال:۔

عمر بن ابی خثعم هو کماقال الترمذی ضعیف۔☆

تشریح:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے (فرض کے) بعد چھ رکعات پڑھی اور درمیان میں نازیبا بات نہیں کہی تو یہ چھ رکعات بارہ سال کی عبادت کے برابر ہونگی۔ یہ ثواب تفضیلی ہے تو بارہ سال کی عبادت کے اصلی ثواب کے برابر ہوگا۔ باب میں دوسری حدیث عن عائشہ ہے جس کو ترمذی نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ جس نے مغرب کے بعد بیس رکعت پڑھی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ یہ روایت ترمذی کی ضعیف ہے کہ اس میں ایک راوی عمر بن عبداللہ بن ابی خثعم ہے

جس کو بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے (1) وضعفہ جداً اس لئے ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے لایلتفت الیہ محشی نے مرقات (2) کے حوالہ سے سے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے اور طبرانی نے تینوں معاجم (3) (صغیر' کبیر واوسط) میں تخریج کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ فضائل کا ہے اور فضائل میں ضعیف بھی قابل عمل ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا ضعف زیادہ نہ ہو اور اصول دین سے متصادم نہ ہو اور اسے آدمی سنت نہ سمجھے بلکہ بطور استحباب واحتیاط کے عمل کرے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس پر تعامل اسلاف ہے جو حدیث کے معمول بہ ہونے کی دلیل ہے۔

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ یہ چھ رکعات دو رکعات راتبہ کے علاوہ ہیں یا اس کے ساتھ ہیں؟ تو دونوں قول ہیں احوط یہ ہے کہ اس کے علاوہ چھ پوری کی جائیں۔ پھر مشہور یہ ہے کہ اس نماز کا نام صلوٰۃ الاوابین ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (4) میں حدیث کی رو سے صلاۃ الاوابین کا اطلاق چاشت پر ہوا ہے۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعدالعشاء

یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھتے اور بعد الظہر بھی دو رکعت بظاہر یہ روایت شافعیہ کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے دو رکعت ہے۔ مگر پہلے گذرا ہے کہ اکثر روایات سے چار معلوم ہوتی ہیں جسے ترمذی نے جمہور کا مذہب قرار دیا ہے اور ظہر کے بعد بھی دو رکعت' دو مغرب کے بعد' دو عشاء کے بعد' اور دو فجر سے پہلے اگر ظہر سے پہلے چار ہوں تو تعداد بارہ ہو جائے گی جس پر تصریح ہے کمامر۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت ہیں جن کو راتبہ کہتے ہیں دو کے علاوہ مزید دو جو غیر راتبہ

باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب

(1) کمافی تہذیب التہذیب ص:۳۶۸ ج:۷ (2) مرقاۃ ص:۱۱۴ ج:۳

(3) معجم اوسط ص:۱۲۰ ج:۸ رقم حدیث ۷۲۴۱

(4) انظر ص:۴۰۶ ج:۲ ''من کان یصلیہا''

ہیں کا ثبوت بھی روایات میں ہے۔ کتاب الآ ثار(1) میں ابن عمر کی روایت ہے۔

من صلی اربع رکعات بعدالعشاء الآخرة قبل ان یخرج من المسجد فانهن یعدلن اربع رکعات من لیلة القدر

مصنف ابن ابی شیبہ(2) میں بھی ابن مسعود کی روایت ہے اس میں قبل ان یخرج من المسجد کی قید نہیں۔

وفیه من صلی اربعاً بتسلیمة واحدة باللیل یعدلن بمثل قیام لیلة القدر

مگر بظاہر یہ روایت صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد سے متعلق ہے۔ یہ دونوں روایات موقوف ہیں کتاب الاثار کی بھی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بھی، مگر یہ مرفوع کے حکم میں ہے کہ فضیلت کی تحدید شارع ہی کرسکتا ہے۔ بخاری(3) میں ابن عباس کی روایت ہے۔

فصلی النبی صلی الله علیه وسلم العشاء ثم جاء الی منزله فصلی اربع رکعات ثم نام

البتہ عشاء سے پہلے کی نماز کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تاہم عمومات سے استدلال ہوسکتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔(4)

پھر بعضوں نے کہا ہے کہ عشاء کی نماز سے قبل بھی چار رکعات ہونی چاہئے قیاس دوسری نمازوں پر کرکے کہ فجر میں دو فرض تو دو سنت، ظہر میں چار فرض تو چار سنت عشاء کی نماز چار ہے تو سنت بھی چار ہونی چاہئے مگر قیاس سے سنت ثابت نہیں ہوسکتی۔

باب ماجاء فی الرکعتین بعد العشاء

(1) ص:۳۱و۳۲'' باب فضل الجماعۃ ورکعتی الفجر''(2) ص:۳۴۳ ج:۲'' فی اربع رکعات بعد العشاء''

(3) صحیح بخاری ص:۲۲ ج:۱'' باب العلم والعظۃ باللیل''

(4) رواہ الترمذی ص:۴۵ ج:۱'' باب ماجاء فی الصلوٰۃ قبل المغرب''(ایچ ایم سعید) ولفظہ بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء

باب ماجاء ان صلوٰة الليل مثنىٰ مثنىٰ

یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔

صلوٰۃ اللیل کا اطلاق عموماً تہجد کی نماز پر ہوتا ہے یہاں مطلق رات کی نماز مراد نہیں کہ اس میں فرض و وتر بھی ہے اور کسی کے نزدیک وہ مثنیٰ مثنیٰ نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ دن ہو یا رات نوافل چار چار رکعات پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک مطلقاً دو رکعت پڑھنا اولیٰ ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ دن کو چار افضل ہیں رات کو دو افضل ہیں۔ امام اسحٰق بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ رات کو چار رکعت جائز نہیں بلکہ فصل بالتسلیم چار رکعات میں ضروری ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جمہور کا آپس میں اختلاف اولیت کا ہے۔ امام مالک سے اختلاف جواز کا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ یہ مفید حصر ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ حصر جواز ہے تو چار جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حصر افضلیت ہے لہٰذا دو دو افضل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ حصر اباحت ہے اور یا یہ بالنسبۃ الی الاربعۃ نہیں بلکہ بالنسبۃ ایک اور تین کے ہے کہ یہ رکعات نفل میں صحیح نہیں۔ قال ابن العربی فی العارضۃ (1) کہ عند الشافعی ایک رکعت نفل بھی جائز ہے بلکہ صلوٰۃ بالتکبیرۃ بھی صحیح ہے کہ فقط تحریمہ کہہ کہ نماز توڑ دیں یہ بھی نماز ہے۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ یہ تلاعب بالصلوٰۃ ہے اور ایک نفل ثابت نہیں۔

صاحب درمختار نے صاحب العیون سے صاحبین کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے کہ دو پڑھنا رات کو اولیٰ ہے اس حدیث کی رو سے اگر چہ امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر بھی بعض دلائل سے استدلال کیا گیا ہے۔ مسند ابویعلیٰ (2) میں ہے۔

باب ماجاء ان صلوٰة الليل مثنىٰ مثنىٰ

(1) ص:۱۹۲ ج:۲

(2) مسند ابی یعلیٰ ص:۱۰ ج:۴ رقم حدیث ۴۳۴۹ ولفظہ بکلام

عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى الضحى اربع ركعات لايفصل بينهن بسلام

دوسری روایت مسلم(3) میں ہے۔

عن معاذة انها سئلت عائشة كم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى صلوة الضحىٰ قالت اربع ركعات ويزيد ماشاء۔

پہلے مؤطا کے حوالے سے گذرا ہے کہ سنن ظہر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا فقال یارسول اللہ أیفصل بینہن بسلام فقال لا یہ دن کی نماز کے بارے میں ہے رات کی نماز کے بارے میں ایک روایت عائشہ ہے جو صحیحین (4) میں مروی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اگلے سے پیوستہ باب میں ذکر کی ہے کہ ابوسلمہ نے عائشہ سے پوچھا:

كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان؟ فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولافى غيره علىٰ احدى عشرة ركعة يصلى اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعاً فلاتسئل عن حسنهن وطولهن

اس پر اعتراض ہے کہ مسلم (5) میں عائشہ اور نسائی (6) میں ام سلمہ کی روایت میں تصریح ہے کہ یسلم علی کل رکعتین۔

جواب:۔ بنوری صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ جس طرح اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوۃ اللیل میں حالات کی وجہ سے کیفاً تبدیلی ثابت ہے تو ممکن ہے کہ کماً بھی تبدیلی ہوئی ہو کہ کبھی چار کبھی

(3) ص:۲۴۹ ج:۱ ''باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ وان اقلہا رکعتان الخ''

(4) صحیح بخاری ص:۱۵۴ ج:۱ ''باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ'' وصحیح مسلم ص:۲۵۴ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ''

(5) صحیح مسلم ص:۲۵۴ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ''

(6) لم اجدہ عن ام سلمۃ بہذہ الالفاظ ۔۱۲ واللہ اعلم

دو دو پڑھی ہو۔

مصنف ابن ابی شیبہ (7) میں ابن مسعود سے مروی ہے۔

من صلی اربعاً بتسلیمة واحدة باللیل عدلن بمثل قیام لیلة القدر

اور تحدید ثواب شارع کا کام ہے تو یہ حکماً مرفوع ہے۔ مگر مفتی بہ عند صاحب درمختار صاحبین کا قول ہے اور شاہ صاحب کا میلان بھی اسی طرف ہے فرماتے ہیں کہ اگر مجھے امام ابوحنیفہؒ کا ایک شاذ قول بھی مل جاتا تو میں اسی شاذ قول پر فتوی دیتا۔

بنوری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے مل گیا کہ شرح مہذب میں نووی نے نقل کیا ہے کہ دن کو چار اور رات کو دو دو اور ممکن ہے کہ ہماری کتابوں میں تو نہیں لیکن نووی نے ابن منذر سے نقل کیا ہو اور ابن منذر کا مذاہب پر عبور مسلم ہے۔ (8)

فاذا خفتَ الصبح الخ یعنی جب طلوع صبح کا ڈر ہو "فاوتر بواحدةٍ" یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی رکعت پڑھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ شفع کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر بناؤ تو اوتر بمعنی بنانے کے ہے۔ واجعل آخر صلوتک وتراً یہ برائے استحباب ہے کہ جس کو ڈر ہو کہ سو کر جاگ نہ سکے گا تو اس کے لئے پہلے وتر پڑھنا افضل ہے اگر کسی کو اٹھنے کا یقین ہو یا کوئی انتظام کیا ہے تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ تہجد کے بعد وتر پڑھے۔

---

(7) ص: ۳۴۳ ج: ۲ "فی اربع رکعات بعد العشاء"

(8) دیکھئے تفصیل کے لئے معارف السنن من ص: ۱۱۷ الیٰ ص: ۱۲۸ ج: ۴

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ اللیل

رجال:۔

ابی بشر کا نام جعفر بن ایاس الیشکری ہے ثقہ ہیں۔ حمید بن عبدالرحمٰن ثقہ اور فقیہ ہیں۔☆

تشریح:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد از رمضان بہتر روزہ اللہ کے مہینے محرم کا ہے۔ شہر کی اضافت الی اللہ تعظیم کے لئے ہے کمافی بیت اللہ او بلدۃ اللہ اور فرض کے بعد بہتر نماز رات (تہجد) کی نماز ہے۔

یہاں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ابواب الصوم (1) میں صوم یوم عرفہ کی فضیلت میں ابوقتادہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صیام یوم عرفۃ (الحدیث) یعنی اس کا ثواب دو سال کے برابر ہے۔ وفی روایۃ (2) محرم کے روزے کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا ثواب ایک سال کے برابر ہے اس سے معلوم ہوا کہ عرفہ کا روزہ محرم سے زیادہ افضل ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ رمضان کے علاوہ افضل ترین روزہ محرم کا ہے۔

جواب ا:۔ یہ فرضِ حج سے پہلے کی بات ہے تو یہ حکم صوم عرفہ سے پہلے کا ہے پس یہ منسوخ ہے۔

جواب ۲:۔ ایک سال و دو سال کا حکم آپس میں دونوں دنوں کے تقابل سے ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ محرم کے پورے مہینے کے روزے باقی مہینوں کے پورے روزوں سے افضل ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں ہے کہ فرض کے بعد تہجد کی نماز افضل ہے مگر یہ شبہ نہ ہو کہ اس کی فضیلت

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ اللیل

(1) رواہ الترمذی ص:۹۳ ج:ا ''باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفۃ''

(2) راجع الترمذی ص:۹۴ ج:ا ''باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء''

واجبات وسنن رواتب سے بھی زیادہ ہوگی کیونکہ فرض سے مراد مکملات وتوابع سب ہیں تو یہ ثابت نہیں ہوا کہ رواتب ووتر مفضول ہیں بلکہ وہ افضل ہیں۔ کہ وتر واجب ہے اور رواتب سنن مؤکدہ ہیں جبکہ صلوٰۃ اللیل عندالجمہور نہ واجب ہے نہ سنن مؤکدہ میں سے ہے اگرچہ عندالبعض تہجد مطلقاً واجب ہے اور عندالبعض حفاظ کے لئے واجب ہے۔ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ صلوٰۃ اللیل سوائے فرض کے تمام نمازوں سے افضل ہے یہ ابواسحٰق مروزی کا قول ہے عندالبعض وتر افضل ہے۔ عندالبعض فجر کی دو رکعت اولیٰ ہے بعض ظہر کی رواتب کو افضل قرار دیتے ہیں۔

باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی ﷺ باللیل

اس باب کی دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔

ابوسلمہؓ نے عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے پہلے چار پڑھتے۔ اس کے حسن وطول کے متعلق نہ پوچھو پھر اسی طرح چار پھر تین رکعت وتر کے پڑھتے عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ قبل از وتر سوجاتے ہیں تو فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

اکثر شراح نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ میری نیند ناقض وضو نہیں یعنی میں باقی لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو نوم میں اتنے غافل ہوجاتے ہیں کہ حدث کا علم نہیں ہوتا مجھے علم ہوجاتا ہے۔ مگر یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ قبل از وتر سوجاتے ہیں تو امکان ہے کہ وقت پہ نہ اٹھیں تو وتر کے قضاء ہونے کا خطرہ ہے تو فرمایا کہ دل بیدار ہوتا ہے میں اٹھ سکوں گا یہ توجیہ بہتر ہے نسبتاً مگر اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اٹھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے نہ کہ دل سے ورنہ لیلۃ التعریس میں نماز قضاء کیوں ہوئی۔

جواب:۔ ممکن ہے کہ طلوع وغروب کا تعلق آنکھوں سے ہو مگر رات کے حصوں کا تعلق دل سے ہے جب نیند پوری ہوجاتی ہے تو آدمی اٹھ جاتا ہے۔

اس سے غیر مقلدین تراویح کے آٹھ ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہ رمضان میں آٹھ سے زیادہ نہیں

پڑھیں اور یہ روایت اصح مافی الباب ہے۔ صحیحین (1) میں بھی یہ روایت ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک تراویح کی تعداد بیس سے کم نہیں اور مذکورہ روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ اصح مافی الباب تو ہے مگر اس سے تراویح کی نفی نہیں ہوتی کہ یہ تو تہجد کے بارے میں ہے دلیل یہ ہے کہ اگر مطلق قیام اللیل کے بارے میں ہوتی تو اس کو ابواب الصوم میں لانا چاہئے تھا حالانکہ اس کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے جبکہ ابواب الصوم میں قیام شہر رمضان کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے (2) وفیہ عن ابی ذر کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے جب سات دن رہ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ ایک تہائی لیل کا وقت گذر گیا اس سے مراد فرض نہیں کہ پھر چوبیس کو نہیں پڑھائی پھر پچیس کو پڑھائی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ بقیہ اللیل پڑھاتے اس سے تہجد کی نفی ہوئی کہ وہ آٹھ سے زیادہ نہیں دوسری بات یہ ہے کہ تہجد آخر اللیل میں پڑھی جاتی ہے نہ کہ اول اللیل میں فقال انہ من قام مع الامام حتیٰ ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ اس میں آٹھ کا ذکر نہیں۔ ثم لم یصل بنا حتیٰ بقی ثلث من الشہر وصلی بنا فی الثالثۃ (ستائیس کو) ودعا اہلہ الخ وفیہ حتیٰ تخوفنا الفلاح قلت لہ وما الفلاح قال السحور تو ظاہر ہے کہ عشاء سے لیکر صبح تک صرف تہجد کی نماز نہیں پڑھی۔

قال ابوعیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علیٰ ھذا عندھم بالمدینۃ واکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃً تو جمہور صحابہ کا عمل ہوا وھو قول السفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعیؒ وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ وقال احمد روی فیھا الوان لم یقض فیہ بشیئ وقال اسحق بل نختار احدی واربعین رکعۃ علیٰ ماروی عن ابی بن کعب واختار ابن مبارک واحمد واسحق الصلوۃ مع الامام فی شہر رمضان

(ترمذی ص:۱۶۶ ج:۱ باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل

(1) صحیح بخاری ص:۱۵۴ ج:۱ ''باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ'' صحیح مسلم ص:۲۵۴ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات الخ'' (2) دیکھئے ص:۹۹ ج:۱ فاروقی کتب خانہ

اس کے علاوہ دارقطنی (3) مصنف ابن ابی شیبہ (4) میں ابن عباس کی حدیث ہے جس کی بیہقی (5) نے تصحیح کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس پڑھائی اگر بیس کی تعداد معلوم نہ ہوتو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں نے بہت زیادہ دلچسپی لی تو فرمایا کہ تاکہ تم پر فرض نہ ہو اس لئے نہیں نکلے۔ معلوم ہوا کہ یہ تہجد نہیں تھی بلکہ نئی چیز تھی تاہم ابن عباس کی یہ روایت اگر بالفرض صحیح نہ بھی ہو تب بھی حضرت عمر نے سب کو بیس پر جمع کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب کی حد حضرت عمر نے مقرر فرمائی جب صحابہؓ و تابعین نے اس کو بدعت نہیں کہا اور مخالفت بھی نہیں کی تو یہ اجماع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین (6) اور حضرت عمر کے خلیفہ راشد ہونے میں کس کو شک ہے؟ تاہم اعدل قول یہ ہے کہ تراویح سنت ہیں اور بیس رکعات کی تعیین مستحب ہے۔

باب منه

رجال:۔

ابی جمرہ بالجیم والراء ان کا نام عمران بن عصام ہے نزیل خراسان ہیں ثقۃ من الثالثۃ۔ اس روایت کی تخریج بخاری نے کی ہے۔

باب منه

اس باب کی دونوں حدیثیں مسلم میں ہیں۔ ان ابواب پر انشاء اللہ ابواب الوتر میں بحث آئے گی۔

---

(3) لم اجدہ ولکن راہ الطبر انی فی معجمہ بحوالہ نصب الرایہ ص:۱۵۰ ج:۲ (4) ص:۲۹۴ ج:۲ ''کم یصلی فی رمضان من رکعۃ''
(5) بیہقی کبریٰ ص:۴۹۶ ج:۲ ''باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان'' (6) رواہ الترمذی ص:۹۲ ج:۲ ''باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ'' ایضاً ابن ماجہ ص:۵ ''باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین''

باب ماجاء فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلة

یعقوب بن عبدالرحمٰن ثقہ ہیں۔ یہ حدیث صحاح ستہ سب میں ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں مراد نیچے والا آسمان ہے جس کو حکماء فلک قمر کہتے ہیں اور اس کو سماء دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا سے نظر آتا ہے یا دنیا سے قریب تر ہے اگر عرش وکرسی کو افلاک میں شامل کریں تو افلاک کی تعداد نو ہو جائے گی اور عناصر چار ہیں تو بقول حکماء کے تیرہ کرات پر عالم مشتمل ہے اور اگر عرش وکرسی کو شامل نہ کریں تو سات ہے کمافی القرآن۔

ترمذی میں ایک تہائی رات کے گذرنے کے بعد نزول اللہ کا ذکر ہے لیکن ترمذی نے دوسرے طرق وقد روی ہذا الحدیث من اوجہ کثیرۃ کا حوالہ دیا ہے ایک طریق یہاں بیان کیا ہے حین یبقی ثلث اللیل وہذا اصح روایۃ یعنی دو تہائی رات کے بعد نزول ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ ترمذی نے اسی کو ترجیح دی ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ باقی روایات سے جوف اللیل الآخر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے کہ نزول ثلث اول کے گذرنے پر ہو اور یہ کلام اس وقت ہو جب ایک تہائی رات باقی ہو اس وقت باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کو دوں اور اس کی مغفرت کروں یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔

اشکال:۔ نزول وصعود اور انتقال یہ جسم کی صفات ہیں اور باری تعالیٰ جسمیت سے منزہ ہے تو حدیث میں اس کا اطلاق اللہ پر کیسے ہوا؟ بلکہ یہ اشکال ہر اس روایت پر ہوتا ہے جس کے ظاہری معنی سے جسمیت کا شائبہ ہوتا ہے۔

جواب:۔ پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تین فرقے ہیں۔

(۱) مجسمہ ومشبہہ وہ ان روایات کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں اور جسمیت کے قائل ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ معتزلہ کا ہے حکماء کا مذہب بھی اس کے قریب ہے جو بعض صفات کا انکار کرتے ہیں اور بعض صفات کے عینیت کے قائل ہیں۔

(۳) اہلسنت والجماعت میں دونظریئے ہیں ایک متقدمین کا ایک متاخرین کا ہر واحد میں ایک ایک فرقہ صوفیہ کا بھی ہے۔ متقدمین کہتے ہیں کہ مذکور روایت پر ایمان لانا ضروری ہے البتہ اس کی کیفیت میں نہ غور کیا جائے گا نہ سوال کیا جائے گا کما ہو مروی عن ابی حنیفۃ وقیل عن مالک انہما سئلا عن الاستواء فقالا الاستواء حق والکیف مجھول والسوال عنہا بدعۃ محدثین کی رائے بھی یہی ہے کہ ہذا حق کما یلیق بشانہ تعالیٰ لیکن متاخرین اس قسم کی روایات میں تاویل کرتے ہیں جیسے کہ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ مراد غایات ہوتے ہیں یعنی لوازم جیسے رحمٰن ورحیم کا اطلاق اللہ پر ہوا ہے رحمت رقت قلب کو کہتے ہیں اور رقت قلب فرع ہے ثبوت قلب کی حالانکہ باری تعالیٰ کا قلب نہیں تو مراد لوازم ہے کہ رقت قلب کے ساتھ مہربانی ولطف لازم ہے لہٰذا یہاں مراد نزول سے نزول رحمت ہوگا اور باری تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ قریب ہونا افاضہ انوار اور اجابۃ الدعوات وغیرہ مراد ہے۔

متقدمین ومتاخرین میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدماء کے زمانے میں مجسمہ کا وجود نہ تھا تو تاویل کی ضرورت نہ تھی متاخرین کے دور میں مجسمہ ظاہر ہوئے اور آیات واحادیث کے ظاہر سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو متاخرین نے تاویل کی تا کہ آیات کی تکذیب بھی لازم نہ آئے اور تجسیم بھی لازم نہ آئے اسی طرح وہ تاویل صحیح ہوگی جو اصول شرع کے منافی نہ ہو اور ضرورت کی حد تک ہو ورنہ غلط تاویل تحریف کے مرادف ہوگی اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں معتزلہ مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام قرار دیتے تھے تو انہوں نے بساطت ایمان کا قول کیا محدثین کے زمانے میں مرجیئہ کا خروج ہوا اور تصدیق قلبی کو کافی سمجھا بلکہ یہاں تک کہا کہ کوئی معصیت ایمان کے منافی نہیں تو ترکیب ایمان کا قول اختیار کرنا محدثین کے لئے ضروری ہوگیا۔

صوفیہ کے دو فرقے ہیں ایک قدماء صوفیہ دوسرا متاخرین کا ہے۔ قدماء صوفیہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اس کے مطابق اس قسم کی آیات واحادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں کہ وہ فقط وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور وجود عالم عندہم اعتباری ہے مثالہ جیسے ایک آدمی کمرے میں چاروں طرف آئینے لگائے اور بیچ میں بیٹھ جائے تو حقیقت میں ایک ہی وجود ہوتا ہے مگر اس میں بہت سے عکوس نظر آتے ہیں تو حقیقی وجود ایک ہی ہے باقی اعتباری

ہے تو اس وجود میں اگر تعیین زیدی کیا جائے تو زید ہے اگر تعین عمری کیا جائے تو عمر ہے علیٰ ہذا القیاس۔ یہ مذہب عام علماء کے ذہن سے بالاتر ہے اس لئے تو ملاحسن فرماتے ہیں کہ لا تو ید ہاولا نرد ہا۔

متاخرین کہتے ہیں کہ اللہ کا وجود اصلی ہے عالم کا وجود وجود ظلی ہے مثالہ ایک تخت پر بادشاہ بیٹھا رہتا ہے تو اگر چہ وہاں اور لوگ بھی ہوتے ہیں مگر مطمع النظر وجود سلطان ہوتا ہے یہ قریب الی الفہم ہے مگر مشکل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشابہات سے نہ باری تعالیٰ کیلئے جسم ثابت کرنا صحیح ہے کما قال المجسمۃ نہ انکار صحیح ہے کما انکرہا المعتزلۃ بلکہ صحیح تاویل کی ضرورت ہے تاکہ نہ تکذیب ہو نہ تجسیم کما ہو رای المتاخرین بقدر الضرورۃ یا اجمالاً ایمان لایا جائے کما ہو رای المتقدمین۔

باب ماجاء فی القراءۃ باللیل

رجال:۔

یحیٰ بن اسحٰق البغدادی کو ابن سعد نے ثقہ جبکہ حافظ نے صدوق کہا ہے۔ عبداللہ بن رباح المدنی ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ میرا گذر آپ پر ہوا تو آپ آہستہ پڑھ رہے تھے تو عرض کیا کہ اسمعت من ناجیت عمر سے کہا کہ آپ اونچا پڑھ رہے تھے تو کہا کہ میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا تو دونوں کو اعتدال کا حکم فرمایا۔

مسئلہ بھی یہ ہے کہ نہ زیادہ آہستہ اور نہ زیادہ زور سے بلکہ درمیانی قراءت کرنی چاہئے کما فی القرآن (1) ''ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذالك سبيلاً'' البتہ رفع سے مراد

باب ماجاء فی القراءۃ باللیل

(1) سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱۱۰

یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو اگر کسی کو ایذاء ہو تو آہستہ پڑھنا چاہیئے کہ ایذاء الغیر حرام ہے۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ زور سے پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے الا یہ کہ ریاء کا اندیشہ ہو حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات بھر ایک آیت تلاوت فرمائی ''ان تعذبھم فانھم عبادک'' الآیۃ طحاوی (2) سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بجائے اور دیگر ارکان رکوع وسجود دونوں میں یہی پڑھ رہے تھے معلوم ہوا کہ نوافل میں ایک آیت کی تکرار جائز ہے اور یہ کہ فاتحہ فرض نہیں ہے۔

باب ماجاء فی فضل صلاۃ التطوع فی البیت

رجال:۔

عبداللہ بن سعید صدوق ہیں تاہم کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں ابن معین واحمد وغیرہما نے توثیق کی ہے۔ سالم ابی النضر ثقۃ مرذکرہ۔

بسر بن سعید بضم الباء وسکون السین' مدنی' عابد اور ثقہ من الثانیۃ ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اتنے پیسے بھی نہیں چھوڑے تھے کہ جن سے کفن کا انتظام ہو جائے یہ تھا اسلاف کا زہد۔☆

تشریح:۔

امام طحاوی (1) فرماتے ہیں کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت فقط فرائض کے بارے میں ہے نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے کہ اگر نوافل کو بھی وہ فضیلت شامل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوافل گھر کے بجائے مسجد میں پڑھتے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہؓ اکثر نوافل گھر میں پڑھتے تھے۔ عن ابن عمر مرفوعاً

---

(2) انظر شرح معانی الآثار ص:۲۴۱ ج:ا ''باب جمع السور فی رکعۃ''

باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ التطوع فی البیت

(1) کمافی شرح معانی الآثار ص:۲۳۶ ج:ا ''باب التطوع فی المساجد''

صلوا فی بیوتکم ولاتتخذوھا قبوراً یعنی گھروں کوقبرستان کی طرح عبادت سے خالی مت بناؤ جیسے مردے عبادت نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔

مگراس پراعتراض ہے کہ مسلم (2) وابن ماجہ (3) اورترمذی کی کثیرروایات سےقبروں میں عبادت کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب ا:۔ یہ حکم علی العموم ہےاگرچہ مستثنی اس میں ہے۔

جواب ۲:۔ موت کے بعد عمل منقطع ہوجاتا ہےمگرخصوصیات اور مستثنیات ہوتی ہیں کہ بعض حضرات جن کی عبادت مزاج کا حصہ بن چکی ہوتو وہ قبرمیں بھی بطورعادت وغذاءنمازاوردیگرعبادات کرتے ہیں نہ کہ بطور ثواب۔دوسرامطلب یہ ہےکہ گھروں میں مردے مت دفناؤ۔تیسرامطلب یہ ہےکہ قبرستان میں نمازمت پڑھو (یعنی بیان کراہت) یہ منسوب الی البخاری ہے۔چوتھا مطلب یہ ہے کہ گھروں کوخوابگاہ مت بناؤ کہ بالکل عبادت ہی نہ ہو۔
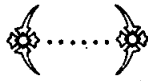
(2) دیکھئے صحیح مسلم ص:۲۶۸ ج:۲ ''باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام''

(3) ابن ماجہ ص:۳۱۶ ''باب ذکرالقبر والبلیٰ''

ابواب الوتر

باب ماجاء فی فضل الوتر

باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم

رجال:۔

یزید بن ابی حبیب ثقہ اور کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

عبداللہ بن راشد الزوفی بفتح الزاء وسکون الواو وبفاء ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے جبکہ بعض نے مستور قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن ابی مرہ صدوق ہیں تاہم خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی روایت منقطع ہے۔

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں مصر میں رہائش پذیر رہے قریش کے مشہور شہسواروں میں سے تھے تین خارجیوں نے باہم مشورہ میں یہ طے کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک ان تین صحابہ میں سے ایک کو قتل کرے گا حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم تو ایک حضرت علی کو شہید کرنے میں اپنے مذموم مقصد کو پہنچا دوسرا حضرت معاویہ کو شہید کرنے میں نامراد رہا تیسرے نے حضرت عمرو ابن العاص کے شبے میں حضرت خارجہ کو شہید کر دیا۔ اس سند سے فقط یہی ایک روایت پائی جاتی ہے۔☆

تشریح:۔

چونکہ وتر میں متعدد مسائل ہیں ایک یہ کہ وتر واجب ہے یا سنت؟ دوسرا یہ کہ اسکا وقت کیا ہے؟ تیسرا یہ کہ اس کی رکعات کتنی ہیں؟ اسی طرح وتر راحلہ پر پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو چونکہ مسائل کثیرہ ومتعدد ہیں تو ترمذی

نے ابواب الوتر کاعنوان قائم کیا۔

وتر لغۃ طاق کو کہتے ہیں اصطلاح میں اسکا اطلاق تہجد پر بھی ہوتا ہے اور وتر معروف پر بھی ہوتا ہے یہاں وتر متعارف ہی مراد ہے شروع میں دو باب باندھے ہیں اول سے وجوب معلوم ہوتا ہے دوسرے سے عدم وجوب اس میں اشارہ ہے اختلاف کی طرف۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے عملاً فرض کی طرح ہے منکر کافر نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ وصاحبین وجمہور کا مذہب یہ ہے کہ وتر سنت ہے اختلاف کی بنیاد اختلاف روایات ہے بعض سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض سے اس کی سنیت معلوم ہوتی ہے۔

بعض نے اس کو نزاع لفظی قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نزاع معنوی ہے نزاع لفظی کے قائلین کہتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ فرض وسنت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور وتر کے عدم فرضیت پر اتفاق ہے تو انہوں نے سنت کہا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واسطہ ہے اور روایات میں تاکید ہے تو انہوں نے واجب کہا۔ مگر یہ محل نظر ہے کہ یہ نزاع مبنی ہے ایک دوسرے نزاع معنوی پر اور قاعدہ یہ ہے کہ وہ نزاع جو مبنی ہو دوسرے نزاع معنوی پر تو وہ بھی معنوی ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحبین بھی اس کی سنیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ واسطے کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ا:۔ خارجہؓ بن حذافہ کی روایت باب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللّٰـہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعلہ اللّٰہ لکم فیما بین صلوۃ العشاء الی ان یطلع الفجر

خیر لکم من حمر النعم اس لئے فرمایا کہ اونٹ عندالعرب پسندیدہ ترین مال ہوتا ہے تو آدمی کی بڑی دنیا اونٹ ہوتی ہے تو فرمایا کہ یہ تمہاری دنیا سے بہتر ہے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ امدکم اور مدالجیش وامدہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لشکر میں اضافہ کیا جائے اور قاعدہ یہ ہے کہ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے تو صلوٰۃ الوتر فرائض کے جنس میں سے ہوگی لہٰذا سنت نہیں کہا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وتر کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے اور سنت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہوتی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے رمضان کے روزے تمہارے اوپر فرض کئے میں نے قیام مسنون

کیا۔

اعتراض:۔ ابن العربی نے عارضہ میں کیا اور صاحب تحفہ نے تائید کی ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ مزید مزید علیہ کے جنس میں سے ہوتا ہے مثلاً کوئی دس کی چیز خریدے اور گیارہ دے تو یہ ایک روپیہ مزید ومدد ہے اور یہ جنس مزید علیہ میں سے نہیں کہ دس روپے اس پر واجب الادا ہے اور یہ گیارہواں اس کی مرضی پر ہے۔ واجب الاداء نہیں۔

جواب:۔ ہدایہ جلد ۳ میں ہے کہ مشتری جب پیسوں میں اضافہ کرتا ہے تو اعطاء اضافے کے بعد اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو مزید فیہ کا ہے مثلاً ربح تولیہ وغیرہ میں اور اس زیادتی کو اصل ثمن کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے تو دینے سے پہلے واجب الاداء اگرچہ نہیں تھا مگر دینے کے بعد اصلی ثمن کے حکم میں ہے۔

اعتراض ۲:۔ اگر مزید مزید علیہ کے جنس میں سے ہوتا ہے اور جس چیز کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہو تو وہ سنت نہیں ہوتی پھر تو صلوۃ الوتر فرض ہونی چاہئے کہ مزید علیہ تو فرض ہے۔

جواب:۔ فرض کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ قطعی الثبوت ہو دوسری یہ کہ قطعی الدلالۃ ہو اور یہ قطعی الثبوت اس لئے نہیں کہ خبر واحد ہے اور قطعی الدلالۃ اس لئے نہیں کہ امدکم سے زیادتی ثواب لینا ممکن ہے۔ اس سے یہ اعتراض بھی رفع ہوا کہ ہمارے لئے قطعی الثبوت نہیں تو ہمارے لئے عمل کرنا فرض نہیں مگر صحابہؓ کے لئے تو قطعی الثبوت ہے تو ان پر فرض ہونی چاہیئے۔

جواب:۔ یہ ہے کہ اگرچہ ان کے لئے روایت قطعی الثبوت تھی مگر قطعی الدلالۃ نہیں تھی تو شرط ثانی فرض کی نہیں پائی گئی۔

اعتراض ۳:۔ امدکم لفظ تو سنن فجر کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

جواب ا:۔ وہ بھی واجب ہے۔

جواب ۲:۔ حضرت شاہ صاحب نے دیا ہے کہ یہ زیادتی فجر کی سنتوں کی روایت میں راوی کا وہم ہے۔

دلیل۲:۔ علاوہ ترمذی دیگر سنن (1) میں ہے الوتر حق واجب علیٰ کل مسلم قال ابن ہمام: ابن حبان(2)اور حاکم(3) نے بھی اس کو نقل کیا ہے وقال الحاکم علیٰ شرطھما (الشیخین)

دلیل۳:۔ابو سعید خدری کی روایت دار قطنی (4) میں ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من نام عن وترہ او نسیہ فلیصلہ اذااصبح اوذکرہ

اس میں قضاء بجالانے کا ذکر ہے جو علامت وجوب ہے قال الحاکم صحیح (5)علی شرط الشیخین۔

دلیل۴:۔ابوداؤد(6) میں ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا قالہ ثلث مرات

اعتراض۱:۔اس میں ابوالمنیب عبیداللہ بن عبداللہ العتکی نامی راوی ہے جس کی بخاری، نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔(7)

جواب:۔ان لوگوں نے تضعیف کی ہے مگر موثقین کی تعداد ناقدین کی تعداد سے زیادہ ہے جن میں یحیٰ بن معین ابوحاتم امام حاکم وغیرہ قابل ذکر ہیں بلکہ ابوحاتم نے بخاری پر اس تضعیف کی وجہ سے اعتراض بھی کیا ہے کہ کیوں تضعیف کی وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین (8)

اعتراض۲:۔اس کی صحت تسلیم بھی ہو تب بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا کہ حق بمعنی ثابت ہے۔

(ابواب الوتر)باب ماجاء فی فضل الوتر . باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم

(1)اخرجہ احمد وابن حبان واصحاب السنن بحوالہ نصب الرایہ ص:۱۱۱ ج:۲ (2) کذافی نصب الرایہ ص:۱۱۲ ج:۲

(3)مستدرک حاکم:۳۰۳ ج:۱ الوتر حق الخ (4)ص:۱۶ ج:۲ رقم حدیث:۱۶۲۱ ''من نام عن وترہ اونسیہ''

(5)ص:۳۰۲ ج:۱ ''الوتر حق'' (6)ص:۲۰۸ ج:۱ ''باب فیمن لم یوتر'' (7) کذافی تھذیب التھذیب ص:۲۶ و۲۷ ج:۷

(8)ص:۳۰۲ ج:۱ مستدرک حاکم

جواب :۔ یہاں حق بمعنی وجوب کے ہے کہ فلیس منا کی تصریح اس پر قرینہ ہے پہلے واجب کی تصریح گذر چکی ہے۔

دلیل ۵:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر پر مواظبت من غیر ترک ثابت ہے جو علامت وجوب کی ہے۔

جمہور کا استدلال دوسرے باب میں روایت علی سے ہے الوتر لیس بحکم کصلوتکم المکتوبۃ۔

جواب :۔ یہ روایت ہمارے خلاف نہیں کہ اسمیں فرض نماز کے ساتھ وتر کے مشابہ ہونے کی نفی ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں کہ منکر فرض کافر اور منکر وتر کافر نہیں۔

دلیل ۲:۔ وہ روایات (9) جن میں فرض نماز کی تعداد پانچ آئی ہے۔

جواب ۱:۔ وتر فرض نہیں اس لئے چھٹا درجہ نہیں دیا گیا۔

جواب ۲:۔ یہ فرض کے تابع ہے اور تابع کو متبوع کے ساتھ گنا جاتا ہے نہ کہ الگ۔

دلیل ۳:۔ نجد سے ایک وافد آیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نماز کا حکم دیا اس نے کہا ھل علیّ غیرھن قال لاو کماقال علیہ السلام (10)

جواب ۱:۔ وتر عشاء کے تابع ہے۔

جواب ۲:۔ ممکن ہے کہ اس وقت وتر کا وجوب نہ ہوا ہو کہ ان اللہ امدکم سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا وجوب بعد میں ہوا ہے کہ مزید مزید علیہ سے مؤخر ہوتا ہے۔

دلیل ۴:۔ وتر نماز واجب ہوتی تو مستقل وقت واذان کا اہتمام ہوتا۔

جواب :۔ یہ تابع ہے عشاء کا تو اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد کا ہے اور عشاء کی اذان اذان وتر ہے۔

دلیل ۵:۔ ابوداؤد (11) میں ہے کہ عبادہ بن صامت نے اس کے واجب قرار دینے والے کے

---

(9) کذافی سنن نسائی ص:۸۰ ج:۱ ''باب کم فرضت فی الیوم واللیلۃ'' (10) رواہ البخاری ص:۱۳ ج:۱ ''باب اداء الخمس من الایمان'' ومسلم ص:۳۰ ج:۱ ''کتاب الایمان'' وابوداؤد ص:۶۲ ج:۱ ''اول کتاب الصلوۃ'' (11) ابوداؤد ص:۲۰۸ ج:۱ ''باب فیمن لم یوتر''

متعلق کہا "کذب"۔

جواب:۔ یہ جواب نفی فرضیت کی تھی نہ کہ وجوب کی۔

دلیل۶:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وتر سواری پر پڑھی ہے جو عدم وجوب کی دلیل ہے۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرض نماز بھی سواری پر پڑھی ہے تو اس کو بھی سنت کہو روایت ثانیہ کے اخیر میں ہے فاوتروا یا اہل القرآن قیل یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کہ امر للوجوب ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل قرآن سے مراد حفاظ ہیں کہ تہجد کی نماز پڑھا کریں تا کہ منزل مضبوط رہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت جمہور کی بھی حجت نہیں کہ مطلب یہ ہوگا کہ تہجد فرض نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اے حفاظ کرام تم تہجد پڑھا کرو تا کہ قرآن یاد رہے تو کسی کی حجت نہ ہوگی یعنی وتر سے مرد یہاں صلوٰۃ اللیل ہے۔

باب ماجاء فی کراهية النوم قبل الوتر . باب ماجاء فی الوتر من اول الليل و آخره

رجال:۔

پہلے باب میں عیسیٰ بن ابی غرہ الکوفی صدوق ہیں اور ابوثور مقبول من الثانیۃ ہیں۔ تاہم ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ دوسرے باب کے تمام روات ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

وتر کا وقت غیوبت شفق سے شروع ہوتا ہے بشرطیکہ عشاء کی نماز پڑھی ہو اور طلوع صبح تک برقرار رہتا ہے دیگر نمازوں کی طرح وتر میں بھی وقت جواز اور وقت مستحب ہے اگر کسی کو بیداری پر یقین (ظن غالب) ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ وتر مؤخر کرے۔ جیسے کہ عائشہؓ کی اس حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں نماز وتر پڑھی ہے اخیر عمر میں وتر وجہ السحر میں ہوتی تھی یعنی آخری چھٹے حصے میں ہوا کرتی تھی۔ آخری سدس کا ایک وجہ رات کی طرف ہے جو یہاں مراد نہیں اور دوسرا وجہ صبح کی طرف ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے۔ گنگوہی فرماتے ہیں کہ ہرآ خرالامرین کا ناسخ ہونا ضروری نہیں تو باقی اوقات کا نسخ اس سے معلوم نہیں ہوتا۔

اور جس کو اٹھنے کی امید نہیں تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے کمافی حدیث ابی ہریرۃ سونے سے پہلے اور اخیر میں پڑھنے کا حکم ایجاب کے لئے نہیں بلکہ استحباب وندب کے لئے ہے۔ چونکہ ابو ہریرہ رات کو دیر تک حدیث یاد کرتے تو احتیاطاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اللیل میں پڑھنے کا حکم دیا صحابہ سے دونوں طرح ثابت ہے اگر کسی نے وتر کی نماز پڑھ لی ہے پھر رات کو جاگ گیا تو دوبارہ وتر پڑھے یا نہ پڑھے اس کے لئے مستقل باب آئے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

باب ماجاء فی الوتر بسبع.

رجال:۔

یحی بن الجزار الکوفی صدوق ہیں۔

باب ماجاء فی الوتر بخمس.

باب ماجاء فی الوتر بثلاث.

رجال:۔

الحارث کبار شیعہ میں سے ہے شعبی وابن مدینی نے کذاب کہا ہے۔

باب ماجاء فی الوتر برکعة.

رجال:۔

انس بن سیرین محمد بن سیرین کے بھائی اور ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

یہ چار ابواب ہیں ان میں ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک سے لے کر سات تک وتر جائز ہے ایک رکعت کا اثبات ابن عمر کی روایت سے باب ماجاء فی الوتر برکعة میں کرنا چاہتے ہیں۔ تین رکعت کے لئے مستقل باب باندھ کر حضرت علی کی روایت کی تخریج کی ہے۔ پانچ کے لئے حضرت عائشہ کی حدیث کے لئے مستقل باب قائم کیا۔ سات رکعات کے لئے ام سلمہ کی حدیث کے لئے باب قائم کیا ہے۔ ان ابواب میں چار مسائل بیان ہونگے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات جو بظاہر متعارض ہیں ان میں تطبیق دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کے لئے کوئی عدد مقرر ہے جیسے کہ حنفیہ تین کو متعین کرتے ہیں یا بغیر تعیین رکعات کے ہے؟ کما ہو قول الجمہور۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر تین رکعات ہیں تو دو سلام کے ساتھ ہیں یا ایک سلام کے ساتھ؟ چوتھا مسئلہ حضرت عائشہ وابن عباس کی حدیثوں پر ایک وزنی اعتراض کا جواب دینا ہے۔

پہلا مسئلہ جو تطبیق بین الروایات کا ہے اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حوالے سے ایک سے لے کر سترہ تک وتر کی رکعات مروی ہیں۔ (1) دوسری بات یہ ہے کہ ان پر وتر کا اطلاق بھی ہوا ہے تو آیا ان سب کو وتر قرار دیا جائے یا تفریق کی جائے۔

اس تطبیق سے پہلے ایک وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان میں اکثر اوتر کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ باب افعال سے ہے ایتار کا اطلاق ایک صلوۃ اللیل دوسرا اوتر تیسرا اوتر بنانے بمعنی جعل الصلوۃ وترا بمعنی تصییر کے

باب ماجافی الوتر بسبع .باب ماجاء فی الوتر بخمس الخ

(1) چنانچہ تفصیل کے لئے دیکھئے سنن نسائی من ص: ۲۴۸ الیٰ ص: ۲۵۱ ج:۱

اوپر ہوتا ہے۔تو ان روایات میں دوطرح تطبیق دی گئی ہے اگر صلوۃ تہجد کو آٹھ ہی مقرر مانا جائے تو گیارہ سے سترہ تک تطبیق مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق دی جائے گی۔اس تطبیق میں عشاء کی دوسنتوں (غیر مؤکدہ) کو بھی صلوۃ اللیل میں داخل کیا گیا ہے۔ ھکذا.......

نمبر شمار	سنت عشاء دو رکعات از جملہ چار رکعات	تحیۃ الوضوء	نماز تہجد	وتر معروف	بیٹھ کر بعد وتر	سنت فجر	میزان رکعات
۱	۰	۰	۸	۳	۰	۰	۱۱
۲	۰	۲	۸	۳	۰	۰	۱۳
۳	۲	۰	۸	۳	۰	۰	۱۳
۴	۰	۰	۸	۳	۲	۰	۱۳
۵	۰	۰	۸	۳	۰	۲	۱۳
۶	۰	۰	۸	۳	۲	۲	۱۵
۷	۰	۲	۸	۳	۲	۰	۱۵
۸	۰	۲	۸	۳	۰	۲	۱۵
۹	۲	۰	۸	۳	۲	۲	۱۷
۱۰	۲	۲	۸	۳	۲	۰	۱۷

اس جدول میں صلوۃ تہجد اور وتر معروف بغیر کمی بیشی کے مذکور ہیں گیارہ سے کم تعدادِ رکعات میں دونوں تطبیقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور تین وتر اور دو رکعت عشاء کی سنت سونے سے قبل غیر مؤکدہ دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتے دو رکعت مع الوتر اور کبھی ان میں کمی بھی فرماتے۔

دوسری تطبیق شبیر احمد عثمانیؒ نے (2) دی ہے اسمیں عشاء کی سنتوں کو داخل نہیں کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحیۃ الوضو یا صلوۃ اللیل کی ابتداء کے لئے رکعتیں خفیفتین پڑھتے پھر آٹھ تہجد تین وتر دو رکعت بعد الوتر اور دو رکعت سنن فجر کہ وہ اذان کے فوراً بعد ادا فرماتے تو مجازاً صلوۃ اللیل میں شامل کر دیا بعض نے فجر کی سنتوں کو نکالا تو پندرہ ہوئیں بعض نے رکعتا الفجر کو داخل کیا لیکن تحیۃ الوضو اور بعد الوتر کی دو رکعت کو نکال دیا تو تیرہ شمار کیں

(2) کذا فی فتح الملہم ص:۲۸۸ ج:۲

بعض اوقات سنت فجر کو خارج کیا تو گیارہ رہ گئیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم متبدن ہوئے اور ضعف لاحق ہوا تو چھ تہجد اور تین وتر پڑھے تو نو ہوگئیں بعض دفعہ بیان جواز یا عارض کی وجہ سے چار تہجد تین وتر تو سات ہوگئیں۔ کمافی الباب الاول فلما کبر وضعف اوتر بسبع تو سات اور سات سے اوپر جتنی رکعات ہیں ان سے مراد صلوٰۃ اللیل ہے نہ کہ صرف وتر امام ترمذی نے اسحٰق بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے۔

معنی ماروی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث عشرۃ قال معناہ انہ کان یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ مع الوتر کان یوتر بثلاث عشرۃ قال انما معناہ ان کان یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ مع الوتر فنسبت صلوٰۃ اللیل الی الوتر

اوتر بخمس بثلاث وواحد کا جہاں تک تعلق ہے تو ایتار کے دو اور بھی معنی ہیں و بخمس کا معنی ہوگا کہ پانچ رکعت وتر کی نماز پڑھی تین وتر دو رکعت تابع وتر کما سیجئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر کو خالی نہ پڑھو اوتر بثلاث حقیقت پر محمول ہے۔ او بواحدۃ ایتار کے تیسرے معنی پر محمول ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو رکعت پڑھ کر ایک رکعت اور ملاتے تو وتر بنا لیتے یعنی صیر وجعل صلوتہ وترا کما سیجئی انشاء اللہ۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی رکعات کی تعداد عندالحنفیہ تین ہے نہ کم نہ زیادہ جمہور کے نزدیک تین ایک پانچ سات سب جائز ہیں۔ یہ عموماً تین پڑھتے ہیں لیکن دو سلاموں کے ساتھ۔

دلیل جمہور وہ روایات ہیں جن سے ایک رکعت وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے (3) جیسے آخری باب میں ابن عمر کی حدیث ہے ویوتر برکعۃ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے عملاً یا قولاً ایک رکعت وتر پڑھنا مستقل تحریمہ اور مستقل سلام کے ساتھ مصرح طور پر ثابت نہیں۔ اسی طرح تین رکعت دو سلام دو قعدوں کے ساتھ ثابت نہیں اگر ہے تو یا مبہم ہے یا مجمل ہے اس لئے عندالحنفیہ تین رکعت دو قعدے ایک سلام ہیں کہ ایسی روایات ہیں جن میں رکعت ثانیہ پر سلام کی نفی مصرح ہے (4) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین رکعات کا اثبات

---

(3) کذافی النسائی ص: ۲۴۷ و ۲۴۸ ج: ۱ ''باب کم الوتر''

(4) دیکھئے سنن نسائی ص: ۲۴۸ ج: ۱ ''باب کیف الوتر بثلاث'' ایضاً مؤطا محمد ص: ۱۵۱ ''باب السلام فی الوتر''

حضرت عائشہ کی حدیث باب ماجاء فی وصف صلوٰۃ النبی باللیل میں گذری ہے وہو صحیح وفی المسلم ایضاً (5) جب ابوسلمہ نے حضرت عائشہ سے تہجد کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھی یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہن وطولہن وفیہ ثم یصلی ثلاثاً یہ صحیح بھی ہے اور تین رکعت پر صریح بھی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس میں درمیان والا سلام نہیں ہوتا۔

دلیل ا:۔ یہ ہے کہ امام نسائی (6) نے اس پر باب باندھا ہے کیف الوتر بثلاث۔

دلیل ۲:۔ ترمذی میں ہے۔

باب ماجاء فی الوتر بثلاث عن علی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیھن بتسع سور من المفصل

دلیل ۳:۔ باب ماجاء مایقراء فی الوتر میں ہے۔

عن ابن عباس قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقراء فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وقل یاایھاالکافرون وقل ھو اللّٰہ احد فی رکعة رکعة

دلیل ۴:۔ اس باب میں عبدالعزیز بن جریج سے روایت ہے۔

قال سالت عائشة بای شئ کان یوتر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانیة بقل یاایھا الکافرون وفی الثالثة بقل ھو اللّٰہ احد والمعوذتین قال الترمذی وقد روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انه قرأ فی الوتر فی الرکعة الثالثة بالمعوذتین

مزید دلائل اگلے مسئلے کے ضمن میں آئیں گے۔

اس باب میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا اور پھر ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ تو عندالحنفیہ جائز نہیں جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر کی حدیث جو باب ماجاء فی الوتر برکعة میں مروی ہے اس میں انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر سے پوچھا۔

(5) ص:۲۵۴ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (6) ص:۲۴۸ ج:۱

اطیل فی رکعتی الفجر فقال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعة وکان یصلی رکعتین والاذان فی اذنہ

سائل کا مقصد یہ ہے کہ میں صبح کی دورکعت سنت میں لمبی قراءت کرتا ہوں تو ابن عمر نے یہ نہیں فرمایا کہ لمبی قراءت نہ کرو کہ اس سے تو ممانعت معلوم ہوتی بلکہ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دورکعت پڑھتے اور اقامت کانوں میں ہوتی اس حالت میں جلدی ہی متصور ہے۔ اس میں ویوتر برکعۃ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

جواب:۔ اول تو یہ روایت ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ پر صریح نہیں کہ یہ مطلب ممکن ہے کہ ایک رکعت دو کے ساتھ ملاکر شفعہ کو وتر بناتے تھے یعنی یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ واذا اراد صلوۃ الوتر یجعل المثنی بضم الرکعۃ الاخری وترا۔

جواب ۲:۔ یہ ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے کہ عائشہ جو آپ کی وتر نماز بکثرت دیکھتی تھی ان سے تین رکعت مروی ہے ابن عباس نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر نماز دیکھی ہے اور ان سے بھی تین رکعت کی تصریح ہے۔ حسن بصری سے جب کہا گیا کہ ابن عمر دورکعت پر سلام پھیرتے تھے تو انہوں نے کہا عمر کان افقہ منہ وکان ینہض فی الثانیۃ بالتکبیر۔ پھر یہ روایت بتیراء کی ممانعت والی روایت کے ساتھ متعارض بھی ہے۔ جس کو ابن عبدالبرؒ نے التمہید میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وورد النھی عن البتیراء ولو کان مرسلاً اذالمرسل حجة عندالجمھور ولماروی عن ابن مسعودؓ "مااجزأت رکعةً قط" وھوموقوف فی حکم المرفوع

تاہم یہاں دوحدیثیں ایسی ہیں جن سے بظاہر خصم کا استدلال ہوسکتا ہے۔

ا۔ایک صحیحین کی ''صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذاخشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توترلہ ماقدصلی''۔

۲۔اور دوسری مسلم کی ہے۔''الوتر رکعة من آخر اللیل ''۔ یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہیں مگر چونکہ متعدد احادیث سے وتر تین رکعات بسلام واحد ثابت ہیں اس لئے ان دونوں روایات میں

تاویل کی جائے گی تا کہ تعارض نہ رہے اس لئے یا تو یوں کہا جائیگا کہ یہ تین رکعات کے تقرر سے پہلے کی احادیث ہیں جب ایک اور تین یا زیادہ میں اختیار ہوتا تھا یہ جواب تسلیمی ہے۔

طیبی نے صحیحین کی حدیث کے متعلق نہایہ سے نقل کیا ہے۔

وفی الحدیث امر بصلوة الوتر وھو ان یصلی مثنیٰ مثنیٰ ثم یصلی فی آخرھا رکعة مفردة یضیفھا الی ماقبلھا من الرکعات فعلیٰ ھذا فی ترکیب ھذاالحدیث اسناد مجازی حیث اسند الفعل الی الرکعة وجعل الضمیر فی "له" للمصلی وکان الظاھر ان یقال یوتر المصلی بھا ماقد صلی' وفی قوله توتر اشارة الی ان جمیع ماصلی وتر

اسی طرح مسلم کی حدیث کے متعلق مرقات میں ہے ای منضمة بشفع قبلھا۔ اس لئے مرقات اور التعلیق الصبیح میں ہے "ولا یوجد من الخصم حدیث یدل علی ثبوت رکعة مفردة فی حدیث صحیح ولا ضعیف۔"

تلخیص الحبیر میں ہے۔

قال الحافظ ابن الصلاح "لم یثبت منه صلی اللّٰہ علیه وسلم الاقتصار علی واحدة قال لانعلم فی روایات الوتر مع کثرتھا انه علیه الصلوة والسلام اوتر بواحدة فحسب' وتعقبه الحافظ مالیس بشیٔ

اور یہ جو دارقطنی کی روایت میں ہے۔ عن عائشة ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اوتر برکعة تو یہ روایت دراصل بخاری کی حدیث کا اختصار ہے جس میں ہے۔

عن عائشة کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة منھا الوتر ورکعتاالفجر (التعلیق الصبیح ص:۹۳ ج:۲ ومرقات المفاتیح ص:۱۶۰'۱۶۱ ج:۳)

حنفیہ کے دلائل:۔(۱) مستدرک حاکم (7) میں ہے۔

۔وصححه علیٰ شرط الشیخین۔ عن عائشة قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

(7) ص:۳۰۴ ج:۱ "الوتر حق"

علیه وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی آخرهن

اس کونسائی نے بھی سنن صغری میں نقل کیا ہے۔

دلیل۲: ـعن عائشة قالت كان النبی صلی الله علیه وسلم لایسلم فی رکعتی الوتر رواه النسائی(8)

مگر غالبًا یہ روایت عن عائشہ نہیں بلکہ عن ابن عباس ہے۔فلیراجع

دلیل۳: ـروی الحاکم (9)قیل للحسن ان ابن عمر کان یسلم فی الرکعتین من الوتر فقال عمر کان افقه منه کان ینهض فی الثانیة بالتکبیر۔

دلیل۴: ـمصنف ابن ابی شیبہ(10) میں حسن بصری کا قول ہے اجتمع المسلمون علیٰ ان الوتر ثلاث لایسلم الافی آخرهن۔

دلیل۵: ـطحاوی(11) میں ہے مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں۔

دفنا ابابکر لیلاً فقال عمر انی لم اوتر فقام وصففنا وراءه فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الافی آخرهن ـ قال الشاهؒ وسنده صحیح

دلیل۶: ـطحاویؒ (12) عن ابی الزناد قال اثبت عمربن عبدالعزیز الوتر بالمدینة بقول الفقهاء ثلاثاً لایسلم الافی آخرهن۔

دلیل۷: ـمستدرک حاکم(13) ومصنف ابن ابی شیبہ(14) کی روایت ہے ان هذاوتر عمر اخذعنه اهل المدینة ای عن عمربن خطاب۔

دلیل۸: ـ عن ثابت (رواه الترمذی (15)فی مناقب انس مگر یہاں بغیر متن کے ہے قال

---

(8)ص:۲۴۸ ج:۱"عن عائشہ رضی اللہ عنہا"(9) مستدرک حاکم ص:۳۰۴ ج:۱(10)ص:۲۹۴ ج:۲"من کان یوتر بثلاث اواکثر"(11)ص:۲۰۶ ج:۱"باب الوتر" ایضاً مصنفہ ابن ابی شیبہ ص:۳۹۳ ج:۲(12)ص:۲۰۷ ج:۱"باب الوتر" (13)ص:۳۰۴ ج:۱"الوترحق"(14) لم اجدہ فی مصنفہ ابن ابی شیبہ ولکن رواہ الحاکم فی المستدرک ص:۳۰۴ ج:۱ کذافی تحفة الاحوذی ص:۵۵۳ ج:۲(15)ص:۲۲۴ ج:۲

الشاہؒ مجھے تاریخ ابن عساکر میں اس کا تفصیلی متن مل گیا) قال لی انس بن مالك یاثابت خذعنی فانك لن تاخذه عن احد اوثق منی انی اخذته عن رسول الله صلی الله علیه وسلم واخذه رسول الله صلی الله علیه وسلم عن جبرئیل واخذه جبرئیل عن الله عزوجل وهوان الوتر ثلاث بسلام واحد ۔ قال الشاهؒ ورجال السند ثقات الامیمون ابوعبدالله لم اعلم حاله الاانه ادرجه ابن حبان فی کتاب الثقات وقال السیوطی فی جمع الجوامع اسناده حسن۔

دلیل ۹:۔ دارقطنی (16) میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے جس میں مغرب کی نماز کو وتر نہار اور مبحوث عنہ وتر کو وتر اللیل قرار دیا تو چونکہ مغرب کی نماز میں ایک سلام ہے تو وتر بھی ایک سلام کے ساتھ ہونگے اسی لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ صراحۃً دوسری رکعت پر سلام کی نفی آئی ہے فاذن نترك تبادر الاحادیث الدالة علیٰ السلام علیٰ الثانیة مثل حدیث فاوتر بواحدة۔

چوتھا مسئلہ باب ماجاء فی الوتر بخمس میں عائشہؓ اور بعض طرق میں ابن عباسؓ کی حدیث ہے کمافی ابی داؤد (17) اس طرح مسلم میں عائشہ کی حدیث پر بھی ایک اعتراض ہے مسلم (18) میں سعد بن ہشام کی راویت ہے کہ انہوں نے عائشہ سے پوچھا انبئنی عن وتر رسول الله صلی الله علیه وسلم تو جواباً فرمایا ویصلی تسع رکعات لایجلس فیها الافی الثامنة فیذکر الله ویحمده ویدعوه اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو رکعات میں سے سوائے آخری رکعت کے کسی پر سلام نہیں پھیرا اور نا ہی قعود فرمایا۔

علامہ عینی نے جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی ہوتی تھی اور تین رکعت وتر کی اور آٹھ رکعت پر بیٹھنے سے مراد وتر کا قعدہ اولیٰ ہے مطلب یہ ہوا کہ کسی میں قعدہ اولیٰ نہیں تھا سوائے وتر کے باقی نماز میں چونکہ دو دو رکعت ہوتی تھیں تو ہر ایک کے اخیر میں قعدہ ہوتا چونکہ سائل نے صرف وتروں کے بارے میں سوال کیا نہ کہ تہجد کے بارے میں تو جواب میں وتر کی تفصیلاً اور تہجد کی کیفیت اجمالاً بتائی۔ ابن عباس کی حدیث کے بعض طرق میں ہے اوتر بخمس اور ابوداؤد میں ہے ولایسلم الافی آخرہن (19) اس سے مذکورہ ترمذی

---

(16) دارقطنی ص:۲۰ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۳۷ ''الوتر ثلاث کثلاث المغرب'' (17) سنن ابی داؤد ص:۱۹۷ ج:۱ ''باب فی صلوٰۃ اللیل'' (18) ص:۲۵۶ ج:۱ ''باب صلوٰۃ اللیل الخ'' (19) ص:۱۹۷ ج:۱ ''باب فی صلوٰۃ اللیل''

میں عائشہ کی حدیث کی طرح یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانچوں رکعات ایک سلام کے ساتھ ہونگی قال الشاہ چونکہ ابن عباسؓ سے مسلم میں تین وتروں کی تصریح آئی ہے کہ چھ تہجد اور تین وتر کی اور عائشہ کی احادیث میں تین رکعت کی تصریح آئی ہے پھر مسلم کی روایت تنہا نہیں بلکہ اور بھی متابع موجود ہیں۔ایک متابع طحاوی (20) میں علی بن عبداللہ بن عباس سے ہے کہ انہ علیہ السلام اوتر بثلاث اسی طحاوی (21) میں ایک اور متابع مخرمہ بن سلیمان سے بھی اسی مضمون کا ہے اگر چہ کاتب کی غلطی سے یہ بجائے مخرمہ کے قیس بن سلیمان سے مروی ہے۔نسائی (22) میں سعید بن جبیر نے بھی متابعت کی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث ان تصریحات کی روشنی میں پانچ رکعت وتر سے دو رکعت کاٹ دیں گے اور کہیں گے کہ عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں کی روایات میں پانچ سے مراد تین وتر ہے اور دو رکعت نفل نماز ہوتی تھی تو کل پانچ رکعت سے تعبیر کیا تا کہ تعارض نہ رہے۔

اعتراض:۔ یہ توجیہ تب چل سکتی ہے کہ اگر مطلقاً پانچ کا ذکر ہوتا حالانکہ ابن عباس کی روایت ابوداؤد میں ہے ولا یسلم الا فی آخرہن اسی طرح مسند شافعی میں بھی درمیان میں سلام کی نفی آئی ہے۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق نماز پڑھتے تھے لیکن وتروں کا سلام زور سے کہتے حتیٰ کہ عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمیں جگاتے تو وہ جہری سلام مراد ہے۔اس جواب سے ابن عباس کی حدیث کی توجیہ تو ہوگئی لیکن حدیث عائشہ کہ لا یجلس فیہن الا فی آخرہن یہ بھی حل طلب ہے۔

اس کے جواب کا ایک عام طریقہ ہے ایک حضرت شاہ صاحب کا ہے۔فرق دونوں میں یہ ہے کہ عام جواب میں دو رکعت نفل وتروں کے بعد سمجھے گئے ہیں جبکہ شاہ صاحب کی توجیہ اس پر مبنی ہے کہ دو رکعت وتروں سے قبل ہیں پھر عام توجیہ میں تین جواب ہیں۔

جواب۱:۔ لا یجلس جلوساً طویلاً (ای جلوس الدعاء) فی شئ منہن الا فی آخرہن اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے بعد وتر پڑھتے پھر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے پھر جلوس طویل فرماتے جس میں دعا وغیرہ ہوتی۔

جواب۲:۔ گنگوہی صاحبؒ نے کوکب میں دیا ہے کہ لا یجلس سے مراد تشہد کا جلوس نہیں جو مقابل قیام ہے بلکہ مراد وہ جلوس ہے جو قیام کا قائم مقام ہے یہاں اس کی نفی مراد ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ کہ تہجد کی نماز

(20) ص:۲۰۶ ج:۱ (21) حوالہ بالا (22) ص:۲۴۸ ج:۱ ''باب کیف الوتر بثلاث''

اور وتر کی نماز بیٹھ کر نہ پڑھتے اگر کبھی بیٹھ بھی جاتے تو تیس چالیس آیات جب رہ جاتی تو کھڑے ہو جاتے البتہ وتروں کے بعد دو رکعت میں جلوس کرتے جو قائم مقام قیام کا ہوتا یعنی لا یجلس فی تلک الخمسۃ الا فی آخرہن ای فی الرکعتین الاخیرتین۔

جواب ۳:۔ گنگوہی صاحبؒ ہی کا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز پڑھتے تو ہر چار رکعت کے بعد استراحت فرماتے جس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں لیکن جب وتر مع الرکعتین پڑھتے تو لا یجلس بینہن الا فی آخرہن یعنی جلسۂ استراحت آخر میں کرتے۔

جواب ۴:۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو رکعت وتروں سے قبل ہیں بعد نہیں اگرچہ یہ دو رکعت بعد الوتر جالساً صحیحین (23) کی روایت سے ثابت ہیں لیکن میں مطمئن نہیں کیونکہ امام مالک نے اس کا انکار کیا ہے امام احمد سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ میں خود تو نہیں پڑھتا مگر پڑھنے والے کو روکوں گا بھی نہیں۔ امام بخاری (24) نے ان دو رکعتین کی حدیث کی تخریج کی ہے مگر باب قائم نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اس سے مطمئن نہیں امام شافعی وابوحنیفہؒ سے بھی اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں۔

اس توجیہ کے مطابق اشکال کا جواب یہ ہوگا کہ حضور پانچ رکعت کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے اس سے نفس قعود وسلام کی نفی نہیں بلکہ مراد وقفہ طویلہ کی نفی ہے جیسے وقفہ نوم یا وضو یا مسواک وغیرہ کا وقفہ۔ شاہ صاحب کی اس توجیہ سے یہ اعتراض بھی دفع ہوا کہ دار قطنی میں (25) بعض روایات میں وتروں کو مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہ کرنے کے ممانعت آئی ہے جس سے حنفیہ پر اعتراض وارد ہوا کہ وتر مغرب کی طرح نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ دو سلام کے ساتھ پڑھنی چاہئے تو جواب ہو گیا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وتروں سے پہلے کچھ پڑھ لیا کرو مغرب کی طرح مت بناؤ تائید طحاوی (26) میں ابوہریرہ کی روایت سے ہوتی ہے ان لا یکون الوتر خالیاً عن شئ قبل الوتر۔

---

(23) صحیح بخاری ص:۱۵۵ ج:۱ صحیح مسلم ص:۲۵۴ ج:۱ "باب صلوٰۃ اللیل" ایضاً بیہقی کبریٰ ص:۳۳ ج:۳ "باب فی الرکعتین بعد الوتر" (24) صحیح بخاری ص:۱۵۵ ج:۱ "باب المداومۃ علیٰ رکعتی الفجر" (25) ص:۱۹ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۳۴ و ۳۵ و ۳۶ "لا تشبھوا الوتر بصلوٰۃ المغرب" (26) لم اجدہ البتہ اس مسئلے کے لئے رجوع فرمایئے التعلیق علیٰ آثار السنن ص:۲۰۵

باب ماجاء مایقرأ فی الوتر

وتروں میں سورہ فاتحہ کے بعد کونسی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں تو اس میں روایات متعدد ہیں سابقہ سے پیوستہ باب میں ہے۔

(باب ماجاء فی الوتر بثلاث) عن علی کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیھن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعۃ بثلاث سور اخرھن قل ھو اللّٰہ احد

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کی تینوں رکعات میں تین تین سورتیں پڑھا کرتے تھے پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نو سورتیں پڑھتے تھے اور ختم قل ہو اللہ احد پر کرتے تھے اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو مفسر ہے اس میں ہے کہ پہلی رکعت میں التکاثر' قدر اور زلزال پڑھتے دوسری میں عصر' نصر اور کوثر پڑھتے۔ تیسری میں کافرون' تبت اور سورہ اخلاص اس میں سورتوں میں ترتیب موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں کہ یہ ترتیب بعد میں دی گئی ہے یہ ترتیب نزولی نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو سورت پڑھتے تھے مستقلاً اور دو کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھتے تو کل سور چھ ہو جائیں گی سوائے سورہ اخلاص کے اور سورہ اخلاص کے ساتھ سات ہو جاتی تھیں۔ باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی میں سبح دوسری میں قل یاایہاالکافرون تیسری میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے ''فی رکعۃ رکعۃ'' کا یہی مطلب ہے۔ اب باب کی اگلی روایت جو بواسطہ عائشہ مروی ہے اس میں سورہ اخلاص کے ساتھ معوذتین کا اضافہ ہے۔

یہاں بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تیسری رکعت سابقہ دو سے زیادہ لمبی ہو جائیگی۔

جواب ۱:۔ معوذتین کی زیادتی صحیح نہیں دلیل یہ ہے کہ امام احمد' یحیٰ بن معین اور ابن جوزی نے اس زیادتی کا انکار کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک معوذتین کی زیادتی مستحب نہیں اگر چہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک یہ اضافہ مستحب ہے۔

جواب ۲:۔ اگر چہ تیسری رکعت سابقہ دو کی بہ نسبت لمبی ہو جائیگی لیکن سابقہ رکعتوں کا شفع الگ ہے تو

کوئی کراہیت نہیں ہوگی کہ ثانیہ کو مختصر کرنے یا برابر رکھنے کا حکم ایک شفعے میں ہے نہ کہ الگ الگ میں۔

باب ماجاء فی القنوت فی الوتر

رجال:۔

برید بصیغہ تصغیر ہے ثقہ ہیں۔ابی الحوراء کا نام ربیعہ بن شیبان ہے ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

اس باب میں چار مسئلے ہیں پہلا یہ کہ قنوت پڑھنا سال بھر مشروع ہے یا صرف رمضان میں؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع؟ تیسرا یہ ہے کہ قنوت کی دعا کونسی ہے؟ چوتھا مسئلہ عند القنوت یا عند تکبیر القنوت رفع الیدین ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں اختلاف ہے امام مالک کے نزدیک صرف رمضان میں دعائے قنوت ہوگی نہ کہ باقی گیارہ مہینوں میں۔دوسرا مذہب امام شافعی واحمد کا ہے کہ دعائے قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہوگی ابن رشد نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ رمضان کے نصف اول میں ہوگی۔حنفیہ وجمہور فقہاء ومحدثین کا مذہب یہ ہے کہ قنوت پورے سال میں ہوگی۔

شافعیہ وغیرہ کی دلیل باب میں علی کی موقوف روایت سے ہے انہ کان لایقنت الا فی النصف الآخر من رمضان (1)

اس کے مقابلے میں حنفیہ وجمہور کا استدلال حسن بن علی باب کی روایت سے ہے علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقولهن فی الوتر اس میں رمضان وغیر رمضان کا فرق نہیں کیا گیا۔

باب ماجاء فی القنوت فی الوتر

(1) اسی طرح ان کا دوسرا استدلال مصنفہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے بھی ہے۔انہ کان لایقنت الا فی النصف یعنی من رمضان ص:۳۰۵ ج:۲ ''من قال القنوت فی النصف من رمضان''

دلیل۲:۔ ابن مسعود کے عمل سے ہے جس کو ترمذی نے تعلیقاً اور طبرانی (2) نے موصولاً نقل کیا ہے فرای عبداللہ ابن مسعود القنوت فی الوتر فی السنة کلها (ترمذی) حنفیہ نے ابن مسعودؓ کی روایت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ یہ احوط ہے اور اس کے الفاظ اشبہ بالقرآن ہے۔ دوسرا یہ کہ علیؓ کی روایت میں احتمال ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قنوت پڑھتے ہوئے چند دنوں کے لئے دیکھا ہو پھر قنوت فی الوتر کو اس پر قیاس کیا ہو اور اپنے اجتہاد کا بھی احتمال ہے جبکہ باب کی روایت مرفوع ہے۔

دوسرا مسئلہ بھی خلافیہ ہے حنفیہ کے نزدیک قنوت فی الوتر قبل الرکوع وبعد القراءۃ ہوگی ابن المنذر نے اسے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت براء بن عازب حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیزؒ ابن ابی لیلیٰ، امام مالکؒ اسحٰق، ابراہیم نخعی، اور عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک قنوت بعد الرکوع ہوگی ابن منذر نے اس کو چاروں خلفاء راشدین کا عمل قرار دیا ہے ممکن ہے کہ عمر و علی سے دو روایتیں ہوں بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہ دونوں پر عمل کرتے تھے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف مباح ہے۔ (3)

شافعیہ وغیرہ کی دلیل حضرت علی کی مذکورہ روایت سے ہے وفیہ وکان یقنت بعد الرکوع جمہور کا استدلال ابی بن کعب کی روایت سے ہے جو ابن ماجہ (4) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع۔

دلیل۲:۔ مصنف ابن ابی شیبہ (5) میں ابن مسعود سے مروی ہے ان ابن مسعود واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یقنتون فی الوتر قبل الرکوع۔

تیسرے مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اللھم انا نستعینک الخ پڑھی جائے گی۔ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک باب میں مروی دعائے قنوت پڑھی جائے گی اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اللھم انا نستعینک کے بعد اللھم اھدنی فیمن ھدیت بھی پڑھ لے اگر کسی

---

(2) معجم کبیر للطبرانی ص:۲۸۳ ج:۹ رقم حدیث ۹۴۲۶ (3) معارف السنن ص:۲۴۱ ج:۴

(4) ابن ماجہ ص:۸۳ ''فی القنوت فی الوتر قبلہ وبعدہ'' (5) مصنف ابن ابی شیبہ ص:۳۰۲ ج:۲

کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو یاد ہونے تک اللھم اغفرلی تین مرتبہ پڑھ لیا کرے وقیل یارب یارب تین دفعہ پڑھ لے وقیل ربنا آتنا فی الدنیا الخ پڑھے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پر عمل کرنے کے بعض دعویداروں نے اعتراض اٹھایا ہے کہ احناف کی قنوت ثابت بالحدیث نہیں۔ قال الشاہ یہ اس کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ سیوطی نے اتقان میں (6) قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہ کہ اسکو سورہ حفد اور خلع کہتے ہیں اور یہ کہ یہ ابی بن کعب کے مصحف میں ثابت بھی ہے البتہ منسوخ التلاوۃ ہے یہی وجہ ہے کہ احناف کی بعض کتب میں ہے کہ جنبی کے لئے دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح مراسیل ابی داؤد (7) میں بھی اس قنوت کے اکثر الفاظ آئے ہیں۔ امام بیہقی (8) وطحاوی (9) نے بھی صحیح سند کے ساتھ اس کو عمر سے روایت کیا ہے فکیف یقول ہذا بانہ غیر ثابت؟ امام محمد سے مروی ہے کہ کوئی مخصوص دعا پر انحصار نہیں کرنا چاہئیے وجہ یہ ہے کہ رٹہ لگا کر کے کوئی مخصوص دعا یاد کی ہے تو معانی کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ نیز اس سے رقت قلب نہیں ہوتی مگر عند الاکثر نماز کے لئے عموماً مخصوص دعا ہونی چاہئے تاکہ کلام الناس کے مشابہ کوئی کلام زبان پر نہ آئے ویسے عام دعاؤں میں کوئی دعا مخصوص نہ کرنی چاہئے البتہ اللھم انا نستعینک بالخصوص عندنا واجب نہیں صرف مسنون ہے لہٰذا اگر کوئی دوسری دعا پڑھ لی تو جائز ہے۔

چوتھا مسئلہ رفع یدین کا ہے رفع یدین ہمارے نزدیک مسنون ہے اور تکبیر میں دو قول ہے۔ ۱۔ واجب ہے ۲۔ سنت ہے۔ قول راجح مسنون ہونے کا ہے قال الشاہ بعض مدعیان عمل بالحدیث نے رفع یدین کا انکار کیا ہے قال البنوری اس سے مراد مولوی نذیر حسین ہے جنہوں نے شاہ اسحٰق سے پڑھا ہے مگر یہ انکار صحیح نہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں ابن مسعود اور حضرت عمر کا اثر نقل کیا ہے جس میں رفع یدین عند التکبیر القنوت کا ذکر ہے۔ طحاوی (10) میں صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی کا اثر ہے ترفع الایدی فی سبع مواطن وفیہ التکبیر للقنوت فی الوتر اسی طرح امام بیہقی نے المعرفہ میں رفع یدین کا اقرار کیا ہے کہ ابوہریرہ اور ابن مسعود سے

---

(6) بحوالہ معارف السنن ص:۲۴۴ ج:۴ (7) مراسیل ابی داؤد ص:۸ ''باب ماجاء من نام عن الصلوٰۃ اونسیہا'' (8) سنن کبریٰ للبیہقی ص:۲۱۱ ج:۲ ''باب دعاء القنوت'' ایضاً مصنفہ ابن ابی شیبہ ص:۳۱۵ ج:۲ ''باب مایدعو بہ فی قنوت الفجر'' (9) شرح معانی الآثار ص:۱۷۷ ج:۱ ''باب القنوت فی صلوٰۃ الفجر وغیرہا'' (10) ص:۴۱۷ ج:۱ ''باب رفع الیدین عند رؤیۃ البیت''

ثابت ہے اسی طرح رافعی نے بھی عثمان مکحول اور ابوقلابہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قال الشاہ کہ عمر کا اثر جو جزء رفع یدین للبخاری میں ہے اس سے مجھے شک پڑتا ہے کہ اس سے مراد وہ رفع نہیں جو عندالتکبیر ۃ الاولی ہوتا ہے بلکہ دعاء کے وقت رفع کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف عندالدعاء فی القنوت رفع یدین کر رفع الیدین عندالدعاء کے قائل ہیں۔

باب ماجاء فی الرجل ینام عن الوتر اوینسیٰ

رجال:۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیٹا ضعیف جبکہ باپ (زید) ثقہ ہیں۔☆

باب ماجاء فی مبادرة الصبح بالوتر

رجال:۔

یحیٰ بن زکریا ثقہ اور کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔عبیداللہ ثقہ ثبت۔☆

تشریح:۔

یہاں ترمذی نے دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی رات کو وتر نہ پڑھ سکا بھول کر یا اٹھ نہ سکا تو طلوع صبح کے بعد بھی اس کی قضاء بجالائے گا۔ دوسرے باب میں جن احادیث کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر کے بعد وتروں کا وقت ختم ہو جاتا ہے امام ابوحنیفہؒ وسفیان ثوری کے نزدیک وتروں کی قضاء ہے لہٰذا طلوع فجر یا طلوع شمس کے بعد قضاء پڑھے گا یہاں تک کہ اگر آدمی صاحب ترتیب ہو اور وتر رہ گئے ہوں اور صبح کی نماز وتروں سے پہلے ادا کی تو صحیح نہیں۔امام احمد و مالک کے نزدیک وتروں کی قضا نہیں لہٰذا طلوع فجر سے وتر ساقط ہونگے۔

یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ حنفیہ کے نزیک وتر واجب ہیں و بغیر ادا کے ساقط نہ ہونگے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہیں تو قضاء نہ ہوگی۔ امام شافعی کا ایک قول بھی عدم قضاء کا ہے بنیاد یہی ہے کہ وتر عندہ سنت ہے دوسرا قول جو اظہر ہے یقضیہ متی کان اور اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے من نام عن وترہ الخ۔

حنفیہ کی دلیل پہلے باب کی حدیث سے ہے مگر اس پر اعتراض ہے کہ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جو ضعیف ہے جو نا قابل استدلال ہے۔

جواب:۔ پہلی روایت اگر چہ ضعیف ہے مگر عبدالرحمٰن کے بھائی عبداللہ کی حدیث آ رہی ہے یہ صحیح ہے کہ عبداللہ ثقہ ہے خود ترمذی نے ابوداؤد کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے احمد سے عبدالرحمٰن کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اخوہ عبداللہ لاباس بہ امام بخاری کا قول بھی نقل کیا ہے یذکر عن علی بن عبدالله وفيه قال عبدالله بن زيد بن اسلم ثقة مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم کی روایت مرسل ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام ابوداؤد (1) نے موصولاً نقل کی ہے۔ دارقطنی (2) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کبھی صبح ہو جاتی ہے مگر ہم وتر نہیں پڑھ سکتے تو فرمایا فلیوتر اذا اصبح۔ دارقطنی (3) کی ایک اور حدیث ہے فلیقضہ من الغد۔ امام حاکم نے (4) بھی ابوہریرہ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور طبرانی نے معجم کبیر (5) میں اس کا متابع نقل کیا ہے۔

جو عدم قضاء کے قائل ہیں وہ دوسرے باب کی ابن عمر کی روایت سے استدلال کرتے ہیں مرفوعاً اذا طلع الفجر فقد ذہب کل صلوٰۃ اللیل والوتر یعنی وقت وتروں اور رات کی نماز کا وقت ختم ہوا۔

جواب:۔ یہ ہمارے خلاف حجت نہیں کہ مقصد یہ ہے کہ وقت اداء ختم ہوا تو اس کے ہم بھی قائل ہیں رہا قضا کا معاملہ تو اس میں اس کی نفی نہیں۔

باب ماجاء في الرجل ينام عن الوتر . باب ماجاء في مبادرة الصبح بالوتر

(1) یہ روایت بعینہ تو نہیں ملی البتہ اس کا متابع محمد بن مطرف ہے۔ سنن ابی داؤد ص:۲۱۰ ج:۱ ''باب فی الدعاء بعد الوتر''

(2) ص:۱۶ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۲۲ (3) ص:۱۶ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۲۳ ''من نام عن وترہ او نسیہ''

(4) مستدرک للحاکم ص:۳۰۳ ج:۱ ''الوتر حق'' (5) معجم کبیر للطبرانی ص:۲۸۱ ج:۹ رقم حدیث ۹۴۱۳

باب ماجاء لاوتران فی لیلة

رجال:۔

ملازم بن عمرو صدوق من الثامنة ۔عبداللہ بن بدر ابوزرعہ وابن معین نے توثیق کی ہے۔☆

تشریح:۔

حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے یعنی جب ایک دفعہ وتروں کو اداء کیا تو دوبارہ ادا نہیں کیا جا سکتا مثالہ ما قال الفقہاء کہ ساقط شدہ چیز معاد نہیں ہوتی ۔لہٰذا وتر واجب الاداء تھے ادائیگی کے بعد ذمہ فارغ ہوا دوبارہ نیا وقت جب تک داخل نہ ہوگا تو وتر لازم نہ ہونگے ۔یہی مذہب ہے ائمہ اربعہ اور جمہور کا کہ اگر ایک آدمی بعد العشاء وتر پڑھے اور تہجد کے وقت صلوٰۃ اللیل کے لئے اٹھا تو وہ تہجد کی نماز پڑھ لے اور جو وتر عشاء کے بعد پڑھے ہیں وہ صحیح ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

امام اسحٰق فرماتے ہیں کہ اگر بعد العشاء وتر پڑھے اب رات کے اخیر میں بیدار ہوا اور تہجد پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے وہ ایک رکعت پڑھ کر اسکو عشاء کے وتروں کے ساتھ ضم کرلے تو وہ شفعہ بن جائے گا اس طرح وہ وتر ٹوٹ جائے گا۔ اسی عمل کو عندہٗ نقض الوتر کہتے ہیں اور بعد التہجد اخیر میں پھر وتر پڑھ لے ۔امام اسحٰق کا استدلال بخاری (1) کی اس روایت سے ہے اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتراً یہ نقض وتر اور دوبارہ وتر پڑھ کر ہی ممکن ہے چنانچہ حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

جواب:۔ اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتراً میں امر للندب ہے لاللوجوب لہٰذا بعد الوتر اگر تہجد کی نماز پڑھی تو صحیح ہو جائے گی ۔اس پر جمہور کے پاس ایک دلیل یہ ہے کہ ترمذی کے اسی باب میں ام سلمہ کی روایت ہے

باب ماجاء لاوتران فی لیلةٍ

(1) صحیح بخاری ص:۱۳۶ ج:۱''باب لیجعل آخر صلوٰتہ وتراً'' ایضاً صحیح مسلم ص:۲۵۷ ج:۱''باب صلوٰۃ اللیل الخ''

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد الوتر رکعتین اسی طرح صحیحین (2) کی روایت سے بھی دو رکعت بعد الوتر پڑھنا ثابت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک رکعت تہجد کے وقت پڑھ کر عشاء کے وتروں کے ساتھ ضم کرنا نامعقول ہے کہ چار پانچ گھنٹوں کا وقت بھی فاصل ہے اور لحوق حدث بھی ہوا ہے۔ جہاں تک ابن عمر کا عمل ہے تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہ تھی۔ کہ امام محمد بن نصر المروزی نے کتاب الوتر (3) میں ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے مرفوع حدیث نہیں۔

شرح معانی آثار طحاوی (4) میں ہے کہ ابن مسعودؓ کے اصحاب ابن عمر کے نقض وتر پر تعجب کرتے تھے وجہ یہ ہے کہ رات کی آخری نماز کو اول لیل کی نماز کے ساتھ کیسے ضم کیا جا سکتا ہے۔

جمہور کی دلیل ۲:۔ باب کی حدیث ہے لاوتران فی لیلۃ یعنی ایک رات میں دو وتر نہیں جیسے کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابن عباس کے سامنے ابن عمر کے وتروں کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ وہ تو پھر تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں ایک بعد العشاء ایک قبل التہجد ایک بعد التہجد۔ حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وقول سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ وتر کے بعد دوسری کوئی نماز پڑھ لے تو وتر صحیح ہے۔ البتہ دو رکعت بعد الوتر کے بارے میں ائمہ اربعہ کا موقف گذرا ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟ تو بقول نووی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر پڑھنا تشریعاً نہ تھا بلکہ عذراً تھا لہٰذا کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو کہ بعد الوتر دو رکعت ہیں تو بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذر کی وجہ سے نہیں پڑھتے۔ بلکہ بطور تکمیل وتر تو چونکہ اس کا درجہ نوافل بعد الفرض سے کم ہے اس لئے بیٹھ کر پڑھ لئے جائیں۔ (تدبر)

---

(2) صحیح بخاری ص: ۱۵۵ ج: ا ''باب المداومۃ علی رکعتی الفجر'' صحیح مسلم ص: ۲۵۴ ج: ا ''باب صلوٰۃ اللیل الخ''

(3) کذا فی معارف السنن ص: ۲۵۷ ج: ۴

(4) شرح معانی الآثار ص: ۲۳۷ ج: ا ''باب التطوع بعد الوتر''

باب ماجاء فی الوتر علی الراحلة

رجال:۔

ابی بکر بن عمر المدنی ثقہ ہیں۔سعید بن یسار المدنی بھی ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

سعید بن یسار سے روایت ہے کہ میں ابن عمر کے ہمراہ ایک سفر میں تھا تو میں دوران سفر پیچھے رہ گیا ان سے ملنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ این کنت؟ میں نے کہا وتر پڑھ رہا تھا۔انہوں نے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کافی نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحلہ پر وتر پڑھتے دیکھا ہے۔

اس سے استدلال کر کے ائمہ ثلاثہ وجمہور کے نزدیک دیگر نوافل وسنن کی طرح وتر بھی راحلہ پر پڑھنا جائز ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر سواری پر پڑھنا جائز نہیں الا بعذر تو فرضوں کی طرح وتر بھی جائز ہونگے یہ اختلاف مبنی ہے گذشتہ اختلاف پر کہ عندالجمہور وتر سنت ہے تو راحلہ پر جائز عندالامام واجب ہے تو بلا مانع اترنا لازم ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل طحاوی (1) کی روایت ہے جو ابن عمر سے مروی ہے۔

انـه كان يصلي علىٰ راحلته ويوتر بالارض ويزعم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كذالك كان يفعل

طحاوی کی یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔یہ روایت مسند احمد (2) میں بھی ہے امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے باب کی حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

باب ماجاء في الوتر على الراحلة

(1) شرح معانی الآثار ص:۲۸۴ ج:۱ "باب الوتر ہل یصلی فی السفر علی الراحلۃ ام لا"

(2) مسند احمد ص:۲۲۷ ج:۲ رقم حدیث ۴۶۲۰

جواب ۱:۔طحاوی (3) نے دیا کہ کہ ممکن ہے کہ ابن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن دنوں میں راحلہ پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہواس وقت وتر واجب نہ ہوا ہو لیکن قال الشاہ یہ جواب عندی صحیح نہیں کہ کسی روایت سے بین الوتر تفریق معلوم نہیں کہ شروع میں سنت تھے بعد میں واجب ہوئے۔

جواب ۲:۔ قال الشاہ ابن عمر تہجد پر بھی وتر کا اطلاق کرتے ہیں تو سعید بن یسار نے تہجد کی نماز زمین پر پڑھی تو ابن عمر نے اعتراض کیا۔

جواب ۳:۔ سعید بن یسار عذر کی وجہ سے بھی وتر سواری پر پڑھنا جائز نہ سمجھتے تھے ابن عمر نے انکو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بحالت عذر) وتر راحلہ پر پڑھتے تھے اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن عمر نے زمین پر وتر کو خلاف سنت قرار دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زمین پر وتر پڑھنا ثابت ہے۔

جواب ۴:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر جو سواری پر پڑھے ہیں یہ آپ کی خصوصیت تھی یا لعذر پڑھے ہونگے اور عذر کی وجہ سے فرض بھی سواری پر جائز ہے۔

جواب ۵:۔ ابن عمر کی روایات باہم متعارض ہیں فلذا قال الطحاوی اما وجہ النظر والقیاس فیقتضی عدم الجواز علی الراحلۃ کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر آدمی قادر علی القیام ہو تو بیٹھ کر وتر نہیں پڑھ سکتا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی قادر علی النزول ہو تو وتر سواری پر جائز نہیں ہونے چاہیے۔

باب ماجاء فی صلوۃ الضحیٰ

رجال:۔

موسیٰ بن فلان مجہول من السادسۃ ۔عن عمہ ثمامۃ بن انس قال الحافظ فی التقریب ثمامۃ بن عبداللہ بن انس بن مالک بصرہ کے قاضی اور صدوق ہیں طبقہ رابعہ میں سے ہیں۔☆

---

(3) ص:۲۸۴ ج:۱

تشریح:۔

ضحی بضم الضاد والالف المقصورۃ ہو طلوع الشمس یا ارتفاع النہار قلیلاً کو کہتے ہیں ایک اور ضحاء بفتح الضاد و تشدید الحاء الممد ود بیاض النہار کو کہتے ہیں جو ایک چوتھائی دن کے گذرنے کے بعد زوال تک ہوتا ہے اس پر ضحاء کا اطلاق ہوتا ہے۔

ابن عباس کی روایت کو علامہ شعرانی کے کشف الغمہ میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاشت واشراق دونوں ایک ہیں جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک بھی دونوں میں فرق نہیں۔ مگر جلال الدین سیوطی علی متقی اور صوفیاء دونوں میں فرق کرتے ہیں اشراق کی نماز وہ ہے جو طلوع شمس کے بعد وقت مکروہ کے اختتام پر اداء کی جائے اور چاشت کی نماز وہ ہے جو ضحوۃ الکبری میں اداء کی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ ضحوۃ الصغری میں اشراق اور ضحوۃ الکبری میں چاشت کا وقت ہے مثلاً چھ بجے طلوع اور بارہ بجے زوال ہے تو نو بجے سے چاشت کا وقت زوال سے پہلے تک ہوگا۔ قال ابن العربی فی العارضہ کہ ضحیٰ کی نماز ادیان سابقہ میں فرض تھی شام کی نمازوں کی طرح استدلال اس آیت سے کرتے ہیں ''انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق'' الایۃ (1) پھر ضحیٰ کی نماز منسوخ ہوئی اس امت کے حق میں اور صلوٰۃ العشی بدستور فرض رہی۔ صلوٰۃ ضحیٰ کی مقدار متعین نہیں مگر جمہور کے نزدیک ادنیٰ مقدار دو رکعت اور زیادہ بارہ رکعت ہیں۔

اس کی شرعی حیثیت میں بھی علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اور عام حنابلہ کے نزدیک یہ مستحب ہے امام احمد سے ایک قول یہ ہے کہ اگر آدمی اس پر مداومت نہ کرے تو مستحب ہے یعنی احیاناً مستحب ہے۔ اکثر شافعیہ کے نزدیک مسنون ہے بعض فرق کرتے ہیں کہ گھر میں پڑھنا مستحب ہے نہ کہ مسجد میں بعض اس کو مستحب علی الدوام کہتے ہیں ابن مسعود اس کو مستحب نہیں مانتے۔ اور ابن عمر اس کو بدعت مانتے ہیں (2) حضرت عائشہ سے ایک روایت اثبات کی ہے (3) اور ایک نفی کی (4) لیکن نفی کی روایت کو ان کے

باب ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ

(1) سورۃ ص رقم آیت ۱۸ (2) کذافی معارف السنن ص:۲۶۷ ج:۴ (3) کمافی صحیح مسلم ص:۲۴۹ ج:۱ ''باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ الخ'' (4) کذافی صحیح مسلم ص:۲۴۹ ج:۱ ایضاً مصنف ابن ابی شیبہ ص:۴۰۶ ج:۲ ''من کان لایصلی الضحیٰ''

عدم رؤیت پر محمول کیا گیا ہے بعض کے نزدیک صلوٰۃ ضحیٰ مستقل نماز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سفر سے واپس ہوکر کما قال ابن تیمیہ یا بطور شکرانہ کمافی روایۃ ام ہانی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ صحیح قول یہ ہے کہ مستحب بلا کراہیت ہے علامہ عینی نے عمدہ میں اس کو پچیس طرق سے ثابت کیا ہے (5) لہٰذا ابن ابی لیلیٰ کا حدیث باب میں یہ کہنا کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے بارے میں مجھے سوائے ام ہانی کے کسی اور نے بیان نہیں کیا یہ نفی ماعدا پر دلالت نہیں کرتا کہ عدم علم، علم عدم کو مستلزم نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو پسند کرتے ہیں مگر مداومت اس لئے نہیں کرتے تا کہ فرض نہ ہو جائے اور کبھی کسی کام کو پسند نہیں کرتے مگر اس پر ایک دو دفعہ عمل کرتے ہیں تا کہ حرام نہ سمجھا جائے۔ پہلی قسم کو مستحب اور دوسری کو بیان جواز کہتے ہیں جس کا کرنا رخصت اور ترک عزیمت ہوتا ہے تو اس میں ترک اولیٰ ہوتا ہے جبکہ قسم اول میں عمل اور فعل اولیٰ ہوتا ہے اور ترک رخصت۔

قال الشاہ صلوٰۃ ضحیٰ کی قولی احادیث صحیح ہیں فعلی احادیث نادر ہیں اس باب میں پہلی حدیث انس سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ضحیٰ کی بارہ رکعت نماز پڑھی تو اللہ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل تیار کرے گا۔ دوسری روایت ام ہانی کی (یہ حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں اسمہا فاختہ) کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے غسل کیا پھر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

تیسری روایت ابوالدرداء وابوذر کی ہے حدیث قدسی ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم میرے لئے دن کے شروع میں چار رکعت نماز پڑھ لو تو میں سارے دن تیرے لئے کافی ہونگا چار رکعت سے مراد فجر کی نماز بھی ہوسکتی ہے اور اشراق وچاشت کی بھی۔ اکفک آخرہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جو نوافل مبہمہ ہے جس کے ثواب کا تجھے علم نہیں تو وہ لکھ لوں گا دوسرا یہ کہ دنیاوی ضروریات پوری کرونگا مفتی ولی حسن فرماتے ہیں کہ طلباء کو بعد از فراغت ضحیٰ کی نماز پڑنی چاہیئے کہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ اس کو غنی کر دیتا ہے۔

چوتھی روایت ابوہریرہ سے ہے وفیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ نماز پڑھ لے تو تمام گناہ معاف ہونگے اگر چہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں یعنی صغائر' یہ چار روایات عدد کے بارے میں ہیں۔ دو سے بارہ تک۔ بعض نے لکھا ہے کہ چھ اور دس نہیں پڑھنی چاہیئے کہ روایت سے دو' چار آٹھ اور بارہ

(5) عمدۃ القاری ص: ۲۳۸ ج: ۷ "باب صلوٰۃ الضحیٰ فی السفر"

ثابت ہیں چھ اور دس نہیں۔ تاہم شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت میں چھ رکعات کی تصریح ہے۔

پانچویں روایت ابوسعید خدری کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی نماز پڑھتے یہاں تک کہ انہیں گمان ہوتا کہ اب نہیں چھوڑیں گے اور چھوڑتے تو یہ گمان ہوتا کہ اب نہیں پڑھیں گے۔ (تاکہ فرض نہ ہو جائے)

اعتراض:۔ فی حدیث عائشہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عمل شروع فرماتے تو اسپر مداومت فرماتے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کو چھوڑ دیتے۔

جواب:۔ حدیث عائشہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عمل کو شروع فرماتے تو اس پر مداومت فرماتے یعنی جنس عمل پر مداومت فرماتے حتیٰ کہ اگر ایک فرد چھوڑتے تو دوسرے فرد پر عمل کرتے تو افراد میں تبدیلی آتی تھی مگر جنس عمل ایک رہتا تھا۔

جواب ۲:۔ مداومت سے مراد دوام قصدی اور ارادی ہے یعنی آپ اسی عمل کے کرنے کی رغبت رکھتے تھے اگرچہ اسباب وعوارض خارجیہ کی وجہ سے ترک فرماتے یہ دونوں جواب گنگوہی صاحبؒ نے کوکب میں دیئے ہیں۔

باب ماجاء فی الصلوٰۃ عندالزوال

رجال:۔

محمد بن مسلم اپنی کنیت ابوسعید سے مشہور ہیں صدوق یہم۔ عبداللہ بن السائب باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔☆

تشریح:۔

عبداللہ بن سائب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے زوال کے بعد اور قبل الظہر چار رکعت پڑھتے تھے اور فرمایا کہ یہ ایسی گھڑی ہے جس میں آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس میں اوپر کی طرف میرا عمل جائے۔

قال الشاہ یہ چار رکعت ظہر کی سنت ہیں عندنا امام شافعی کے نزدیک یہ چار رکعت صلوٰۃ الزوال ہے پہلے

مستقلاً گذرا ہے کہ ظہر سے پہلے سنن رواتب چار ہیں یا دو؟ تو عند الشافعی چونکہ دو ہیں لہٰذا وہ ان چاروں کو صلوٰۃ الزوال پر محمول کرتے ہیں اور اس حدیث کے رو سے ان کے مذہب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوسکتا۔ لیکن حنفیہ پر اعتراض ہے کہ یہ صلوۃ الزوال ہے ظہر کی نماز سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

قال الشافی جوابہ کہ روایت باب کو مصنف نے شمائل میں بھی نقل کیا ہے جس کی سند میں عبیدہ ہے جو عند المحد ثین ضعیف ہے لہٰذا یہ قابل حجت نہیں۔ لیکن عراقی فرماتے ہیں کہ یہ چار سنن قبلیہ کے علاوہ ہے والیہ مال الگنگوہی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ نماز سنت الظہر قرار دیں تو مع الظہر متصل نہیں رہے گی خصوصاً گرمیوں کے زمانے میں کہ زوال اور صلوٰۃ الظہر میں کافی وقفہ ہوتا ہے بہر حال یہ چاروں ایک ہی سلام کے ساتھ ادا کی جائیں گی کما صرح بہ الترمذی لایسلم الا فی آخرہن۔

باب ماجاء فی صلوة الحاجة

رجال:۔

وناعبداللہ بن منیر چونکہ یہ امام ترمذی کے شیخ ہیں اس لئے اس کو حدثنا علی بن عیسیٰ پر عطف کیا جائے گا اگر چہ مختصر تو یوں تھا ''حدثنا علی بن عیسیٰ بن یزید البغدادی وعبداللہ بن منیر عن عبداللہ بن بکر السہمی عن فائد بن عبدالرحمٰن الخ مگر چونکہ علی بن عیسیٰ عبداللہ بن بکر سے بلفظ تحدیث روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن منیر بلفظ عن' اس لئے مذکورہ عبارت اختیار فرمائی۔

فائد بن عبدالرحمٰن متروک من صغار الخامسۃ ترمذی میں ان سے فقط یہی ایک روایت ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث باب مروی ہے۔☆

تشریح:۔

کریم جو غیر مستحق کو بھی دیتا ہے اور بغیر منت وسماجت کے بھی دیتا ہے اور العظیم صفت رب کی بھی ہوسکتی ہے اور عرش کی بھی اگر رب کی صفت ہو تو ترجمہ یوں ہوگا کہ پاک ہے اللہ جو بڑا رب ہے۔ عرش کی صفت

کی صورت میں معنی ہوگا جورب عظیم عرش ہے۔

موجبات موجبۃ کی جمع ہے ایجاب سے ہے لازم کرنے والی چیزیں مراد وہ اعمال ہیں جو اسباب ہوں رحمت کے لئے۔ وعزائم یعنی ایسی خصلتوں کی دعا مانگتا ہوں جس کی وجہ سے تیری مغفرت مؤکد ہوجاتی ہے۔ والسلامۃ من کل اثم۔

عراقی فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ تمام گناہوں کی معافی کی دعا مانگنا جائز ہے۔ بعض اس کی ممانعت کرتے ہیں دلیل یہ ہے کہ عصمت انبیاء وفرشتوں کی خاصیت ہے لہٰذا یہ دعا نہیں مانگنی چاہیئے مگر حافظ عراقی نے جواباً کہا ہے کہ عصمت ایک واجبی ہے ایک عصمت جائز ہے انبیاء وفرشتوں کی عصمت واجبہ ان کی خاصیت ہے عام لوگوں کی عصمت جائزہ ہے اور جائز کا مانگنا جائز ہوتا ہے۔ البتہ ادب یہ ہے کہ عصمت کی دعا نہ مانگے بلکہ حفاظت کی مانگے وہو المراد فی الحدیث۔

والغنیمۃ من کل بر مراد نیکی کے کام ہیں اس کو غنیمت اس لئے کہا کہ روحانی لشکر اور نفسانی جنود میں معرکے ہوتے رہتے ہیں ایک طرف ملائکی الہامات دوسری طرف شطانی وسواس ہوتے ہیں تو آدمی جب نیکی کا کام کرتا ہے تو گویا وہ روحانی لشکر کی فتح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے قال الترمذی وفائد بن عبدالرحمٰن یضعف فی الحدیث مگر اس کے دیگر شواہد ہیں (1) مثلاً رواہ ابن ماجہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ دعا کرو میری بینائی ٹھیک ہوجائے تو فرمایا کہ چاہو صبر کرو چاہو تو دعا کروں کہا دعا فرمائیں تو وضو اور نماز کا حکم دیکر دعا فرمائی اور بینائی ٹھیک ہوئی۔ (2) پھر اسلاف کا عمل اس پر رہا ہے جو صحت حدیث کی دلیل ہے۔

قال الشاہ یہ دعا سلام پھیرنے کے بعد یہ پڑھے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی حاجت اللہ کی طرف ہوتی ہے کبھی بنی آدم کی طرف تو اس صورت میں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی پھر ان دو رکعتوں میں سورتوں کی تعیین نہیں۔

باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ

(1) دیکھئے سنن ابن ماجہ ص:۹۹ ''باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ'' ایضاً معجم کبیر للطبرانی ص:۳۰ و۳۱ ج:۹ رقم الحدیث ۸۳۱۱

(2) رواہ ابن ماجہ حوالہ بالا

باب ماجاء فی الاستخارۃ

رجال:۔

عبدالرحمٰن بن ابی الموالی صدوق ہیں ترمذی نے ثقہ قرار دیا ہے۔☆

تشریح:۔

استخارہ کا معنی ہے طلب الخیر یا طلب الخیرۃ چونکہ آدمی جو کام کرتا ہے تو اس کے نتیجے کے بارے میں تشویش ہوتی ہے کہ اگر نتیجہ خواہش کے مطابق نہ نکلے تو نقصان ہوگا۔ جاہلیت میں اس کے لئے استقسام بالازلام کا طریقہ تھا اسلام نے استخارہ کی تعلیم دی کہ جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور کسی کا ارادہ وقصد ہو کسی کام کا۔

ھــــــــم بمعنی ارادو قصد نوی ٗ ہم میں اشارہ ہے کہ معمولی کاموں میں استخارہ ضروری نہیں بلکہ اہم ہونا چاہئے البتہ وہ کام جو مباح ہو فرض واجب یعنی واجب مؤقت سنت ونفل مؤقت نہ ہو۔ واجب غیر مؤقت میں بھی استخارہ ہوسکتا ہے مثلاً حج کب کروں اسی طرح حرام ومکروہ میں بھی استخارہ نہ ہوگا۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ لے یہ نفل ہیں فرض سے استخارہ نہ ہوگا بعد از نماز یہ دعا پڑھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ کام میرے لئے دینی ودنیوی اعتبار سے بہتر ہے تو آسان بنادے اور اگر مضر ہے تو دور فرما اور واقدر بالضم والکسر یعنی اچھا کام مقدر فرما جہاں بھی ہو پھر مجھے اس پر راضی فرما۔ اور ہذا الامر کہتے وقت اس کی جگہ کام کا نام لے لے یا لفظ تو ہذا الامر کا ہوگا مگر اس کام کی طرف دل میں اشارہ کرے۔ استخارہ کے بعد اگر کوئی ناگواری نظر آئے تو اس میں بھی خیر ہی ہوگی لہٰذا اس کی ظاہری ناگواری سے بے چین نہیں ہونا چاہئے۔ کہ اللہ عالی خیر ہی کی راہنمائی کرتا ہے۔

بعض نے کچھ تفصیل بیان کی ہے کہ نماز کے بعد وہ اسی وضو کی حالت میں قبلہ رخ ہو کر لیٹے صبح دیکھے کہ دل میں کس طرف میلان پایا جاتا ہے تو جس جانب میلان ہو وہ کرے دوسرے کو ترک کرے خواب کا آنا شرط نہیں کہ احادیث سے ثابت نہیں مگر تجربہ شاہد ہے کہ استخارہ کرنے والے کو خواب یا اشارہ ملتا ہے۔ اگر خواب میں سفید یا

سبز چیز نظر آجائے تو بہتری کی علامت ہے اگر کالا یا سرخ نظر آئے تو ضرر کی علامت ہے تو اس کو ترک کردے۔ اگر ایک دن میں کوئی نتیجہ نہ نکلے تو سات راتوں تک کرے اور اگر دوران استخارہ دل کا میلان ایک طرف ہو اور اشارہ دوسری طرف مل رہا ہے تو کرتا رہے یہاں تک کہ موافق ہو جائے۔ اگر ایک ہی رات ہو یعنی کام میں جلدی ہو فرصت کم ہو تو جب تک نتیجے پر نہ پہنچے تو سات دفعہ استخارہ کر سکتا ہے۔ یعنی ایک ہی رات میں بار بار۔ اگر خواب کا معنی سمجھ میں نہ آئے تو معبر سے پوچھ لے۔

بعض لوگوں نے استخارہ کا انکار کیا ہے مگر صحیح احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض احادیث میں استخارہ نہ کرنے کو بدبختی کی علامت قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی صلوٰۃ التسبیح

رجال:۔

موسیٰ بن عبیدہ یہ ضعیف ہیں خاص کر عبداللہ بن دینار کی روایات میں عابد من السادسۃ۔

سعید بن ابی سعید حافظ نے مجہول جبکہ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔☆

تشریح:۔

اس نماز کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جلسہ استراحت ہے۔ رمل عالج کثیر ریت جو ایک دوسرے کے اندر متداخل ہو۔

اعتراض:۔ ام سلیم کی حدیث کی صلوٰۃ التسبیح کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ حالانکہ طبرانی (1) میں تصریح ہے کہ یہ تسبیحات بعد الفرض پڑھو۔

جواب:۔ ایک مطلب طبرانی کے مطابق ہے دوسرا ترمذی میں "فی صلوٰۃ" ہے کہ فی ظرفیت کے

باب ماجاء فی صلوٰۃ التسبیح

(1) رواہ الطبرانی فی الدعاء ایضاً ابو یعلیٰ فی مسندہ ص:۵۱ ۴ج:۳ رقم حدیث ۴۲۷۶

لئے آتی ہے تو نفس فی کی مناسبت کی وجہ سے یہاں لائے اگرچہ یہاں مراد یہ نہیں۔

ابن جوزی نے صلوٰۃ تسبیح کی روایات کو موضوعات میں شمار کیا ہے قال الترمذی ولا یصح فی صلوۃ التسبیح کبیر شئی ابن جوزی نے تشدد سے کام لیا ہے یہ موضوع نہیں۔

ابن حجرؒ نے بعض طرق وکتب میں اس کی تحسین فرمائی بعض میں تضعیف قال المنذری فی الترغیب قد صححہ جماعۃ کذا فی التحفۃ (2) یہ تو ایک طریقہ ہے کہ بعد القراءۃ قبل الرکوع پندرہ دفعہ سبحان والحمدلله ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر کہے یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں معلوم ہوا کہ ان کلمات میں ترتیب ضروری نہیں۔ احیاء العلوم ومرقات میں ہے کہ لاحول ولاقوۃ الخ بھی پڑھے تو یہ بھی صحیح ہے دس مرتبہ رکوع میں بعد التسبیحات دس مرتبہ بعد التسمیع قومہ میں دس مرتبہ پہلے سجدے میں بعد التسبیحات دس جلسے میں دس دوسرے سجدے میں اور دس جلسہ استراحت میں یہ مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔ یہ کل ۷۵ مرتبہ تسبیحات پڑھی جائیں گی۔

دوسرا طریقہ ابن المبارک وغیرہ نے نقل کیا ہے ابووہب فرماتے ہیں کہ میں نے تسبیحات صلوٰۃ کے بارے میں ابن المبارک سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تکبیر کہے پھر ثناء پھر قبل الفاتحہ ۱۵ دفعہ سبحان اللہ الخ پڑھے پھر تعوذ وتسمیہ کہے پھر فاتحہ وسورت پڑھے پھر دس مرتبہ قبل الرکوع پڑھے باقی طریقہ وہی ہے فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں قیام میں قبل الرکوع ۱۵ مرتبہ تسبیحات ہوتی تھیں اس میں ۲۵ مرتبہ آگئی تو جلسہ استراحت نہ ہوگا یہی طریقہ چاروں رکعات میں اختیار کرے رات کو دو دو رکعت پڑھے دن کو دو دو چار میں اختیار ہے۔

عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ سجدہ سہو کی صورت میں کیا دونوں سجدوں میں تسبیحات پڑھے گا تو کہا کہ نہیں کیونکہ یہ کل تین سو تسبیحات ہوتی ہیں لہٰذا کمی بیشی نہ کرنی چاہئیے۔

مشہور یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائیگا کہ اس میں جلسہ استراحت نہیں مگر بہت سارے حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ اس نماز کی شان ہی الگ ہے تو جلسہ استراحت اس میں ہوگا اور پہلی روایت مرفوع بھی ہے تو وہ ابن مبارک کے طریقے سے راجح ہے مگر یہ قائل بالجلسہ کو مفید نہیں کیونکہ وہ بھی اتنے لمبے جلسہ کا قائل نہیں۔

---

(2) تحفۃ الاحوذی ص: ۵۹۸ ج: ۲

قال القاری فی المرقات (3) اگر ایک رکن میں تسبیحات نہ پڑھ سکے تو دوسرے محل میں پڑھے تاکہ تین سو کا عدد پورا ہو سکے۔

وینبغی للمتعبد ان یعمل بحدیث ابن عباس تارة وبحدیث ابن مبارك اخری زوال کے بعد پڑھنا بہتر ہے خصوصاً جمعے کے دن کبھی یہ سورتیں پڑھے زلزال، عادیات، فتح، اخلاص، کبھی تکاثر، عصر، کافرون، اخلاص اس میں دعا اگر ہو تو تشہد وسلام کے درمیان ہو۔

ثم یسلم ویدعو لحاجته یعنی اس کے بعد بھی دعا کر سکتے ہیں اور قال القاری یہ احکام احادیث سے ثابت ہیں۔ احیاء العلوم میں ہے کہ ان تسبیحات کے بعد لاحول ولاقوۃ الخ کا اضافہ بھی کرے تو بہتر ہے کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔

ابن خزیمہ اور حاکم اور ایک جماعت نے اس کی تحسین کی ہے۔ ابن حجر نے بھی بعض کتب میں تصحیح کی ہے ابن جوزی نے موضوعی قرار دیا ہے مگر جمہور نے اس کی نفی کی ہے۔ (4)

باب ماجاء فی صفة الصلوٰة علی النبی ﷺ

رجال:۔

مسعر سے مراد ابن کدام ہے۔ والأجلح صدوق شیعی من السابعة ۔ مالک بن مغول بکسر المیم بروزن منبر، کوفی ثقة من کبار السابعة ۔☆

تشریح:۔

کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو آپ پر سلام ہوا یعنی التحیات میں تو صلوٰۃ (درود) کیسے پڑھیں؟ مرقات (1) میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب یہ آیت " ان اللہ

---

(3) مرقاۃ ص:۲۱۶ ج:۳ (4) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے تحفۃ الاحوذی ص:۵۹۸، ۵۹۹ ج:۲ اور معارف السنن ص:۲۸۳ ج:۴

باب ماجاء فی صفة الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم

(1) مرقاۃ ص:۳۳۷ ج:۲

وملائکتہ یصلون'' الآیۃ نازل ہوئی تو ایک آدمی نے آکر پوچھا یا رسول اللہ ہذا اسلام علیک قد عرفناہ فکیف الصلوٰۃ علیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم صل الخ کی تعلیم دی۔ مسلم (2) میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو خاموش ہوئے تو ہماری خواہش ہوئی کہ کاش کہ آپ سے نہ پوچھا جاتا یہ وحی کا انتظار تھا معلوم ہوا کہ اس میں کمی یا زیادتی صحیح نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تادیر رہے آپ کے دین کی خوب اشاعت ہو اور امت زیادہ سے زیادہ ہو اور آخرت میں مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا حق ہو اور شفاعت آپ کی پوری امت کے لئے قبول ہو اور آپ کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند ہوں۔

صلوٰۃ کی نسبت الی اللہ جب ہو تو مراد نزول رحمت ہوتا ہے فرشتوں کی طرف ہو تو مراد استغفار ہوتا ہے عباد کی طرف ہو تو مراد دعا ہوتی ہے جب نسبت وحوش یا طیور کی طرف ہو تو مراد تسبیح وتہلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے درود کا مقصد عند البعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا دینا نہیں کہ آپ ہماری دعا کے محتاج نہیں بلکہ ہمیں حکم صلوا علیہ کا دیا گیا تھا اور ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے تو ہم نے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کیا کہ اللھم صل علیہ الخ۔

پھر دورد علیٰ غیر الانبیاء علیٰ الاصح یہ خصوصیت انبیاء ہے غیر پر صحیح نہیں مستقلاً سلام بھی سلام تحیۃ کے علاوہ استعمال نہیں کیا جائے گا کہ یہ روافض کا شعار بن چکا ہے علی علیہ السلام کہتے ہیں تو دونوں انفراداً صحیح نہیں تبعاً صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ال واصحاب آجائے تو دونوں پر جائز ہے۔

اس میں بھی کلام ہوا ہے کہ درود پڑھنا نماز میں فرض ہے یا غیر فرض؟ تو امام شافعی کی طرف منسوب ہے کہ درود نماز میں پڑھنا فرض ہے قال اسحٰق کہ اگر عمداً درود چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی عند الجمہور فی الصلوٰۃ درود مستحب یا سنت ہے۔

امام شافعی کو جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ درود کا حکم بعد میں آیا ہے اصل نماز میں شامل نہیں تھا اس حدیث میں بھی ہذا السلام علیک معلوم ہوتا ہے کہ سلام تو پڑھتے تھے مگر صلوٰۃ نہیں پڑھتے تھے۔ بقول بعض

---

(2) صحیح مسلم ص: ۱۷۵ ج: ۱ ''باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد''

درود کا حکم لیلۃ الاسراء میں نازل ہوا دوسرا قول سنہ ۲ھ کا ہے تیسرا قول سنہ ۵ ھ کا ہے۔

جواب ۲:۔ اذاقلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتك اس سے بھی فرضیت درود کی نفی ہوتی ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ خارج صلوٰۃ درود پڑھنے کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس پر اجماع ہے کہ زندگی بھر میں ایک دفعہ پڑھنا فرض ہے کہ صلوا امر ہے والامر للوجوب البتہ الامر لا یقتضی التکرار تو کم از کم ایک دفعہ فرض ہوا۔ اگر مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو تو کم از کم ایک دفعہ بھی واجب ہے علی الاصح مگر ہر مرتبہ ایک ہی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ تو عند الطحاوی ہر مرتبہ ذکر کے ساتھ درود واجب ہے جبکہ تخریج کرخی کے مطابق بار بار درود کا پڑھنا مستحب ہے۔ یہی تحقیقی ہے۔ شرح منیہ میں اسی کو مختار کہا ہے۔ ابن حجرؒ نے امام قدوری سے نقل کیا ہے کہ ہر مرتبہ درود پڑھنے کو واجب کہنا خرق اجماع ہے کہ اس پر دلیل نہیں۔ صحابہ سے ثابت نہیں کہ وہ ہر خطاب کے ساتھ درود پڑھتے۔ ابن العربی (3) نے بھی سخت موقف اختیار کر کے اس کی سختی سے نفی کی ہے۔ اگر چہ احوط یہی ہے کہ ہر مرتبہ آدمی درود پڑھ لے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو علامہ زاہدی کے مطابق جل جلالہ یا عز اسمہ پڑھنا واجب ہے مگر اس میں بھی یہ ہے کہ اگر بار بار کسی مجلس میں آئے تو مستحب ہے پھر جو حکم کلام کا ہے وہی کتابت کا بھی ہے تو جیسے ص یا صلعم کہنے میں درود کا قائم مقام نہیں تو لکھنے میں بھی درود کا قائم مقام نہیں۔

كيف الصلوة عليك میں سوال جنس درود کے بارے میں ہوتا تو ما الصلوة عليك ہوتا معلوم ہوا کہ سوال کیفیت کے بارے میں ہے تو اشارہ ہے کہ صحابہ اس قسم کی عبادات میں رائے کو دخل نہیں دیتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر عبادت کرتے تھے۔ لہٰذا موجودہ دور کے بعض درود خاصۃً بصیغۂ خطاب یہ غیر شرعی ہیں۔

اللّٰهم میں بقول بصریین میم مشددہ عوض ہے حرف نداء سے اصل میں یا اللہ تھا اس لئے میم یاء کے ساتھ جمع نہیں ہوتا مگر شاذ و نادر اور یہ اس لفظ کی خصوصیات میں سے ہے اور بقول کوفیین میم مخفف ہے آمنا بخیر کا اور شروع میں نداء محذوف ہے اور بقول بعض میم زائد ہے۔

آل کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اصل میں یہ اہل تھا پھر قرب مخرج کی وجہ سے ہاء کو ہمزہ میں تبدیل

(3) انظر للتفصيل معارف السنن ص: ۲۹۲ ج: ۴

کیا پھر ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے ہمزہ کو الف میں تبدیل کیا دلیل یہ ہے کہ تصغیر اس کی اہیل آتی ہے۔ مگر عندالمحققین جن میں کسائی ویونس بھی ہیں آل اصل میں اول تھا واؤ ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کر دیا تو آل ہو گیا اور مشہورین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اہیل کی طرح اویل بھی تصغیر آتی ہے۔

پھر اہل و آل میں فرق یہ ہے کہ آل ذوی الاشراف کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ شرافت دنیاوی ہو یا دینی اور اہل عام ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عموماً آل کی اضافت عاقل ومظہر کی طرف ہوتی ہے مگر شاذ ونادر غیر عاقل اور مضمر کی طرف بھی ہوتی ہے۔ کمافی الشعر

پھر اس سے مراد کون ہے تو ایک قول جمہور کا ہے کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ ممنوع ہے یعنی بنو ہاشم جو کہ آل عباس، آل حارث بن عبدالمطلب، آل علی، آل جعفر اور آل عقیل اور ان کے موالی ہیں ونص علیہ الشافعی۔ دوسرا قول امام احمد کا ہے کہ یہاں اس سے مراد اہل بیت ہیں بقول امام مالک اس سے مراد امت اجابت ہے وقیل المراد منه اولاد فاطمة وقیل المراد منه الاتقیاء لقوله علیه السلام کل تقی نقی فهو آلی (4) وقیل جمیع قریش۔

کما صلیت علیٰ ابراهیم پر اعتراض ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ عموماً ادنی کی دی جاتی ہے اعلیٰ کے ساتھ اور یہاں مشبہ ارفع وافضل ہیں مشبہ بہ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے۔

جواب ۱:۔ یہ اس وقت کی تشبیہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی افضلیت کا علم نہ ہوا تھا۔

جواب ۲:۔ یہ تواضعاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جواب ۳:۔ تشبیہ اصل میں ہے قدر میں نہیں۔

جواب ۴:۔ کاف تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے ہے۔

جواب ۵:۔ کاف تشبیہ وعلیٰ آل محمد کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ علیٰ محمد کے ساتھ۔

جواب ۶:۔ تشبیہ صرف محمد کی نہیں بلکہ مع الآل یعنی مجموع کی تشبیہ ہے مجموع کے ساتھ اور چونکہ

---

(4) رواه البیہقی فی الکبریٰ ص:۱۵۲ ج:۲

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں لاکھ سے زائد انبیاء ہیں تو تشبیہ صحیح ہوئی۔

جواب ۷:۔تشبیہ غیر مشہور کی ہے مشہور کے ساتھ۔

جواب ۸:۔منعی ہے کہ اعلیٰ کی تشبیہ ادنی کے ساتھ صحیح ہے جیسے ''مثل نورہ کمشکوٰۃ'' الآیۃ جس کو تشبیہ مقلوب کہتے ہیں۔

اعتراض ۲:۔تشبیہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام ہی کو کیوں مختص کیا؟

جواب ۱:۔شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس امت کے نام سلام بھیجا تھا تو یہ اس کا جواب ہے۔

جواب ۲:۔ابراہیم خلیل اللہ ہیں اس معنی کے اعتبار سے تشبیہ کے معنی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

جواب ۳:۔ابراہیم علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں۔

جواب ۴:۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہ تھے اوصاف میں بھی چنانچہ وہ خلیل اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں اور حلیہ مبارک میں بھی۔

جواب ۵:۔قرآن میں ہے ''ہوسماکم المسلمین'' تو اس امت پر احسان ہے ان کا۔

جواب ۶:۔انہوں نے اس امت کے لئے دعا فرمائی تھی ''ربنا وابعث فیہم رسولاً'' الآیۃ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس دعا کا نتیجہ ہوں۔

حمید بمعنی فاعل ومفعول دونوں صحیح ہے کہ اللہ حامد ومحمود دونوں ہے۔ مجید بمعنی عظیم وبارک علی محمد کنایہ ہے دوام سے کہ یہ رحمتیں دواماً ہوں کہ بارک بروک الابل سے ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ اپنی جگہ کو لازم پکڑے اور لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہوتا۔ اور برکت بمعنی زیادتی بھی آتی ہے مگر معنی اول زیادہ مناسب ہے۔

باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ

رجال:۔

محمد بن خالد صدوق من العاشرۃ موسیٰ بن یعقوب یہ بھی صدوق ہیں۔عبداللہ بن کیسان مقبول من الخامسۃ۔عبداللہ بن شداد بن الہاد ولد علیٰ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبار تابعین میں سے ہیں مدنی ہیں کوفہ میں سنہ ۸۱ھ میں انتقال ہوا۔☆

تشریح:۔

اس باب میں ترمذی نے متعدد احادیث کی تخریج کی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ جو آدمی ایک دفعہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا۔

بعض روایات میں ہے کہ اللہ اس سے دس گناہ بھی کم کردے گا اور دس درجے بھی بڑھائے گا اور حضرت عمر کی روایت میں ہے کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجیں (1) وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں وفی الحدیث (2) من لایشکر الناس لایشکر اللہ لہٰذا جو دعا کے ساتھ درود نہیں پڑھے گا تو دعا قبول نہیں ہوگی کہ یہ احسان فراموش ہے اور اللہ محسنین وشاکرین کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ جب آدمی درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ چونکہ درود قبول فرماتے ہیں تو اس کی بدولت دعا بھی قبول ہوجائے گی۔وفی الحدیث ایک آدمی نے بغیر درود کے دعا مانگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم نے جلدی کی۔

ابن العربی نے یہاں ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ ہر عبادت میں قاعدہ یہ ہے کہ اللہ اس پر دس نیکیاں

باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(1) انظر للتفصیل عارضۃ الاحوذی ص:۲۳۰ ج:۲ (2) رواہ الترمذی ایضاً مسند ابی یعلیٰ ص:۵۷۴ ج:۱ رقم حدیث ۱۱۱۷ ایضاً رواہ الطبرانی فی الاوسط ص:۳۵۷ ج:۴ رقم حدیث ۳۶۰۷

دیتا ہے ''من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا'' تو ذکر درود کی کیا خصوصیت ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ درود دیگر عبادات کی طرح نہیں کہ قرآن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس درجے جنت میں ملتے ہیں تو ان احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ درود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر خاص انعام کرتا ہے کہ جو درود پڑھتا ہے تو اللہ اس کو یاد فرماتا ہے اور اللہ کا ذکر جنت کے درجات سے ارفع واعلیٰ ہے اور ساتھ ساتھ دس درجات بھی بڑھاتا ہے اور دس سیئات بھی معاف کرتا ہے لہٰذا اس سے یہ توہم دور ہو گیا کہ درود پر اس قرآنی قاعدہ کے مطابق عام نیکیوں کی طرح جزاء مرتب ہوگی۔

اس باب کے اخیر میں ترمذی نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے لایبع فی سوقنا الخ اس کا تعلق فضیلت درود کے ساتھ نہیں مگر اس باب میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یعقوب کا سماع عمر سے ثابت کریں اور حضرت عمر کا مقصد اس جملے سے اشاعت علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانے میں تعلیم وتعلم کا اتنا چرچا ہو گیا تھا کہ عورتیں بھی فقیہات بن گئی تھیں۔ مدنی نے لکھا ہے کہ جب بہت سارے اسلامی سلاطین نے اس کو اصول بنایا تو ان کے زمانے میں علم کی اشاعت عام تھی۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی میں ایک ہزار مدارس تھے خود بھی حافظ قرآن اور حافظ ہدایہ تھے اور علماء سے بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔
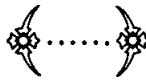
ابواب الجمعة

باب فضل یوم الجمعة

یہ حدیث مسلم ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔

یہاں بھی امام ترمذی نے ابواب جمعہ کا صیغہ استعمال کیا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جمعہ کے مسائل بھی متعدد ہیں۔

جمعہ میں چار لغات ہیں۔(۱) مشہور بضم الجیم والمیم کما ورد فی القرآن۔(۲) بسکون المیم مع ضم الجیم قالہ الاعمش۔(۳) بفتح المیم مروی عن الفراء۔(۴) بکسر المیم قالہ الزجاج۔(1)

یہ لفظ اسلامی ہے جاہلی نام عروبہ تھا۔ جمعہ کی وجہ تسمیہ میں پانچ اقوال ہیں۔

۱۔ اس میں تخلیق العالم کا اتمام ہوا کیونکہ اتوار سے تخلیق کی ابتداء ہوئی اور جمعے کے عصر تک جمیع عالم مکمل ہوا اور بعد العصر آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بروز ہفتہ ابتداء ہوئی اور جمعرات تک عالم پورا ہوا جمعے کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تاہم مشہور پہلی روایت ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اجتماع اجزاء کا جمعے کے دن ہوا کہ روئے زمین کے مختلف اقالیم سے آپ کی خمیر خاکی کے لئے مٹی مجتمع کی گئی۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کعب بن لوئی اس دن لوگوں کو جمع کرتا تھا اور تذکیر کرتا تھا زمانہ جاہلیت میں اور حرم کی تعظیم کی تلقین کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری سناتا۔

۴۔ اس میں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

(ابواب الجمعة) باب فضل یوم الجمعة

(1) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف السنن ص:۳۰۳ ج:۴ ایضاً عمدۃ القاری ص:۱۶۱ ج:۶

۵۔اس میں امور عظام کا اجتماع ہوا ہے کمافی حدیث الباب۔

جمعہ کی فرضیت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں بعض شافعیہ کے بقول مدینہ منورہ میں فرض ہوا کہ جمعہ کی آیت مدنی ہے جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کی اقامت پر قادر نہیں تھے تو عمل مدینہ میں شروع کیا اگر چہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی جیسے وضو کی آیت مدنی ہے اور وضو کا حکم مکی ہے اور کبھی برعکس بھی ہوا ہے کہ آیت پہلے ہو اور حکم بعد میں جیسے زکوۃ یا بعض آیات جہاد۔سیوطی کی تحقیق حنفیہ کے لئے جمعہ فی القری میں مفید ہے کہ سلطان ہونا شرط ہے محض آبادی کا ہونا کافی نہیں کہ مکہ میں آبادی تھی مگر وہاں مسلمانوں کا غلبہ نہیں تھا تو جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔

باب میں ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ بہترین دن جمعہ کا ہے۔بعض کے نزدیک جمعہ اولی ہے بعض کے نزدیک عرفہ اولی ہے بعض کے نزدیک دن جمعہ کا اور رات عرفہ کی افضل ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ امور عظام اس کی فضیلت کے لئے نہیں بلکہ شان بتانا مقصود ہے کہ موت آدم علیہ السلام اور خروج من الجنۃ یہ فضیلت نہیں۔مگر عارضۃ الاحوذی (2) میں ابو بکر ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ سارے امور فضائل ہیں آدم علیہ السلام کی خلقت و جنت میں جانا تو فضیلت ہے ہی اسی طرح ان کا جنت سے خروج یہ بھی فضیلت ہے کہ یہ خروج انبیاء علیہم السلام واولیاء کی خلقت کا سبب بنا ہے اس کے علاوہ بے شمار حکمتیں اس پر مرتب ہیں۔آدم علیہ السلام کی موت جیسا کہ بعض روایات میں اس کا ذکر ہے بھی فضیلت ہے کہ اس کی وجہ سے آدم علیہ السلام رب العالمین کے جوار رحمت میں پہنچ گئے کمافی الحدیث الموت تحفۃ المؤمن اوکما قال اور ابراہیم علیہ السلام نے ''والذی یمیتنی ثم یحیین'' الآیۃ کا ذکر انعامات میں کیا ہے اور قیام قیامت بھی فضیلت ہے کہ اللہ کے وعدے پورے ہو جائیں گے اور دشمنانِ خدا کو سزا ملیگی۔

پھر آدم علیہ السلام جس جمعے کو پیدا ہوئے تو آیا یہ وہی جمعہ تھا جو خلق عالم کے بعد پہلی مرتبہ آیا تھا یا مفصول تھا؟ تو دونوں قول موجود ہیں البتہ البدایہ والنہایہ اور تاریخ طبری (3) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جمعہ تھا جو ایک ہزار سال پر مشتمل تھا۔طبری میں ہے کہ عالم کی تخلیق ایک ہفتے میں ہوئی اور ایک دن ایک ہزار سال

---

(2) ص:۲۳۲ ج:۲　(3) دیکھئے ص:۳۷ سے ۴۱ تک ج:ادار الکتب العلمیہ بیروت

توکل سات ہزار سال ہوئے اور آدم علیہ السلام سے قیامت تک ایک ہفتے کا وقت ہے یعنی سات ہزار سال۔ تاہم چونکہ اس سے وقتِ قیامت کا تعین ہوگا اس لئے روایت کا یہ حصہ صحیح نہیں۔

بعض میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق عصر کی وقت ہوئے تو اعتراض یہ ہے کہ پیدائش دخول جنت اور خروج من الجنۃ اس وقت میں کیسے ہوئے؟

جواب:۔ بعد العصر اسی سال بنتے ہیں تقریباً کل بارہ گھڑیاں ہوتی ہیں اس کی نسبت ہزار کی طرف کریں کل اسی سال بنتے ہیں چالیس سال تک خمیر رکھا رہا پھر جنت میں داخل ہوئے پینتیس سال تک جنت میں رہے پھر اسی عصر میں جنت سے خارج کئے گئے۔ تو اگر چہ چالیس سال میں تخلیق ہوئی مگر بنسبت سابق زمانہ کے یہ کم ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا "خلق الانسان من عجل"۔

باب فی الساعۃ التی ترجیٰ فی یوم الجمعۃ

رجال:۔

محمد ابن ابی حمید لقبہ حماد ضعیف من السابعۃ۔☆

تشریح:۔

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جمعے کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں آدمی جو بھی دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ مسند احمد (1) میں ہے مالم یسئل ماثماً اوقطعیۃ رحم یعنی گناہ کا اور قطع رحم کا سوال نہ کرے تو دیگر سوال مقبول ہیں۔

امام ترمذی نے یہاں دو حدیثوں کی تخریج کی ہے ایک حضرت انس سے اور دوسری ابو ہریرہ سے یہ دونوں مرفوع حدیثیں ہیں حضرت انس کی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ وقت جمعے کے دن عصر کی نماز سے لے کر

باب ای الساعۃ التی ترجی فی یوم الجمعۃ

(1) مسند احمد ص:۳۳۸ ج:۸ رقم الحدیث ۲۲۵۲۰

غروب آفتاب تک رہتا ہے ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعے کے دن ایک ایسا وقت ہے کہ آدمی جو دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا تذکرہ عبداللہ بن سلام سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ گھڑی کونسی ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے بتادو اور نہ چھپاؤ مجھ سے قال العراقی تضنن میں چھ لغات جائز ہیں ضاد کی تشدید وتخفیف فتحہ وکسرہ اسی طرح نون کا کسرہ وفتحہ اور ضاد کا سکون یہ سب جائز ہے مطلب یہ ہے کہ آپ بخل نہ کریں مجھے بتائیں فرمایا کہ عصر کے بعد کا ہے جب تک کہ غروب نہ ہو میں نے کہا کہ یہ وقت کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت وہ نماز پڑھ رہا ہو اور عصر کے بعد نماز نہیں پڑھی جاتی۔ تو ابن سلام نے کہا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ آدمی جب تک نماز کے انتظار میں رہے تو نماز میں رہتا ہے میں نے کہا کیوں نہیں قال فہوذ لک۔

ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ گھڑی بعد العصر ہے۔ مسلم (2) میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے وفیہ وھو مابین ان یجلس الامام الی ان یقضی الصلوٰۃ اس سے معلوم ہوا کہ امام جب خطبہ کے لئے بیٹھتا ہے تو فراغت تک یہ وقت رہتا ہے۔ یہ دو قول زیادہ مشہور ہیں ورنہ اس میں اقوال کی تعداد پینتالیس تک پہنچتی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے توشیح (3) میں فرمایا ہے کہ علماء صحابہ وتابعین کا اختلاف ہے کہ یہ وقت اب بھی باقی ہے یا ختم ہو چکا ہے؟ تو ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ گھڑی اب باقی نہیں مگر عندالاکثر اب بھی باقی ہے۔ پھر جو بقاء کے قائل ہیں تو ان میں بعض کہتے ہیں کہ سال میں ایک جمعے میں فقط یہ گھڑی آتی ہے وقیل ہر جمعے کو آتی ہے۔ پھر ہر جمعے میں عندالبعض یہ وقت معین ہے وعندالبعض مبہم ہے اگر معین ہے تو اس میں استیعاب وقت ہوتا ہے یا مبہم ہے مثلاً پورا عصر کا وقت ہوتا ہے یا بعض وقت تو دونوں قول ہیں اگر مبہم ہے تو اس کی امتداد وانتہاء کی مقدار کیا ہے؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ہمیشہ اسی وقت میں رہتی ہے یا بدلتی رہتی ہے یہ اصول ہیں ان سے پینتالیس اقوال اخذ کئے گئے ہیں۔ قال الطبرانی اس میں صحیح ترین حدیث مسلم کی ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے البتہ مشہور عبداللہ بن سلام کی حدیث ہے کمافی الترمذی۔

اعتراض:۔ ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن سلام کی دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں اس پر کہ نبی صلی

---

(2) صحیح مسلم ص:۲۸۱ ج:۱ ''فصل فی ذکر الساعۃ التی تقبل فیہا الخ'' (3) کذافی معارف السنن ص:۳۰۷ ج:۴

اللہ علیہ وسلم کواس کا علم تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تعین فرمایا ہے حالانکہ مسند احمد (4) میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے انی کنت اعلمتہا ثم انسیتہا کما انسیت لیلۃ القدر۔

جواب ا:۔ نسیان سے مراد ذہول نہیں بلکہ مراد ترک بیان ہے کہ لوگ پھر اسی وقت کا اہتمام کرینگے تو اس میں لیلۃ القدر اور پورے جمعے کا اہتمام ختم ہو جائے گا۔

جواب ۲:۔ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حضرات کو نسیان سے پہلے یہ بات بتادی ہو۔
ابن حجر فرماتے ہیں کہ وماعداہما اماضعیف الاسناد اوموقوف استند قائلہ الی اجتہاد یعنی روایۃً یہی مذکورہ دونوں قول صحیح ہیں ماقبی یاتو اجتہاد پر مبنی ہیں یا پھر سنداً ضعیف ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان قولین میں سے قول راجح کونسا ہے؟ فذہب الیہما الذاہبین تو امام اسحٰق احمد بن حنبل کما صرح بہ الترمذی وابن عبدالبر وامام ابوحنیفہ نے عبداللہ بن سلام کی روایت کو ترجیح دی ہے اور مسلم کی روایت کو بیہقی، ابن العربی اور قرطبی نے ترجیح دی ہے نووی نے اس کو صحیح (السند) قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة. باب فی فضل الغسل یوم الجمعة.

رجال:۔

ابو جناب عطف ہے وکیع پر تاہم وکیع اسے عبداللہ بن عیسیٰ سے بواسطۂ سفیان روایت کرتے ہیں جبکہ ابو جناب بلا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

یحی بن ابی حیہ کثرت تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الکوفی ثقہ ہیں۔

یحی بن الحارث ثقہ ہیں۔ اوس بن اوس صحابی سکن دمشق۔☆

(4) کذافی مجمع الزوائد ص:۳۳۸ ج:۲ رقم الحدیث:۳۰۱۴

باب فی الوضوء یوم الجمعة

رجال:۔

عن الحسن عن سمرة بن جندب حسن بصری کا سماع حضرت سمرہ سے ثابت تو ہے مگر آیا صرف عقیقہ کی روایت میں ہے کما قال بہ النسائی یا دوسری روایتوں میں بھی ہے کما قال بہ العراقی گو کہ بعض نے مطلق سماع کی نفی بھی کی ہے۔ ہاں مذکورہ روایت چونکہ جمیع طرق میں عن کے ساتھ آئی ہے اس لئے زیادہ معتمد علیہا نہیں۔☆

تشریح:۔

جمعہ کے دن یا جمعہ کی نماز کے لئے غسل کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں اختلاف ہے اہل ظواہر کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے امام مالک سے بھی ابن منذر علامہ خطابی اور ابن عبدالبر نے یہی روایت نقل کی ہے لیکن اکثر مالکیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ (1) امام شافعی واحمد سے بھی ایک ایک روایت وجوب کی ہے اگر یہ روایت ثابت ہو تو مرجوح ہوگی کیونکہ حنابلہ وشافعیہ اس کے قائل نہیں۔ لہٰذا ائمہ اربعہ کے نزدیک معتمد علیہ قول سنیت کا ہے پھر ظاہر یہ جو واجب مانتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے غسل نہیں کیا تو گناہ گار ہوگا نماز ہو جائے گی کہ یہ شرائط صلوٰۃ میں سے نہیں۔ نیز ان کے نزدیک یہ وجوب جمعے کے دن کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ صلوٰۃ جمعہ کے ساتھ حتیٰ کہ اگر آدمی نے صبح غسل کیا پھر حدث لاحق ہوا پھر وضو کر کے جمعے کی نماز پڑھی تو صحیح ہے اور واجب اداء ہو گیا حتیٰ کہ اگر جمعے کی نماز ہو بھی جائے تب بھی وجوب برقرار رہے گا کہ دن باقی ہے۔ اسی طرح ہر عاقل بالغ مرد یا عورت حتیٰ کہ حائضہ ونفساء بھی یہ غسل کرے اسی طرح حنفیہ میں سے امام محمد بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ غسل یوم جمعہ کے لئے ہے جبکہ شیخین اس کو سنت صلوٰۃ کہتے ہیں۔ ثمرہ خلاف یہ ہوا کہ کوئی صبح غسل کرے پھر حدث لاحق ہو تو طہارت صغریٰ حاصل کر کے نماز پڑھی تو عند محمدؒ سنت ادا ہو گئی عند شیخین نہیں البتہ اگر نماز ہو گئی تو اس کے

باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة. باب فضل غسل یوم الجمعة. باب فی الوضوء یوم الجمعة

(1) کذا فی معارف السنن ص: ۳۲۰ ج: ۴

بعد بالاتفاق غسل مسنون نہیں نہ تدارک ممکن ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل ایک تو باب کی حدیث ہے من اتی الجمعۃ فلیغتسل یہ امر ہے وھوللوجوب۔

دلیل ۲:۔ صحیحین (2) کی روایت ابوسعید خدری سے مروی ہے غسل یوم الجمعۃ واجب علیٰ کل محتلم اس میں وجوب کی تصریح بھی ہے اور یوم کی بھی۔

جمہور کی دلیل ایک تو اسی باب میں حضرت عمر وعثمان کے مکالمے کا ذکر آیا ہے (3) کہ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے تو اس دوران ایک آدمی داخل ہوا امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان تھے تو عمر نے اعتراض کیا کہ یہ آنے کا وقت ہے؟ (تاخیر ہوگئی اس پر) حضرت عثمان نے جواباً کہا کہ میں نے اذان سنی اور وضو کر کے آ گیا یعنی کوتاہی نہیں کی بلکہ نماز کی تیاری میں لگا رہا عمر نے فرمایا والوضوء ایضاً حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہے اس سے امام شافعی نے سنیت پر استدلال یوں کیا ہے۔

کمانقله الترمذی قال الشافعی ومما یدل علیٰ ان امر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالغسل یوم الجمعة انه علی الاختیار لاعلی الوجوب حدیث عمر وفیه فلوعلما ان امره علی الوجوب لاعلی الاختیار

تو اولاً حضرت عمر عثمان کو بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ کہتے ارجع فاغتسل اسی طرح حضرت عثمان کے لئے بھی ممکن نہیں تھا کہ واجب چھوڑ کر مسجد میں آئے ہوتے معلوم ہوا کہ غسل واجب نہیں ۔ پھر وہاں مسجد مہاجرین وانصار سے بھری تھی اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا گویا یہ اجماع سکوتی ہے۔

ابن حزم نے یہاں ایک توجیہ کی کوشش کی ہے کہ غسل نماز کے لئے ضروری نہیں بلکہ پورے دن میں جس وقت بھی ہو جائے تو صحیح ہے لہٰذا عثمان نے صبح غسل کیا ہوگا اور نماز کے لئے صرف وضو بنایا ہوگا۔

اجاب العراقی بان هذاالتوجیه وهم کہ اگر حضرت عثمان نے غسل کیا ہوتا تو جب عمر نے ان پر اعتراض کیا ترک غسل کا تو صبح کے وقت غسل کا عذر کیوں پیش نہ کیا۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک والوضوء ایضاً کا

---

(2) صحیح بخاری ص: ۱۲۰و۱۲۱ ج:۱ ''باب فضل الغسل یوم الجمعۃ وہل علی الصبی شہود الخ''، صحیح مسلم ص: ۲۸۰ ج:۱ ''کتاب الجمعۃ''

(3) اس روایت کو صحیح مسلم نے بھی لایا ہے دیکھئے ص: ۲۸۰ ج:۱

مطلب یہ ہوگا ترکت فضیلۃ الغسل ایضاً کما ترکت فضیلۃ التبکیر۔

دلیل ۲:۔ للجمہور باب فی الوضوء یوم الجمعۃ (4) میں سمرہ بن جندب کی روایت ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعۃ فبھا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل

دلیل ۳:۔ اسی باب میں ابوہریرہ کی حدیث ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعۃ (الحدیث)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غسل ضروری نہیں کہ اس میں وضو کی تصریح ہے غسل کا ذکر نہیں۔

یہ احادیث قرینہ ہے اس بات پر کہ جہاں امر اور واجب کا لفظ جمعے کے غسل کے لئے آیا ہے وہ ندب پر محمول ہے نہ کہ لزوم پر۔

جواب ۲:۔ ان صیغوں کو اگر وجوب پر محمول بھی کیا جائے تو وہ شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا کہ وہ حکم ایک علت پر مرتب تھا جب علت نہ رہی تو حکم بھی ختم ہوا۔ صحیحین (5) میں عائشہ کی روایت ہے کہ لوگ عوالی سے نماز کے لئے آتے تھے راستے میں گرد وغبار لگ جاتی (اور کپڑے بھی اُونی ہوتے) تو پسینہ نکلتا جس سے بدبو پیدا ہوتی ایک دفعہ ان میں سے ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ میرے حجرے میں تھے جب قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو انکم تطھرتم لیومکم ھذا اس سے دونوں جوابوں کی تائید ہوتی ہے پہلے کی بھی کہ وجوب کے لئے لفظ لو نہیں آتا دوسرے کی بھی کہ یہ حکم علت پر مبنی تھا اب وہ باقی نہیں۔

مسند احمد (6) میں ابن عباس سے روایت ہے اس میں بھی انہوں نے اس علت کی تصریح کی ہے کہ شروع میں لوگ چونکہ اُونی کپڑے پہنتے تھے باغات میں اپنا کام خود کرتے تھے کہ نوکر پہلے نہیں تھے مسجد کی چھت نیچی تھی منبر بھی صرف تین درجوں کا تھا جب لوگ مسجد میں جمع ہوتے تو بدبو پھیل جاتی تو آپ نے فرمایا غسل

---

(4) ص:۶۵ ج:۱ (5) صحیح بخاری ص:۱۲۳ ج:۱ "باب من این توتی الجمعۃ الخ" صحیح مسلم ص:۲۸۰ ج:۱ "کتاب الجمعۃ"

(6) مسند احمد ص:۵۷۶ ج:۱ رقم الحدیث ۲۴۱۹ ایضاً رواہ الطبرانی فی الکبیر ص:۱۷۵ ج:۱۱ رقم حدیث ۱۱۵۴۸

کرلیا کرو اور خوشبو لگالیا کرو یعنی جب جمعے کی نماز کے لئے آؤ۔ لہٰذا مذکورہ حدیث ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب کی حدیث کے وجوب کے لئے ناسخ ہونگی ندب اب بھی باقی ہے تاہم حضرت گنگوہی نے کوکب میں دوسرے جواب کا سختی سے انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرے باب میں اوس بن اوس کی روایت ہے فرماتے ہیں قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعة وغسل وبکر وابتکر غسل بالتشدید والتخفیف دونوں مروی ہے اس میں کلام ہوا ہے کہ وغسل اغتسل کے لئے تاکید ہے یا تاسیس؟ تو دونوں قول ہیں اگر تاکید ہو تو مقصد مبالغہ فی الانقاء ہوگا تاکہ اچھی طرح صفائی ہو جائے۔ اگر تاسیس ہو تو یا قراءۃ تخفیف کی ہوگی تو اس کی توجیہ عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے یعنی غسل راسہ واغتسل یعنی غسل کے ساتھ سر بھی دھوئے وجہ یہ ہے کہ عام عرب سر کے بال رکھتے تھے تو سر کو الگ دھوتے تھے کہ اس پر خطمی وغیرہ لگاتے تھے تو فرمایا کہ سر کو بھی دھوئے کہ یہ انظف ہے۔ اس کی تائید بخاری (7) کی روایت سے ہوتی ہے۔

قال طاؤس قلت لابن عباس ذکروا ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اغتسلوا واغسلوا رؤسکم وان لم تکونوا جنباً واصیبوا من الطیب قال ابن عباس اماالغسل فنعم واماالطیب فلاادری

اگر بالشدید پڑھیں تو ترجمہ ہوگا کہ جو غسل کرائے یہ امام وکیع سے ترمذی نے نقل کیا ہے قال وکیع اغتسل ہو وغسل امراتہ اور یہ کنایہ ہوا جماع سے کہ جمعے کی نماز سے پہلے جماع کرے۔ وجہ یہ ہے کہ جمعے کی نماز میں عورتیں بکثرت آتی تھیں اس سے غض بصر اور توجہ الی الصلوٰۃ میں مدد ملے گی۔

ایک توجیہ غسل کی یہ کی گئی ہے کہ اعضاء کے غسل میں مبالغہ کرے یعنی تین تین دفعہ دھوئے تاکہ نظافت کا حصول ہو تو غسل ای غسل الاعضاء ثلاثا اس کو اسباغ الغسل کہا جائے گا جیسے کہ اسباغ الوضوء ہوتا ہے۔ ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اغتسل یوم الجمعۃ یعنی بعد الجماع وغسل ای اغتسل ثانیاً للجمعۃ مگر یہ توجیہ شائد جمہور کے نزدیک صحیح نہ ہو کہ عند الجمہور غسل جنابت غسل جمعے کے لئے کفایت کرسکتا ہے۔

---

(7) صحیح بخاری ص:۱۲۱ ج:۱ ''باب الدہن للجمعۃ''

وفی روایۃ ومشی ولم یرکب قال البخاری مشی ابوعبس الی الجمعۃ وقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ حرمھما اللہ علی النار کذافی العارضۃ الاحوذی۔

بکر میں بالتشدید والتخفیف دونوں قراءت ہیں اگر بالتخفیف ہوتو مطلب یہ ہوگا کہ خرج من بیتہ باکراً اگر تشدید کے ساتھ ہو چونکہ بعد میں ابتکر بھی آرہا ہے تو یہاں بھی ثانی کو تاکید یا تاسیس پر حمل کرینگے اگر تاسیس ہو تو بکر کا مطلب یہ ہوگا اتی الصلوٰۃ اول وقتہا اور وابتکر ای ادرک اول الخطبۃ یا معنی ہے بکر ای تصدق قبل خروجہ وابتکر ای فعل فعل المبتکرین جو کہ استماع خطبہ وغیرہ ہے "ودنیٰ" یعنی قریب ہوکر بیٹھ گیا کہ بعید بیٹھنے میں بھی مدرک تو ہوگا مگر کافی ساری فضیلت فوت ہوجائے گی۔

واستمع وانصت یعنی توجہ سے سنا اور خاموش رہا۔ انصات کا ایک معنی ہے کہ بولتا نہ رہے خاموش ہوجائے ابن العربی نے یہ مطلب بیان کیا ہے وانصت یعنی وہ دوسرے تفکرات سے بچتا رہا اور کپڑوں اور بدن سے کھیلنے اور مسح الحصی سے بچتا رہا۔ بعض روایت میں ہے ولم یفرق بین اثنین اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھا یا اس لئے کہ ان کے لئے جگہ تنگ ہوگی یا ساتھ بیٹھنے میں ان کی کوئی غرض ہوگی جو اس کے بیٹھنے سے فوت ہوجائے گی یا مطلب یہ ہے کہ گردنوں کو پھلانگتا نہ رہا یا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ونماز میں فرق نہ کرتا رہا یعنی دونوں میں حاضر وموجود رہا ایسے شخص کا ثواب یہ ہے کہ کان لہ بکل خطوۃ یخطو ہا عدل سنۃ خطوہ کا اطلاق اس فاصلے پر بھی ہوتا ہے جو دونوں پاؤں کے درمیان ہو اور اس پر بھی اس کا طلاق ہوتا ہے کہ ایک پاؤں رکھنے کے بعد اسی قدم کو آگے رکھے تو اس فاصلے کو بھی خطوہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خطوہ کا اطلاق ایک قدم پر بھی ہوتا ہے دو پر بھی تو اس کے لئے ایک سال کے روزوں اور نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

باب ماجاء فی التبکیر الی الجمعة

رجال:۔

سمیؔ بضم السین وفتح المیم وشدۃ الیاء ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جمعے کے دن غسل جنابت والا کیا ای کغسل الجنابۃ تقدیر یوں ہے من اغتسل غسلاً غسل الجنابۃ تو غسل مصدر مقدر کی صفت ہے کمافی القرآن "وہی تمر مر السحاب" ای کمر السحاب اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اضافت مسبب کی ہو سبب کی طرف یعنی جمعے کے دن ایسا غسل کرے جس کا سبب جنابت ہو اس کا مطلب پھر وہی ہوگا کہ نماز جمعہ سے پہلے آدمی جماع کرے کمامر آنفاً۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ غسل کرے کغسل الجنابۃ یعنی جنابت کے غسل کی طرح اس طریقے سے غسل کرے یعنی سر بھی دھوئے ثم راح بعض نے راح کو زوال کے بعد کے چلنے پر محمول کیا ہے۔لیکن جمہور کے نزدیک اس سے مراد مطلق مشی وذہاب ہے کماسیاتی۔

فکانما قرب بدنۃ بدنہ بفتحتین بعیر وبقر دونوں کو کہتے ہیں مذکر ہو یا مؤنث اس کی جمع بدن بضم الباء وسکون الدال آتی ہے ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرب بقرۃ اور بدنہ کو مقدم کیا بقرہ وغیرہ پر کہ وہ بڑا ہوتا ہے اور بڑے جانور کا صدقہ زیادہ باعث ثواب ہوتا ہے۔اس پر تو اتفاق ہے کہ حج کے موقعہ پر اونٹ کی قربانی دوسرے جانوروں کی بنسبت افضل ہے لیکن علاوہ حج عند مالک دنبہ اولیٰ ہے بدنہ سے اور استدلال وہ اس سے کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے علاوہ عموماً دنبے کی قربانی کی ہے۔لیکن جمہور علماء کرام کے نزدیک بدنہ مطلقاً افضل ہے باب کی روایت جمہور کی دلیل ہے امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بدنے کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے بقر پر نہیں کہ یہاں دونوں کا ذکر الگ الگ آیا ہے ہمارے نزدیک بدنے کا

اطلاق دونوں پر ہوتا ہے یہاں اگر چہ مراد فقط اونٹ ہے مگر اس پر قرینہ بقرے کا ذکر مستقلاً ہے۔

اور جو تیسری گھڑی میں آجائے گویا اس نے دنبے کا صدقہ کیا اقرن اس لئے فرمایا کہ اقرن افضل ہوتا ہے بنسبت غیر اقرن کے اور جو چوتھی گھڑی میں آیا تو ترمذی کی روایت میں ہے فکانما قرب دجاجة بالکسر والضم والفتح علی الاول (دال) اس کا اطلاق مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں دجاجة سے پہلے فکانما قرب بطة ہے چونکہ بطہ متوحش جانور ہے اس کے حصول کے لئے تعب کی ضرورت ہے تو اس اعتبار سے وہ مرغی سے بہتر ہے تو چوتھا درجہ اس کا ہوا جو پانچویں گھڑی میں آئے فکانما قرب بیضة قال الکنکوہی فی الکوکب کہ اس سے معلوم ہوا کہ انڈہ پاک اور حلال ہے کہ نجس اور حرام کے صدقے کا کیا مطلب ہے؟ بعض روایات میں بیضہ سے پہلے عصفور کا ذکر ہے تو ترمذی کی روایت میں پانچ اشیاء ہیں جبکہ بعض روایات (1) میں کل سات اشیاء ہیں علیٰ ہذا یہ کل سات گھڑیاں ہوئیں۔

پھر یہ پہلی گھڑی بقول نووی فی شرح المسلم (2) اس میں اختلاف ہے امام مالک اور بعض شافعیہ (جیسے کہ امام حرمین ہے) کا مذہب یہ ہے کہ یہ بعد از زوال شروع ہوتی ہے مگر اعتراض اس پر یہ ہے کہ زوال کے بعد سات گھنٹوں کا وقت زوال سے نماز تک نہیں ہوسکتا۔

جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں ساعت سے مراد گھنٹہ نہیں کما ہو عند المنجمین بلکہ ساعات سے مراد انات اور لطیف لحظات ہیں۔ عند الجمہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تبکیر ہے جو زوال سے مقدم ہوتی ہے پس اگر مراد ساعات سے ساعات اہل نجوم لے لیں تو یہ وقت تو جمعے کے خطبے سے سات گھنٹے پہلے شروع ہوگا لیکن مولانا زکریا نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ یہ وقت ربع النہار کے گذرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اس قول کے مطابق ساعات سے مراد مخصوص مقادیر ہونگی حاصل یہ کہ عند الجمہور یہاں راح بمعنی مطلق ذہاب اور مشی ہے اور عرب راح کا اطلاق مطلق مشی پر کرتے ہیں حتیٰ کہ رات کو جانے کو بھی وہ کبھی رواح کہتے ہیں۔

جمہور نے اس توجیہ کو اس لئے پسند کیا ہے کہ یہ حدیث کا مقصد ہے کہ زوال کے بعد اگر فضیلت حاصل ہوسکے تو تبکیر کی طرف ترغیب حاصل نہ ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ عند الزوال اذان ہوتی ہے اور اذان کے بعد

باب ماجاء فی التبکیر الی الجمعة

(1) راجع للتفصیل عمدة القاری ص:۱۷۱ ج:۶ (2) شرح النووی علی صحیح مسلم ص:۲۸۰ ج:۱

تاخیر حرام ہے تو فضیلت کیسے حاصل ہوگی؟

اعتراض:۔ مرغی اور انڈے کی قربانی ہوتی نہیں تو یہاں قرب بیضة ودجاجة کیسے فرمایا؟

جواب ا:۔ یہاں قربانی سے مراد صدقہ ہے یعنی تصدق متقرباً الی اللّٰه بها۔

جواب ۲:۔ قرب اپنے معنی پر ہے لیکن اس کا اطلاق دجاجہ وبیضہ وبطہ وغیرہ پر جو ہوا ہے یہ من قبیل تسمیۃ الشئ باسم صاحبہ وقرینہ ہے لہٰذا پہلے سے مراد قربانی اور دوسرے سے مراد صدقہ ہے۔

ابن العربی نے لکھا ہے کہ بعد میں جو آئے گا تو اس کا نام لکھا جائے گا مگر عام رجسٹر میں مقربین میں اس کا نام اب نہیں آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فرشتے جمعے کے دن خاص رجسٹر لاتے ہیں جن میں مقربین ومسارعین کے نام ہوتے ہیں۔(3)

پھر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں قال الگنگوہی اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جب یہ فرشتے گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ خطبہ سنتے ہیں تو انسان جو گناہ گار ہوتا ہے اس کو بطریق اولیٰ سننا چاہئے اور جلدی آنا چاہیے۔

(3) تفصیل کے لئے رجوع فرمایئے معارف السنن ص:۳۳۵ ج:۴

باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر عذر

رجال:۔

علی بن خشرم بروزن جعفر ثقة من صغار العاشرة۔ محمّدبن عمرو صدوق من السادسة۔ عبیدة بن سفیان ثقة من الثالثة۔

ابی الجعد ان کا نام ادرع ہے وقیل عمرو بن بکر وقیل جنادة ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے ترمذی نے نقل کیا ہے کہ وکانت لہ صحبۃ۔

ابوالجعد نام کے بہت سارے راوی ہیں تو ترمذی کو وضاحت کرنا پڑی یعنی الضمری مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں ضمیری باتصغیر آیا ہے مگر وہ صحیح نہیں یہ صحیح ہے۔

امام بخاری نے نام جاننے سے انکار کیا ہے تقریب میں ہے کہ ان کا نام بعض نے جنادہ بتایا ہے قیل ان کا نام عمرو ہے وقیل اسمہ ادرع۔(1) ☆

تشریح:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی نماز تین دفعہ (مسلسل) ترک کردی تہاونا بہا کہ عذر کی بناء پر اگر چہ آدمی جمعہ نہ پڑھ سکے مگر آدمی کو ثواب ملتا ہے اگر تہاونا سے مراد تکاسلاً ہو یعنی سستی کی وجہ سے نہیں پڑھ رہا ہو تو مطلب ہوگا طبع اللہ علیٰ قلبہ یعنی اللہ اس کے دل تک خیر کی رسائی کو ممنوع قرار دیتا ہے کہ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قال ابن العربی فی العارضۃ (2) کہ جو آدمی مسلسل گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا خاتمہ بالسوء ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ طبع اللہ علیٰ قلبہ سے یہی مراد ہو کہ اس کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوگا العیاذ باللہ۔

اور جو آدمی کبھی کبھی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اپنے آپ کو اس خطرے کے لئے پیش کرتا ہے اگر مراد یہ

باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر عذرٍ

(1) کذافی المعارف ص:۳۴۱ ج:۴ (2) عارضۃ الاحوذی ص:۲۴۱ ج:۲

ہو کہ وہ آدمی استخفافاً اور جحوداً نہیں پڑھتا تو طبع اللہ علیٰ قلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتب اللہ منافقاً کہ یہ کفر ہے۔

باب ماجاء من كم يؤتى الى الجمعة

رجال:۔

محمّدبن مدويه بفتح الميم وتشديد الدال صدوق من الحادية عشر۔ الفضل بن دكين بالتصغير۔

ثویر بھی مصغر ہے ضعيف رمي بالرفض من الرابعة ۔ عن رجل من اهل القباء اس رجل کا نام معلوم نہیں ہے۔☆

تشریح:۔

اس باب میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے بالاجماع۔ امام مالک کی طرف اس کی سنیت کی نسبت کی گئی ہے مگر ابن العربی نے عارضہ (1) میں اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ سنت سے مراد فرض ہی ہے وجہ یہ ہے کہ امام مالک کبھی فرض پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جمعے کی نماز کا خاص طریقہ جو دوسری نمازوں کے طریقے سے ممتاز ہے کئی وجہ کے اعتبار سے یہ مسنون ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعدہ صحابہ سے ثابت ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ظہر اور جمعہ کی نمازیں ایک ہیں یا مختلف؟ تو امام شافعی و مالک کے نزدیک دونوں ایک ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک الگ الگ ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ اگر کسی نے جمعے کے لئے تکبیر تحریمہ کہی تو اسی نماز کو ظہر عند الشافعی بنا سکتا ہے خلافاً لابی حنیفۃ۔ جیسے کہ امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی قعدے میں پہنچا اس نے تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شمولیت کی تو ابتداء جمعے کی نماز سے ہوئی لیکن امام جب سلام

باب ماجاء من كم يؤتىٰ الى الجمعة

(1) ص:۲۴۲ ج:۲

پھیرے گا تو یہ مسبوق چار رکعت ظہر پڑے گا۔ طرفین کے نزدیک ایک پر دوسری کی بناء جائز نہیں لہٰذا وہ مسبوق جمعہ کی تکمیل کرے گا۔ ابن العربی نے عارضہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح کی ہے پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ اصل نماز کونسی ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ مکہ میں اصل ظہر تھی اور مدینہ میں جمعہ اس پر طاری ہوا قول ثانی یہ ہے کہ جمعہ اصل ہے مطلقاً یعنی شروع سے فرض تھا البتہ مکہ میں عدم قدرت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ نہ پڑھ سکے تو نماز ظہر قائم مقام تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس سے جمعہ فوت ہو جائے تو وہ ظہر پڑھتا ہے کہ یہ بدل ہے پہلے اتقان کا حوالہ گذر چکا ہے کہ یہ مکے سے ہی فرض تھا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کس پر فرض ہے؟ یعنی جو مقام جمعہ سے کتنا قریب رہتا ہو اور کس مسافت پر ہو تو جمعہ فرض ہوگا؟ امام ترمذی کا باب ہذا کے انعقاد سے یہی مقصد ہے اور اس بارے میں فرمایا ولا یصح فی ہذا الباب من النبی صلی اللہ علیہ وسلم شئی یعنی جو تحدید پر دلالت کرے اسی لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے حد بندی کی ہے۔ اس میں تقریباً نو اقوال ہیں بعض اہل ظواہر کا کہنا ہے کہ جو اذان سنے اس پر جمعہ ہے اور جو اذان نہ سنے اس پر جمعہ نہیں اگرچہ وہ شہر کے اندر رہو۔

لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک شہر والوں پر جمعہ فرض ہے اذان سنے یا نہ سنے کما نقل العراقی فی شرح الترمذی عن الائمۃ الثلاثۃ وجہ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ کے تمام لوگوں پر جمعہ فرض تھا حالانکہ مسجد نبوی کی اذان کی آواز اطراف تک نہیں پہنچتی تھی اور فقہائے حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ شہر والوں پر جمعہ فرض ہے البتہ شہر سے باہر رہنے والوں پر کس حد تک جمعہ فرض ہوگا؟ تو عند ابی حنیفۃ شہر یا فناء شہر کے باسی پر جمعہ فرض ہے فناء شہر سے مراد توابع مصر ہے پھر اس کی تحدید میں متعدد اقوال ہیں قیل جہاں تک آواز پہنچتی ہو وہ فناء ہے قیل ایک میل وقیل دو میل وقیل ثلاث امیال وقیل ستۃ امیال وکذا فرسخ وفرسخین وثلاثۃ فراسخ تک کے اقوال ہیں صحیح یہ ہے کہ جہاں تک شہر کی ضروریات وابستہ ہوں وہ فناء مصر میں داخل ہے۔

امام ابو یوسف کے اس بارے میں تین اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ جو شہر سے باہر رہتا ہے اس پر جمعہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تین فرسخ کے فاصلے پر رہنے والے پر جمعہ ہے اس سے بعید پر نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جو آدمی جمعے کی نماز پڑھ کر رات کو گھر پہنچ سکتا ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے اور جو نہ پہنچ سکے تو اس پر جمعہ واجب

طرح

24
1

نہیں استحسنہ اکثر الفقہاء وہو مروی عن الشافعی فی قولٍ۔ تحفہ میں ہے وہو قول عبداللہ بن عمرو ابی ہریرۃ وانس والحسن وعطاء ونافع وعکرمۃ والحکم والاوزاعی۔

اعتراض:۔ اگر ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے تو یہ ضعیف ہے اور قرآن کے ظاہری حکم کے خلاف ہے کہ اس قول کے مطابق صبح سویرے نماز کے لئے گھر سے نکلنا فرض ہو جائے گا حالانکہ قرآن میں ہے "اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ" (2) تو سعی کو سماعِ اذان پر موقوف کیا ہے پہلے سعی واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ جو آدمی اذان سنے اس پر جمعہ فرض ہے وبہ یقول اسحٰق۔ عارضہ میں ہے کہ امام مالک نے اس سماع کی تحدید تین میل سے کی ہے کہ جو شہر سے تین میل باہر رہتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے کہ مسافر کے قصر کی مقدار عندہ یہی ہے امام شافعی نے اخیری آبادی کا اعتبار کیا ہے۔

ان کے پاس بھی کوئی روایت موجود نہیں البتہ ابوداؤد (3) میں عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے الجمعۃ علیٰ من سمع النداء لیکن ابن العربی فرماتے ہیں والصحیح انہ قول عبداللّٰہ ورجح ابوداؤد وقفہ علیٰ وصلہ ایضاً۔

ان کا دوسرا استدلال قرآن کے ظاہر سے ہے کہ "اذانودی للصلوٰۃ" الآیۃ مگر بقول ابن العربی اس کا ظاہر بالاجماع ساقط ہے کہ شہر کبیر میں سب لوگ اذان نہیں سنتے۔

چوتھا مسئلہ جمعہ فی القری کا ہے کہ شہر کبیر کے علاوہ کتنی آبادی میں جمعہ صحیح ہے؟ تو عند الحنفیہ اس کے لئے مصر کا ہونا ضروری ہے بڑے قصبات بھی شہر کے حکم میں ہیں لہٰذا قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوگا پھر مصر کی تعریف میں عبارات فقہاء مختلف ہیں بعض نے بنیان کا اعتبار کیا ہے بعض نے نفوس کا اعتبار کیا ہے جنہوں نے آبادی کا اعتبار کیا ہے تو بعض نے کہا کہ جس میں امام یا اس کا نائب ہو مثلاً قاضی وغیرہ وقیل جہاں گلیاں کوچے ہوں جنہوں نے نفوس کا اعتبار کیا ہے تو قیل ایک ہزار آدمی وقیل بارہ سو وقیل پندرہ سو وقیل چار ہزار وقیل اتنے لوگ ہوں کہ اس شہر کی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے۔ وقیل جہاں روزانہ فوتگی اور ولادت ہوتی ہو مگر یہ رسوم ہیں حدود نہیں لہٰذا کمی بیشی کی صورت میں حکم بدلنا لازم نہیں لہٰذا عرفاً جسے شہر کہا جاتا ہو مثلاً اسکول

---

(2) سورۃ جمعہ رقم آیت ۹ (3) ص:۱۵۸ ج:۱ "باب من تجب علیہ الجمعۃ"

ڈاکخانہ ہسپتال بینک وغیرہ کے شعبے موجود ہوں بعض نے کہا کہ جہاں حد نافذ ہوتی ہو مگر یہ صحیح نہیں کہ پھر تو جمعہ کہیں نہیں ہوگا اسی طرح دارالاسلام کی شرط لگانا بھی صحیح نہیں ردعلیہ الگنگوہی فی الکوکب البتہ قدرت علیٰ انفاذ الحد ہونی چاہیے ۔عند شافعی چالیس نفوس پر اگر اشتمال ہو آبادی کا تو صحیح ہے ورنہ نہیں ۔تیسرا مذہب غیر مقلدین کا ہے کہ ہر جگہ جمعہ صحیح ہے۔

شافعیہ کی دلیل ا:۔" اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع " ہے۔

جواب:۔گنگوہی نے یہ دیا ہے کہ اس کا ظاہر حنفیہ کی دلیل ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب جمعے کی اذان ہوگی تو سعی کرو چھوٹے قریوں میں نداء نہ ہوگی تو سعی نہ ہوگی ۔دوسری بات یہ ہے کہ فاسعوا امر سے عورتیں معذور مسافر وغیرہ مستثنی ہیں تو قریہ صغیرہ والے بھی مستثنی ہونگے ۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں فاسعوا لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بازار موجود ہوں کہ وذروا البیع میں یہ دلالت اظہر ہے کہ دکانیں جہاں ہونگی تو بیع ہوگی اسی طرح "واذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ" بڑی آبادی کی طرف مشیر ہے۔

دلیل ۲:۔ روی ابو داؤد(4) عن ابن عباس ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثیٰ قریة من قری البحرین وفی روایة قریة من قری عبدالقیس۔

اس کو قریہ کہا پھر بھی جمعہ ہوتا تھا۔

جواب:۔قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے کما فی القرآن مکہ اور طائف کو قریہ کہا ہے "وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم"(5) تو طائف اور مکے کو قریہ کہا اسی طرح واسئل القریة میں اسکندریہ کو بھی قریہ کہا حالانکہ وہ بھی شہر تھا۔علامہ عینی نے عمدہ میں لکھا ہے کہ یسکن فیھا اربعة آلاف انفس اسی طرح حضرت علاء الحضرمی حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں یہاں کے گورنر مقرر ہوئے حالانکہ گورنر بڑی

(4) ص:۱۶۰ ج:۱ "باب الجمعة فی القریٰ" (5) سورۃ زخرف رقم آیت:۳۱

آبادی میں ہوتا ہے۔

دلیل ۳:۔ ابوداؤد(6) میں عن عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک وفیہ سعد بن زارہ نے ہزم النبیت میں جمعہ قائم کیا ہے وہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کتنے آدمی تھے تو کہا کہ چالیس آدمی۔

جواب:۔ یہ جمعہ عرفی نہیں بلکہ لغوی جمعہ ہے کہ اسمیں دو رکعت کا ذکر نہیں البتہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے لوگوں کو جمع کیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا دن مقرر ہے عبادت کے لئے تو انہوں نے جمعے کے دن لوگوں کو جمع کیا دعوت کی اور وعظ و نصیحت کی تو جمعہ سے مراد اجتماع ہے اگر مان لیں کہ جمعہ عرفی مراد ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں۔

دلیل ۴:۔ معرفۂ بیہقی (7) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ ہجرت کے (دو ہفتے) بعد بنی سالم کے محلے میں ادا فرمایا تھا اور بنی سالم بھی چھوٹی آبادی ہے۔

جواب:۔ یہ مدینہ کے مضافات میں تھا اور فناء شہر میں داخل تھا جو حکم شہر میں داخل ہے۔

دلیل ۵:۔ مصنف ابن ابی شیبہ(8) میں ابوہریرہ کی روایت ہے کتبوا الی عمر یسئلونہ من الجمعة فکتب جمعوا حیث کنتم۔

جواب:۔ حضرت عمر نے یہ جواب اپنے گونروں کے نام دیا تھا اور گورنر ہر جگہ میں نہیں ہوتا بلکہ بڑی آبادیوں میں ہوتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ شہر میں جہاں چاہو جمعہ ادا کرو۔ بیہقی نے المعرفہ میں شافعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو مقید کیا ہے قریہ کے ساتھ تو حنفیہ مقید کریں گے مصر کے ساتھ۔

جمعہ فی القریٰ کے عدم جواز پر دلیل ۱:۔ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ جمعے کے دن تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ لوگ موجود تھے اور آپ نے اس دن خطبہ بھی ارشاد فرمایا ہے مگر اس کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔

---

(6) ص:۱۶۰ ج:۱ ''باب الجمعۃ فی القریٰ'' (7) کذا فی آثار السنن ص:۲۸۲ ''باب اقامۃ الجمعۃ فی القریٰ''

(8) ص:۱۰۱ ج:۲ ''من کان یری الجمعۃ فی القریٰ وغیرہا''

شافعیہ کہتے ہیں کہ حضور اور صحابہ مسافر تھے مگر ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ اول تو مسافر کے لئے جمعہ ممنوع نہیں دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم لوگ بھی بہت تھے اگر جمعہ ہر جگہ صحیح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے جمعہ کا انتظام ضرور فرماتے۔

دلیل ۲:۔ یہ ہے کمافی ابی داؤد والبخاری (9) عن ابن عباس کہ مدینہ کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں قائم ہوا تو سوال یہ ہے کہ وفد عبدالقیس چھ یا آٹھ ہجری میں مدینہ آیا ہے تو جواثی میں سنہ ۸ھ کے بعد جمعہ کا قائم ہونا جبکہ سنہ ۷ھ میں خیبر کے علاوہ اور بھی بہت ساری بستیاں اسلام کے ماتحت آئیں تھیں تو ان میں جمعے کا قیام کیوں نہیں کیا گیا؟

دلیل ۳:۔ حضرت عثمان نے عید کی نماز کے بعد اعلان فرمایا کہ جو اہل قریٰ ہیں اگر وہ جانا چاہے تو جاسکتے ہیں اور ہم جمعہ پڑھیں گے لہٰذا ان کا اہل قری کو اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قری میں جمعہ نہیں نہ اہل قری پر جمعہ ہے۔(10)

دلیل ۴:۔ بخاری (11) میں عائشہ کی حدیث ہے کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی اگر ینتابون کا مطلب باری باری آنا ہو تو استدلال واضح ہے کہ یہ اس پر دلیل ہے کہ جمعہ فی القری نہیں ورنہ وہیں انعقاد کرتے یا سب آتے معلوم ہوا کہ ان پر جمعہ نہیں تھا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننے آتے تھے کمافی الترمذی جلد ۲ حضرت عمر کی حدیث ہے (12) کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کے لئے نمبر مقرر کیا تھا۔ اگر ینتابون کا مطلب نفس ذہاب ہو تو بھی اس سے ہمارا استدلال تام ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوالی جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے دو سے آٹھ میل تک ہے اور تلخیص الحبیر (13) میں ہے کہ ذوالحلیفہ والے بھی مدینہ آیا کرتے تھے اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوالی یا ذوالحلیفہ وغیرہ میں جمعہ کی

---

(9) صحیح بخاری ص:۱۲۲ ج:۱ ''باب الجمعۃ فی القریٰ الخ'' وابوداؤد ص:۱۶۰ ''باب الجمعۃ فی القریٰ''

(10) انظر للتفصیل بذل المجہود ص:۱۷۲و۱۷۳ ج:۲ (11) صحیح بخاری ص:۱۲۳ ج:۱ ''باب من این یوتی الجمعۃ وعلی من تجب''

(12) رواہ البخاری ص:۳۳۴ ج:۱ ''باب الغرفۃ والعلیۃ المشرفۃ فی السطوح وغیرہا''

(13) ص:۱۳۶ ج:۲ تحت رقم الحدیث ۶۲۱

اجازت دی ہو۔

دلیل ۵:۔ مصنف ابن ابی شیبہ (14) میں حضرت علی کی روایت ہے لاتشریق و لا جمعۃ الافی مصر جامع ابن حجر نے درایہ میں عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ (15)

دلیل ۶:۔ بخاری (16) میں ہے کہ انس بصرہ سے چھ میل (دوفرسخ) کے فاصلے پر رہتے تھے اور وہ کبھی کبھی جمعے میں شمولیت کے لئے آتے تھے معلوم ہوا کہ وہ اپنی بستی میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔

دلیل ۷:۔ زیلعی (17) نے متعدد آثار بسند قوی نقل کئے ہیں اسمیں ہے ان الجمعۃ والفئ واقامۃ الحد للامام السلطان۔

دلیل ۸:۔ ماقبل کی بحث میں گذرا کہ گنگوہی نے فرمایا قرآن کی آیت اذا نودی الآیۃ بھی بڑی آبادی پر دلالت کرتی ہے۔

باب ماجاء فی وقت الجمعة

رجال:۔

سریج بالتصغیر البغد ادی اصلاً خراسانی ہیں ثقۃ من کبار العاشرۃ۔ عثمان المدنی یہ بھی ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

جمہور کی نزدیک جمعے کا وقت بعد زوال شمس شروع ہوتا ہے اگر کسی نے قبل الزوال پڑھ لیا تو اعادہ ضروری ہوگا لیکن امام احمد کے نزدیک زوال سے پہلے ضحوۃ الکبریٰ کے وقت میں بھی اگر جمعہ ادا کر لیا جائے تو صحیح ہے۔

جمہور کی دلیل مذکورہ باب میں روایت انس ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس

(14) ص:۱۰۱ ج:۲ "من قال لاجمعۃ ولاتشریق الافی مصر جامع" (15) مصنفہ عبدالرزاق ص:۱۶۸ ج:۳ رقم حدیث ۵۱۷۷

(16) ص:۱۲۳ ج:۱ (17) نصب الرایہ للزیلعی ص:۲۰۲و۲۰۳ ج:۲ "باب صلوٰۃ الجمعۃ"

امام احمد کا استدلال سہل بن سعد کی حدیث سے ہے جو صحیحین (1) اور ترمذی میں باب فی القائلۃ یوم الجمعۃ (2) میں ہے۔

ماکنا نتغذی فی عهدرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولانقیل الابعدالجمعة

استدلال یوں کرتے ہیں کہ غدا صبح کے کھانے کو کہتے ہیں جو قبل از زاول کھایا جاتا ہے جب نماز اس سے پہلے ہوئی تو نماز ضحوہ الکبری میں ہوئی۔

جواب:۔ کھانا کھانے اور سونے کے معمول کو نمازِ جمعہ سے مؤخر کرتے مثلاً گیارہ بجے کا کھانا ڈیڑھ بجے کھالیتے اور بعد الزوال بھی چونکہ وہ صبح کا کھانا ہی ہے تو اس کو غداء کہا کماقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم هلموا الی الغداء المبارك (3) یہ سحری کے لئے فرمایا اگر آپ کا استدلال درست ہو جائے تو ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سحری صبح ہوا کرتی تھی' نہ کہ رات کو۔

دلیل ۲:۔ دارقطنی (4) کی روایت میں عبداللہ بن سیدان کی روایت ہے۔

شهدت یوم الجمعة مع ابی بکر الصدیق و کانت صلوته وخطبته قبل نصف النهار

تو مطلب یہ ہوا کہ ابوبکر زوال سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

ثم شهدتها مع عمر و کانت صلوته وخطبته الی ان اقول انتصف النهار ثم شهدتها مع عثمان فکانت صلوته وخطبته الی ان اقول زال النهار

قال القاری فی الجواب اس میں عبداللہ بن سیدان ہے واتفقوا علیٰ ضعف بن سیدان کذانقله ابن همام۔

باب ماجاء فی وقت الجمعة

(1) صحیح بخاری ص:۱۲۸ ج:۱ "باب قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ" ایضاً ابن ماجہ ص:۷۷ "باب ماجاء فی وقت الجمعۃ"

(2) ترمذی ص:۶۹ ج:۱ (3) رواہ النسائی ص:۳۰۴ ج:۱ "باب دعوۃ السحور" (4) دارقطنی ص:۱۴ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۰۷ "باب صلوٰۃ الجمعۃ قبل نصف النہار" ایضاً رواہ ابن ابی شیبہ ص:۱۰۷ ج:۲ "من کان یقیل بعد الجمعۃ ویقول ہی اول النہار"

جواب۲:۔ اگر قابل احتجاج مان لیں کہ ابن سیدان کبار تابعین میں سے ہے تو جواب یہ ہوگا کہ مقصد مبالغہ کرنا ہے کہ نصف النہار اگر چہ آن بسیط ہے لیکن عرف میں یہ موسع ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ابوبکر صدیق جب نماز پڑھاتے تو یہ کہنا مشکل ہوتا کہ نصف النہار ہوا ہے یا نہیں؟ اگر چہ نفس الامر میں ہو چکا ہوتا۔ پھر عمر نے تاخیر فرمائی پھر عثمان نے اور زیادہ تاخیر فرمائی حقیقۃً تبکیر مراد نہیں کہ ابن العربی نے عارضہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر حضرت عقیل کے لئے غربی دیوار کے ساتھ چٹائی بچھاتے تھے چھوٹی سی دیوار تھی جب دیوار کا سایہ اس کو چھپا لیتا تو تب وہ جمعے کے لئے نکلتے معلوم ہوا کہ ان کا خطبہ یقیناً زوال کے بعد ہوتا تھا۔ امام بخاری (5) نے عائشہ کی حدیث وکانو اذا راحوا الی الجمعۃ راحوا فی ہیئتہم سے استدلال کیا ہے کہ رواح کا اطلاق بعد از زوال چلنے پر ہوتا ہے۔ لیکن پہلے گذر چکا ہے کہ اہل عرب رواح کا اطلاق مطلق ذہاب پر بھی کرتے ہیں تاہم فی ھیئتھم لفظ سے استدلال ہوسکتا ہے۔

باب ماجاء فی الخطبة علی المنبر

رجال:۔

ابوحفص البصری ثقة من العاشرة۔ عثمان بن عمر البصری اصله من بخاریٰ ثقة من التاسعة۔یحی بن کثیر ابوغسان العنبری مولاھم البصری ثقة من التاسعة۔ معاذ بن العلاء صدوق من السابعة۔ ☆

تشریح:۔

قالَ ابن العربی فی العارضه کہ اذان وخطبہ میں اسماع مقصد ہے لہٰذا ان دونوں کہ جگہ اونچی ہونی چاہئے البتہ اذان میں اسماع زیادہ دور تک مقصد ہے اور خطبہ میں صرف حاضرین تک اسماع مقصود ہے اس لئے اذان کی جگہ زیادہ اونچی ہونی چاہے الا یہ کہ ضرورت کسی اور چیز سے پوری ہوجائے جیسے آج کل لاؤڈ اسپیکر

(5) صحیح بخاری ص:۱۲۳ ج:۱ ''باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس''

ہیں۔ اگر کسی نے زمین پر خطبہ دیا یا علاوہ منبر کسی اور اونچی جگہ پر خطبہ دیا تو یہ جائز ہے کہ قبل از منبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اگر چہ بہتر یہ ہے کہ اونچی جگہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کب بنوایا تھا تو ظاہر یہ ہے کہ سنہ ۲ھ کو کہ آپ نے قبلے کا اعلان منبر سے فرمایا تھا یہ جذعہ جذوع النخل کا مفرد ہے منبر سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف رکھتے یا کھڑے ہو کر خطبہ اشاد فرماتے تھے جب منبر بنوایا تو حن الجذع حنین اس اونٹنی کی آواز کو کہتے ہیں جس سے بچہ دور چلا جائے تو عندالاشتیاق آواز دیتی ہے اس کو حن کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے التزام کیا فسکت بعض روایات میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اس نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی پھر ریاض الجنة میں اس کو دفن کر دیا بعض روایت میں ہے کہ یہ مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے پھر بہتر یہ ہے کہ منبر محراب کے یسار میں ہو۔

باب ماجاء فی الجلوس بین الخطبتین

رجال:۔

حمید بن مسعدة بضم الحاء صدوق من العاشرة۔☆

تشریح:۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سوائے امام شافعی کے باقی سب اس پر متفق ہیں کہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے عندالشافعی یہ فرض ہے یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے چونکہ امام شافعی کے نزدیک دو خطبے فرض ہیں تو بیچ میں بیٹھنا بھی فرض ہوگا جمہور کے نزدیک دو خطبے سنت ہیں تو بیٹھنا بھی سنت ہوگا۔ امام شافعی کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت من غیر ترک ہے وقال صلوا کما رایتمونی اصلی صلوا بھی امر ہے۔

حافظ ابن دقیق العید نے جواباً کہا ہے کہ یہ استدلال موقوف ہے اس پر کہ ہیئت خطبہ نماز میں داخل ہو اگر غیر ہو تو یہ استدلال محض فعل سے ہوگا امر سے نہیں اور محض فعل مع المواظبت فرض پر دلالت نہیں کرتا۔

جمہور کا استدلال ''فاسعوا الی ذکر اللّٰہ'' سے ہے یہ مطلق ہے اس میں دو خطبوں کا ذکر نہیں اب اگر دونوں فرض ہوں تو کتاب اللہ پر خبر واحد کی زیادتی لازم آئیگی۔

باب ماجاء فی قصر الخطبة

رجال:۔

ابوالاحوص کا نام سلام بن سلیم ہے کوفی اور ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو ان کی نماز بھی درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی ''قصداً'' سے مراد متوسط ہے۔

حضرت عمار بن یاسر کی حدیث جو وفی الباب میں مشار الیہ ہے یہ مسلم (1) میں ہے وفیہ آدمی کی فقاہت کی علامت یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو اور نماز لمبی ہو معلوم ہوا کہ خطبہ مختصر ہونا چاہئیے حد فقہاء نے مقرر کی ہے کہ طوال مفصل سے زیادہ لمبا نہ ہو۔

اعتراض:۔ مسلم (2) میں ابوزید کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ بعد صلوۃ الصبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ظہر کی نماز تک خطبہ ارشاد فرماتے رہے پھر بعد الظہر الی العصر خطبہ دیتے رہے پھر بعد العصر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ غروب ہو گیا تو اس عمل سے تو معلوم ہوا کہ دن بھر خطبہ دینا جائز ہے تو کم از کم مستحب ہونا چاہئیے اور باب کی روایت اور مسلم کی عمار کی روایت سے اختصار معلوم ہوتا ہے تو ان روایات میں تعارض پیدا ہوا۔

جواب ا:۔ مختصر خطبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا اور ابوزید کی حدیث میں جس خطبے کا ذکر ہے

باب ماجاء فی قصر الخطبة

(1) ص:۲۸۶ ج:۱ ''کتاب الجمعۃ''　　(2) صحیح مسلم ص:۳۹۰ ج:۲ ''کتاب الفتن الخ''

وہ نہایت نادر ہے۔

جواب ۲:۔ جس خطبے کی بات ہو رہی ہے یہ متعارف خطبہ ہے اور ابو زید کی حدیث میں جو خطبہ ہے وہ وعظ تھا متعارف خطبہ نہیں قالہ العلی القاری۔

اسی طرح حضرت جابر و عمار کی حدیثوں میں بھی تعارض نہیں کہ عمار کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ بہ نسبت نماز کے مختصر ہوتا اور نماز بہ نسبت خطبہ لمبی ہوتی اور فی نفسہ دونوں معتدل ہوتے یعنی سامعین پر بوجھ نہیں ہوتے تو حضرت عمار کی حدیث میں اضافت کا ذکر ہے اور جابر کی حدیث میں نفس الامر کا ذکر ہے۔ قالہ النووی وغیرہ(3)

خطبہ کے چند مسنون و مستحب امور:۔

(۱) علی الطہارۃ (۲) قائماً (۳) مستقبلاً الی القوم (۴) التعوذ سراً قبل شروعہ (۵) الجہر بہا (۶) الشروع بالتحمید (۷) قراءۃ الشہادتین (۸) والصلوۃ علی النبی علیہ السلام (۹) الاتعاظ للقوم (۱۰) قراءۃ القرآن ولو آیۃ وہو شرط عند الشافعی (۱۱) القعود بینہما کمامر (۱۲) ابتداء الثانیۃ بالتحمید (۱۳) الدعاء للمؤمنین والمؤمنات من الصحابۃؓ وغیرہم (۱۴) کونہا بالعربیۃ۔(4)

---

(3) شرح النووی علی صحیح مسلم ص:۲۸۶ ج:۱

(4) دیکھئے جواہر الفقہ ص:۳۵۰ ج:۱ بحوالہ درس ترمذی ایضاً معارف السنن ص:۳۶۴ ج:۴

باب ماجاء فی استقبال الامام اذاخطب

رجال:۔

عباد بن یعقوب صدوق رافضی بخاری میں ان سے مقرون روایت ہے ابن حبان نے فرمایا یستحق الترک۔محمد بن الفضل الکوفی نزیل بخاری کذبوہ من الثامنة۔☆

تشریح:۔

امام شافعی احمد واسحٰق اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو لوگوں کو اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے یہ اصل مذہب کا حکم ہے اور یہ استقبال مسنون ہے۔قال الشاہ چونکہ زمانہ فساد کا ہے اگر لوگ امام کی طرف بوجوہہم وصدورہم متوجہ ہوں تو عندالجماعۃ صفوف کی استقامت نہ رہے گی۔اس لئے پھر متاخرین نے کہا ہے کہ استقبال بالصدور نہ کیا جائے۔قال الگنگوہیؒ (1) مراد اس حدیث سے عین امام کا استقبال نہیں بلکہ جہت قبلہ ہے یعنی جہت امام جو عین جہت قبلہ ہے کیونکہ اگر عین امام کا استقبال کریں گے تو قبل الصلوٰۃ تحلق کی صورت بنے گی جو حدیث میں ممنوع ہے لہٰذا اگر صف لمبی ہو تو جو لوگ امام کے یمین وشمال میں ہوں تو ان کا سینہ جہت قبلہ کی طرف ہونا چاہئے یعنی صف میں اپنی اپنی جگہ لوگ بیٹھے رہیں البتہ اگر چہرہ امام کی طرف کردیں تو بہتر ہے چنانچہ شاہ صاحب نے مبسوط سرخسی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ان اباحنیفة کان یقبل بوجهه الی الامام عندالخطبة من موضعه بلاتبدیل الموضع

ابن العربی عارضہ میں فرماتے ہیں کہ مراد اس استقبال سے استقبال بالقلوب ہے کہ لوگ توجہ کے ساتھ امام کا خطبہ سنیں البتہ لوگوں کے منہ بھی امام کی طرف ہونے چاہئیں کہ خطیب ان کے ساتھ بات کرنے کے

باب فی استقبال الامام اذاخطب

(1) الکوکب الدری ص:۲۰۱ ج:۱

لئے کھڑا ہے اگر یہ ادھر ادھر دیکھیں گے تو وہ کس سے کلام کریگا۔

قال الترمذی ولایصح فی ھذالباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شئ

واعترض علیہ الشاہ ان البخاری عقد علیہ الباب فکیف یقول ولایصح الخ(2)

درمختار میں ہے کہ ہر خطبے کا سننا اگرچہ وہ خطبہ نکاح کیوں نہ ہو واجب ہے۔(3)

باب فی الرکعتین اذاجاء الرجل والامام یخطب

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ کے دوران ایک آدمی (سلیک بن ہدبہ الغطفانی) آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصلیت؟ قال لا تو آپ نے فرمایا قم فارکع ای فصل۔

اسی طرح دوران خطبہ مروان ابوسعید خدری کی نماز کا واقعہ پیش آیا۔ حسن بصری نے بھی دوران خطبہ دو رکعت نماز پڑھی ہے۔

قال النووی امام شافعی احمد واسحٰق وفقہاء محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اگر آدمی جمعے کے دن دوران خطبہ آئے تو اس کے لئے تحیۃ المسجد تخفیف کے ساتھ پڑھنی چاہئے تاکہ استماع کے لئے جلدی فراغت ہو اگر وہ نہ پڑھے تو مکروہ ہے۔

حسن بصری وغیرہ سے بھی یہ عمل منقول ہے کما فی الترمذی اس کے برخلاف امام مالک وابوحنیفہ جمہور سلف صحابہ وتابعین عمر وعثمان وعلی ابن عباس وابن عمر کا مذہب یہ ہے کہ دوران خطبہ نماز پڑھنا حرام ہے کہ اس لئے کہ خطبہ سننا فرض ہے امام شافعی واحمد کی دلیل جابر کی حدیث باب ہے۔

جمہور کے دلائل:۔قرآن کی آیت "واذاقرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" الآیۃ (1) قال

---

(2) چنانچہ دیکھئے صحیح بخاری ص:۱۲۵ ج:۱ "باب استقبال الناس الامام اذا خطب الخ" (3) کذا فی معارف السنن ص:۳۲۶ ج:۴

باب فی الرکعتین اذاجاء الرجل والامام یخطب

(1) سورۃ اعراف آیۃ ۲۰۴

ابن العربی قرآن سننا فرض ہے اور تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے تو فرض چھوڑ کر مستحب پر عمل کرنا کیسے جائز ہوگا؟ یعنی ایسا مستحب جس پر عمل مستلزم ہو ترک فرض کو قابل عمل کیسے ہوسکتا ہے؟

دلیل ۲:۔ آئندہ باب میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال یوم الجمعة والامام یخطب "انصت" فقد لغا

قال ابن العربی امر بالمعروف و نہی عن المنکر دونوں فرض ہیں جبکہ دوران خطبہ اس پر عمل جائز نہیں تو مستحب کیسے جائز ہوگا؟

دلیل ۳:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (2) نے حدیث علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتصلوا والامام یخطب اسی طرح ابن عباس وابن عمر بھی بعد خروج الامام نماز کو مکروہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۴:۔ مسند احمد (3) میں ہے کہ جب آدمی جمعے کے دن غسل کر کے نماز کے لئے نکلے اور کسی کو تکلیف نہ دے فان لم یجد الامام خرج صلی مابدا له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت (الحدیث) اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر امام خطبے کے لئے نکلا ہو تو سوائے استماع کے کوئی عمل جائز نہیں۔

دلیل ۵:۔ معجم کبیر للطبرانی (4) میں ہے مرفوعاً اذادخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلاصلوة ولا کلام حتیٰ یفرغ الامام۔

دلیل ۶:۔ ابن العربی (5) قیاس کرتے ہیں کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو جائے اور جماعت کھڑی ہو تو اس داخل کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں تو دوران خطبہ بھی جائز نہ ہوگی کہ یہ بھی ایک گونہ نماز ہے کہ اس میں طعام وشراب بھی جائز نہیں اور وہ عمل منافی ہے جو نماز میں منافی ہے رہا مسئلہ باب کی حدیث کا تو جمہور کی

---

(2) کذافی حاشیۃ الترمذی ص:٦٧ حاشیہ ۵ (3) مسند احمد ص:۳۸۱ ج:۷ رقم حدیث ۲۰۷۴۶

(4) معجم کبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ص:۴۰۷ ج:۲ رقم الحدیث ۳۱۲۰

(5) عارضۃ الاحوذی ص:۲۵۲ ج:۲

طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب ا:۔ قال ابن العربی هذا یعارض آیة القرآن والاحادیث الصحیحة ولاصول الکلیة التی تدل علیٰ وجوب الاستماع تو یہ صحابی کی خصوصیت ہوئی عام حکم مستنبط نہیں ہوسکتا۔

جواب ۲:۔ حضرت سلیک بوسیدہ کپڑوں میں آئے تھے کما فی الحدیث فی ہیئة بذة تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو کھڑا کردیں کہ لوگ ان کی حالت دیکھ کر کچھ دیں اور کپڑوں کا انتظام ہوجائے اور ان کی نماز کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک دیا تھا دلیل یہ ہے کہ سنن دارقطنی (6) اور ابن ابی شیبہ (7) میں روایت ہے۔

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حیث امره ان یصلی رکعتین امسك عن الخطبة حتیٰ فرغ من رکعتیه ثم عاد الی الخطبة۔

جواب ۳:۔ مسلم (8) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے وکذا النسائی (9) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک خطبہ شروع ہی نہیں کیا تھا فی المسلم (10) ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قاعد علی المنبر اور خطبہ قائماً ہوتا ہے معلوم ہوا کہ ابھی شروع نہیں کیا تھا۔

جواب ۴:۔ ممکن ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب کلام فی الصلوۃ منسوخ نہ ہوا تھا جب کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہوا کما فی الطحاوی (11) وغیرہ تو خطبہ میں بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ یہ جمعے کی نماز کا ایک حصہ اور شرط ہے۔

جواب ۵:۔ وفی العارضة فلما کلمه وامره سقط عنه فرض الاستماع اذ لم یکن هنالك قول ذالك الوقت منه صلی اللّٰه علیه وسلم الا مخاطبته له وسؤاله وامره وهذا اقوی۔

---

(6) دارقطنی ص:۱۳ ج:۲ رقم حدیث ۱۶۰۴ و ۱۶۰۵ (7) ص:۱۱۰ ج:۲ ''فی الرجل تجی یوم الجمعة والامام یخطب یصلی رکعتین''

(8) صحیح مسلم ص:۲۸۷ ج:۱ ''کتاب الجمعة'' (9) سنن نسائی ص:۲۰۸ ج:۱ ''باب مخاطبة الامام رعیة وہو علی المنبر''

(10) ص:۲۸۷ ج:۱ (11) شرح معانی الآثار ص:۲۵۱ ج:۱ ''باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعة والامام یخطب الخ''

جواب ۶: ۔ابن ماجہ (12) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا اصلیت رکعتین قبل ان تجیٔ قال لاقال فصل الرکعتین و تجوز فیھما اس سے معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد نہ تھی بلکہ قبل الجمعہ دو رکعت سنت تھی۔

واعترض علیہ ابن تیمیہؒ کہ یہ راویوں سے تصحیف ہوئی ہے۔

قال الشاہ کس طرح تصحیف ہے حالانکہ امام اوزاعی نے اس پر اپنے مذہب کا مدار رکھا ہے۔

شوافع اس پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ مسلم (13) میں یہ اضافہ بھی ہے۔

فاذاجاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین ولیتجوز فیھما

معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے نہ کہ خصوصیت یا واقعہ حال۔

جواب ۱: ۔ قال الشاہ اس کا مطلب یہ ہے والامام یخطب ای کادان یشرع فی الخطبۃ یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ یہ روایت دوسری روایات کے ساتھ معارض نہ ہو جائے۔

جواب ۲: ۔ امام دارقطنی نے تتبع علی الصحیحین پر کتاب لکھی ہے اور تقریباً بخاری کی سو احادیث پر کلام کیا ہے جہاں سند پر انہوں نے بحث کی ہے لیکن مذکورہ حدیث کے بارے میں انہوں نے متن پر بات کی ہے کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔

دلیل یہ ہے کہ کم از کم چار واقعات ایسے موجود ہیں جہاں دوران خطبہ آدمی آیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

(۱) پہلے واقعہ کا ذکر بخاری میں ہے کہ ایک آدمی دوران خطبہ آیا وقال ھلك المال و جاع العیال اور استسقاء کا مطالبہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی مگر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔(14)

(۲) دوسرے جمعہ کو پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ کثرت مطر کی وجہ سے گھر مسمار ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم حوالینا لاعلینا اور حکم نماز کا نہ دیا۔(15)

---

(12) ابن ماجہ ص:۷۸ ''باب ماجاء فیمن دخل المسجد والامام یخطب'' (13) صحیح مسلم ص:۲۸۷ ج:۱ ''فی واقعۃ سلیک رضی اللہ عنہ'' (14) صحیح بخاری ص:۱۳۷ ج:۱ ''باب الاستسقاء فی المسجد الجامع'' (15) حوالہ بالا

(۳) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن گردنوں کو پھلانگتا ہوا آ رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجلس مگر نماز کا حکم نہیں دیا۔(16)

(۴) چوتھا واقعہ ابن مسعود آ رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کہا کہ اجلسوا تو ابن مسعود دروازے پر بیٹھ گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ آپ کو نہیں کہہ رہا) آپ آیئے انہیں بھی نماز کا حکم نہیں دیا۔(17)

پھر یہ اختلاف ردِ سلام وتشمیت العاطس میں بھی ہے عند الجمہور یہ امور جائز نہیں یعنی دوران خطبہ البتہ امام ابو یوسف سے جواز مروی ہے کہ یہ فرض ہیں مگر جواب یہ ہے کہ خطبہ کے علاوہ فرض ہے نہ کہ خطبے میں۔

حضرت حسن بصری کے فعل کا جواب ابن العربی نے یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ امام نے اپنے خطبہ میں کوئی غیر متعلقہ باتیں شروع کی ہونگی اور ایسا کرنا جائز ہے کہ ایسی صورت میں آدمی نماز پڑھے یا تسبیح چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ورأيت الذهاد بمدينة السلام والكوفة اذابلغ الامام الى الدعاء لاهل الدنيا قاموا فصلوا ورايتهم ايضاً يتكلمون مع حلسائهم .... لانه عندهم لغوا فلايلزم استماعهم لاسيما وبعض الخطباء يكذبون حينئذٍفالاشتغال بالطاعة عنهم واحب(18)

ابو سعید خدری کے عمل کی بھی یہ توجیہ ممکن ہے۔

(16) رواہ النسائی ص:۲۰۷ ج:۱ "باب النہی عن تخطی الرقاب الخ"

(17) رواہ ابوداؤد ص:۱۶۳ ج:۱ "باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہ"

(18) عارضۃ الاحوذی ص:۲۵۴ ج:۲

باب ماجاء فی کراهیة الکلام و الامام یخطب

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعے کے دن دوران خطبہ کسی سے کہا انصت فقد لغا خاموش ہو جاؤ تو اس نے غلط بات کی یعنی اگر چہ فی نفسہ یہ نہی عن المنکر ہے لیکن بعارض جو کہ وجوب الاستماع ہے یہ کلام لغو بن گیا۔

پھر ابوداؤد(1) وابن خزیمہ(2) میں ابن عمر کی مرفوع روایت ہے ومن لغا و تخطی رقاب الناس کانت له ظهراً جمہورؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمہ تو فارغ ہو جائے گا مگر ثواب جمعہ کا حصول نہ ہوگا۔

مسند احمد(3) و بزار(4) میں ابن عباس کی مرفوع روایت ہے جو آدمی باتیں کرتا ہے اس کی مثال حمار کی طرح ہے یحمل اسفاراً اور جو اس سے کہتا ہے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ نہیں ہے ظہر ہے البتہ ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنے کی اجازت ہے۔

چھینک پر الحمد للہ کہنے والے کے جواب میں اسی طرح سلام کہنے والوں کو جواب دینے میں اختلاف ہے کمامر۔ امام ترمذی نے امام شافعی کا مذہب جمہور کی طرح کراہیت کا نقل کیا ہے لیکن ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی میں ان کا قول امام احمد واسحٰق کے ساتھ ذکر کیا ہے قال العراقی نقل ابن العربی اصح من نقل الترمذی کہ اصولی طور پر جن کے نزدیک تحیۃ المسجد دوران خطبہ جائز ہے تو تشمیت العاطس اور رد السلام بھی جائز ہونا چاہیئے۔

پھر حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک جواب سلام اور یرحمک اللہ دل میں کہے زبان سے نہ کہے عند محمد سلام و چھینک کا جواب بعد الخطبہ دے اور درود دل میں پڑھے واشار الیہ ابن العربی کہ تشمیت العاطس اور رد السلام کا فرض اس فرض سے زیادہ اہم نہیں جس کے لئے یہ بیٹھا ہے لہٰذا جواب نہ دینا چاہیئے۔

امام ابویوسف کا قول جواز کا ہے مگر باب کی روایت مجوزین کے خلاف حجت ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة الکلام و الامام یخطب

(1) روی ابوداود بمعناہ ص:۱۶۵ ج:۱ ''باب الکلام والامام یخطب'' (2) ابن خزیمہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص:۳۹ ج:۳

(3) کذا فی مجمع الزوائد ص:۴۰۸ ج:۲ رقم الحدیث ۳۱۲۳ (4) حوالہ بالا

باب ماجاء فی کراھیۃ التخطئ یوم الجمعۃ

رجال:۔

زبان بن فائد بفتح الزاء وشدۃ الباء المصری ضعیف اور عابد ہیں۔

سہل بن معاذ ان سے زبان کی وساطت کے علاوہ روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن ابیہ ای معاذ بن انس الجہنی صحابی ہیں نزیل مصر ہیں۔☆

تشریح:۔

تخطی کا معنی ہے گردنیں پھلانگنا مطلب یہ ہے کہ جمعے کے دن باہر سے آنے والا صفوں کو پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو فرمایا اتخذ جسرا الی جہنم اتخذ معلوم ومجہول دونوں طرح آیا ہے قال العراقی (1) ہو المجہول مقصد یہ ہے کہ اس کو پل بنایا جائے گا کہ جہنمی لوگ اس کے اوپر سے گذریں گے اور اس کو روند ڈالیں گے تاکہ جمعے کے دوران گردنوں کے پھلانگنے کی سزا ہو جائے۔

اگر معروف پڑھیں تو معنی ہوگا اس نے اپنے اس عمل کی وجہ سے اپنے لئے جہنم کی طرف ایک پل بنالیا اس کو خصوصیت عمل کہتے ہیں جس پر امام راغب نے مفردات القرآن میں بحث کی ہے کہ بعض اعمال کی خاص خصوصیات ہوتی ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عمل کی تاثیر یہ ہے کہ اس آدمی نے اپنے لئے جہنم کا راستہ کھول دیا وہ الگ بات ہے کہ فیصلہ روز محشر میں معجون مرکب کے طور پر ہوگا۔ پہلی قراءت زیادہ مناسب ومشہور ہے۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمعے کے ساتھ خاص ہے مگر پھر بھی احتمال ہے کہ حکم عام ہو اور جمعے کی تخصیص علیٰ سبیل الاغلبیت آئی ہو کہ یہ عمل عموماً یوم الجمعۃ بوجہ کثرت ازدحام کے سرزد ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علت بھی اس کی عام ہے تو حکم بھی عام ہونا چاہئے کہ جہاں کسی کو کسی کے گذرنے سے تکلیف ہوگی سواء کان جمعۃ اوغیرہا من

باب ماجاء فی کراھیۃ التخطئ یوم الجمعۃ

(1) کذا فی معارف السنن ص:۳۹۰ ج:۴

25/2

الصلوات والاجتماعات تو اس پر یہ حکم لگے گا قال العراقی واما ذہاب الخطیب الی المنبر ہو مستثنی عنہ کہ اگر کوئی دیگر راستہ نہ ہو تو اس ضرورت کے تحت جائز ہے اسی طرح اگلی صفوں میں جگہ خالی ہے تو اس تک جانا بھی جائز ہے او رمذکورہ حکم سے مستثنی ہے کہ قصور ان لوگوں کا ہے کہ جنہوں نے اگلی جگہ چھوڑ کر پیچھے رش لگایا فھو کالمصلی علیٰ قارعة الطریق فانه لایاثم المار بل المصلی۔

نیل الاوطار (2) میں ایک اور حکم مستثنی کیا ہے کہ ایک آدمی ایسا ہے کہ جس سے لوگوں کو عقیدت ہے اور محبت کی وجہ سے لوگ اس کے گذرنے کو ناپسند نہ کریں تو اس کے لئے بھی گذرنا جائز ہے۔

باب ماجاء فی کراهية الاحتباء والامام يخطب

رجال:۔

عباس بن محمّد الخوارزمی نزیل بغداد اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت لی ہیں امام نسائی نے توثیق کی ہے ابن معین کے خاص شاگردوں میں سے ہیں ان سے جرح وتعدیل کا علم حاصل کیا ہے۔

ابو عبدالرحمن المقرئ کا نام عبداللہ بن یزید ہے ۷۰ سال سے زیادہ قرآن پڑھایا ہے بخاری کے کبار شیوخ میں سے ہیں۔سعید بن ابی ایوب ثقہ ہیں۔

ابو مرحوم کا نام عبدالرحیم المدنی ہے نزیل مصر ہے صدوق زاہد من السادسۃ۔☆

تشریح:۔

حبوۃ بروزن رحمۃ البتہ اس میں ضمہ وکسرہ بھی مروی ہے بیٹھنے کی وہ ہیئت جس میں آدمی الیتین پر بیٹھ جائے اور دونوں ٹانگوں کو کھڑا کردے کہ فخذین عموماً بطن ساقین سے ملی ہوئی ہوں پھر ان کو چادر سے کمر کے ساتھ باندھے کبھی ہاتھوں سے بھی باندھ لیتے ہیں۔

خطبے کے دوران اس ہیئت میں اختلاف ہے باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضع ممنوع ہے

(2) نیل الاوطار ص:۲۵۴ ج:۳ "باب الرجل احق بمجلسه وآداب الجلوس والنهی عن تخطی الرقاب"

لیکن عندالبعض یہ بلاکراہیت جائز ہے وبہ یقول احمد واسحٰق لایریان بالحبوۃ والامام یخطب باساً۔ جولوگ جائز مانتے ہیں ان کا استدلال حدیثِ ابوداؤد(1) سے ہے یعلیٰ بن شداد بن اوس فرماتے ہیں کہ میں فتح دمشق کے موقع پر حضرت معاویہ کے خطبے میں حاضر ہوا تو صحابہ حبوۃ کئے ہوئے بیٹھے تھے ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے وہودلیل علیٰ صحتہ عندہ ترمذی کی روایت میں وہ قوت نہیں جو ابوداؤد کی روایت میں ہے اس لئے بعض نے حبوہ کو مطلقاً جائز کہا اور ابوداؤد کی روایت کو ترمذی کی روایت پر ترجیح دی لیکن عندالبعض یہ ہیئت سستی اور نیند کی جالب ہے لہٰذا یہ ہیئت توجہ کے بھی خلاف ہے تو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

امام طحاوی(2) وغیرہ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر آدمی خروج امام سے پہلے حبوہ کئے ہوئے بیٹھا ہو تو اسی طرح رہے کہ خطبے میں زیادہ ہلنا بھی مناسب نہیں اگر پہلے حبوۃ نہ بیٹھا ہو تو اثنائے خطبہ میں حبوہ مکروہ ہوگا چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ خطبے کے لئے کوئی مسنون ہیئت متعین نہیں بلکہ حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے سے جس طرح بیٹھا ہو اسی طرح بیٹھا رہے اچھی ہیئت قعدے کی شکل والی ہے مگر لازم نہ سمجھا جائے۔

باب ماجاء فی کراهیة رفع الایدی علی المنبر

رجال:۔

هشیم بالتصغیر ثقۃ کثیرالتدلیس والارسال ہیں۔ حصین مصغر اً ثقہ ہیں اخیراً حافظہ متغیر ہوا تھا۔
عمارہ بضم العین صحابی نزیل کوفہ ہیں۔ رویبۃ بالتصغیر ہے۔☆

تشریح:۔

بشر بن مروان خطبہ دے رہے تھے تو انہوں نے خطبہ میں دعا کے لئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا تو عمارہ نے فرمایا قبح اللہ ہاتین الیدین القصیرتین۔ قصیرتین تثنیہ قصیر کا ہے اور یہ تصغیر قصیر ہے یا بددعا ہے یا اس حالت

باب ماجاء فی کراهیة الاحتباء والامام یخطب

(1) ابوداؤد ص:۱۶۵ ج:۱ ''باب الاحتباء والامام یخطب'' (2) کمافی حاشیۃ الکوکب الدری ص:۲۰۲ ج:۱ بحوالہ درس ترمذی

کی قباحت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ہے وہ سوائے سبابہ کے اور کسی چیز کو حرکت نہ دیتے معلوم ہوا کہ خطبے میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے عندالاستسقاء ہاتھ اٹھانا للدعا ثابت ہے(1) عام عادت میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے پھر اس اشارہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ سمجھانے کے لئے ہو یا دعا کے لئے ہو جیسے کہ امام ابو یوسفؒ سے ایک انگلی کا اشارہ للدعاء مروی ہے اسی طرح دوران خطبہ خطیب کے لئے التفات یمیناً وشمالاً بھی مکروہ ہے۔(2)

باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة

رجال:۔

السائب بن یزید صحابی صغیر قلیل الروایۃ ہیں حجۃ الوداع میں ان کی عمر سات برس تھی وھو آخر من مات بالمدینۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہ۔☆

تشریح:۔

زوراء بفتح الزاء وسکون الواؤ بالمدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے قیل یہ ایک اونچی جگہ تھی منارہ کی طرح قیل یہ بڑا حجرہ تھا مسجد کے دروازے کے پاس قیل یہ ایک پتھر تھا و قیل یہ عثمان کے گھر کا نام ہے اور اس پر جمعے کی اذان دی جاتی تا کہ لوگ سنے کہ حضرت عثمان جمعے کے لئے تشریف لا رہے ہیں نداء ثالث سے مراد آج کل کی اصطلاح میں پہلی اذان ہے جو عند دخول الوقت دی جاتی ہے بعض روایات میں اس کو نداء ثالث کہا گیا ہے کما ہنا بعض میں ثانی بعض میں اول تطبیق یوں ہے کہ یہ فرق اعتباری ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے اول ہے تو بعض روایات میں اس کو اول کہا ثانی اس اعتبار سے کہ اقامت کو خارج کر کے حقیقی

باب ماجاء فی کراھیۃ رفع الایدی علی المنبر

(1) کذا فی صحیح البخاری ص:۱۳۷ ج:۱ ”باب الاستسقاء فی المسجد الجامع“

(2) راجع للتفصیل معارف السنن ص:۳۹۴ ج:۴

اذانوں کا اعتبار کیا گیا چونکہ خطبہ کی اذان اصلی ہے تو وہ اول ہے اور یہ مزید ہے تو ثانی ہے اور ثالث کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اقامت کو بھی تغلیباً اذان کہا گیا پھر یہ ثالث اس لئے ہے کہ اس کا اضافہ ان دو کے بعد ہوا ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور شیخین کے زمانے میں جب وقت جمعہ داخل ہوتا تو امام فوراً آجاتا پھر اسی وقت اذان دی جاتی حضرت عثمان کے زمانے میں لوگ زیادہ ہو گئے تو اس اذان کا اضافہ کر دیا جو امام کے آنے سے پہلے عند دخول وقت دی جاتی تھی اور جو پہلی اذان تھی تو اس کو امام کے سامنے جب وہ خطبہ کے لئے بیٹھ جاتا دی جانے لگی اس کا اضافہ اگرچہ دور عثمان میں ہوا مگر یہ بدعت نہیں (1) خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوتا کہ حدیث شریف میں نہ صرف اس کو سنت قرار دیا ہے بلکہ اس پر عمل کی تاکید کی گئی ہے کما قال علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (2)

قال الشاہ خلفائے راشدین کا درجہ مجتہدین اور شارع کے درمیان ہے کہ یہ تشریع احکام اگرچہ نہیں کر سکتے لیکن ایک علت کا اعتبار اپنی طرف سے کر سکتے ہیں کہ مثلاً انہوں نے ایک چیز کو ضرورت یا مصلحت کی بناء پر قابل اعتبار سمجھا جس کا اعتبار شارع نے نہ کیا ہو اور مجتہد کا درجہ اس سے ادنی ہے کہ وہ علت کا اعتبار نہیں کر سکتا بلکہ علت سے استنباط کرتا ہے۔ پھر ہدایہ (3) میں ہے کہ اعتبار اسی اذان اول کا ہوگا اس کے بعد سعی واجب ہوگی اور خرید و فروخت ممنوع ہوگی۔

باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة

(1) بعض روایات میں ہے کہ اس اذان کو زیاد نے زیادہ کیا بعض میں حجاج کا نام ہے بعض میں حضرت عثمانؓ کا نام ہے انظر عمدۃ القاری ۲۱۱ ج:۶۔ حنفی (2) رواہ ابن ماجہ ص:۵ "باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین" (3) ہدایہ ص:۱۳۰ ج:۱ "باب الجمعۃ"

باب ماجاء فی الکلام بعد نزول الامام من المنبر

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر سے خطبے کے بعد اترتے تو حاجت اور ضرورت کی وجہ سے باتیں کرتے۔

جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ امام اسحٰق وصاحبین اس بات کے قائل ہیں کہ خروج امام کے بعد جب تک کہ خطبہ شروع نہ ہو جائے اس طرح نزول امام عن المنبر کے بعد جب کہ نماز شروع نہ ہو جائے باتیں کرنا جائز ہے البتہ دونوں خطبوں کے درمیان باتیں کرنا عند شافعیہ ومالکیہ بھی مکروہ ہے کہ درمیان میں قعود محض سکوت کیلئے ہوتا ہے نہ کہ کلام کے لئے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جیسے کہ لمعات میں ہے محشی نے بھی نقل کیا ہے۔

مذهب ابی حنیفة ان من وقت خروج الامام للخطبة الی ان یشرع فی الصلوة الصلوة والسلام کلاهما حرام

جب سلام حرام ہے تو کلام بطریق اولیٰ حرام ہے۔

وان کان فی الصلوة والامام شرع فی الخطبة قطع الصلوة علیٰ رأس رکعتین

جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

کان النبی صلی الله علیه وسلم یتکلم بحاجته اذا نزل من المنبر

دوسری بات یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ اختلال بالاستماع ہے اور قبل الخطبۃ وبعد الخطبہ کوئی استماع نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال نسائی (1) کی روایت سلمان سے ہے جس کی سند بصریح قاضی شوکانی ومبارک پوری جید ہے وفیہ فیصمت حتیٰ یقضی صلوتہ۔ مسلم (2) کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کما مر فی حدیث ابی موسیٰ

باب ماجاء فی الکلام بعد نزول الامام من المنبر

(1) نسائی ص:۲۰۸ ج:۱ ''فضل الانصات وترک اللغو یوم الجمعۃ'' (2) صحیح مسلم ص:۲۸۱ ج:۱ ''کتاب الجمعۃ''

اشعری کہ جو ساعت جمعے کے دن متوقع ہے وہ جلوس خطیب سے اختتام صلوٰۃ تک رہتی ہے ہی مابین ان تجلس الامام الی ان تقضی الصلوۃ۔

ونقل ابن العربی فی العارضۃ بواسطۃ سلیمان روایۃ مرفوعۃ کروایۃ النسائی عنہ قاضی شوکانی (3) نے بھی مطلق ممانعت والی روایت کو ترجیح دی ہے اور ان روایات میں تطبیق یوں دی ہے کہ ضرورت کے مطابق باتیں جائز ہیں لہٰذا جواز کی روایت ضرورت پر محمول ہے اور بلا احتیاج بولنا ممنوع ہے کمافی الشامی کہ امام کو امر الدین کے متعلق کی ضرورت پیش آئے تو بول سکتا ہے۔

جمہور کی مستدل روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے نقل الترمذی قول البخاری بان ہذا وہم من جریر بن حازم واعلہ الدارقطنی والبیہقی جمیعاً وہم کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ واقعہ حال تھا راوی نے کان کے صیغے کے ساتھ استمرار بنایا اور یا وجہ یہ ہے کہ یہ عشا کی نماز کا واقعہ ہے نہ کہ نماز جمعہ وخطبۂ جمعہ کا۔

باب ماجاء فی القراءۃ فی صلوۃ الجمعۃ. باب ماجاء فی مایقرأ فی صلوۃ الصبح یوم الجمعۃ

ہمارے نزدیک اصول یہ ہے کہ جن سورتوں کا پڑھنا نمازوں میں ماثور ہے تو عام حالات میں اس کا پڑھنا مستحب ہے کبھی کبھی اس کی جگہ دوسری جگہ سے بھی پڑھنا چاہیئے تا کہ عوام الناس اس کو ضروری' فرض نہ سمجھیں خواہ وہ جمعے کی نماز ہو یا عیدین وغیرہ کی۔

(3) کذا قالہ فی نیل الاوطار ص: ۲۷۵ ج: ۳ "باب المنع من الکلام والامام یخطب"

باب ماجاء فی الصلوة قبل الجمعة وبعدها

جمعہ کے دن سنن کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں یہاں دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ سنن قبلیہ کا دوسرا سنن بعدیہ کا۔

امام مالک کے نزدیک جمعے کے دن سنن کی کوئی تعداد مقرر نہیں بلکہ آدمی جتنا پڑھ سکے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ وجمہور کے نزدیک سنن ثابت بھی ہیں اور متعین بھی مگر کتنی ہیں؟ تو حنفیہ اور مغنی کی روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ (معارف) سنن قبلیہ چار رکعت ہیں عندشافعی دو رکعت ہیں ابن تیمیہ نے سنن قبلیہ کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے بقول بعد الزوال فوراً اذان ہوتی اور حضور علیہ السلام فوراً مسجد تشریف لاکر خطبہ شروع فرماتے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو ثابت نہیں کہ انہوں نے اذان کے بعد دو یا چار رکعت پڑھی ہوں اور صحابہ تو نوافل پڑھتے تھے نہ کہ سنن۔ دوسری بات یہ ہے کہ بخاری (1) نے رکعتین قبل الجمعہ پر باب باندھا ہے مگر اس بارے میں کوئی حدیث نہ لاسکے معلوم ہوا کہ یہ نفی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا چار یا دو رکعت کا اثبات محض قیاس سے ہوگا ظہر پر اور قیاس سے سنت ثابت نہیں ہوسکتی۔

قال الزیلعی (2) جمعہ سے پہلے کم از کم دو رکعتیں تو ابن ماجہ (3) کی روایت سے ثابت ہیں کہ سلیک غطفانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ہل صلیت رکعتین قبل ان تجئ انہوں نے جواب نفی میں دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھوائی۔ اس طرح مشکل الآثار (4) للامام الطحاوی میں ہے من کان مصلیاً فلیصل اربعاً قبل الجمعة۔ جامع الاصول میں (5) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی سے روایت ہے انه قال کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلون یوم الجمعة قبل الخطبة اسی طرح مسلم (6) میں ہے من

باب ماجاء فی الصلوٰة قبل الجمعة وبعدها

(1) چنانچہ دیکھئے صحیح بخاری ص:۱۲۸ ج:۱ (2) نصب الرایہ للزیلعی ص:۲۱۴ ج:۲

(3) ابن ماجہ ص:۷۹ "باب ماجاء فی الصلوٰة قبل الجمعة" (4) بحوالہ معارف السنن ص:۴۱۳ ج:۴

(5) جامع الاصول ص:۶۸۵ ج:۵ رقم حدیث ۳۹۸۴ (6) صحیح مسلم ص:۲۸۳ ج:۱

اغتسل ثم اتی الجمعة فصلی ماقدر له ثم انصت من رواية ابی هريرة ۔سیوطی نے جمع الجوامع میں روایت نقل کی ہے من كان مصلياً يوم الجمعة فليصل قبلها اربعاً و بعدها اربعاًاسی طرح ابوداؤد(7) میں نافع سے مروی ہے۔

كان ابن عمر يطيل فی الصلوة قبل الجمعة وبعدها ويقول كذاكان يفعله رسول الله صلی الله عليه وسلم

لہٰذاان روایات کی موجودگی میں سنن قبلیہ کومحض قیاس کی بناء پر ثابت نہیں کیا گیا بلکہ نقلاً ثابت ہیں۔

دوسرا مسئلہ سنن بعد یہ کا ہے عندابی حنیفۃ بعد صلوٰۃ الجمعہ چار رکعت ہیں صاحبین امام اسحٰق اور فی روایۃ نقلہ الشوکانی فی نیل الاوطار کہ امام احمد بھی چھ رکعات کے قائل ہیں یہاں ترمذی نے امام شافعی واحمد سے جمعے کے بعد دو کی روایت نقل کی ہے قال والعمل علیٰ ہذا عند بعض اہل العلم وبہ یقول الشافعی واحمد قال العراقی ان حضرات نے دو کا قول جو کیا ہے یہ کم از کم کا کیا ہے ورنہ شافعی نے کتاب الام میں چار کی تصریح کی ہے اسی طرح ابن قدامہ نے امام احمد سے اختیار دو اور چار کی روایت نقل کی ہے گویا ان سے تین روایات ہوئی دو،دو اور چار میں اختیار اور چھ کی روایت۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ابوہریرہ کی مذکورہ باب کی حدیث ہے۔

قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل اربعاً هذاحديث حسن صحيح

دلیل۲:۔اسی باب میں ابن مسعود کی روایت ہے جو تعلیقاً مروی ہے انه كان يصلی قبل الجمعة اربعاً و بعدها اربعاً۔(8)

صاحبین وامام اسحٰق کا استدلال علی وابن عمر کی روایت سے ہے جو اسی باب میں دونوں مذکور ہیں کہ یہ

---

(7)سنن ابی داؤد ص:۱۶۷ج:۱"باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ"

(8)ان کا اثر دیکھئے مصنفہ ابن ابی شیبہ ص:۱۳۲ج:۲"من کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین"ایضاً ابن مسعود کے اثر کے لئے دیکھئے ابن ابی شیبہ ص:۱۳۲ج:۲

دونوں حضرات بعد صلوٰۃ الجمعۃ چھ رکعات پڑھتے تھے حنفیہ کے نزدیک عمل اسی پر ہے وافتی علیہ الکبیری لانہ احوط وبہ جمع بین الروایات کہ بعض روایات سے دو ثابت ہیں کمافی الروایۃ الاولی فی الباب بعض سے چار کمافی روایۃ ابی ہریرۃ بعض سے چھ ثابت ہیں کمافی روایۃ علی وابن عمر۔

البتہ پھر اس ترتیب میں اختلاف ہے امام اسحٰق فرماتے ہیں ان صلی فی المسجد یوم الجمعۃ صلی اربعاً وان صلی فی بیتہ صلی رکعتین امام اسحٰق کے قول میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ ان دونوں نمازوں کے درمیان جمع کے قائل نہ ہوں بلکہ فرق کرتے ہوں مسجد وگھر کے درمیان۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے چار پڑھے پھر دو اس کی تقدیم پر کوئی خاص دلیل تو نہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ چار رکعت پڑھنے سے فرض سے فرق واضح ہو جائے گا جبکہ دو سے تشبہ بالفرض لازم آئے گا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علی وابن عمر کا عمل اسی کے مطابق ہے کہ پہلے دو پڑھتے پھر چار کمافی الترمذی لہٰذا یہ اولی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل باب کی اول حدیث ہے عن ابن عمر مرفوعاً انه كان يصلي بعدالجمعة ركعتين۔

باب ماجاء فی من یدرک من الجمعۃ رکعۃً

اگر جمعے کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد آدمی جماعت میں شریک ہو جائے تو وہ دو ہی رکعت پڑھے گا بعد تسلیم الامام یا چار رکعت پڑھے گا تو جمہور اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ چار ظہر کی پڑھے گا عند شیخین قبل از سلام جب بھی کوئی جماعت میں شریک ہوگا تو وہ دو پڑھے اس مسئلے کا مبنی علیہ پہلے گذر چکا ہے فتذکر۔

جمہور کا استدلال اس روایت کے مفہوم مخالف سے ہے من ادرک عن الصلوۃ رکعۃ فقد ادرک الصلوۃ جس کو ایک رکعت مل جائے تو نماز مل گئی مفہوم مخالف یہ ہے کہ ایک رکعت بھی نہ ملے تو نماز جمعہ نہیں ملی بلکہ وہ چار پڑھے گا۔

شیخین کا استدلال صحاح ستہ (1) کی مشہور صحیح روایت سے ہے ماادرکتم فصلوا ومافاتکم فاتموا یہ روایت مطلق ہے اس میں جمعہ وغیر جمعہ کی تقیید نہیں ہے نہ رکعات کی تقیید ہے لہٰذا یہ حکم جبکہ باقی تمام نمازوں کو شامل ہے تو جمعہ کی نماز کو بھی شامل ہوگا۔

جمہور کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے جو عندنا معتبر نہیں ہے خصوصاً جب مقابلے میں صحیح وصریح حدیث موجود ہو تو اس کا کہاں اعتبار ہے۔

جواباً وہ کہتے ہیں کہ دارقطنی (2) میں روایت ہے اس میں ہے کہ جو دوسری رکعت میں نہ پہنچ سکے تو چار پڑھ لے مگر صاحب تحفۃ الاحوذی نے ایسی تمام روایات کا مجموعی جواب دیا ہے کہ یہ تمام روایات صریح وصحیح نہیں اور امام ابوحنیفہ کی پرزور حمایت کی ہے اور جمہور کے مسلک کو ناقابل فہم قرار دیا ہے۔ (3)

باب فی من ینعس یوم الجمعة انه یتحول من مجلسه

نعس ایک سستی کی کیفیت ہے وقیل باریک اور ہلکی ہوا ہے جو دماغ سے شروع ہو کر آنکھوں پر ختم ہوتی ہے دل تک نہیں پہنچتی اگر پہنچ جائے تو اس کو نوم کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اونگھ کی صورت میں اپنی جگہ سے ہٹ جاؤ اس کا مطلب عند البعض یہ ہے کہ انتظار فی صلوۃ گویا صلوٰۃ ہے اور اونگھ شیطان کا اثر ہے تو یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے کمافی لیلۃ التعریس مگر مشبہ بہ میں حضور کا اس جگہ سے منتقل ہونا شیطان کے اثر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کراہیت وقت کی وجہ سے تھا اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے سے آدمی کا خون جم جاتا ہے تو مستحب یہ ہے کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹے تاکہ سماع خطبہ میں نشاط پیدا ہو یہی وجہ ہے کہ حبوۃ بیٹھنے سے روکا گیا ہے کہ وہ بھی جالب نوم ہوتی ہے اگر نیند زیادہ غالب ہو تو چند قدم چل بھی سکتا ہے کہ اصل مقصد نیند کو دور

باب ماجاء فی من یدرک من الجمعة رکعةً

(1) صحیح بخاری ص:۸۸ ج:۱ "باب ماادرکتم فصلوا الخ" رواہ مسلم فی المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ باب ۵۴ ایضاً ترمذی فی ابواب الصلوٰۃ۔ ایضاً ابن ماجہ فی المساجد باب ۱۴ سنن دارمی باب ۵۹ وموطا مالک فی الصلوٰۃ۔ حنفی

(2) سنن دارقطنی ص:۹ ج:۲ رقم حدیث ۱۵۸۷ (3) تحفۃ الاحوذی ص:۶۳ ج:۳

کرنا ہے بلکہ حضرت مدنی صاحب نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وضو کرنے بھی جاسکتا ہے۔

باب ماجاء فی السفر یوم الجمعة

رجال:۔

عن الحجاج هوابن ارطاة الكوفی القاضی الفقيه صدوق من السابعة كثير الخطا والتدليس۔

عن الحکم ثقة فقیہ ہیں تاہم کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں۔

مقسم بکسر المیم صدوق ہیں مگر ارسال کرتے ہیں بخاری میں ان سے فقط ایک حدیث مروی ہے۔☆

تشریح:۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ بھیجا (سریہ بفتح السین وکسر الراء وتشدید الیاء المفتوحہ فوج کا ایک حصہ جس کی زیادہ تعداد چار سو تک ہوتی ہے۔

اصحاب السیر کے نزدیک سریہ کا اطلاق اس لشکر پر ہوتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود نہ ہوں) تو یہ سفر کا دن جمعے کے ساتھ موافق ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ میں رہ جاتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لونگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ کس چیز نے آپ کو روکا کہ آپ صبح کو ساتھیوں کے ساتھ جاتے تو انہوں نے وہی بات بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زمین کے تمام خزانے خرچ کرو گے تب بھی ان کے صبح کے نکلنے کے ثواب کے برابر ثواب حاصل نہیں کر سکتے۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے اختلاف الائمہ کے حوالے سے کہ زوال کے بعد اس آدمی کیلئے سفر پر جانا جس پر جمعہ واجب ہے جائز نہیں اگر راستے میں جمعے کے نماز مل سکتی ہے تو جائز ہے یا یہ کہ قافلے کے جانے اور اس کے تخلف کا اندیشہ ہو تو جائز ہے۔

زوال سے پہلے عند ابی حنیفہ وامام مالک جانا جائز ہے امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ صحیح ہے دوسرا جواز کا ہے۔ امام احمد کا قول بھی عدم جواز کا ہے جیسے ترمذی نے ان کا نام لئے بغیر ان کے مذہب کی

تصریح کی ہے وقال بعضھم البتہ سفر جہاد ہو تو جا سکتا ہے۔

امام احمد چونکہ زوال سے پہلے بھی جمعہ کے وقت کے قائل ہیں کہ ان کے نزدیک جمعہ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جسوقت عید کا وقت شروع ہوتا ہے اور اخیر ظہر تک رہتا ہے لہٰذا زوال سے پہلے بھی عندہ جائز نہ ہوگا۔

امام شافعی واحمد کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں البتہ افراد دارقطنی (1) میں ابن عمر کی روایت ہے من سافر یوم الجمعۃ دعت علیہ الملائکۃ لیکن قال الحافظ اس میں ابن لہیعہ ہے جو متروک ہے۔ جمہور فقہاء ومحدثین امام مالک وابوحنیفہ کے ساتھ ہیں۔

دلیل ا:۔ مذکورہ باب کی روایت میں صبح کے وقت جانے والوں کی تحسین فرمائی اور ابن رواحہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

دلیل ۲:۔ تحفہ (2) میں ہے کہ امام شافعی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے سفر کی ہیئت اختیار کی وہ کہہ رہا تھا کہ آج جمعے کا دن نہ ہوتا تو میں نکل جاتا حضرت عمر نے کہا اخرج فان الجمعۃ لاتجس عن السفر۔

دلیل ۳:۔ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں روایت نقل کی ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح جمعے کے دن سفر پر صبح نکلے اور نماز کا انتظار نہ فرمایا۔ (3)

دلیل ۴:۔ مراسیل ابی داؤد (4) میں ہے کہ زہری نے جمعے کے دن سفر کی تیاری کی صبح کے وقت تو کسی نے اعتراض کیا تو جواباً کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جمعے کے دن سفر کئے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کے دن سفر سے منع کیا ہو۔

باب ماجاء فی السفر یوم الجمعۃ

(1) کذا فی تلخیص الحبیر ص:۱۶۲ ج:۲ تحت رقم حدیث ۶۵۳ (2) ص:۶۷ ج:۳ ایضاً اخرجہ الشافعی فی مسندہ رقم حدیث ۴۳۵ بحوالہ بالا (3) تلخیص ص:۱۶۲ و۱۶۳ ج:۲ ایضاً اخرجہ ابن ابی شیبہ ص:۱۰۵ ج:۲ ''من رخص فی السفر یوم الجمعۃ''

(4) مراسیل ابی داؤد ص:۱۴ ''فی فضل الجہاد'' ایضاً اخرجہ عبدالرزاق فی الحاشیہ ص:۲۵۱ ج:۳ رقم حدیث ۵۵۴۰

باب فی السواک والطیب یوم الجمعة

رجال:۔

علی بن الحسن الکوفی اس نام اور نسبت کے تین بزرگ اسی طبقے میں ہیں لہٰذا ان کے اندر فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ کس روایت میں کون مراد ہیں؟ تاہم فرق کنیت اور شیوخ اور شاگردوں کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

ابو یحیٰ ضعیف ہیں۔ یزید بن ابی زیاد ضعیف اور شیعہ ہیں۔☆

تشریح:۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقاً علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة حقاً مفعول مطلق ہے فعل مقدر ہے ای حق حقاً اس کو مقدم کیا اہتمام تاکید کی وجہ سے جیسے عمداً فعلتہ یا عمر یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ غسل کی کیا حیثیت ہے؟

من طیب اهله کا ایک مطلب یہ ہے کہ طیب اہلہ سے مراد طیب خاطر ہو مطلب یہ ہے کہ اگر خوشبو گھر والوں کی ہے تو ان کی طیب خاطر سے خوشبو لگا سکتا ہے کما فی الحدیث (1) لایحل مال امرئ مسلم الاعن طیب نفس وفی الآیة فان طبن لکم الخ (2) مطلب یہ ہے کہ خوشبو اتنی ضروری نہیں کہ ہر حال میں لگائے بلکہ اگر خوشی سے دے تو لگا دو یا طیب سے مراد خوشبو ہے اور اضافت بمعنی ملک ہو یعنی اگر اپنی خوشبو نہ ہو تو گھر والوں سے لے سکتا ہے مگر رنگ والی نہ ہو۔ او من طیب لہ عند اہلہ چونکہ پانی سے بھی ازالہ ہو جاتا ہے رائحہ کریہہ کا تو اس سے بھی خوشبو کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

باب فی السواک والطیب یوم الجمعة

(1) اخرجہ دار قطنی ص:۲۲ ج:۳ رقم حدیث ۲۸۶۳ ایضاً اخرجہ البیہقی فی الکبریٰ ص:۹۷ ج:۶ (2) سورۃ نساء رقم آیت:۴

ابوَابُ العیدین

عیدین تثنیہ ہے عید کا من عاد یعود جیسے قال یقول مگر فرق یہ ہے کہ قول بالفتح ہے عود بکسر الفاء ہے اعلال ہوا تو عید ہوگیا۔ جمع اعیاد آتی ہے اگر چہ قانوناً اعواد آنی چاہیے مگر چونکہ اعواد مخصوص لکڑی ہے تو فرق کے لئے اعیاد کہہ دیا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لانہ یعود ویتکرر لاوقاتہ کہ بار بار آتی ہے۔(1)

اعتراض:۔ یہ معنی تو ہر موسم میں پایا جاتا ہے کہ ہر موسم بار بار آتا ہے تو ہر موسم کو عید کہنا چاہیے اس لئے بعض نے سرور وفرح کا اضافہ کیا ہے کہ لانہ یعود بالسرور والفرح۔

پھر عید الفطر کی وجہ تسمیہ بعید یہ ہے کہ روزے جو آدمی نے رکھے ہیں تو اس دن اس نعمت کا شکر اداء ہو جاتا ہے اور عید الضحیٰ قربانی وحج کے اتمام کے طور پر منائی جاتی ہے جمعے کو بھی عید کہتے ہیں کہ یہ بھی پورے ہفتے کی نمازوں کے اتمام کے شکر کے طور پر ہوتا ہے وکذا یطلق العید علیٰ کل عبادۃ موسعاً تاکہ شکر اداء ہو قال تعالیٰ "لئن شکرتم لازیدنکم"۔ (2)

زکوۃ عید نہیں کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں حولان حول سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔

قیل وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لوگ بار بار اس میں داخل ہوتے ہیں دونوں توجیہات کا مآل ایک ہے مگر شاہد ومشہود کی طرح ہے کہ جمعہ شاہد عرفہ مشہود ہے۔

قیل تاکہ تفاؤل ہو جائے اس لئے عید کہتے ہیں کہ آئندہ سال عید پھر آئے جیسے لشکر کو قافلہ کہتے ہیں بمعنی رجوع کہ تفاؤلاً کہا جاتا ہے کہ یہ لشکر بخیر وعافیت لوٹ آئے۔

قول۴:۔ اس میں عود ھندی (خوشبو کے لئے) زیادہ جلائی جاتی ہے۔

ابواب العیدین

(1) انظر معارف السنن ص: ۴۲۵ ج:۴ (2) سورۃ ابراہیم رقم آیت: ۷

عید کی نماز کی شرعی حیثیت میں اختلاف ہے عندابی حنیفہ یہ واجب ہے نقل المحشی روایۃ الفرضیۃ مگر یہ صحیح نہیں کہ اگر ہم عید کی نماز کا اثبات ''فصل لربک وانحر'' سے کریں تو وہ قطعی الثبوت تو ہے مگر قطعی الدلالۃ نہیں تو مشکل ہے اگر یہ کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت من غیر ترک کی (3) تو زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوسکتا ہے فرضیت نہیں تعامل امت بھی فرضیت کی دلیل نہیں۔ بعض فقہاء نے جو سنت کہا ہے تو مقصد یہ ہے کہ ثابت بالسنۃ ہے صاحبین وامام شافعی کے نزدیک سنت ہے امام شافعی سے ایک اطلاق نفل کا بھی منقول ہے امام مالک کے نزدیک یہ سنت واجبہ (یعنی مؤکدہ) ہے۔ تو صاحبین وشافعی ومالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے عنداحمد فی الصحیح یہ فرض کفایہ ہے۔

باب فی المشی یوم العیدین

رجال:۔

اسماعیل بن موسیٰ الفزاری۔ شریک کا ذکر پہلے گذرا ہے۔ ابی اسحاق ہوالسبیعی۔ الحارث ہوالاعور۔☆

تشریح:۔

اگر عذر ہو تو بالاتفاق بلا کراہیت آدمی سوار ہوکر عیدگاہ جاسکتا ہے لیکن اگر عذر نہ ہو اور عیدگاہ بھی زیادہ دور نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ آدمی پیدل جائے جیسے کہ جمعے کی نماز کی طرف پیدل مشی کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے کما عندالنسائی (1) اسی طرح صحیح روایت (2) سے ثابت ہے کہ جن پاؤں پر اللہ کے راستے کی غبار لگ جائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے لہٰذا اگرچہ باب کی روایت ضعیف ہے مگر مؤید ہے۔ فی متن درمختار (3) کہ

---

(3) کذاعلم من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عندالنسائی ص:۲۳۳ ج:۱ ''باب استقبال الامام بالناس بوجھہ فی الخطبۃ''

باب فی المشی یوم العیدین

(1) سنن نسائی ص:۲۰۵ ج:۱ ''باب فضل المشی الی الجمعۃ'' (2) رواہ البخاری ص:۳۹۴ ج:۱ ''باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ الخ'' (3) درمختار ص:۴۷و۴۸ ج:۳ ''باب العیدین''

عیدفطر کے دن مندوب یہ ہے کہ قبل ازصلوٰۃ میٹھی چیز کھائے تاکہ ظاہر ہوجائے کہ روزے کی حالت اب باقی نہ رہی۔مسواک کرنا غسل کرنا خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہننا قبل الخروج فطرہ اداء کرنا یہ مستحب امور ہیں۔پھر عیدگاہ کی طرف پیدل نکلے ایک بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نماز عیدگاہ میں پڑھنی چاہیے اگرچہ مسجد میں جگہ ہو دوسری یہ کہ پیدل چلنا مستحب ہے۔

باب فی صلوة العیدین قبل الخطبة

رجال:۔

ابواسامہ کا نام حماد بن اسامہ الکوفی ہے ثقۃ کما تقدم ترجمتہ۔

عبیداللہ ہوابن عمر بن حفص العمری المدنی ثقۃ ثبت۔☆

تشریح:۔

اس پر اجماع ہے کہ خطبہ عید بعد الصلوۃ ہوگا یہی ائمہ اربعہ وخلفائے راشدین ودیگر صحابہ کا مذہب ہے بعض روایات میں ہے کما نقل الترمذی کہ بنوامیہ میں یہ رواج تھا کہ وہ خطبہ نماز عید سے پہلے دیا کرتے تھے پھر بعض روایات میں اس کی نسبت عمر بعض میں عثمان بعض میں معاویہ بعض میں زیاد کی طرف بعض میں مروان بن الحکم کی طرف کما فی ہذہ الروایۃ نسبت کی گئی ہے تو یہ ایک گونہ تعارض ہے۔(1)

جواب:۔معارف السنن (2) میں ہے کہ عمر کی طرف یہ نسبت شاذ ہے عثمان کا عام معمول بعد الصلوۃ خطبہ دینے کا تھا جہاں تک قبل الصلوۃ خطبہ ثابت ہے وجہ یہ ہے کہ آبادی بڑھ گئی تھی اور عید کی نماز ایک ہی ہوتی عوالی واطراف سے لوگ آیا کرتے تھے تو ان کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنے کے لئے پہلے خطبہ دیا تو یہ تقدیم

باب فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبة

(1) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاویہ کے لئے رجوع فرمائے مصنفہ عبدالرزاق ص:۳۸۳و۳۸۴ ج:۳ اسی طرح باقی تفصیل کے لئے رجوع فرمائے فتح الباری ص:۴۵۲ ج:۲ ایضاً عمدۃ القاری ص:۲۱۱ ج:۶ (2) معارف السنن ص:۴۲۸ ج:۴

انتظاماً کیا نہ کہ تشریعاً وتسنناً پھر حضرت معاویہ نے آپ کی اتباع میں شام میں قبل الصلوۃ خطبہ دیا پھر ان کی اتباع میں بصرہ کے گورنر زیاد نے اور مدینہ کے گورنر مروان نے بھی قبل الصلوۃ دیا اب اجماع ہے بعد الصلوۃ ہونے پر۔ اگر کسی نے قبل الصلوٰۃ دیا تو عند مالکیہ وحنفیہ گناہ ہوگا نماز ہو جائے گی خطبہ قابل اعتبار ہوگا شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک نماز ہوگئی لیکن خطبہ محسوبہ شمار نہ ہوگا پھر اعادہ خطبہ کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری ہے۔

باب ان صلوۃ العیدین بغیر اذان ولا اقامة

اس باب میں امام ترمذی نے کوئی خلاف نقل نہیں کیا اور مطلقاً والعمل علیہ عند اہل العلم کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مخالف روایت کا اعتبار نہیں کیا ورنہ اس باب میں بعض حضرات سے اذان للعیدین ثابت ہے مگر وہ مضر للاجماع نہیں۔

بعض روایت میں ہے کہ اولاً ابن زبیر نے عیدین کی اذان دی ہے بعض میں معاویہ بعض میں زیاد وہشام اور مروان کی طرف نسبت ہوئی ہے ان سے قبل اور ان کے بعد اجماع تھا کہ عیدین کے لئے کوئی اذان نہ ہوگی نہ نوافل کے لئے البتہ اذان شرعی کے علاوہ اعلان جائز ہے تا کہ جگہ اور وقت کا تعین کیا جا سکے۔

باب ماجاء فی القراءۃ فی العیدین

رجال:۔

ابوعوانہ کا نام "وضاح" بتشدید الضاد ہے رجال ستہ میں سے ہیں۔

ابراہیم الکوفی بھی رجال ستہ میں سے ہیں۔☆

تشریح:۔

اگر عید کے دن جمعہ بھی ہو یعنی عید بروز جمعہ ہو تو جس نے عید کی نماز پڑھی ہے تو آیا اس سے جمعہ کی نماز ساقط ہوئی ہے یا بدستور ابھی وجوب باقی ہے؟ تو بعض صحابہ وتابعین کا مسلک یہ ہے کہ اس سے جمعہ کی نماز ساقط

ہوگئی البتہ امام پر بدستور وجوب باقی رہے گا اس کو منسوب کیا ہے عمر،عثمان،علی،ابن عمر ابن عباس ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف تابعین میں سے نخعی،شعبی اوزاعی کا یہی مسلک ہے (1) امام شافعی کے نزدیک اہل عوالی سے نماز جمعہ ساقط ہوگی شہریوں پر بدستور واجب رہے گی۔

حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک عید کی نماز کوئی پڑھے یا نہ پڑھے لیکن جس پر جمعہ واجب ہو تو اس دن بھی بدستور رہے گا اور نماز عید کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا دلیل مذکورہ باب کی حدیث ہے ربما اجتمعا فی یوم واحد فیقراء بہما تو اگر ساقط ہوتا تو کم از کم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترک فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے تو اس کے اسقاط کے لئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہے جو ہے نہیں۔

جو سقوط کے قائل ہیں ان کی دلیل واقعہ عثمان ہے جو بخاری (2) وغیرہ میں ہے انہوں نے عید کی نماز میں اعلان فرمایا کہ اہل عوالی میں سے جو جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں یہ جمعے کا دن تھا۔

جواب یہ ہے کہ یہ ان کے لئے تھا جو مدینہ سے دور رہتے تھے جن پر جمعہ واجب نہ تھا تو جانا اور پھر آنا مشکل تھا تو انتظار مشکل تھا اور جمعہ واجب بھی ان پر نہیں تھا تو اسلئے ان کو اختیار دے دیا۔

باب فی التکبیر فی العیدین

رجال:۔

مسلم بن عمرو وابوعمرو الحذاء المدنی صدوق ہیں۔

عبداللہ بن نافع ثقۃ صحیح الکتاب ہیں البتہ حافظہ میں ذرالین ہے۔کثیر بن عبداللہ ضعیف ہیں۔

عن ابیہ ہو عبداللہ بن عمرو بن عوف حافظ نے مقبول جبکہ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔

عن جدہ ای جد کثیر وہو عمرو بن عوف صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔☆

باب ماجاء فی القراءۃ فی العیدین

(1) کذا فی المغنی لابن قدامہ ص:۲۴۲ ج:۳ مسئلہ نمبر ۲۹۶ مکتبہ ہجر قاہرہ (2) صحیح بخاری ص:۸۳۵ ج:۲ ''باب مایوکل من لحوم الاضاحی الخ'' ایضاً مؤطا مالک ص:۱۶۵ ''الامر بالصلوٰۃ قبل الخطبۃ فی العیدین''

تشریح:۔

اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے علاوہ عید کی نماز میں تکبیرات زوائد ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ تکبیرات کتنی ہیں تو ائمہ ثلاثہ امام اسحٰق کے نزدیک کل بارہ تکبیرات ہیں۔ دلیل مذکورہ باب کی حدیث ہے البتہ امام مالک واحمد کے نزدیک اس روایت میں جو یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سات ہونگی تو اس سے مراد مع تکبیر تحریمہ ہے لہٰذا ان کے نزدیک پہلی رکعت میں زوائد چھ ہونگی دوسری میں بالاتفاق عندہم پانچ ہیں تو کل گیارہ ہونگی جبکہ عند الشافعی سات کی سات زوائد ہیں تو ان کے نزدیک زوائد کل بارہ ہیں۔

پھر یہ اس پر متفق ہیں کہ یہ دونوں رکعتوں میں قبل القراءۃ ہونگی اور یہ دونوں باتیں حدیث باب میں مصرح ہیں۔

جواب من عند الحنفیہ یہ ہے کہ اس میں کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے (1) ترمذی نے اگرچہ اس کی تحسین کی ہے مگر اس پر بعض نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تحسین صحیح نہیں۔

دلیل ۲:۔ ابوداؤد (2) میں عبداللہ بن عمرو ابن العاص کی حدیث ان کے مذہب کے مطابق ہے ہم اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے۔ (3)

دلیل ۳:۔ حدیث عائشہ ابوداؤد میں مروی ہے۔ (4)

جواب:۔ اس میں ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اتباع کا مذہب یہ ہے کہ تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ تین پہلی رکعت میں قبل القراءت اور تین دوسری رکعت میں بعد القراءۃ قبل الرکوع ہیں۔

دلیل:۔ ابوداؤد (5) میں ابوہریرہؓ کے شاگرد ابوعائشہ کی روایت ہے کہتے ہیں کہ سعید بن عاص نے

باب فی التکبیر فی العیدین

(1) کذا فی تہذیب التہذیب ص:۴۲۲ ج:۸ ایضاً سنن کبریٰ بیہقی ص:۲۸۵ ج:۳ ''باب التکبیر فی صلوٰۃ العیدین'' رواہ فی الحاشیۃ (2) ص:۱۷۰ ج:۱ ''باب التکبیر فی العیدین'' (3) میزان الاعتدال ص:۴۵۲ ج:۲ دار المعرفہ بیروت

(4) ص:۱۷۰ ج:۱ (5) حوالہ بالا

ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا اور حذیفہ بن یمان بھی بیٹھے تھے۔

کیف کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الاضحی والفطر؟ فقال ابوموسیٰ کان یکبر اربعاً تکبیرۃ علیٰ الجنائز فقال حذیفۃ صدقت فقال ابوموسیٰ کذالك کنت اکبر بالبصرۃ حیث کنت علیھم والیاً

اس پر جمہور کے طرف سے تین اعتراض ہیں۔

اعتراض ا:۔ اس میں عبدالرحمٰن بن ثوبان ضعیف ہے۔

جواب:۔ یہ مختلف فیہ راوی ہے اس کی تضعیف وتوثیق دونوں ہوئی ہے لہٰذا یہ درجہ حسن کے راوی ہے خصوصاً جبکہ بہت سارے صحابہ وتابعین کا مذہب بھی اسی کے مطابق ہے اور آپ کے پاس بھی ایسی دلیل نہیں جو اعتراض وجرح سے خالی ہو۔

ترمذی کا یہ کہنا کہ اس باب میں اچھی روایت بس یہی ہے تو اسمیں بھی کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے۔

اعتراض ۲:۔ اس میں ابوعائشہ مجہول ہے کما صرح بہ ابن حزم۔

جواب:۔ ابوعائشہ محمد بن ابی عائشہ اور موسیٰ بن ابی عائشہ کے والد ہیں اور ابن حجر نے اقرار کیا ہے کہ ان سے مکحول اور خالد دونوں روایت کرتے ہیں اور دو راویوں کی روایت سے جہالت ختم ہوجاتی ہے۔(6)

اعتراض ۳:۔ بیہقی نے کیا ہے کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہے نہ کہ مرفوع کہ اس میں ہے کہ سعید بن عاص نے ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا تھا اور حذیفہ بن یمان کے علاوہ ابن مسعود بھی بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ان سے پوچھو جب ابن مسعود سے پوچھا تو انہوں نے مذکورہ جواب دیا۔(7)

جواب ا:۔ ممکن ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اس وقت تادباً خاموش رہے ہوں اور بعد میں انہوں نے اس کو

(6) کذا فی المعارف ص:۴۳۹ ج:۴

(7) نقلہ فی الکبریٰ ص:۲۹۰ ج:۳ ''باب ذکر خبر الذی روی فی التکبیر اربعا'' اور یہ روایت مصنفہ عبدالرزاق ص:۲۹۳ ج:۲ رقم حدیث ۵۶۸۷ پر ہے۔

مرفوع کیا ہو۔

جواب ۲:۔ اگر یہ موقوف بھی ہوتو وہ موقوف جو مدرک بالعقل نہ ہوتو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

حنفیہ کی دلیل ۲:۔ بعض صحابہ وتابعین کے عمل سے ہے مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (8) میں ابن عباس ودیگر تابعین سے تین تین تکبیرات مروی ہیں۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں مغیرہ بن شعبہ انس اور ابن مسعود سے اس کے مطابق عمل مروی ہے۔ (9)

حنفیہ کی دلیل ۳:۔ ابراہیم نخعی کا اثر طحاوی (10) میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے وقت تکبیرات جنازہ کے لئے خاص حد مقرر نہ تھی پھر حضرت عمر نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اگر تم متفق رہے تو بعد کے لوگ اتفاق کریں گے ورنہ اختلاف کریں گے تو مشورہ طلب کیا تو کہا کہ آپ جیسا حکم فرمائیں انہوں نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح بندہ ہوں آپ مشورہ دیں تو بالاتفاق عید کی طرح چار تکبیرات مقرر ہوئیں اس میں اور اسی طرح کی دیگر روایات میں چار تکبیرات میں سے تین زوائد اور چوتھی تکبیر تحریمہ ورکوع مراد ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی امام تکبیرات زوائد تین سے زائد پڑھے تو بارہ تک مقتدی اس کی متابعت کرے کہ اس کا ثبوت ہے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں بلکہ افضلیت کا ہے۔ مؤطا (11) میں بھی امام محمد نے بارہ کو جائز قرار دیا ہے شاہ صاحب نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف بھی بغداد میں ہارون الرشید کے کہنے پر بارہ تکبیرات کہتے تھے۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر عید کی نماز میں واجب ہے اگر چہ دیگر نمازوں میں مسنون ہے لہٰذا ترک پر سجدہ سہو ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ عید میں چونکہ اجتماع بڑا ہوتا ہے اور لوگ دور سے آتے ہیں مسائل کا عموماً علم نہیں ہوتا لہٰذا عید کی نماز میں سجدہ سہو نہ کیا جائے کہ انتشار پھیلنے کا خطرہ ہے اور آواز بھی آخری صفوں تک نہیں پہنچے گی' آج کل چونکہ وہ علت باقی نہیں چونکہ لاؤڈ اسپیکر ہے تو سجدہ کرنا مناسب ہے۔

---

(8) ص:۱۷۴ ج:۲ ''باب التکبیر فی العیدین واختلافہم فیہ'' (9) مصنفہ عبدالرزاق ص:۲۹۳ ج:۲ (10) شرح معانی الآثار ص:۳۱۹ ج:۱ ''باب التکبیر علی الجنائز کم ہو'' (11) مؤطا محمد ص:۱۴۱ ''باب التکبیر فی العیدین'' فما اخذت بہ فہو حسن

باب لاصلوة قبل العیدین ولا بعده

صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں نوافل میں کوئی حرج نہیں وبہ یقول الشافعی وقال احمد عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں مطلقاً نفل مکروہ ہیں عند مالک عیدگاہ میں مکروہ ہیں قبل الصلوۃ وبعدہا فقہاء حنفیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں عام روایت یہ ہے کہ قبل الصلوٰۃ ممنوع ہیں مطلقاً یعنی سواء کان فی المصلی اوفی البیت حتیٰ کہ اشراق کا عادی بھی نہ پڑھے البتہ بعد صلوٰۃ العید گھر میں نوافل کی اجازت ہے نہ کہ مصلیٰ میں۔(1)

جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ سوی الشافعی کا استدلال باب کی روایت (2) سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عید صلوٰۃ عید کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی پھر ہر امام نے اسے اپنے اپنے مسلک پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب فی خروج النساء فی العیدین

حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابکار عواتق ذوات الخدور اور حیض کو عید کی نمازوں کے لئے نکالتے۔

ابکار جمع بکر کی ہے کنواری لڑکی کو کہتے ہیں۔ عواتق عاتق کی جمع ہے جو بالغ ہو چکی ہو یا قریب البلوغ ہو اس کو عاتق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ماں باپ کے قہر سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے کیونکہ والدین اس پر اس وقت

باب لاصلوٰۃ قبل العیدین وبعدہ

(1) چنانچہ روایات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے جیسے کہ ابن ماجہ میں ص:۹۲ ''باب ماجاء فی الصلوٰۃ قبل العید وبعدہا'' اس طرح ابن ابی شیبہ ص:۱۷۹ ج:۲ ''فیمن کان یصلی بعد العید اربعا'' بعد صلوٰۃ العید گھر میں نماز کا ثبوت ملتا ہے۔

(2) اس کے علاوہ روایات کے لئے رجوع فرمائے مصنفہ ابن ابی شیبہ ص:۱۷۷ ج:۲ اور معارف السنن ص:۴۴۴ ج:۴ اور طبرانی کبیر ج:۱۷ رقم الحدیث:۶۹۲۔ حنفی

شفقت کرتے ہیں یا اس لئے عاتق کہتے ہیں کہ بیرون خانہ کے امور سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے وقیل ھی من عتقت عن قھر ابویھما باستحقاق التزوج۔

خدور خدر کی جمع ہے بمعنی پردہ اور بیت کے آتا ہے مراد وہ ناحیۃ البیت ہے جہاں غیر شادی شدہ لڑکی پردے میں بیٹھتی ہو یہ کنایہ ہے ان عورتوں سے جن کا گھر سے باہر نکلنا کم یا نہیں ہوتا ہے۔

حیض بضم الحاء وتشدید الیاء جمع حائض۔

فاما الحیض فیتعزلن المصلی تو حائضہ عورتیں عیدگاہ سے دور رہتی تھیں یا اسلئے کہ صفوں کے اندر آنے کے صورت میں نماز تو نہیں پڑھ سکتی تھیں تو ان کی موجودگی سے صفوں میں خلل پڑ جاتا یا اس لئے کہ مصلی اگر چہ با قاعدہ مسجد نہیں ہوتا لیکن عند الصلوٰۃ اس کا حکم مسجد کی طرح ہوتا ہے کما ہو حکم فناء المسجد وموضع الجنازۃ یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے دوسری عورتوں کے کپڑے خون حیض سے ناپاک نہ ہوں یا بعض عورتوں کو حالت حیض میں تعفن لاحق ہوتا ہے جس سے دوسری عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

معارف میں ہے کہ دعوت سے مراد وعظ نصیحت ہے جو خطبہ وغیرہ میں ہوتا ہے اس سے مراد ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا نہیں تو مقصد یہ ہوا کہ حائضہ عورتیں اجتماع میں وعظ ونصیحت کے سننے اور اجتماع میں کثرت پیدا کرنے آتیں لیکن عین مصلی میں داخل نہ ہوتیں ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کے پاس جلباب نہ ہو جلباب بکسر الجیم بڑی چادر کو کہتے ہیں دوپٹے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا۔ وقیل جلباب قمیص کو کہتے ہیں جمع جلابیب آتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلتعر ہا اختہا من جلبابہا اخت سے مراد اسلامی بہن ہے نسبی نہیں یعنی اگر زائد ہو یا مبالغہ ہے یعنی وہ اپنی کسی بہن کے ساتھ ایک چادر میں مل کر آجائے تو یہ مبالغہ ہوگا کہ نماز عید کسی حالت میں نہ چھوڑے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ عورتیں جماعت کی نماز میں آسکتی ہیں یا نہیں؟ تو ایک قول استحباب کا ہے یہ قول حنابلہ میں سے ابو حامد کا ہے اور شافعیہ میں سے جرجانی اور بظاہر امام شافعی کا قول بھی اس کی طرف مشیر ہے۔

اس قول میں شابہ اور عجوز کا کوئی فرق نہیں ان حضرات نے اس سلسلے میں امر کے صیغے ندب پر حمل

کئے ہیں۔

دوسرا قول فرق بین العجائز والشواب ہے کہ عجائز کے لئے مستحب ہے وھوقول اکثر الشافعیۃ تبعاً لنص الشافعی فی المختصر۔

تیسرا قول مطلقاً اباحت کا ہے یہ امام احمد سے مروی ہے خواہ عجائز ہوں یا جوان۔

چوتھا قول عید کی نمازوں کے لئے نکلنا ضروری ہے یہ منسوب ہے ابوبکر الصدیق‘ حضرت علی وحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی طرف۔

پانچواں قول یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے یہ سفیان ثوری‘ حضرت عائشہ وابن مبارک کا قول ہے اور متاخرین جمہور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے وبہ یقول مالک وابویوسف والنخعی ویحی بن سعید الانصای امام ترمذی نے ابن مبارک سے روایت نقل کی ہے کہ عیدین میں بھی میں عورتوں کے لئے نکلنا پسند نہیں کرتا ہوں لیکن اگر کوئی عورت ضد کرے تو خاوند شرط لگائے کہ اطمار (جمع طمر بکسر الطاء پرانے کپڑے) میں نکلے بغیر زینت کے اگر پھر بھی عورت اصرار کرے تو روک لے۔

قال الگنگوہی فی الکوکب کہ چونکہ عورتوں کی طبیعت یہ ہے کہ وہ بغیر زینت کے نہیں نکلتی تو ترک زینت کی شرط سے وہ نہیں جائیگی یہی ابن مبارک کے قول کا مطلب ہے لہٰذا یہ روکنے کا حیلہ ہوا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کی عورتوں کے کاموں کا مشاہدہ کرتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح ان کو روک دیتے۔

قال سفیان الثوری کہ آج عورتوں کے لئے نکلنا مکروہ ہے حالانکہ ان کا زمانہ خیر القرون کا تھا آج کل فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے لہٰذا عورتوں کا گھر میں رہنا ضروری ہے اور اسی فتنے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وقرن فی بیوتکن“۔

باب ماجاء فی خروج النبی ﷺ فی طریق ورجوعه من طریق آخر

ائمہ اربعہ وجمہور کے نزدیک مستحب یہی ہے کہ عیدگاہ جس راستے سے آدمی جائے تو واپسی پر تبدیل کرے کماقال الترمذی تبعاً لھٰذاالحدیث کہ آپ نے ایسا کیا ہے تو ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیئے۔(1)

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی متعدد وجوہات ہیں(2) ایک یہ بیان کی گئی ہے تاکہ دونوں راستے قیامت کے دن گواہی دے دیں یا راستے میں جو لوگ دیکھیں کہ وہ گواہی دیں یا اس لئے کہ دونوں راستوں پر آباد لوگ آپ کی آمد کی برکت سے مستفید ہوں یا لوگ مسائل پوچھتے تھے تو ان کی سہولت کے لئے ایسا کرتے یا تاکہ دونوں راستوں کے فقراء پر کچھ صدقہ کردیں یا تاکہ دونوں راستوں کے اقرباء اور یا ان کی قبروں کی زیارت کرسکیں یا تاکہ اسلام کے شعائر کا اظہار ہوسکے یا اس لئے کہ منافقین ویہود کو غیظ دلاسکیں کہ مسلمانوں کا رعب ودبدبہ ان کی نظر میں آجائے یا اس لئے تاکہ منافقین وغیرہ کے مکروفریب سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر راستہ ایک ہو تو راستے کے ایک طرف جائے دوسری طرف سے آئے مثلاً دائیں طرف جائے اور بائیں طرف آئے۔

باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج

رجال:۔

ثواب بن عتبہ بفتح الثاء المثلثۃ وتخفیف الواو مقبول من السادسۃ۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ ان سے فقط یہی ایک روایت مروی ہے باقی کتب حدیث میں کوئی روایت نہیں۔☆

باب ماجاء فی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طریق ورجوعه من طریق آخر

(1) آپ کا یہ عمل صحیح بخاری ص:۱۳۴ ج:۱ "باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید" پر بھی مروی ہے۔

(2) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ص:۴۷۳ ج:۲ وعمدۃ القاری ص:۳۰۶ ج:۶

تشریح:۔

مستحب یہ ہے کہ عید فطر کے دن نماز عید سے پہلے آدمی کچھ کھائے پیئے اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ آدمی نماز تک کچھ نہ کھائے۔(1)

یہاں دو باتیں ہیں ایک یہ کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے کھانا کیوں مستحب ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ میٹھی چیز کیوں کھانا چاہیے؟

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رمضان کا مہینہ چل رہا تھا تو عید سے پہلے کچھ کھائے تاکہ روزے سے امتیاز حاصل ہو اور عید الاضحیٰ میں یہ علت موجود نہیں۔

یا اس لئے تاکہ عبدیت کا اظہار ہو کہ اب تک اللہ نے روکا تھا تو باوجود احتیاج کے نہیں کھا سکتے تھے اب جب اجازت ملی تو اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ کھائے۔ عید الاضحیٰ میں یہ علت نہیں۔ وہاں مستحب یہ ہے کہ آدمی اپنی قربانی سے کھائے لہٰذا قربانی کے گوشت تک آدمی کو امساک کرنا چاہیے۔

یا اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ عید کی نماز تک امساک ضروری ہوگا تو اس خدشے کو دور فرمایا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ میٹھی چیز سے نظر تیز ہو جاتی ہے چونکہ روزے کی وجہ سے نظر کمزور ہوتی ہے تو کوئی میٹھی چیز کھائے تاکہ نظر صحیح ہو جائے یا میٹھی چیز ایمان کے موافق ہے کہ ایمان بھی میٹھا ہے یا اس لئے کہ کھجوریں بلا تکلف مدینے میں دستیاب تھیں۔ دوسری چیز میں تکلف کرنا پڑتا ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز تک کچھ نہ کھانا سب کے لئے مستحب ہے چاہے اس کی قربانی ہو یا نہ ہو۔ مغنی (2) میں ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ جس کی قربانی ہو اس کو انتظار کرنا چاہیے جس کی قربانی نہ ہو اس کے لئے انتظار ضروری نہیں۔

باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج

(1) انظر معارف السنن ص:۱۵۱ ج:۴

(2) المغنی لابن قدامہ ص:۲۵۹ ج:۳ مسئلہ:۳۰۰

اَبوابُ السَّفرِ

باب التقصير فى السفر

رجال:۔

عبدالوہاب بن عبدالحکم صاحب احمد وقال احمد ”قل من یری مثلہ“۔

یحیی بن سلیم بالتصغیر عبیداللہ بن عمر سے روایت کرنے میں منکر ہیں باقی روایات قابل حجت ہیں ابن معین نے توثیق کی ہے نسائی نے کہا ہے ”لیس به باس وهو منكر الحديث عن عبيدالله بن عمر“۔

عبیداللہ ہوابن عمر العمری من الثقات الاثبات۔☆

تشریح:۔

سفر کے معنی ہیں کھلنے اور ظہور کے چونکہ سفر کی وجہ سے آدمی پر لوگوں کے حالات' علاقوں کی صورتحال واضح ہوجاتی ہے تو اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں وقیل لانہ یسفر العقل کہ سفر عقل کو بڑھاتا ہے عقل کھل جاتی ہے واضح اور روشن ہوجاتی ہے۔

پہلا باب امام ترمذی نے تقصیر فی السفر کے بارے میں باندھا ہے اور متعدد احادیث کی تخریج کی ہے ان سب سے تقصیر الصلوٰۃ فی السفر معلوم ہوتی ہے۔پہلی حدیث سے پہلا مسئلہ سفر میں فرائض کا قصر اور دوسرا مسئلہ کہ سفر میں رواتب کا حکم کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔

پہلے مسئلے کے بارے میں فرمایا کہ ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، شیخین اور عثمان کے ہمراہ سفر کیا ہے تو وہ ظہر' عصر دو دو رکعت پڑھتے تھے۔دوسرے مسئلے کے بارے میں فرمایا لایصلون قبلها و لا بعدها.اس لئے ابن عمر فرماتے ہیں لو كنت مصلياً قبلها او بعدها لاتممتها مطلب یہ ہے کہ اگر

سنن اسی طریقے سے اپنے حکم پر باقی رہتیں جس طرح حضر میں ہیں تو پھر نماز بھی پوری ہونی چاہئے تھی یعنی فرض نماز مقصد یہ ہے کہ حکم تقصیر نے فرض نماز میں ایک طرف عدداً کمی پیدا کردی تو دوسری طرف سنتوں میں حکم کے اعتبار سے تخفیف پیدا کردی یہ دوسرا مسئلہ آگے باب ماجاء فی التطوع فی السفر میں آرہا ہے۔

اس باب کے ساتھ متعلق مسئلہ تقصیر فی السفر ہے اس پر اجماع ہے کہ فجر ومغرب میں قصر نہیں اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ ظہر، عصر وعشاء میں قصر جائز ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس قصر کی حیثیت کیا ہے؟ اس میں حنفیہ کا ایک ہی قول ہے کہ قصر واجب ہے اور اتمام کرنے والا گناہ گار ہے اگر کسی نے چار رکعت پڑھی اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو اعادہ واجب ہے کہ قعدہ اولی فرض ہے۔ خطابی نے معالم میں اس کو اکثر کا مذہب قرار دیا ہے جیسا کہ تحفۃ الاحوذی میں ہے۔

امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ قصر فرض ہے مشہور روایت ان کی یہ ہے کہ قصر سنت ہے۔(1)

امام شافعی سے مروی ہے کہ قصر رخصت ہے اور اتمام عزیمت ہے اور افضل وبہتر یہی ہے کہ آدمی چار پڑھے۔

امام احمد سے ایک روایت فرضیت کی ہے کہ قصر فرض ہے دوسری روایت افضلیت تیسری سنیت کی ہے۔ ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انی اسئل اللّٰہ العافیة عن هذه المسئلة یعنی میں اس مسئلہ سے بچنا چاہتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں قصر کا قول کرتے ہیں اور اتمام کو جائز مانتے ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اتمام جائز ہی نہیں گویا اصل اختلاف حنفیہ وشافعیہ کے درمیان ہے۔

شافعیہ کے دلائل:۔(۱) قرآن کی آیت "واذاضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة" (2) استدلال فلیس علیکم جناح سے ہے کہ اس میں نفی حرج ہے اس کا مفہوم یہ ہے

(ابواب السفر) باب التقصیر فی السفر

(1) مزید تفصیل مذاہب کے لئے رجوع فرمائیے معارف السنن ص:۴۵۴ ج:۴ (2) سورۃ نساء رقم آیت:۱۰۱

کہ اتمام افضل ہونا چاہیے۔

جواب ۱:۔ یہ ہے کہ لا جناح کا اطلاق کبھی واجب پر بھی ہوتا ہے جیسے ”فمن حج البیت او اعتمر فلاجناح علیه ان یطوف بهما “ تو سعی واجب ہے حالانکہ لفظ لا جناح کا مستعمل ہے۔

جواب ۲:۔ جیسے کہ عائشہ نے اسی سعی بین الصفا والمروہ کے بارے میں غلط فہمی کے جواب میں دیا تھا کہ اگر وجوب کی نفی ہوتی تو یوں ہوتا ”فلاجناح علیه ان لایطوف بهما “ (ترمذی ص:۱۲۵ ج:۲)

جواب ۳:۔ چونکہ صحابہ نے یہ خیال کیا تھا کہ سفر میں قصر سے کوئی گناہ ہوگا تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں نہ نماز میں نقصان آتا ہے نہ گناہ ہے۔

جواب ۴:۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین کے اقوال دو طرح کے ہیں۔ قیل یہ آیت سفر سے متعلق ہے لیکن محققین مفسرین ابن جریر وابن کثیر وصاحب البدائع کہتے ہیں کہ یہ آیت صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے۔(3) وہو الراجح کہ قصر عدد پر تو اس آیت کے نزول سے پہلے بھی عمل ہوتا تھا لہٰذا یہ آیت قصر فی الکیف والصفۃ سے متعلق ہے یعنی نماز میں اسلحہ لینا وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ آگے فرمایا ”ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا “ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ مراد صلوٰۃ خوف ہے۔

اعتراض:۔ اگر یہ صلوٰۃ خوف سے متعلق ہے نہ کہ سفر سے تو اذا ضربتم فی الارض کی قید کیوں لگائی۔

جواب:۔ قال الشاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر نمازیں صلوٰۃ الخوف کی سفر میں واقع ہوئیں سوائے غزوہ خندق کے باقی یہ آیت قبل از غزوہ خندق ہے نزولاً یا بعدہ تو دونوں قول ہیں۔ لہٰذا یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

اعتراض:۔ اگر یہ آیت غزوہ احزاب سے پہلے نازل ہوئی ہو کما قالت بہ الحنفیۃ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب میں نماز قضاء کیوں فرمائی صلوٰۃ الخوف پڑھ لیتے۔

---

(3) کذا فی المعارف ص:۴۶۱ ج:۴

جواب:۔ چونکہ صحابہ زیادہ تھے تو وضو کرتے کرتے وقت نماز کا ختم ہو گیا تو نماز قضاء ہوئی۔

قال الشاہ یہ جواب ضعیف ہے کہ عصر کے وقت میں یہ توجیہ کی جا سکتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری نمازیں بھی قضاء ہوئیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ غزوہ احزاب کئی دنوں تک جاری رہا اور جو نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا ہوئیں تو یہ مسائفہ کا وقت تھا یعنی وقت قتال اور مسائفے کے وقت نماز ترک کرنا جائز ہے۔

اس پر شافعیہ کی طرف سے اعتراض ہے کہ مسلم (4) میں یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ چونکہ اب ہم مطمئن ہو چکے ہیں تو اب قصر کیوں ہے؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس طرح تمہیں تعجب لاحق ہے اسی طرح مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو فرمایا کہ صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے بھی اس آیت کو صلوٰۃ سفر سے متعلق سمجھا تو اس لئے ان کو شبہ درپیش ہوا۔

جواب:۔ جواز قصر سفر تو پہلے سے تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں یہ تقیید تھی کہ ان خفتم تو ان کو یہ شبہ درپیش ہوا کہ گویا اس آیت کی وجہ سے جو عموم قصر سفر تھا اس کی عمومت منسوخ ہو گئی اور صرف خوف کی صورت میں قصر ہو گا جہاں خوف نہ ہو گا تو قصر نہ ہو گا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ جواب فرما کر ان کو تسلی دی کہ یہ تقصیر مقید بالخوف نہیں جیسے کہ جواب سے ظاہر ہے۔

اور اہم بات یہ ہے کہ اس میں فاقبلوا صدقتہ امر ہے والامر للوجوب تو قصر کرنا واجب وفرض ہوا اور اتمام ناجائز۔

شافعیہ کی طرف سے اس پر یہ بھی اعتراض ہے کہ قصر تو اس آیت میں منصوص علیہ ہے تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ آیت قصر سفر کے بارے میں نہیں ہے۔

جواب:۔ اولاً یہ ہے کہ اس میں نفس قصر کی تنصیص ہوئی ہے نہ کہ قصر سفر کی۔

ثانیاً نقول اگر ہم تسلیم کریں کہ اس آیت میں قصر سفر کا بھی ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ اس آیت کے

---

(4) ص:۲۴۱ ج:۱ ”کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا“

اخیر میں قصر کیف کا بیان ہے یعنی صلوٰۃ الخوف اور شروع میں قصر کمیت کا ذکر ہے تو یہ بطور تمہید کے ہے اور تمہید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے معلوم ہو لہٰذا کہا جائے گا کہ قصر کم پہلے سے معلوم و معمول بہ تھا اور یہاں اس کا ذکر بطور تمہید ہے۔ یا اس لئے تا کہ دونوں قصرین کو ایک ساتھ جمع کیا جائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے وضو پہلے سے معلوم و معمول بہ تھا لیکن سورۂ مائدہ میں اس کو تیمم کے ساتھ جمع کر دیا تھا بطور تمہید و برائے مناسبت۔

شافعیہ کا دوسرا استدلال حضرت عثمان و عائشہ کے عمل سے ہے کما فی مسند احمد (5) وغیرہ کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں اتمام کیا تھا اسی طرح کما فی البخاری (6) عائشہ بھی اتمام کیا کرتی تھیں لہٰذا اگر اتمام جائز نہ ہوتا کما قالت الحنفیہ تو یہ حضرات اتمام نہ کرتے۔

جواب:۔ ایک یہ ہے جیسا کہ حضرت عروہ سے بخاری (7) میں روایت ہے انما تاولت عائشۃ کما تاول عثمان حضرت عروہ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس مرفوع حدیث نہ تھی بلکہ تاویل عثمان کی طرح تاویل کرتی تھی۔ البتہ یہ تشبیہ فی التاویل جنس تاویل میں ہے نہ کہ اتحاد میں کیونکہ دونوں کی تاویلیں الگ الگ تھیں۔

وہ تاویل کیا تھی؟ تو اس میں متعدد اقوال ہیں قال ابن بطال کہ ان دونوں کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصر پر عمل کیا تھا تو تیسیر أعلی الامۃ کہ قصر ایسر و اسہل ہے تو اتمام کو یہ حضرات عزیمت سمجھے کہ مشقت زیادہ ہے تو اس پر عمل کیا۔

لیکن زیادہ صحیح تاویل وہ ہے جو خود ان سے بیہقی (8) نے صحیح روایت کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب حضرت عروہ نے پوچھا ان سے تو فرمایا یا ابن اختی انہ لایشق علی کہ اتمام سے مجھ پر مشقت نہیں ہوتی۔

حضرت عثمان کی تاویل کے بارے میں متعدد روایات ہیں چنانچہ ایک قول امام زہری و ابراہیم نخعی سے یہ ہے کہ انہوں نے مکہ کو اپنا وطن بنالیا تھا۔

قال الزهری ان عثمان اخذ الاموال بالطائف قال النخعی اتخذها وطناً (ای مکة)

---

(5) مسند احمد ص:۷۰ ج:۱ رقم حدیث ۴۴۳ (6) صحیح بخاری ص:۱۴۷ ج:۱ ''باب الصلوٰۃ بمنیٰ''

(7) ص:۱۴۸ ج:۱ ''باب مایقصر اذا خرج من موضعہ'' (8) بیہقی کبریٰ ص:۱۴۳ ج:۳ ''باب من ترک القصر فی السفر الخ''

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے مکہ میں نکاح کیا تھا۔(9)

مگر اس جواب پر اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو مکے کو وطن بنانے سے منع فرمایا ہے دوسری بات یہ ہے کہ نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت میمونہ سے مکہ میں کیا تھا حالانکہ انہوں نے قصر نماز پڑھی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس جگہ کو انہوں نے وطن بنایا بھی تو انہوں نے ہر جگہ اتمام کیوں نہ کیا؟ اور عرفات اور مزدلفہ میں کیوں نہ کیا؟ اس لئے یہ تاویل ضعیف ہے۔

دوسری تاویل یہ منقول ہے کہ چونکہ وہ امیر المؤمنین تھے تو وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتے تھے مگر یہ تاویل بھی ضعیف ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وشیخین بھی اتمام فرماتے اور یہ خود بھی شروع خلافت میں اتمام فرماتے۔

تاویل ثالث یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے منی میں حضرت عثمان سے کہا۔

انی کنت رأیتك تقصر عاماً ماضیاً فقصرت السنة کلها زعماً منی ان الصلوٰة رکعتان

چنانچہ حضرت عثمان نے پھر اتمام شروع کیا کہ کہیں اعراب یہ نہ سمجھے کہ نماز دو رکعت ہیں۔

مگر اس تاویل پر یہ اعتراض ہے کہ یہ علت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وشیخین کے لئے بھی تھی مگر انہوں نے فریضے کو تبدیل نہ کیا۔

اعتراض ثانی یہ ہے کہ اگر اتمام ہی کرنا تھا تو رکعتین اخیرین بقول حنفیہ نفل ہیں تو ان کو اعلان کرنا چاہیے تھا۔ اس لئے ان تمام تاویلات کے بجائے بہتر بات یہ ہے کہ حضرت عثمان وعائشہ نے اپنے اجتہاد سے اتمام کو جائز سمجھا تھا لیکن اولاً تو ان کا یہ اجتہاد مرفوع احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ نے بھی ان کے اس اجتہاد کو قبول نہیں کیا لہٰذا ان کا عمل شوافع کے لئے حجت نہیں بن سکتا چنانچہ ابن مسعود کو جب اس کا پتہ چلا تو انہوں نے "اناللہ وانا الیہ راجعون" کہا۔(10)

شافعیہ کا تیسرا استدلال ابن مسعود کے عمل سے ہے کہ ابن مسعود نے حضرت عثمان کے پیچھے پوری نماز پڑھی ہے اگر اتمام ناجائز ہوتا تو ابن مسعود اتمام نہ فرماتے۔(11)

---

(9) تفصیل کے لئے رجوع فرمایئے فتح الباری ص:۵۷۰ و۵۷۱ ج:۲

(10) کذا فی صحیح البخاری ص:۱۴۷ ج:۱ (11) حوالہ بالا ایضاً سنن نسائی ص:۲۱۲ ج:۱ "باب الصلوٰۃ بمنی"

جواب ا:۔ شمس الائمہ سرخسی نے دیا ہے کہ جب حضرت عثمان نے مکے میں نکاح کیا اور وہاں گھر بنایا تو مقیم ہوئے لہٰذا ان پر چار رکعتیں فرض ہوگئی تھی۔ اس لئے ابن مسعود کا ان کے پیچھے چار رکعت پڑھنا جائز ہے کہ مقیم کے پیچھے مسافر کا اتمام اتفاقاً جائز ہے۔

اس جواب پر اعتراض ہے کہ ابوداؤد (12) میں ہے کہ ابن مسعود نے حضرت عثمان کے اتمام پر اعتراض کیا تھا اگر وہ مقیم تھے تو اعتراض کا کیا معنی؟

جواب:۔ امام سرخسی نے یہ دیا کہ ابن مسعود کا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ آپ اگر مقیم اور امیر المؤمنین ہیں لیکن منی میں دو رکعت پڑھنا سنت ہیں قصراً تو آپ کو امام بننے کے بجائے مقتدی بننا چاہیے تھا کہ سنت رسول زندہ ہوتی۔ مگر یہ جواب سابقہ اعتراض کی وجہ سے کمزور ہے۔ (فتذکر)

دوسرا جواب شاہ صاحب کا ہے کہ جب حضرت عثمان نے اپنے اجتہاد سے چار رکعت پڑھنے کا موقف اختیار کیا تو یہ اس مسئلے میں مجتہد بن گئے اور ایک مجتہد کے پیچھے دوسرے مجتہد کی نماز جائز ہے چنانچہ صحابہ ایک دوسرے کی اقتداء کرتے تھے حالانکہ وہ مجتہدین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابن مسعود سے پوچھا گیا کہ آپ عثمان پر عیب بھی لگاتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں تو فرمایا الخلاف شر۔

شافعیہ کا چوتھا استدلال روایت عائشہ سے ہے۔

اخرجه النسائی (13) والدارقطنی (14) قالت: اعتمرت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من المدینة الی مکة حتیٰ اذاقدمت بمکة قالت یارسول اللّٰہ ! بابی انت قصرت وتممت افطرت وصمت قال "احسنت یاعائشة وماعاب علی"

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت عائشہ اتمام کرتی تھی اور حضور نے عیب بھی نہیں لگایا۔

جواب:۔ ایک یہ ہے کہ جہاں تک نسائی کی روایت کا تعلق ہے تو اس میں علاء بن زہیر ضعیف ہے

(12) ص: ۲۷۷ ج: ۱ "باب الصلوٰۃ بمنی" (13) ص: ۲۱۳ ج: ۱ "باب المقام الذی یقصر بمثله الصلوٰۃ"
(14) ص: ۱۶۷ ج: ۲ رقم ۲۲۷۱ ایضاً رواہ البیہقی ص: ۱۴۲ ج: ۳ "باب من ترک القصر الخ"

دارقطنی کی روایت کی اگر چہ انہوں نے تحسین کی ہے مگر ابن حجرؒ ابن تیمیہ وابن قیم نے اس کی تضعیف کی ہے ابن قیم نے الہدیٰ (15) میں اپنے شیخ ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے ھو کذب علی عائشہ اتمام عائشۃ بحضور النبی صلی اللہ علیہ و سلم کہ حضرت عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرتیں یہ ممکن نہ تھا ابن حجر نے تلخیص الحبیر (16) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس لئے صحیح نہیں کہ جب عائشہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے تاویل کی کما روی عروۃ فی البخاری معلوم ہوا کہ ان کے پاس اگر حدیث مرفوع ہوتی تو بجائے تاویل کے وہ یہ کہتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتمام کرتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کرنا کما ہو الظاہر من لفظ الحدیث یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں اور کوئی عمرہ رمضان میں ثابت نہیں تو یہ روایت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے۔

جواباً شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ سفر فتح مکہ کا واقعہ ہوگا۔

جواب:۔ سفر فتح مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عائشہ نہیں تھیں کما صرح بہ ابن حجر فی فتح الباری بلکہ ہمراہ زینب وام سلمہ تھیں۔

قال الشاہ اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ واقعہ فتح مکے کا ہے اور اس سفر میں حضرت عائشہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں تو یہ مطلب نہیں کہ راستے میں اتمام کیا اور روزہ رکھا بلکہ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ایسا کیا اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں پندرہ سترہ یا اٹھارہ یا انیس دن تک قیام فرمایا بناء براختلاف روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے کہ ارادہ حنین جانے کا تھا لیکن تیاری میں اتنے دن لگ گئے عائشہ یہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہیں اس لئے وہ اتمام کرتی رہیں لہٰذا اس سے اتمام فی السفر پر استدلال نہیں ہوسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کا علم نہ تھا اس لئے اتمام کرتی رہیں اور اگر یہ بھی تسلیم ہو کہ عائشہ سفر میں اتمام کرتی رہی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا احسنت یا عائشہ از قبیل تحسین وتقریر نہیں حتیٰ کہ اس سے اجازت معلوم ہوجائے بلکہ از قبیل اغماض ہے چونکہ عائشہ کو مسئلے کا علم نہ تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراض نہ

---

(15) کذا فی المعارف ص:۴۵۸ ج:۴

(16) ص:۱۱۲ ج:۲ تحت رقم حدیث ۶۰۳

کیا اس کی مثال ایسی ہے کمافی ابی داؤد (17) کہ دو صحابہ مدینے سے باہر تھے نماز کا وقت آیا پانی نہیں تھا تو دونوں نے تیمّم کر کے نماز پڑھی پھر جب پانی ملا تو ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا نہ کہ دوسرے نے اور جب یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا تو جس نے اعادہ نہیں کیا تھا اس سے فرمایا اصبت السنۃ اور جس نے اعادہ کیا اس سے فرمایا لک الاجر مرتین حالانکہ پہلے کا عمل زیادہ صحیح تھا لیکن دوسرے کی بھی تصویب فرمائی کہ اس کو مسئلہ معلوم نہ تھا۔

شافعیہ کا پانچواں استدلال سنن دارقطنی کی روایت سے ہے وفیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کان یصوم ویفطر ویتم ویقصر۔(18)

جواب:۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے اگرچہ دارقطنی نے اس کی تصحیح کی ہے ابن قیم نے الھدی میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے ھذ اکذب علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم البتہ اس کی سند صحیح ہے لہٰذا یہ تاویل کی جائے گی کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے اصل روایت یوں تھی کان ای رسول اللّٰہ یقصر وتتم ای عائشۃ وکان یفطر وتصوم اس میں واحد مؤنث کے صیغے کو واحد مذکر بنایا گیا یہ مطلب نہیں کہ عائشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی وہمراہی میں دوران سفر اتمام فرماتی بلکہ راوی نے اختصار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قصر فرماتے اپنے سفر میں اور عائشہ اتمام فرماتی اور روزہ رکھتی یعنی وصال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔

چھٹا استدلال امام نووی نے مسلم (19) کی روایت سے کیا ہے۔

ان الصحابۃ کانوا یسافرون مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمنھم القاصر ومنھم المتم

عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں علامہ شوکانی سے نقل کیا ہے کہ لم یجد فی الصحیح المسلم قولہ خود مبارکپوری کہتے ہیں کہ ہم نے بھی اس روایت کو نہیں پایا اگر بالفرض یہ روایت مسلم میں ہو بھی تو وان ثبت وھو فعل الصحابۃ لم یحصل لہ تقریر النبی علیہ السلام۔(20)

---

(17) ص:۵۵ ج:۱ ''باب فی المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت'' (18) ص:۱۶۸ ج:۲ رقم الحدیث ۲۲۷۵ ایضاً سنن کبریٰ للبیہقی ص:۱۴۱ ج:۳ (19) کمافی شرح المسلم للنووی ص:۲۴۱ ج:۱ (20) تحفۃ الاحوذی ص:۱۰۶ ج:۳

حنفیہ کے دلائل وہ تمام روایات جو ترمذی میں مذکور ہیں دال بر قصر ہیں۔

دوسری دلیل:۔ بخاری (21) میں عائشہ کی حدیث ہے۔

قالت الصلوة اول مافرضت رکعتان فاقرت صلوٰة السفر واتمت صلوٰة الحضر

اور مسلم (22) کی روایت میں ہے وزید فی صلوٰة الحضر اس میں تصریح ہے اس بات کی کہ صلوٰۃ سفر اپنے اصل پر ہے اس میں نہ کوئی کمی ہوئی نہ زیادتی لہٰذا سفر کی دو رکعت پر اضافہ ایسا ہوگا جیسے حضر کی چار رکعت پر اضافہ۔

دلیل ۳:۔ نسائی (23) میں صحیح سند کے ساتھ عن عمر مروی ہے۔

صلوٰة السفر رکعتان تمام غير قصر علىٰ لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم۔

دلیل ۴:۔ ابن عباس کی روایت مسلم (24) ونسائی (25) میں ہے۔

ان الله عزوجل فرض الصلوٰة علىٰ لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم فى الحضر اربعاً وفى السفر ركعتين لفظه للنسائى۔

قال صاحب التحفہ ابن عباس دیانت دار ومتقی ہیں جب وہ اللہ سے حکایت کرتے ہیں تو ان کے پاس ضرور کوئی برہان ہوگی کہ یہ مدرک بالقیاس نہیں۔

دلیل ۵:۔ نقل ابن حزم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة السفر ركعتان من ترك السنة فقد كفر۔(26)

دلیل ۶:۔ عن ابن عباس نقله المحشى من صلى فى السفر اربعاً كمن صلى فى الحضر ركعتين وهو قول عمرو على وابن عباس وابن مسعود وجابر وابن عمر والثورى۔

---

(21) صحیح بخاری ص:۱۴۸ ج:۱ ”باب یقصر اذا خرج من موضعہ الخ“ وصحیح مسلم ص:۲۴۱ ج:۲

(22) حوالہ بالا (23) ص:۲۱۱ ج:۱ ”کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر“ (24) صحیح مسلم ص:۲۴۱ ج:۱ ”کتاب صلوٰۃ المسافرین الخ“

(25) ص:۲۱۲ ج:۱ ”کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر“

(26) روی بمعناہ عبدالرزاق فی مصنفہ ص:۵۲۰ ج:۲ رقم حدیث ۴۲۸۱ ایضاً طحاوی ص:۲۸۱ ج:۱ ”باب صلوٰۃ المسافر“

دلیل ۷:۔ یعلیٰ بن امیہ کی روایت مسلم (27) میں ہے۔

وفیہ صدقة تصدق اللّٰہ بها علیکم فاقبلوا صدقته والامر للوجوب لان فاقبلوا امرنقل صاحب التحفة عن الشوکانی قال الشوکانی فی آخر کلامه وقد لاح من مجموع ماذکرنا رجحان القول بالوجوب وامادعوی ان التمام افضل فمدفوعة بملازمته صلی اللّٰہ علیه وسلم للقصر فی جمیع اسفاره وعدم صدور التمام عنه (28)

مقصد یہ ہے کہ اتمام کی افضلیت کا قول باطل محض ہے کہ اس سے لازماً ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر ترک افضل کیا کہ ان سے اتمام ثابت نہیں حالانکہ آپ سے یہ بات مستحیل ہے بلکہ اگر اتمام جائز بھی ہوتا تو کم از کم ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے اتمام فرماتے کہ آپ مبین للاحکام تھے واذ لیس فلیس۔

باب ماجاء فی کم تقصر الصلوة

اس باب میں امام ترمذی نے اس ترجمہ میں کم کی تمیز ذکر نہ کی کہ آیا مدت مراد ہے یا مسافت مراد ہے؟ اگر مدت مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ کتنی مدت سے وہ قصر کرے سکے گا اور اگر مسافت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کتنی مسافت سے وہ قصر کرے گا اس ترجمہ میں دونوں تمیزوں کا احتمال ہے اس لئے عام شراح نے دونوں مسئلے زیر بحث لائے ہیں اگر چہ باب کی حدیث مدت کے بارے میں ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی میں اختلاف واقوال نقل کئے ہیں۔

مسافت کے اعتبار سے بھی اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ داؤد ظاہری ودیگر اہل ظواہر کہتے ہیں کہ ایک میل کی مسافت پر بھی آدمی قصر کرسکتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس بارے میں سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل کی روایت ہے حنفیہ کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں بعض میں تین دن کی مسافت ہے بعض میں تین مراحل امام ابویوسف سے ایک روایت دو یوم واکثر یوم ثالث ہے حضرت شاہ صاحبؒ عرف شذی میں

(27) ص:۲۴۱ ج:۱ (28) نیل الاوطار ص:۲۰۲ ج:۳

فرماتے ہیں کہ سولہ سے بائیس فراسخ تک کی روایات مشائخ حنفیہ سے مروی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔وفی قول ثمانیۃ واربعون میلاً وھوالمختار لانہ موافق لاحمد والشافعی میل سے مرادمیل ہاشمی ہے جو چھ ہزار گز ہے اور ایک گز درمیانہ چوبیس انگلیاں معترضات ہیں اور ایک انگلی کی مقدار درمیانہ چھ جو ہیں معترضات۔

مسافت ومدت کے بارے میں یہ جو اختلاف الائمہ ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ شارع سے کوئی تعیین مروی نہیں البتہ آثار سے ائمہ نے استدلالات کئے ہیں تاہم عند بعض اہل الظواہر تین میل کی مسافت میں وہ قصر کرے گا۔

دلیل ا:۔سابقہ باب میں ہے۔

عن انس صلينامع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم الظهر بالمدينة اربعاً وبذى الحليفة العصر ركعتين

مگر یہ استدلال نا قابل فہم ہے کیونکہ اگر چہ ذوالحلیفہ مدینے سے تین میل پر ہے مگر اس سے تین میل کی تحدید ثابت کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ تو حجۃ الوداع کے سفر کا قصہ ہے جس میں مکہ جانا مراد تھا یہ راستے کے پہلے پڑاؤ کا ذکر ہے نہ کہ تحدید کا۔

دلیل ۲:۔روی ابو داؤد (1) عن انس كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اذاخرج مسيرة ثلاثة اميال اوثلاثة فراسخ شك شعبة يصلى ركعتين۔

جواب:۔یہاں راوی کو میل اور فرسخ میں شبہ ہے اور شک سے تحدید ثابت نہیں ہوتی۔

پھر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر کی اجازت تب ہوگی جب وہ آبادی سے نکل جائے عند مالک فی روایۃ تین میل چل کر اس کے بعد وہ قصر کرسکتا ہے شاید ان کی نظر سابقہ باب میں حضرت انس کی روایت پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی۔

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر نزول فرمایا تو دو رکعت پڑھی اگر پہلے نزول فرماتے تو

باب ماجاء فی کم تقصر الصلوٰة

(1) ص:۱۷۷ج:۱''باب متٰی یقصر المسافر''

پہلے دو پڑھتے۔

البتہ مشائخ حنفیہ کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں مشہور یہ ہے کہ مصر اور فناء مصر سے نکل جائے تب قصر پڑھنے کا مجاز ہوگا۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ہے کہ بعض تابعین کا قول یہ ہے کہ عندارادۃ السفر گھر سے بھی قصر کرسکتا ہے قال ابن العربی نفس نیت سے آدمی مسافر نہیں بنتا بلکہ عملی سفر بھی اس کا رکن ہے گویا سفر دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) نیت (۲) عملی سفر۔

پھر اپنے شہر میں کوئی مسافر نہیں ہوتا لہٰذا سفر تب متحقق ہوگا کہ بہ نیت سفر اپنے شہر سے نکل جائے۔

جہاں تک مدت کا تعلق ہے تو اس بارے میں بھی ائمہ کے متعدد اقوال ہیں۔ نقل ابن العربی ثلاثۃ عشر قولاً نقل ابن منذر نحو عشرین قولاً البتہ ان میں سے بعض اقوال ضعیف استدلالات پر مبنی ہیں تو ان سے بحث زیادہ مفید نہیں۔

مشہور اقوال کما ذکرہ الترمذی اولاً سعید بن میبّب کا قول ذکر کیا ہے اذا اقام اربعاً صلی اربعاً روی ذالک عنہ قتادۃ وعطاء الخراسانی ان سے دوسری روایت پندرہ ایام کی ہے۔ ذکرہ الامام محمّد (2) فی الحجج دوسرا مذہب حضرت علی کا قول دس دن کا ہے۔ تیسرا قول سفیان ثوری اور حنفیہ کا ہے ان کے نزدیک اگر آدمی پندرہ دن کی اقامت کی نیت سے ٹھہرے تو پوری نماز پڑھے گا اس سے کم میں یا بغیر نیت کے پندرہ سے زائد میں بھی قصر کریگا مذہب رابع امام اوزاعی کا ہے کہ اذا اجمع علیٰ اقامۃ ثنتی عشرۃ اتم الصلوٰۃ۔

مذہب خامس ائمہ ثلاثہ کا ہے وقال مالک والشافعی واحمد اذا اجمع علیٰ اقامۃ اربع اتم الصلوٰۃ امام ترمذی نے ان سے ایک ہی قول نقل کیا ہے لیکن ان کے اقوال اس تحدید کے بارے میں مختلف ہیں۔

امام شافعی کے کئی اقوال ہیں۔ مشہور قول ان کا چار دن کا ہے اور اس میں دخول وخروج کا دن شمار نہیں کرتے۔

امام مالکؒ سے بھی چار دن کی روایت مشہور ہے البتہ دخول وخروج والے دن میں ان سے اقوال متعدد ہیں۔

---

(2) کذا فی معارف السنن ص:۴۷۵ ج:۴ وعلیہ الدلیل الذی ذکرہ فی کتاب الآثار ص:۴۹ ''باب الصلوٰۃ فی السفر''

امام احمد سے مشہور روایت اکیس نمازوں کی ہے۔

چھٹا مذہب امام اسحٰق کا ہے کہ اگر انیس دن کی نیت اقامت کر لی پھر تو اتمام کرے گا ورنہ قصر کرے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی مذاہب ہیں ربیعۃ الرائے کا مذہب یہ ہے کہ ایک شب وروز کی اقامت سے اتمام کرے گا ان تمام مذاہب میں سے سب سے تنگ مذہب سعید بن جبیر کا ہے کہ آدمی کسی قوم کے یہاں اتر جائے تو وہ اتمام کریگا۔ اور اوسع مذہب حسن بصری کا ہے کہ جب تک آدمی گھر واپس نہ آئے تو اس وقت تک وہ قصر کرے گا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسافر اگر کہیں اقامت کی نیت نہ کرے تو وہ قصر کرتا رہے چنانچہ قال الترمذی ثم اجمع اهل العلم علیٰ ان للمسافر ان یقصر مالم یجمع اقامة و ان اتی علیه سنون۔

اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تحدید مروی نہیں اور کسی کے پاس مرفوع حدیث نہیں۔

باب کی روایت میں جو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں دس دن قیام فرمایا تو یہ حج وداع کا موقعہ ہے نہ کہ فتح مکے کا کہ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سے زیادہ دن ٹھہرے تھے۔ یہ روایت ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے کہ وہ چار دن سے تحدید کرتے ہیں۔

وہ جواباً کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور پھر آٹھ کو وہاں سے منی کے لئے روانہ ہوئے تھے تو مکے میں فقط چار دن قیام ہوا اور راوی نے دس دن مکہ منی اور واپسی کے ایام ملا کر کہا ہے۔ اس توجیہ کے مطابق منی کو مکے سے باہر ماننا پڑے گا۔

اس کے بعد جو ابن عباس کی معلق روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اسفار میں انیس دن تک قیام فرمایا پھر بھی دو دو رکعت پڑھتے رہے اس سے مراد فتح مکے کا واقعہ ہے اسی روایت سے امام اسحٰق استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہاں قیام کا نہ تھا بلکہ حنین جانے کا تھا اس لئے آپ کو مقیم نہیں کہیں گے۔

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کتنے دن قیام فرمایا تو بعض روایات میں پندرہ

بعض میں سترہ اٹھارہ اور انیس دن تک کی روایات ہیں (3) تطبیق یوں ہوگی کہ بعض مرتبہ خروج ودخول کے دنوں کا اعتبار نہ کیا تو سترہ ذکر کیا بعض نے خروج کا اعتبار نہ کیا تو اٹھارہ ذکر کیا بعض نے دونوں کا اعتبار کیا تو انیس ذکر کیا پندرہ کی روایات میں جنگ سے پہلے کے تین دن کو شمار نہیں کیا گیا تو پندرہ ذکر کیا۔

شافعیہ وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دشمن سے مامون نہیں تھے کہ ہوازن ثقیف وغیرہ کے ساتھ ابھی معرکہ باقی تھا اگر چہ مکہ فتح ہو چکا تھا لہٰذا ان انیس دنوں کو قیام پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

دونوں جوابوں میں فرق یہ ہے کہ حنفیہ اسی طرح ابن عباس وابن عمر فتح مکہ کے قیام کا اعتبار کرتے ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک اقامت کی نیت نہیں تھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کی نیت فرماتے تو مقیم بن جاتے کیونکہ اگر چہ طائف میں دشمن موجود تھا مگر بہت دور تھا اس لئے فتح مکہ کے بعد مکہ ارض امن تھا۔ اور شافعیہ فتح کے باوجود مکہ کو ارض امن نہیں کہتے۔

حنفیہ کا استدلال قول ابن عمر سے ہے جسے امام ترمذی نے تعلیقاً ذکر کیا ہے وروی عن ابن عمر انه قال من اقام خمسة عشر یوماً اتم الصلوة یہی روایت ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ نسائی (4) طحاوی (5) ابن ماجہ (6) اور ابوداؤد (7) ان سب نے ابن عباسؓ سے پندرہ دن کی روایت نقل کی ہے موافقاً لابن عمر البتہ امام نووی نے خلاصہ میں ابن عباس کی پندرہ دن والی روایت کی تضعیف کی ہے کہ چونکہ اس کا راوی محمد بن اسحٰق ہے اس لئے نا قابل استدلال ہے۔

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ محمد بن اسحٰق حسان کے راوی ہیں کمامر لہٰذا ان کی روایت قابل استدلال ہے۔

جواب ۲:۔ ابن حجر نے امام نووی کا تعقب کرتے ہوئے فتح الباری میں دیا ہے فرماتے ہیں کہ اس میں

---

(3) چنانچہ ۱۹ کی روایت بخاری ص:۱۴۷ ج:۱ پر ہے اور ۱۸،۱۷، ۱۵ کی روایات ابوداؤد ص:۱۸۰ ج:۱ ''باب متیٰ یتم المسافر'' پر ملاحظہ فرمائیے۔ (4) نسائی ص:۲۱۲ ج:۱ ''باب المقام الذی یقصر بمثله الصلوٰة'' (5) طحاوی ص:۲۷۸ ج:۱ ''باب صلاة المسافر'' (6) ص:۷۵ ''باب کم یقصر الصلاة المسافر اذا اقام ببلدة'' (7) ص:۱۸۰ ج:۱

ابن اسحٰق منفرد نہیں بلکہ نسائی نے عراق بن مالک عن عبید اللہ کے طریق سے بھی اس کی تخریج کی ہے اور وہ طریق صحیح ہے اسی طرح ابن عباس کا فتویٰ بھی مؤطا مالک (8) میں پندرہ ایام کا ہے جو حنفیہ کے عین مطابق ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال سعید بن المسیب کے اثر سے ہے۔

نقله الترمذی وروی عن سعید بن المسیب انه قال اذااقام اربعاً صلی اربعاً۔

اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ سعید بن میتب کا قول کوئی مرفوع حدیث نہیں اور نہ ہی یہ صحابی ہیں تو ابن عمر و ابن عباس کا مذہب وفتویٰ واثر ان کے مقابلے میں زیادہ قابل تقلید ہے۔۔

جواب۲:۔ سعید بن میتب سے دوسرا قول پندرہ ایام کا ہے جسے امام محمد نے الحجج (9) میں نقل کیا ہے۔امام ترمذی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے وروی عنہ داؤد بن ابی ہند خلاف ہذا (وہو موافق للحنفیۃ)

باب ماجاء فی التطوع فی السفر

رجال:۔

صفوان بن سلیم مصغراً ثقہ ہیں۔ابی بسرة بضم الباء الموحدة وسكون السين مقبول من الرابعة ۔سیوطی فرماتے ہیں کہ تابعی ہیں مگر نام معلوم نہیں،ابن حبان نے توثیق کی ہے ان سے فقط یہی ایک روایت مروی ہے۔

واضح رہے کہ یہ ابو بصرہ بالصاد سے غیر ہیں ابو بصرۃ الغفاری صحابی ہیں جن کا نام حمیل بالتصغیر ہے۔☆

تشریح:۔

سفر میں نوافل اور رواتب کی حیثیت کیا ہے؟ تو امام نووی (1) نے اس میں تین اقوال نقل کئے ہیں

---

(8) کمافی نصب الرایہ ص:۱۹۰ ج:۲ ''صلاۃ المسافر'' (9) کذافی المعارف ص:۴۷۵ ج:۴

باب ماجاء فی التطوع فی السفر

(1) ذکرہ فی شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ص:۲۴۲ ج:۱

ایک قول منع مطلق کا ہے دوسرا قول جواز مطلق کا ہے۔اور تیسرا قول رواتب ونوافل میں فرق کا ہے۔

ابن حجر(2) نے اس پر دو اقوال کا اضافہ کیا ہے ایک سنن قبلیہ وبعدیہ میں فرق کا ہے کہ سنن قبلیہ پڑھ لے اور بعدیہ چھوڑ دے وجہ یہ ہے کہ سنن قبلیہ فرضوں سے اقامت کی وجہ سے منفصل ہو جاتی ہیں جبکہ بعدیہ میں اتصال ہوتا ہے تو شبہ اتمام پیدا ہوتا ہے۔

پانچواں قول دن اور رات کے نوافل ورواتب میں فرق کا ہے کہ دن کو نہ پڑھے رات کو پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

معارف السنن (3) میں علامہ بنوری نے لکھا ہے کہ مجھے امام ابوحنیفہ کا قول معلوم نہ ہوسکا ہے البتہ فقہاء حنفیہ کے اقوال اس بارے میں پانچ یا چھ ہیں۔

ایک یہ ہے کہ پڑھنا افضل ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ رخصت کو قبول کرتے ہوئے ترک افضل ہے۔

ہندوانی کا قول یہ ہے واختارہ شارح المنیۃ المصلی بل اکثر الحنفیۃ یرجو نہ کہ حالت سیر میں ترک افضل ہے اور عندالنزول پڑھ لے کہ ہوٹل وغیرہ میں اقامت ہو مثلاً۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سنن فجر کو اوکد ہونے کی وجہ سے پڑھ لے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کمافی ابی داؤد) لاتدعوھما وان طردتکم الخیل (4) اور ذکر خیل میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سفر میں بھی نہ چھوڑو کہ خیل عام طور پر سفر میں ہمراہ ہوتے ہیں۔

پانچواں قول یہ ہے کہ فجر ومغرب دونوں وقتوں کی سنت پڑھ لے باقی چھوڑ دے۔

چھٹا قول صاحب تجنیس کا ہے کہ عندالامن والاطمینان سنن پڑھ لے اور عندالخوف چھوڑ دے۔

علامہ شامی نے اس تجنیس کے قول کو ہندوانی کے قول کی طرف راجع کر کے ایک قرار دیا ہے تو اس طرح کل پانچ قول ہو جائینگے۔

---

(2) کمافی فتح الباری ص:۵۷۸ ج:۲ ''باب من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلاۃ'' (3) ص:۴۸۰ ج:۴

(4) ابوداؤد ص:۱۸۶ ج:۱ ''باب فی تخفیفہما''

امام ترمذی نے پہلا قول یہ نقل کیا ہے کہ فرای بعض اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یتطوع الرجل فی السفر وبہ یقول احمد واسحق۔

معارف میں ابن قدامہ(5) کے حوالے سے اس کو امام مالک وشافعی کا بھی قول قرار دیا ہے اور یہی بعض مشائخ حنفیہ کا بھی قول ہے۔

قول ثانی ترمذی نے یہ ذکر کیا ہے ولم یر طائفۃ من اہل العلم ان یصلی قبلہا ولا بعدہا قال الکنگوہی فی الکوکب کہ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں کہ قبل الفرض وبعدہ نماز پڑھنا جائز نہیں جائز تو ہے مگر وہ سنت نہیں اور اس سے پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ رواتب کی سنیت بھی باقی ہے مگر تاکید نہیں یعنی وہ تاکید نہیں جو حضر میں ہوتی ہے۔

معارف میں ابن تیمیہ وابن قیم سے مطلقاً منع منقول ہے قبلیہ بھی اور بعدیہ بھی یہ اقوال عموماً رواتب کے بارے میں ہیں ورنہ غیر رواتب سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اسی طرح صحیح سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ(6) نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر نے سفر مکہ میں سواری پر نماز پڑھی ہے۔

قال الشاہ رواتب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں کبھی کبھار ثابت ہیں لکن الاکثر اداء القبلیۃ لاالبعدیۃ وقیل ان الثابت عنہ علیہ السلام مطلق النافلۃ لیلاً ونہاراً وقیل ثبت النافلۃ المطلقۃ لیلاً لانہاراً واقوال آخر فی ہذہ المسئلۃ وفی البحر عمل محمّد بن الحسن انہ کان لایصلی الرواتب اذاکان فی حال السیر وکان یصلیہما فی حال النزول۔

البتہ بنوری صاحبؒ معارف میں فرماتے ہیں کہ مجھے یہ قول نہیں ملا بحر میں ابن عمر سے اس بارے میں روایات متعارض ہیں صحیحین(7) کی روایات جو ان سے مروی ہے اس سے انکار رواتب معلوم ہوتا ہے اور ترمذی کی روایت سے ثبوت معلوم ہوتا ہے کمانقلہ الترمذی وصلیت معہ فی السفر الظہر رکعتین وبعدہار کعتین اسی طرح مغرب کے بعد بھی دو رکعت پڑھنے کا ثبوت ہے اس میں متعدد طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے۔

---

(5) مغنی لابن قدامہ ص:۱۴۱ ج:۲ بحوالہ معارف السنن (6) کمافی فتح الباری ص:۵۷۸ ج:۲

(7) صحیح بخاری ص:۱۴۹ ج:۱ ''باب من لم یتطوع فی السفر الخ'' وصحیح مسلم ص:۲۴۲ ج:۱

ایک طریقہ یہ ہے کہ نفی کی روایات سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نہیں پڑھتے تھے اور ثبوت کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ احیاناً پڑھا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسی منزل میں کہ جہاں پر شغل نہ ہو فراغت اور جلدی نہ ہو تو پڑھ لیتے اور جلدی کی صورت میں یا شغل کی صورت میں چھوڑ دیتے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سائراً (چلتے ہوئے) پڑھتے تھے نہ کہ نازلاً۔ قال الگنگوہی فی الکوکب انکار کی روایت نفی تاکید پر محمول ہے اور اثبات کی روایت نفس ثبوت اور بغیر تاکید کے پڑھنے پر۔ تاہم آج کل بسوں کے سفر میں دوران سفر چونکہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے پھر یہ گاڑی نہ روکنے کا موجب وسبب بھی بن سکتا ہے اس لئے ترک اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

باب فی الجمع بین الصلوٰتین

رجال:۔

ابوالطفیل کا نام عامر بن واثلہ ہے صغار صحابہ میں سے ہیں غزوہ احد کے سال ان کی ولادت ہوئی سب سے اخیر میں علی القول الصحیح وفات پانے والے صحابی ہیں۔ تاریخ وفات علی الراجح ۱۱۰ ہجری ہے مکہ میں ان کا انتقال ہوا بعض روایات میں سے ہے کہ سب سے اخیر میں جابر بن عبداللہ جبکہ بعض میں ہے کہ انس وفات پانے والے اخیر صحابی ہیں۔(1) ☆

تشریح:۔

جمع بین الصلوتین کے بارے میں اگر چہ پوری تفصیل اسی مسئلے کے ضمن میں گذر چکی ہے یہاں ترمذی نے دوبارہ ذکر فرمایا اور اس میں حضرت معاذ کی حدیث کی تخریج کی جو غزوہ تبوک کے بارے میں ہے تبوک میں

باب فی الجمع بین الصلاتین

(1) تفصیل کے لئے رجوع فرمایئے تہذیب التہذیب ص:۸۲ ج:۵

مشہور یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے زیغ الشمس سے مراد زوال الشمس ہے۔

خلاصۂ روایات یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر تبوک میں سورج کے زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھ لیتے اسی طرح مغرب میں بھی اور اگر زوال کے بعد جانے کا ارادہ فرماتے تو عجل العصر الی الظہر وصلی الظہر والعصر جمیعاً مغرب میں بھی یہی عمل ہوتا تھا اسی باب میں آگے ابن عمر کا قصہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ انہ استغیث الاستغاثۃ ہو طلب الاغاثۃ ای طلب منہ الاغاثۃ اس سے مراد حضرت صفیہ بنت ابی عبید ہیں جو ان کی بیوی تھی جب وہ مدینہ سے باہر تھے تو سخت بیماری میں مبتلا ہوئی پیغام بھیجا کہ میں آخرت کے پہلے اور دنیا کے آخری دن میں ہوں اطلاع جب پہنچی فجد بہ السیر جد کا معنی اہتم بہ وأسرع یعنی جلدی سے نکلے تاہم وہاں پہنچنے پر اللہ نے ان کو شفا دی اور وہ زندہ رہیں یہاں تک کہ ابن عمر کی وفات کے بعد ان کا انتقال ہوا اس سفر میں اخر المغرب حتیٰ غاب الشفق ثم نزل فجمع بینہما پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس مسئلے میں چھ یا سات اقوال ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں اور اختلاف مذاہب بوجہ اختلاف روایات کے ہے بعض سے مطلق جمع کا پتہ چلتا ہے بعض سے جمع صوری اور بعض سے جمع حقیقی کا بعض محدثین نے بعض روایات کی تضعیف کی ہے بعض نے تصحیح اور بعض نے قیاس کو دخل دیا کہ عرفات و مزدلفہ میں بوجہ ضرورت جمع ہو سکتا ہے تو سفر و مطر میں بھی جمع ہو سکتا ہے۔

اس باب میں تمام روایات فعلیہ ہیں قولیہ نہیں۔ اکثر صحابہ و تابعین شافعی و احمد مطلق جمع کے قائل ہیں یعنی جمع تقدیم ہو یا تاخیر اسی طرح سائراً ہو یا نازلاً ہو مجداً ہو یا غیر مجداً۔

دوسرا مذہب امام ابوحنیفہ، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، اسود، ابن مسعود اور حضرت جابر کا ہے کہ سوائے مزدلفہ و عرفات کے باقی کسی بھی جگہ کسی بھی صورت میں جمع وقتی جائز نہیں البتہ جمع صوری کر سکتے ہیں۔

تیسرا مذہب امام مالک کا ہے کہ مجد سائر کے لئے جمع جائز ہے نہ کہ مجد غیر سائر کے لئے۔

مذہب رابع ابن حبیب مالکی کا ہے کہ جمع فقط سائر کے لئے جائز ہے نہ کہ نازل کے لئے۔

مذہب خامس اوزاعی کی طرف منسوب ہے کہ معذور کے لئے جمع جائز ہے۔

مذہب سادس یہ ہے کہ جمع تاخیر جائز ہے نہ کہ جمع تقدیم۔ یہ ایک روایت ہے امام مالک واحمد سے اسی کو ابن حزم نے پسند کیا ہے۔

ساتواں قول امام مالک سے مصریوں نے نقل کیا ہے کہ جمع مکروہ ہے۔

صاحب تحفہ نے لکھا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی ترک جمع افضل ہے۔

حنفیہ کے دلائل ومخالفین کے دلائل کے اجوبہ پہلے گذر چکے ہیں فلیراجع۔ البتہ مجوزین کی اقوی دلیل یہ معاذ بن جبل کی حدیث ہے جو مذکور فی الباب اولاً ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت اولاً نا قابل استدلال ہے ایک اس لئے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے قتیبہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس کے ساتھ لکھی تو انہوں نے کہا کہ خالد المدائنی کے ساتھ تو قال البخاری کان خالد المدائنی یدخل الاحادیث علی الشیوخ۔ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ کہ لیث بن سعد کے دوسو شاگردوں میں سے سوائے قتیبہ کے کوئی دوسرا اس کو روایت نہیں کرتا معلوم ہوا کہ کوئی علت خفیہ موجود ہے راوی سارے ثقہ ہیں۔ البتہ بعض وضاعین اپنے ہم نشینوں کو غلط احادیث سمجھاتے تھے تو خالد المدائنی احادیث وضع کر کے شیخ کے خط کے مشابہ لکھ کر شیخ کی کتاب میں رکھتا شیخ وہ سنادیتا کہ میرا خط ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے امام حاکم نے موضوعی قرار دیا ہے اور ابن حزم نے منقطع جیسا کہ علامہ عینی نے نقل کیا ہے۔(2)

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ یحی بن معین نے خالد المدائنی سے سنی ہوئی روایات کو جلا ڈالا قال ابوداؤد ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔

دوسری بات یہ ہے کہ طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت معاذ سے یہی روایت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ ظہر کو تاعصر مؤخر فرماتے (3) اس لئے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس ترمذی والی روایت کو بھی جمع صوری پر محمول کریں گے مقصد یہ ہوگا کہ جب بعد الزوال سفر فرماتے تو اس وقت پڑھنا مراد نہیں بلکہ ظہر کو مؤخر فرما کے جمع بین الصلوٰتین فرماتے۔ یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے تاکہ حضرت معاذ کی احادیث باہم

---

(2) عمدۃ القاری ص:۱۵۶ و ۱۵۷ ج:۷ (3) کمافی عمدۃ القاری حوالہ بالا

متعارض نہ ہوجائیں۔

اسی طرح عن انس صحیحین (4) میں مروی ہے کان اذاعجل به السير اخر الظهر الى وقت العصر۔

باب ماجاء فی صلوٰة الاستسقاء

رجال:۔

عبّاد بن تميم المدنى ثقة من الثالثة۔عن عمہ ان کے عم کا نام عبداللہ بن زید بن عاصم ہے۔☆

تشریح:۔

استسقاء کا معنی ہے طلب السقیاء ای المطر اوطلب السقی یعنی سیرابی طلب کرنا۔امام ترمذی نے یہاں متعدد احادیث کی تخریج کی ہے پہلی حدیث عبداللہ بن زید سے مروی ہے جس میں دو رکعت صلوٰۃ الاستسقاء کا ذکر ہے۔

دوسری حدیث ابی اللحم سے ہے تقریب میں ہے قيل اسمه عبدالله كان لاياكل اللحم مطلقاً اولحم الاصنام فلقب بابى اللحم وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار الزیت کے مقام پر دیکھا جو مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے فی القاموس سمیت لسواد احجارہا کانہاطلیت بالزیت۔

قال المدنی لوگ اس پر زیتون رکھ کر بیچا کرتے تھے اس لئے اس کو احجاز الزیت کہتے ہیں وہو مقنع بکفیہ ای رافع یدیہ۔

تیسری حدیث ابن عباس سے ہے جس میں ہے کہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج متبذلاً اى تاركاً للزينة قال ابن العربی کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پھٹے کپڑے پہنے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عید کی طرح تیاری اس کے لئے نہیں کی بلکہ معمول کے کپڑوں میں نکلے۔

---

(4) صحیح بخاری ص:۱۵۰ ج:۱ "باب یؤخر الظہر الی العصر الخ" صحیح مسلم ص:۲۴۵ ج:۱ "باب جواز الجمع بین الصلاتین فی سفر" ولفظہ لصحیح مسلم ہکذا "اذا عجل علیہ السفر یؤخر الظہر الی اول وقت العصر الخ"

استسقاء کا ثبوت کتاب اللہ، سنت واجماع تینوں سے ہے۔

کتاب اللہ کی آیت یہ ہے "فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً"۔ (1)

سنت سے صحیح احادیث سے کئی مرتبہ استسقاء ثابت ہے جن کی تعداد کم از کم چھ تک ہیں۔ ان میں بعض سفر میں اور بعض حضر میں نیز امت کا بھی اس پر اجماع من غیر نکیر ثابت ہے۔

استسقاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دعاء کی جائے جس میں نہ نماز ہو نہ خطبہ ہو۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ خطبہ جمعہ یا فرض نماز کے بعد دعاء ہو جائے۔ یہ قسم پہلی قسم سے افضل ہے۔

(۳) تیسری صورت جو افضل ترین ہے وہ یہ کہ دو رکعت دو خطبوں کے ساتھ پڑھی جائے نماز سے پہلے صدقہ دیا جائے روزہ رکھا جائے اور توبہ کی جائے۔

پہلی قسم ترمذی کی ابی اللحم کی روایت سے ثابت ہے۔ دوسری قسم انس کی حدیث جو صحیحین (2) میں مروی ہے اس سے ثابت ہے۔ تیسری قسم حضرت زید کی حدیث سے ثابت ہے۔

مختصر القدوری وغیرہ (3) میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صلوٰۃ الاستسقاء مسنون نہیں بعض کتب میں ہے کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء میں نماز نہیں تو بعض نے یہ مطلب سمجھا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صلوٰۃ استسقاء بدعت ہے کما فی العارضۃ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہاں طرق مختلف ہیں کما مر۔

تو ائمہ ثلاثہ نے نماز کو اصل قرار دیا اور دعا کو جائز جبکہ امام نے دعا کو اصل قرار دیا ہے جبکہ نماز جائز' نفس مسنون یا مستحب ہے سنت مؤکدہ نہیں۔ لہٰذا امام کیطرف بدعت کے قول کی نسبت صحیح نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اختلاف ہوا ہے خطبے کے بارے میں کہ اس میں خطبہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک ہے یا دو؟ بنا بر ہر تقدیر

باب ما جاء في صلاة الاستسقاء

(1) سورۃ نوح رقم آیت: ۱۰ و ۱۱ (2) صحیح بخاری ص: ۱۳۷ ج: ۱ "باب الاستسقاء فی المسجد الجامع" صحیح مسلم ص: ۲۹۳ ج: ۱ "صلاۃ الاستسقاء" (3) ص: ۳۶ "باب صلاۃ الاستسقاء"

خطبہ نماز پر مقدم ہے یا مؤخر؟ اسی طرح تحویل رداء ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت ہے؟ علیٰ ہذا القیاس اس میں تکبیرات کالعیدین ہونگی یا نہیں؟ امام عند الخطبۃ متوجہ الی القبلہ ہوگا یا الی القوم؟ یہ سارے اختلافات اس بات کی علامت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معین طریقہ ثابت نہیں۔ چنانچہ امام احمد اور امام ابو یوسف ایک خطبہ کے قائل ہیں۔ امام مالک امام شافعی اور امام محمد دو خطبوں کے قائل جو کہ بعد الصلوٰۃ ہونگے۔

صلوٰۃ الاستسقاء میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک قراءت سری ہوگی صاحبین وائمہ ثلاثہ کے نزدیک قراءت جہری ہوگی البتہ جہر ان کے ہاں مسنون ہے واجب نہیں۔

تحویل رداء میں امام ابو یوسفؒ کے اقوال مختلف ہیں امام محمد فرماتے ہیں کہ تحویل رداء فقط امام کے لئے ہے اور یہی مذہب لیث اور بعض مالکیہ کا ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک امام اور قوم سب کے لئے ہے۔

پھر تحویل کس وقت کی جائیگی تو ابن الماجشون کے نزدیک جب خطبے کا کچھ حصہ ہو جائے ابن القاسم کی روایت میں ہے کہ خطبہ ختم ہونے کے بعد اور یہ امام شافعی کا بھی مذہب ہے۔ امام مالک کی مشہور روایت بھی اسی کے مطابق ہے قیل تحویل دونوں خطبوں کے درمیان ہوگی۔

مسلم (4) کی ایک روایت میں ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء

اس روایت کی بناء پر بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ صلوٰۃ الاستسقاء کی دعا میں ہاتھوں کو اس طرح رکھے کہ بطون زمین کی طرف ہوں اور ظہور آسمان کی طرف۔

قال النووی (5) قالت جماعة من اصحابنا وغیرھم ان السنة فی کل دعاء لرفع البلاء کالقحط اوغیرہ ان یرفع یدیه ویجعل ظھر کفیه الی السماء واذادعا لسوال شیئ وتحصیله جعل بطن کفیه الی السماء

حاصل یہ کہ جو دعاء طلب وتحصیل شیء کے لئے ہو تو اس میں بطون اکف آسمان کی طرف ہونگے جیسے کہ کوئی چیز آپ لے رہے ہیں اور جو دعاء دفع مضرت کے لئے ہو جیسے بلاء قحط سالی ودشمن وغیرہ تو اس میں بطون

---

(4) ص:۲۹۳ ج:۱ (5) شرح النووی علیٰ صحیح مسلم حوالہ بالا

زمین کی طرف ہونگے جیسے کوئی آدمی کسی چیز کو دفع کر رہا ہے۔ وہو روایۃ عن مالک وبہ قال صاحب البحرمن الاحناف امام احمد سے بھی اس کے مطابق قول مروی ہے البتہ ایک جماعت مذاہب اربعہ میں سے اس بات کی قائل ہے کہ استسقاء وغیرہ میں اسی طرح رفع ایدی ہوگا جس طرح عام ادعیہ میں ہوتا ہے جیسے دعائے حاجت کی طرح کہ بطون کفین سماء کی طرف ہونگے۔

اور جواب مسلم کی روایت کا یہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد رفع بلیغ ہے کہ بہت زیادہ اٹھائے تھے اس توجیہ سے یہ اشکال بھی رفع ہوا کہ صحیحین کی بعض روایت میں (6) ہے کہ کان النبی صلی الله علیه وسلم لایرفع یدیه فی شئ من دعائه الافی الاستسقاء وجہ رفع یہ ہے کہ مراد رفع سے رفع بلیغ ہے کہ کسی اور دعاء میں اتنا مبالغہ نہیں کیا نفس رفع ایدی کیا ہے۔ تاہم اس جواب سے شرح صدر نہیں ہوتا ہے۔

صلوٰۃ الاستسقاء میں تکبیرات کا مسئلہ بھی اختلافی ہے قال الشافعی کہ استسقاء میں بھی عیدین کی طرح تکبیرات ہونگی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ کل بارہ تکبیرات ہونگی۔ عندالجمہور فقط اس میں تکبیر تحریمہ ہے زوائد نہیں۔

دلیل شافعی یہ ہے کہ دارقطنی (7) مستدرک حاکم (8) اور بیہقی (9) کی ایک روایت ابن عباس سے ہے جس میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیروں کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اول یہ ہے کہ آپ کی مستدل روایت محمد بن عبدالعزیز وابوہ عبدالعزیز دونوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جواب ثانی یہ ہے کہ یہ روایت روایت انس جو قوی ہے اس کے ساتھ معارض ہے رواہ الطبرانی (10) کہ لم یکبر فیہما الاتکبیرۃ۔

---

(6) کمافی المستدرک للحاکم ص:۳۲۷ ج:۱ ''تقلیب الرداء والتکبیرات والقراءۃ فی صلاۃ الاستسقاء''

(7) دارقطنی ص:۵۳ ج:۲ رقم الحدیث ۱۷۸۲ (8) ص:۳۲۶ ج:۱

(9) بیہقی کبریٰ ص:۳۴۸ ج:۳ ''باب الدلیل علیٰ ان السنۃ فی صلاۃ الاستسقاء الخ''

(10) بحوالہ نصب الرایہ ص:۲۴۸ ج:۲

باب فی صلوٰۃ الکسوف

رجال:۔

اسود بن قیس ثقۃ من الرابعۃ۔ ثعلبۃ بن عباد بروزن کتاب مقبول ہیں۔ میزان میں ہے کہ تابعی ہیں۔ ابن المدینی فرماتے ہیں کہ یہ مجاہیل سے روایت کرتے ہیں۔☆

تشریح:۔

کسوف تغیر کو کہتے ہیں اور خسوف یا خسف الارض نیچے کی طرف جانے کو کہتے ہیں قال اللّٰہ تعالیٰ "فخسفنا بہ وبدارہ الارض" اور خسف المنیر ذہاب النور کو کہتے ہیں۔ قال بعض اہل اللغۃ ان الکسوف والخسوف لفظان مترادفان تو ہر ایک پر دوسرے کا اطلاق ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسوف عام ہے دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے سورج گرہن ہو یا چاند گرہن ہو جبکہ خسوف چاند گرہن کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کسوف سورج گرہن کے لئے جبکہ خسوف چاند گرہن کے لئے استعمال ہوتا ہے فقہاء کی اصطلاح اسی کے مطابق ہے۔

سورج اس وقت گرہن ہوتا ہے جب ناظر اور سورج کے درمیان چاند حائل ہو جائے اور چاند اس وقت گرہن ہوتا ہے جب سورج اور چاند کے درمیان کرہ ارض حائل ہو جائے تو جتنے حصے پر زمین کا سایہ پڑے گا اتنا حصہ چاند کا گرہن ہوگا۔

قال ابن العربی فی العارضہ کہ صلوٰۃ کسوف انیس راویوں سے منقول ہے امام ترمذی نے بھی تقریباً سولہ نام رواۃ کے ذکر کئے ہیں۔

جمہور اصحاب سیر کے نزدیک کسوف شمس سن دس ہجری میں واقعہ ہوا اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدنی دور میں فقط مرۃ گرہن ہوا ہے اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جماعت کرائی ہے تاہم چہ طریق جماعت' کیفیت صلوٰۃ کے بارے میں کافی تعارض ہے جسکا حل آگے آرہا ہے بعض حضرات تطبیق یوں دیتے ہیں کہ یہ تعدد واقعات کی وجہ سے ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ واقعہ فقط ایک دفعہ

ہوا ہے کیونکہ جتنے راوی صلوٰۃ کسوف کا خطبہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ بلکہ اللہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں چونکہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اور عرب میں یہ عقیدہ تھا کہ سورج و چاند کسی بڑے آدمی کی موت پر منکسف اور منخسف ہو جاتے ہیں تو اس غلط عقیدے کو باطل کیا۔

لہٰذا جو لوگ کسوف کو متعدد واقعات پر حمل کرتے ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ حضرت ابراہیم کی وفات بار بار تو نہیں ہوئی ایک مرتبہ ہوئی اسی طرح دس سال کے اندر متعدد سورج گرہن بہت مستبعد ہے۔

علاوہ ازیں محمد پاشا المصری الفلکی نے اپنے رسالہ نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام میں لکھا ہے کہ کسوف شمس دور نبوی میں ایک دفعہ ہوا ہے اور اس میں دن اور وقت کا بھی تعین کیا ہے البتہ خسوف قمر کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض میں چار ہجری بعض میں سن پانچ ہجری کا ذکر ہے۔ پھر الہدی (1) میں ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ چاند گرہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت نہیں لیکن ابن حبان نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ جماعت ہوئی تھی لہٰذا حنفیہ کی کتابوں میں جو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاند گرہن میں جماعت نہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جماعت مؤکدہ نہیں کمافی کسوف الشمس۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو روایات باہم متعارض ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ چاند گرہن رات کو ہوتا ہے اور رات کو لوگوں کا اجتماع مشکل ہے اور اس میں حرج ہے والحرج مدفوع فی الشرع بخلاف کسوف کے کہ یہ دن کو ہوتا ہے اور روایات صحیحہ سے جماعت ثابت بھی ہے اور اجتماع الناس میں حرج بھی نہیں تو اس میں جماعت ہوگی۔

البتہ اس میں جماعت کی حیثیت کیا ہے؟ تو عندالجمہور صلوٰۃ کسوف سنت مؤکدہ ہے بعض مشائخ حنفیہ نے اس کو واجب قرار دیا ہے امام مالک سے مروی ہے کہ اس کا حکم جمعہ کی مانند ہے بعض نے اس کو فرض کفایہ قرار دیا ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت کی شرط یہ ہے کہ امام جمعہ والاعیاد موجود ہو اور وہی جماعت کرائے بصورت دیگر لوگ فرادی فرادی نماز پڑھیں گے۔ پھر فرادی پڑھنے میں دو روایات ہیں ایک یہ کہ دو ہی

باب فی صلاة الكسوف

(1) اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کہ کسوف قمر میں جماعت نہیں دیکھئے عمدۃ القاری ص:٦٦ ج:٧

رکعت پڑھیں دوسری روایت میں چار رکعت پڑھیں پھر چار کی صورت میں دو سلام ہوں یا ایک؟ دونوں قول ہیں البتہ دو رکعت والی روایت ظاہر الروایۃ ہے پھر انجلاء تک دعاء مانگیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بر دو قسم است ایک صفات جمالیہ دوسری صفات جلالیہ عبادات کا ان دونوں صفات سے گہرا تعلق ہے اس لئے عبادات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو محبوبیت کا اثر ہوں جیسے روزہ ہے حج ہے روزے میں عبد صفات جمالیہ کی بناء پر اپنی محبت کا اظہار یوں کرتا ہے کہ کھانا پینا اور دیگر خواہشات ترک کر دیتا ہے اور حج میں مخصوص لباس پہن کر اور عاشقوں سی ہیئت بنا کر مال بھی خرچ کرتا ہے وقت بھی لگاتا ہے اور جسمانی تعب و مشقت بھی برداشت کرتا ہے اور نماز صفات جلالیہ کا اثر ہے کہ بندہ پوری طہارت کے حصول کے بعد مخصوص انداز سے ادب کے ساتھ مناجات کرتا رہتا ہے اپنے رب کی ثناء کے بعد رکوع و سجود میں تذلل و عاجزی میں انتہاء کو پہنچ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں کہ فجر کے وقت کائنات میں بڑی تبدیلی روشنی کے پھیلنے کی صورت میں آتی ہے سورج جیسا عظیم جسم رونما ہوتا ہے اس وقت عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ جلال خداوندی کو تسلیم کر کے اپنے عجز کا اظہار کیا جائے جس کی بہترین صورت سجود ہے علیٰ ہذا القیاس زوال کے وقت یہ کرہ عظیمہ پورے عروج کے بعد روبہ زوال ہو جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز نقطہ عروج کے بعد سقوط اختیار کرتی ہے عصر کے وقت اس کا رنگ پیلا ہونے لگتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ایک نہ ایک دن انسان بھی بڑھاپے کا شکار ہو جائے گا اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جس کے بعد پھر انسان فناء ہو جائے گا اور عند الغروب بھی نماز فرض کی گئی کیونکہ وہ کرہ (شمس) جب غروب ہوتا ہے تو یہ بہت بڑے انقلاب کا اثر ہے۔

اسی طرح عشاء میں روشنی مکمل ختم ہوئی اور اندھیرا چھا گیا تو ان اوقات میں انسان پر نماز فرض کی گئی تا کہ جلال خداوندی کا اظہار کر سکے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا رأیتم آیۃ فاسجدوا ابن عباس سے کسی نے کہا کہ بعض ازواج مطہرات کا انتقال ہو گیا تو فوراً سجدے میں گر گئے کسی نے کہا کہ یہ کونسا وقت ہے نماز پڑھنے کا تو جواباً فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رأیتم آیۃ فاسجدوا

اور انتقال ازواج مطہرات سے بڑی نشانی کیا ہوسکتی ہے۔(2) ترمذی میں اسی اصول کے تحت جب سورج یا چاند گرہن ہو جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللّٰہ وانہما لاینکسفان لموت احد ولالحیاته فاذاراتیم من ذالك شیئاً فصلوا کاحد ث صلوٰۃ مکتوبۃ صلیتموھا نسائی (3)

لہٰذا اس سے بعض ملاحدہ کا وہ اعتراض رفع ہوا کہ سورج و چاند کا گرہن تو معلوم حساب کے مطابق ہوتا ہے تو اس میں نماز پڑھنے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟

وجہ دفع ظاہر ہے اس طرح کہ زوال طلوع وغروب وغیرہ کے وقت نماز اگر پڑھی جاسکتی ہے تو اس وقت نماز میں کیا مضائقہ ہے رہا مسئلہ گھبرانے کا تو چونکہ یہ نشانی طلوع وغروب کی بہ نسبت بہت بڑی ہے اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت کو بھی متحضر کر کے سورج و چاند پر قیاس کرے کہ جب ان اجسام کبار کا معمول بگڑ سکتا ہے اور یہ اللہ کے حکم کے آگے بے بس ہیں تو ہم ان سے کروڑ ہا درجہ کمزور ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امم سابقہ معذبہ پر اکثر عذاب جو آئے ہیں تو وہ بھی معمول کی اشیاء کی شکل میں کبھی بادل دیکھا تو خوش ہوئے حالانکہ وہ عذاب تھا کبھی بارش ہوئی تو خوش ہوئے حالانکہ اس میں طوفان عظیم تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے قہر سے بے خوف ہونا ایمان کے منافی ہے۔"فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون" الآیۃ (4) اس لئے یہ کہا جائے گا کہ جس آدمی پر اتنی بڑی نشانی کی وجہ سے بھی اثر نہ ہو تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔خسوف اور کسوف میں بڑی حکمتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں البتہ جو حکمت ظاہر ہے وہ یہ کہ اس سے سورج چاند کے پرستاروں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تم جس کو معبود سمجھتے ہو وہ کمزور ہے۔

اس باب کے متعلق جو اہم بحث ہے وہ اس نماز کے طریقے کے بارے مین ہے تو روایات میں چھ

---

(2) ترمذی ص:۲۲۹ ج:۲ "باب فی فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

(3) ص:۲۱۹ ج:۱ "نوع آخر" (4) سورۃ اعراف آیت:۹۹

طریقے مروی ہے۔

(۱) ایک رکوع کے ساتھ (۲) دو رکوع فی رکعۃ (۳) تین رکوعات (۴) چار رکوعات (۵) پانچ رکوعات، یہ صرف دو رکعتوں میں (۶) دو دو رکعت پڑھتے رہیں اور پوچھتے رہیں کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں تو جب تک گرہن باقی ہو تو دو دو رکعت پڑھتے رہیں۔

حنفیہ کے نزدیک پہلا طریقہ جو عام نمازوں کے مطابق ہے یہی متعین ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر رکعت میں دو دو رکوع ہونگے تو دو رکعت میں چار رکوع ہونگے۔

دلیل ان کی وہ روایات ہیں جن میں ایک ایک رکعت میں دو دو رکوع کا ذکر ہے اور ایسی روایات سنداً صحیح بھی ہیں۔ (5)

حنفیہ کا استدلال اول عن ابی بکرۃ رواہ البخاری۔

خسفت الشمس علیٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج يجر رداء ه حتىٰ انتهى الى المسجد وثاب اليه الناس فصلى بهم ركعتين۔ (6) ولفظ النسائی فصلی رکعتین کماتصلون (7)

دلیل ثانی: ۔ نسائی میں حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے۔

وفيه فصلى فقام كاطول قيام ماقام بنا فى صلوٰة قط مانسمع له صوتاًثم ركع بنا كاطول ركوع ماركع بنافى صلوٰة قط مانسمع له صوتاً ثم سجدبنا كاطول سجود ماسجد بنافى صلوٰة قط لانسمع له صوتاً ثم فعل ذالك فى الركعة الثانية مثل ذالك (8)

---

(5) ان کے دلائل کے لئے رجوع فرمایئے صحیح مسلم ص:۲۹۶ ج:۱ "کتاب الکسوف" اور صحیح بخاری ص:۱۴۳ ج:۱ "باب صلاۃ الکسوف جماعۃ" اور صحیح بخاری ص:۱۴۳ ج:۱ "باب طول السجود فی الکسوف" ایضاً صحیح مسلم ص:۲۹۹ ج:۱ ایضاً سنن نسائی ص:۲۱۸ ج:۱ "باب کیف صلاۃ الکسوف" وغیرہ من الاحادیث (6) ص:۱۴۵ ج:۱ "باب الصلاۃ فی کسوف القمر" (7) ص:۲۲۳ ج:۱ "باب الامر بالدعاء فی الکسوف" (8) ص:۲۱۸ و ۲۱۹ ج:۱ "نوع آخر"

دلیل ثالث:۔ نسائی (9) میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا انسفت الشمس والقمر فصلوا کا حدث صلوٰۃ صلیتموہا احدث صلوٰۃ یعنی تازہ ترین (صلوٰۃ الفجر) مراد ہے یعنی دو رکعت نماز۔

دلیل رابع:۔ حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی کی روایت ہے یہ بھی نسائی (10) میں مروی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ الفاظ مروی ہیں۔

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللّٰہ وانہما لاینکسفان لموت احد ولالحیاتہ فاذارایتم من ذالك شیئاً فصلوا کاحدث صلوٰۃ مکتوبۃ صلیتموھا

دلیل خامس:۔ محمود بن لبید کی روایت ہے جو مسند احمد (11) میں مروی ہے۔

وفیہ فقام (یعنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم) فقراء بعض الذاریات ثم رکع ثم اعتدل ثم سجد سجدتین ثم قام ففعل مثل مافعل فی الاولیٰ

اس پر یہ اعتراض ہے کہ محمود بن لبید کا سماع از حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اولاً تو علامہ نیموی (12) نے التعلیق الحسن میں دلائل سے ان کا سماع ثابت کیا ہے۔ ثانیاً اگر ان کا سماع ثابت نہ بھی ہو تو روایت زیادہ سے زیادہ مرسل ہو جائے گی جو ہمارے نزدیک حجت ہے خصوصاً وہ مرسل جس کی تائیدات موجود ہوں جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہوتی ہے۔

مذکورہ تمام روایات میں فقط دو رکعت کا ذکر ہے اس میں کثرت رکوع کا کوئی ذکر نہیں۔

شافعیہ کی مستدل کا جواب حنفیہ یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف میں بہت زیادہ لمبا رکوع فرمایا تھا اس لئے بعد کی صف والوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب اُٹھ چکے ہونگے چنانچہ انہوں نے جب سر اٹھایا تو ان سے پیچھے لوگ کھڑے ہوئے تو جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رکوع میں ہی ہیں تو دوبارہ رکوع میں چلے گئے ان سے جو پیچھے تھے تو وہ یہ سمجھے کہ دو رکوع ہو گئے۔ یہ جواب اگرچہ مشہور ہے

---

(9) ص:۲۱۹ ج:۱ نوع آخر ''من کیف صلاۃ الکسوف'' (10) ص:۲۱۹ ج:۱ نوع آخر (11) مسند احمد ص:۱۶۰ ج:۹ رقم حدیث ۲۳۶۹۱ ولفظہ فقرأ فیما نریٰ بعض الرکتاب ثم رکع الخ'' (12) دیکھئے تعلیق الحسن ص:۳۲۲و۳۲۳

مگر قوی نہیں کیونکہ ابن عباس کی مذکور روایت میں ثم رکع ثم قراء ثم رکع کی تصریح ہے جس میں مذکور تاویل کی گنجائش نہیں۔

صحیح جواب یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد رکوع ایک ہی رکعت میں فرمائے ہیں مگر یہ ان کی خصوصیت پر محمول ہے جس کو رکوعات صلوتیہ نہیں کہیں گے بلکہ رکوعات تخشعیہ کہیں گے وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رایتم آیۃ فاسجدوا کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کیا کرو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نماز میں جنت وجہنم کا نظارہ کرایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت وجہنم کے عجیب مناظر دیکھ لئے تھے' یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے ہو جاتے کبھی پیچھے ہٹتے تو جب بھی کوئی ایسا منظر دیکھتے تو رکوع فرماتے نماز کے اندر جیسے کہ سجدہ تلاوت کی جگہ رکوع بھی کافی ہو جاتا ہے اسی طرح کسی نشانی کی خبر سننے یا دیکھنے پر بھی رکوع کافی ہو جاتا ہے جیسے ''خررا کعاً واناب'' میں بعض مفسرین نے یہی بات نقل کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت اور نشانی کو دیکھ کر رکوع تخشعاً فرماتے نماز میں رکوع ایک ہی ہے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا فاذا رایتم من ذالک شیئاً فصلوا کما رایتمونی بلکہ فرمایا کا حدث صلوٰۃ جو کہ فجر ہے اور اسمیں اتفاقاً ایک ہی رکوع ہے۔

شافعیہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ فجر کی نماز کے ساتھ تشبیہ عدد رکوع میں نہیں بلکہ عدد رکعات میں ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر یہ مطلب ہوتا تو اتنے لمبے جملے کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختصراً فرماتے کہ فصلوا رکعتین یا فصلوا کما رایتمونی نہ کہ اتنا طویل جملہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسند بزار (13) میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی سورج گرہن ہوا تھا تو انہوں نے دو رکعت ایک ایک رکوع کے ساتھ پڑھائی حالانکہ حضرت عثمانؓ صف اول کے صحابہ میں سے ہیں اور انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کسوف دیکھی تھی مگر پھر بھی ایک رکوع کیا معلوم ہوا کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب مثل حنفیہ لیتے تھے۔

اعتراض از جانب شافعیہ یہ ہے کہ ہماری روایات مثبت للزیادۃ ہیں جبکہ آپ کی روایات ساکت یا نافی

(13) مسند بزار کے علاوہ یہ حدیث مسند احمد مجمع الزوائد معجم طبرانی کبیر میں بھی ہے بحوالہ مسند ابی یعلیٰ ص:۲۷۸ ج:۴ رقم حدیث ۵۳۷۳

ہیں اور ترجیح مثبت للزیادۃ کو ہوتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر اسی اصول پر چلیں گے تو آپ کو دو سے زائد رکوع کو ماننا پڑے گا اور روایت میں دو سے زائد پانچ تک رکوعات فی رکعۃ ثابت ہیں۔

ان روایات پر اگرچہ ابن تیمیہ نے کلام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اول تو ان کی اسناد اتنی ضعیف نہیں ہیں جو قابل استدلال ہی نہ ہوں جیسے کہ ترمذی کی روایت میں حدیث حسن صحیح کہا ہے حالانکہ اس میں تین رکوع کا ذکر ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ وصح عنہ انہ صلی ست رکعات فی اربع سجدات یعنی دو رکعت میں چھ رکوع وہذا عند اہل العلم جائز ان تطاول الکسوف الخ۔

اس کے علاوہ اصول یہ ہے کہ اگر ایک روایت میں سنداً کچھ ضعف بھی ہو مگر وہ عندالاسلاف معمول بہ ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی اس طرح ہے کہ دو سے زائد رکوعات پر اسحٰق بن راہویہ اور امام ابن خزیمہ کا عمل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دو سے زائد رکوعات والی روایات کم از کم ان کے نزدیک قابل استدلال ہیں۔

پھر امام شافعی کے نزدیک خسوف القمر میں بھی اس طرح جماعت ہوگی جس طرح کسوف الشمس میں ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک خسوف القمر میں جماعت نہیں کمامر۔

باب کیف القراءۃ فی الکسوف

صلوٰۃ کسوف میں قراءت جہراً ہوگی یا سراً؟ تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے امام احمد امام اسحٰق اور روایت غیر مشہورہ کے مطابق امام مالک اور صاحبین صلوٰۃ کسوف میں جہر بالقراءۃ کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ امام شافعی امام مالک فی روایۃ مشہورۃ اور جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک اخفاء بالقراءۃ ہوگی۔

امام نووی نے امام مالک سے قراءت سراً کی روایت مطلقاً نقل کی ہے اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔

ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے کہ امام مالک سے مصریین کی روایت اخفاء قراءت کی ہے اور مدنیین کی روایت جہر کی ہے۔ ابن جریر کے قول میں جہر و سر دونوں میں اختیار ہے۔

اصولی طور پر تو اخفاء ہونا چاہئے کہ نہار مظہر جلال خداوندی ہے اور لیل مظہر جمال باری تعالیٰ ہے ظہور جمال میں آدمی زور سے بول سکتا ہے لیکن عندالجلال آدمی زور سے بولنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لئے دن میں نمازیں سری ہوا کرتی ہیں البتہ جو لوگ جہر بالقراءت کے قائل ہیں ان کے بقول جب دن کو جمال کا ظہور ہوگا تو جہر بالقراءۃ ہوگا چونکہ عندالکسوف بھی رات کا سماں ہوتا ہے تو کسوف مظہر جمال ہوا لہٰذا جہر ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ کسوف میں اگر چہ روشنی کم ہو جاتی ہے لیکن نفس کسوف مظہر جلال خداوندی ہے تو اخفاء مناسب ہے۔

جو لوگ جہر کے قائل ہیں ان کی دلیل اس باب میں حدیث عائشہ ہے۔

عن عائشه ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم صلی صلوۃ الکسوف وجهر بالقراء ة فیها

جمہور کی دلیل مذکورہ باب میں حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث ہے۔

قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی کسوف لانسمع له صوتاً (1)

اس پر فریق مخالف کی جانب سے یہ کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ سمرہ بن جندب نے قراءت نہ سنی ہو کہ صلوٰۃ کسوف میں مسجد نبوی بھر گئی تھی۔

جواب:۔ یہ احتمال ناشی عن غیر دلیل ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں۔

دلیل ثانی:۔ صحیحین میں ابن عباسؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں۔

فقام قیاماً طویلاً نحواً من قراء ة سورة البقرة(2)

اور معجم طبرانی میں عن ابن عباس ہے۔

قال صلیت الی جنب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوم کسفت الشمس فلم اسمع له قرائة(3)

باب کیف القراء ة فی الکسوف

(1) یہی روایت سنن نسائی میں بھی ہے ص:۲۲۲ ج:۱ ''کتاب الکسوف'' (2) صحیح بخاری ص:۱۴۳ ج:۱ ''باب صلاۃ الکسوف جماعۃ'' صحیح مسلم ص:۲۹۸ ج:۱ ''کتاب الکسوف'' (3) کذا فی مجمع الزوائد ص:۴۴۵ ج:۲ رقم الحدیث ۳۲۶۴

طبرانی کی روایت عن ابن عباس پر صاحب تحفہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت عائشہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

جواب یہ ہے کہ عن ابن عباس فی الصحیحین قوی ہے اور طبرانی کی روایت بھی قابل استدلال ہے۔

ابن عباس کی روایت کے بعض طرق (4) میں ہے کہ میں نے ایک حرف تک نہیں سنا حالانکہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ میں پہلو میں کھڑا تھا۔ تو اگر قراءت جہراً ہوتی تو نحواًنہ فرماتے بلکہ قَرَأَ سورۃ البقرۃ فرماتے۔

دلیل ۲: محمود بن لبید کی روایت جو مسند احمد (5) میں ہے وفیہ ثم قام فقَرَأَ فیما نری بعض ''الر کتاب'' اس میں فیمانری کا لفظ دال ہے اس پر کہ یہ بات انہوں نے ظناً کہی نہ کہ یقیناً معلوم ہوا کہ قراءت سری تھی۔

جمہور کی طرف سے جواب از حدیث عائشہؓ یہ ہے کہ اس میں سفیان بن حسین روایت کرتے ہیں زہری سے اور اس کی روایت زہری سے ضعیف ہے لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ اس روایت کے اور بھی متابع موجود ہیں قیل فی الجواب سمرہ کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ مرد ہے رجال کی صف میں کھڑے تھے اور عائشہ نساء کی صف میں تھیں لہٰذا سمرہ کو اس بارے میں علم زیادہ حاصل ہے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء عائشہ نے حجرے کے اندر کی ہو۔

لہٰذا صحیح جواب یہ ہے کہ عائشہ کی روایت ابوداؤد (6) میں بھی آئی ہے اس میں ہے فحزرت قراتہ فرأیت انہ قرأ سورۃ البقرۃ مطلب یہ ہے کہ میں نے اندازہ لگایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا جو تقریباً سورۃ بقرہ جتنی قراءت کی ہوگی پھر راوی نے اسکو جہر پر محمول کرکے وجہر کہہ دیا اور یہ توجیہ اس لئے ناگزیر ہے تاکہ عائشہ کی دونوں روایات میں تعارض نہ آئے۔

یا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا جہر کیا ہوگا جس کو یہ روایت کرتی ہیں اور اکثر واصل قراءت سراً تھی جس کو سمرہ روایت کرتے ہیں اور یا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت خسوف قمر سے متعلق ہے نہ کہ کسوف شمس سے اور کمامر کسوف کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے البتہ متاخرین فقہاء حنفیہ کہتے

---

(4) کذافی روایۃ مسند ابی یعلیٰ ص:۵۷۶ ج:۲ رقم حدیث ۲۷۳۷ ایضاً اخرجہ احمد حوالہ بالا ایضاً سنن کبریٰ بیہقی ص:۳۳۵ ج:۳

(5) مسند احمد ص:۱۶۰ ج:۹ رقم حدیث ۲۳۶۹۱ (6) ص:۱۷۵ ج:۱ ''باب القراءۃ فی صلاۃ الکسوف''

ہیں کہ اگر امام لوگوں کے تھک جانے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو جہر بالقراءت کر سکتا ہے۔

باب ماجاء فی صلٰوۃ الخوف

رجال:۔

عن سالم عن ابیہ ابیہ سے مراد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔☆

تشریح:۔

صلٰوۃ الخوف اصح قول کے مطابق اولاً غزوہ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی جو علیٰ قول الجمہور سنہ۴ ہجری میں واقع ہوا۔(1)

اس کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ یہ غزوہ جس پہاڑ کے دامن میں ہوا تو اس میں مختلف رنگ ہیں اور یوں لگتا ہے کہ کہ اس کو مختلف ٹکڑوں سے مرقع کیا گیا ہے۔اور یا اس لئے کہ اس غزوہ میں صحابہ کے پاؤں پھٹ گئے تھے تو انہوں نے پاؤں پر کپڑے باندھ لئے تھے یا اس لئے کہ صحابہ نے اس غزوہ میں جو جھنڈے بنا رکھے تھے تو چونکہ وہ مختلف ٹکڑوں کے تھے اس لئے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔وفیہ اقوال اخر(2)

بعض اصحاب سیر کہتے ہیں کہ یہ غزوہ سنہ۵ ہجری میں ہوا ہے سنہ۶ ہجری اور سن ۷ ہجری بعد الخیبر کی بھی روایات ہیں۔

اس باب میں تین مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ صلٰوۃ الخوف کے لئے فقط حضور العدو کافی ہے یا حقیقی خوف شرط ہے؟ تو عند الحنفیہ خوف ہو یا نہ ہو فقط حضور العدو کے وقت صلٰوۃ الخوف جائز ہے۔جبکہ عند الشافعیہ حقیقی خوف جواز صلٰوۃ کے لئے شرط ہے فقط اقبال العدو کافی نہیں۔

وہ استدلال کرتے ہیں ان خفتم کے لفظ سے۔ہم کہتے ہیں کہ کبھی سبب کو قائم کرتے ہیں علت کی جگہ

باب ماجاء فی صلاۃ الخوف

(1) دیکھئے عمدۃ القاری ص:۲۵۵ ج:۶ (2) کمافی حاشیۃ البخاری رقم:۱ص:۵۹۲ ج:۲

جیسے کہ نفس سفر قائم ہوتا ہے مشقت کی جگہ اور مبیح للقصر ہوتا ہے اور نوم قائم ہوتی ہے خروج ریح کی جگہ نقض وضو میں اسی طرح حضور عدو قائم ہے خوف حقیقی کی جگہ۔

مسئلہ ثانیہ یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف آیا فقط قصر کیف کا نام ہے یا قصر کم کا بھی اس پر اطلاق ہوتا ہے؟ بالفاظ دیگر خوف صرف قصر کیف کے لئے مبیح ہے یا قصر کم کے لئے بھی؟ تو ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک صلوٰۃ خوف میں فقط قصر کیف ہوگا نہ کہ قصر عدد لہذا مقیم کے لئے چار رکعت اور مسافر کے لئے دو رکعت پڑھنا لازمی ہوں گی۔

ابن عباس اور اسحٰق بن راھویہ یہ کہتے ہیں کہ صلوۃ خوف سفر میں ایک رکعت ہوگی یعنی قصر کیف کے ساتھ قصر کم بھی ہوگا۔

دلیلہما اس باب میں اخیری روایت سے ہے۔

نقلہ الترمذی تعلیقاً وروی عن غیر واحد ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی باحدی الطائفتین رکعةً رکعةً فکانت للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکعتان ولهم رکعةً رکعةً

جواب یہ ہے کہ رکعۃ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں جماعتوں نے ایک ایک امام کے ساتھ پڑھی اور ایک ایک الگ پڑھی۔

اگر بالفرض ایک ایک رکعت پڑھی ہو تو پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے کہ بعض روایات میں ہے کہ چار رکعت پڑھائی یعنی سفر میں اور صحابہ کی دو دو رکعت ہوئیں تو جس طرح دو رکعت نفل ہیں اور نفل میں صحابہ کی اقتداء جائز تھی بناء پر خصوصیت لہٰذا ایک ایک رکعت ان کے لئے جائز ہوگی بنا بر خصوصیت۔

مسئلہ ثالثہ یہ ہے کہ آیا صلوٰۃ الخوف کا حکم اب بھی باقی ہے یا ختم ہوگیا؟ تو امام مزنی کے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور فی روایۃ عند الحسن البصری یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

امام مزنی کے پاس نسخ کے لئے کوئی قوی دلیل نہیں۔ امام ابو یوسف وحسن بصری کا استدلال قرآن کی اس آیت سے ہے ”واذا کنت فیہم فاقمت لہم الصلوٰۃ“ (3) یہ خطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

---

(3) سورۃ نساء رقم آیت: ۱۰۲

عندالجمہور یہ خصوصیت نہیں تھی اور یہ حکم اب بھی باقی ہے لہٰذا یہ نہ منسوخ ہے اور نہ خصوصیت پر محمول ہے۔

امام ابو یوسف کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ایسے امثال بہت ہیں کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو مراد پوری امت ہو۔

جمہور کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ نے متعدد غزوات میں صلوٰۃ الخوف ادا کی ہے اور کسی نے نکیر نہیں کی تو اجماع سکوتی ہے۔(4)

از اں جملہ ایک عبدالرحمٰن بن سمرہ کی کابل میں صلوٰۃ الخوف ہے حضرت خزیمہ کی صلوٰۃ الخوف طبرستان میں پڑھنا ہے یہ دونوں روایات سنن ابی داؤد(5) میں مروی ہیں۔

بیہقی (6) میں ہے کہ حضرت علی نے بھی صفین میں صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے ابوموسیٰ اشعری نے اصفہان میں پڑھی ہے۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں روایت نقل کی ہے سعد بن ابی وقاص نے بھی صلوٰۃ الخوف طبرستان میں ادا کی ہے اسی طرح بخاری (7) میں ابن عمر کی روایت ہے جس سے عموم معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی میں حضرت سہل ابن ابی حثمہ کی موقوف روایت ہے جس میں ہے یقوم الامام مستقبل قبلتہ یہ الفاظ بھی بقاء پر دلالت کرتے ہیں۔

البتہ عندالجمہور اس کی کیفیت میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ الخوف کا فقط ایک طریقہ مروی نہیں بلکہ کئی طرق مروی ہیں جس کی تعداد بقول ابن العربی کے چوبیس تک پہنچتی ہے ان میں سے سولہ کو صحیح قرار دیا ہے۔(قالہ فی القبس) قال الگنگوہی فی الکوکب کہ طرق پچیس ہیں بغیر بیان طریق کے یہاں ترمذی میں دو روایات ہیں ایک ابن عمر کی اور ایک سہل بن ابی حثمہ کی ان دو روایات سے تین طریقے معلوم ہوتے ہیں اور یہی تین طریقے زیادہ مشہور ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ امام لوگوں کی دو جماعتیں بنائے ایک جماعت کے ساتھ شروع کر کے ایک رکعت

(4) مندرجہ ذیل مقامات کے علاوہ بھی صحابہ سے صلاۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے تفصیل کے لئے رجوع فرمایئے تخریج علیٰ درس ترمذی ص:۳۵۵ ج:۲ (5) ص:۱۸۴ ج:۱ ''باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعۃ الخ'' اور طبرستان والی روایت ''باب من قال یصلی بطائفۃ رکعۃ ولا یقضون'' کے تحت مروی ہے۔ (6) بیہقی کبریٰ ص:۲۵۲ ج:۳ ''باب الدلیل علیٰ ثبوت صلاۃ الخوف الخ''
(7) صحیح بخاری ص:۶۵۰ ج:۲ سورۃ بقرہ ''باب قولہ عزوجل فان خفتم فرجالاً الخ''

پڑھے اگر سفر ہے یا دو پڑھے اگر حضر ہے پھر یہ طائفہ اپنی نماز پوری کر کے لوٹ جائے اور وہ جماعت جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ پیچھے آ کر مع الامام نماز شروع کرے امام ان کا انتظار کرتا رہے پھر جب امام کی نماز پوری ہو جائے گی تو عندالمالکیہ امام سلام پھیر دے اور لوگوں کے سلام کا انتظار نہ کرے اور لوگ اپنی نماز مسبوق کی طرح پوری کریں۔ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک امام ان کے سلام کا انتظار کرے گا۔

یہ طریقہ حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت ترمذی میں مذکور ہے۔ البتہ یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک موقوف دوسرا مرفوع امام مالک نے موقوف کو ترجیح دی ہے جبکہ شافعیہ وحنابلہ نے مرفوع کو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جب مرفوع ہو تو اس پر عمل مقدم ہوتا ہے بہ نسبت موقوف کے لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ موقوف اوفق بالاصول ہے کیونکہ امام تابع نہیں ہوتا بلکہ متبوع ہوتا ہے تو اگر یہ مقتدیوں کا انتظار کرے تو امام تابع بن جائیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ غیر مدرک بالقیاس ہے تو موقوف بحکم مرفوع ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے پھر یہ جماعت تکمیل سے پہلے پہلے بات چیت کئے بغیر محاذ پر چلی جائے پھر دوسرا طائفہ آ کر امام کے ساتھ اپنی ایک رکعت پڑھ لے اور اسی جگہ میں فراغت امام کے بعد اپنی نماز مکمل کر لے پھر جب یہ فارغ ہو جائے تو طائفہ اولی آ کر کے نماز مکمل کرے یہ طریقہ ابن عمر کی حدیث مذکورہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ فقام ہؤلاء فقضوا رکعتھم اگر ہؤلاء سے مراد یہ دوسری جماعت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ دوسری جماعت اپنی نماز مکمل کرے پھر قام ہؤلاء سے مراد پہلی جماعت ہے کہ وہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام ایک طائفے کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ طائفہ بات چیت کئے بغیر چلا جائے۔ دوسرا طائفہ محاذ سے آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے پھر یہ ایک رکعت کے بعد محاذ پر جائے اور پہلا طائفہ آ کر اپنی نماز اب مکمل کرے اور بعد از فراغت دوسرا طائفہ آ کر اپنی نماز مکمل کرے یہ تیسرا طریقہ مذکورہ باب کی ابن عمر کی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقام ہؤلاء میں اشارہ پہلے والے طائفے کی طرف ہو اور وقام ہؤلاء میں اشارہ دوسرے طائفے کی طرف ہو۔

اس کے علاوہ امام محمد نے کتاب الآ ثار (8) میں ابن عباس سے موقوفاً اس کو نقل کیا ہے۔امام ابوبکر جصاص نے بھی اس کو احکام القرآن (9) میں نقل کیا ہے۔ابوداؤد (10) کی ایک روایت میں بھی اسی کی طرف اشارہ موجود ہے لہٰذا ابن حجر کا فتح الباری میں یہ کہنا کہ اس طریقے کا ہمیں کسی روایت سے علم نہ ہوسکا یہ اپنی جستجو کے مطابق ہے یہ نہیں کہ یہ روایت موجود ہی نہیں۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک طرق ثلاثہ جائز ہیں۔امام احمد فرماتے ہیں لاحرج علیٰ من صلی لواحدۃ مما صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم البتہ اولیٰ صورت عند الحنفیہ یہ تیسرا طریقہ ہے عند الائمۃ الثلاثۃ پہلا طریقہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وجہ ترجیح یہ ہے کہ طریقہ اولیٰ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وجہ ترجیح یہ ہے کہ طریقہ ثالثہ اوفق باصول الامامۃ ہے کہ طریقہ اولیٰ میں طائفہ اولیٰ امام سے پہلے فارغ ہوجاتا ہے جو موضوع امامت کے خلاف ہے طریقہ ثانیہ میں طائفہ ثانیہ طائفہ اولیٰ سے پہلے فارغ ہوجاتا ہے طریقہ ثالثہ میں اگرچہ ایاب وذہاب تو ہوتا ہے لیکن موضوع امامت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی لہٰذا وہ روایات جو اصول کے موافق ہوں یہ راجح ہوتی ہیں بہ نسبت ان روایات کے جو اصول کے خلاف ہوں اس کے علاوہ طرفین سے اپنے اپنے طریقے کو اوفق بالقرآن ثابت کرنے کے دعوے کئے گئے ہیں۔

شیخ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر نہ ہوں تو بہتر یہ ہے کہ الگ الگ جماعتیں کی جائیں۔(11) اور آج کل کے حالات کے پیش نظر یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

قال محمد بن بشار سئلت یحی بن سعید عن ہذا الحدیث فحدثنی عن شعبۃ عن عبدالرحمٰن بن القاسم الخ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ امام ترمذی کے شیخ محمد بن بشار کے شیخ یحی بن سعید القطان ہے وہ حضرت سہل کی حدیث کو دو طریقوں سے روایت کرتے ہیں کبھی یحی بن سعید الانصاری سے اور کبھی شعبہ سے۔یحی انصاری اور شعبہ دنوں یحی قطان کے شیوخ ہیں یحی انصاری کے طریق میں عبدالرحمٰن کا واسطہ نہیں ہے لیکن روایت بیہق ان کی موقوف ہے شعبہ کی روایت میں عبدالرحمٰن بن قاسم کا واسطہ ہے مگر روایت مرفوع ہے اب اس کلام کا مقصد یہ ہے (یعنی محمد بن بشار کا مقصد یہ ہے) کہ محمد بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ یحی قطان سے اس حدیث

(8) کتاب الآ ثار ص:۳۹ (9) ص:۳۱۶ ج:۲ مطبوعہ مصر (10) چنانچہ دیکھئے ص:۱۸۴ ج:۱

(11) کذا فی فتح القدیر ص:۶۲ ج:۲ ''باب صلاۃ الخوف'' (مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

کے بارے میں پوچھا:

فحدثنی عن شعبة عن عبدالرحمن الی ان قال عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بمثل حدیث یحی بن سعید الانصاری وقال لی اکتب الی جنبه

قال الگنگوہی یہاں ایک قال مقدر ماننا پڑے گا مطلب یہ ہوگا قال یحی بن سعید القطان قال لی شعبة لہٰذا مذکور قال کا قائل شعبہ ہے ولست احفظ الحدیث ولکنہ مثل حدیث یحی بن سعید الانصاری یعنی شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے جو روایت مرفوعاً بیان کی اس کے الفاظ مجھے یاد نہیں البتہ اتنی بات یاد ہے کہ وہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یحی بن سعید الانصاری نے تمہیں بیان کی ہے۔

احتمال ثانی یہ ہے کہ قال کا فاعل یحی بن قطان ہو اور مخاطب محمد بن بشار ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سعید قطان کہتے ہیں کہ مجھے شعبہ کی حدیث کے الفاظ یاد نہیں البتہ اکتبہ الی جنبہ اس کو اس دوسری رویت یعنی موقوف حدیث کے ساتھ لکھ دو جو میں نے یحی الانصاری سے تمہیں روایت کی ہے کیونکہ مجھے شعبہ کی حدیث کے الفاظ یاد نہیں البتہ مضمون دونوں کا ایک ہے تو دونوں تم ایک ساتھ لکھ دو۔

یہ بات کہ روایت میں اضطراب ہے کہ ایک طریق میں موقوف دوسرے میں مرفوع ہے تو گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ اضطراب نہیں کیونکہ راویوں نے تصریح کی ہے کہ موقوف مثل مرفوع ہے ولان الموقوف فی حکم المرفوع لانہ مما لا یدرک بالعقل۔

باب ماجاء فی سجود القرآن

رجال:۔

عمر الدمشقی تقریب میں ہے کہ ''وھو مجھول''۔☆

تشریح:۔

امام ترمذی نے یہاں متعدد ابواب باندھے ہیں جو سجود تلاوت سے متعلق ہیں مجموعی طور پر ان ابواب میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ عدد سجود تلاوت کیا ہے؟

پہلے مسئلے میں حنفیہ وفی قولِ امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے۔ امام احمدؒ نماز میں وجوب اور خارج صلوٰۃ میں عدم وجوب کے قائل ہیں۔

امام شافعی وامام احمد کے نزدیک اور فی قول عند مالک سجدہ تلاوت مسنون ہے البتہ ابن العربی نے مالکیہ کا مذہب استحباب اور عینی نے افضلیت کا نقل کیا ہے ممکن ہے کہ امام مالک کے اقوال متعدد ہوں۔

حنفیہ کی دلیل وجوب یہ ہے کہ قرآن میں سجدہ کے لئے یا امر کا صیغہ مستعمل ہے یا بطور اخبار اس کا ذکر ہوا ہے جو بمعنی امر ہے بالفاظ دیگر سجدہ تلاوت کا قرآن میں تین طرح کا ذکر ہوا ہے۔ ایک بطور امر (1) دوسرا بطور حکایت انبیاء کے سجدوں سے (2) تیسرا بطور انکار کافروں کا سجدہ کرنے سے (3) اور یہ تینوں وجوب پر دال ہیں۔ امر سے اس لئے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے خصوصاً جب کہ قرینہ صارفہ معنی وجوبی سے موجود نہ ہو اور اقتداء انبیاء بھی واجب ہے قال تعالیٰ ''فبھداھم اقتدہ ''(4) یہاں اقتدہ امر ہے وھو للوجوب تیسری صورت سے وجوب اس لئے ثابت ہے کہ کافروں کے انکار پر ان کی بوجہ انکار مذمت کی گئی ہے معلوم ہوا کہ سجدہ

باب ماجاء فی سجود القرآن

(1) کما قال اللہ عزوجل واسجد واقترب ''سورۂ علق'' (2) کمافی قول اللہ تعالیٰ وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب ''سورۂ ص رقم آیت: ۲۴ (3) کمافی قولہ تعالیٰ واذا قرئ علیھم القرآن لایسجدون سورۃ الانشقاق (4) سورۃ انعام آیت: ۹۰

واجب ہے ورنہ انکار قابل مذمت نہ ہوتا۔

دلیل ثانی عن ابی ہریرۃ رواہ مسلم (5) کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو ابلیس روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے۔

یاویل امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وامرت بالسجود وابيت وفی روایة له فعصیت فلی النار

یہاں بھی لفظ امر دال علی الوجوب ہے۔ اور اس پر امام نووی (6) کا یہ اعتراض کہ یہ استدلال باطل ہے کیونکہ یہ مقولہ ہے ابلیس کا یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور حکایت نقل کیا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض حکایت باطل نہیں ہوسکتا۔ اور ایسی تو کتنی ہی مثالیں ہیں کہ اللہ نے بطور حکایت قرآن میں بیان فرمائی ہیں مع ہذا وہ قرآن ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل علیٰ عدم الوجوب حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے جو باب ماجاء من لم یسجد فیہ میں آرہی ہے۔

قال قراء ت علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم النجم فلم یسجد فیها (7)

جواب:۔ یہ روایت عدم وجوب سجدہ پر دال نہیں کیونکہ یہاں نفی نفس سجدہ کرنے کی نہیں بلکہ سجدہ علی الفور کی ہے یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت زید کی تلاوت کا وقت کراہیت سجدہ کا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر طہارت میں ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سجدہ علی الفور اس لئے نہیں کیا کہ یہ بتانا مقصد ہو کہ سجدہ علی الفور واجب نہیں۔

ان کی دلیل ثانی اسی باب میں حضرت عمر کے قول دواقعے سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک جمعے کے دن آیت سجدہ تلاوت کی تو منبر سے اتر کر سجدہ کیا پھر دوسرے جمعے کو آیت تلاوت فرمائی لوگوں نے سجدہ کرنے کے لئے تیاری کی کما نقلہ الترمذی:

(5) صحیح مسلم ص:۶۱ ج:۱ ''باب بیان اسم اطلاق الکفر علیٰ من ترک الصلاۃ'' (6) ذکرہ فی شرح مسلم للنووی ص:۶۱ ج:۱

(7) ایضاً رواہ الشیخان صحیح بخاری ص:۱۴۶ ج:۱ ''باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد'' صحیح مسلم ص:۲۱۵ ج:۱ ''باب سجود التلاوۃ''

ثم قرا فی الجمعة الثانية فتهيا الناس للسجود فقال انها لم تكتب علينا الا ان نشاء فلم يسجد ولم يسجدوا (8)

طریق استدلال یہ ہے کہ اگر سجدہ واجب ہوتا تو عمر اس کو ترک نہ فرماتے۔

جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لم تکتب علینا علی الفور شیخ عبدالحق ؒ نے لمعات میں یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حضرت عمر کا مذہب ہو اور ان کو دوسرے صحابہ کی رائے کا علم نہ ہو۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ جس طرح یہ مسئلہ ائمہ کے مابین اختلافی ہے تو صحابہ کے درمیان بھی مختلف فیہا تھا اس کی تائید امام مالک کے اس قول سے بھی ہوتی ہے نقلہ العینی ان ذالک بمالم یتبع علیہ عمر ولا عمل بہ احد بعدہ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کا مقصد یہ ہے کہ انہا لم تکتب علینا ای جماعۃ کہ لوگ با جماعت کرنے کی تیاری کررہے تھے۔ یہ توجیہات اس لئے ضروری ہیں کہ کاملین کی شان سے ترک سنت بہت بعید ہے لہٰذا اگر آپ کے نزدیک یہ دلیل ہے عدم وجوب کی اس لئے سجدہ سنت ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت عمر نے سنت کیوں چھوڑی؟

پھر حنفیہ کے نزدیک اگر آیت سجدہ خارج صلوٰۃ تلاوت کی تو سجدہ علی الفور واجب نہیں اور اگر داخل صلوٰۃ تلاوت کی تو پھر علی الفور واجب ہے کہ یہ نماز کا حصہ ہے۔

اگر ایک آدمی نے (کمافی الشامی) نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو اگر وہ بجائے سجدہ کے رکوع کرنا چاہے یا سجدہ تو اس کی شرط یہ مقرر ہے کہ فوراً ادا کرے یعنی زیادہ سے زیادہ تین آیتیں آیت سجدہ' اور سجدہ یا رکوع کے درمیان حائل ہوں تو اس سے فصل لازم نہیں آتا البتہ اگر تین سے زائد ہوں تو اس میں اختلاف ہے لہٰذا تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگا جس سے بچنا ضروری ہے۔

اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور عمداً سجدہ نہیں کیا اور سلام پھیرا تو اس پر سجدہ نہیں اور یہ آدمی گنہگار ہوگا اور اگر سہواً ترک کیا تو قبل السلام جب بھی یاد آئے تو سجدہ کرے اور بعد السلام عند البعض نہ کرے اور عند البعض کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ مسجد سے خارج نہ ہوا ہو اور کوئی عمل منافی صلوٰۃ بھی اس سے سرزد نہ ہوا ہو اگر امام آیت

---

(8) ایضاً اس روایت کو امام بخاری نے بھی لایا ہے ص:۱۴۸ ج:۱ ''باب من رای ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود''۔۱۲ حفیظ الرحمٰن حنفی

سجدہ پڑھے اوراس کے بعد اس کی اقتداء کی جائے تو اگر قبل السجو د اقتداء کرے تو امام کے ساتھ سجدہ میں شامل ہوگا اور اگر بعد السجو د شامل ہو تو سجدہ نہیں کرے گا۔

اگر مقتدی آیت سجدہ تلاوت کرے تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا نہ اس مقتدی پر نہ دوسرے پر نہ امام پر پھر اگر مصلی آیت پڑھنے کے بعد رکوع کرے تو بھی سجدہ اداء ہو جائے گا علی قولٍ بشرط النیۃ اور علیٰ قول نیت ہو یا نہ ہو۔

پھر امام کے ساتھ مقتدیوں کی نیت بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو دونوں قول ہیں۔ پھر مقتدی کے لئے امام کا سجدہ تلاوت سننا شرط نہیں صرف اقتداء کافی ہے لہٰذا اگر وہ اتنی دور ہو کہ امام کی نماز نہ سنے جہری نمازوں میں ہو یا سری نمازوں میں ہو تو امام کی اقتداء ضروری ہے یعنی اس کے ساتھ سجدہ کریگا۔

اگر ایک مصلی خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنے جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں چاہے وہ تالی امام ہو یا منفرد و مقتدی یا بغیر نماز کے خارج میں پڑھے تو نماز میں اس پر سجدہ نہیں بلکہ نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرے گا الا یہ کہ وہ تالی سامع کی طرح دونوں ایک ہی نماز میں ایک امام کے پیچھے اقتداء کر رہے ہوں کمامر۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قرآن میں کل سجدے چودہ ہیں ان میں سے سورۃ حج کا دوسرا سجدہ شامل نہیں البتہ سورۃ ص میں وجوب سجدہ کے حنفیہ قائل ہیں۔

امام شافعی کے قول مشہور کے مطابق بھی سجدے چودہ ہیں فرق یہ ہے کہ یہ سورۃ حج کے دونوں سجدے سجدہ تلاوت پر محمول کرتے ہیں اور سورۃ ص میں ان کے نزدیک سجدہ تو ہے مگر سجدہ عزیمت نہیں بلکہ سجدہ تشکر ہے۔ دوسرا قول ان کا غیر مشہور پندرہ سجدوں کا ہے امام احمد کا قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی قول مشہور پندرہ سجدوں کا اور غیر مشہور چودہ سجدوں کا ہے۔

امام مالک سے تین اقوال ہیں ایک گیارہ سجدوں کا وہ اس طرح کہ مفصلات کے تین سجدے ان کے ہاں نہیں اور سورۃ ص کے سجدے کو بھی سجدہ تلاوت پر محمول نہیں کرتے۔ ان کا دوسرا قول حنفیہ کی طرح ہے اور تیسرا قول حنابلہ کی طرح ہے یعنی پندرہ سجدے۔

یہاں کل تین مسئلے ہوئے پہلا مسئلہ یہ کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ صلوٰتیہ ہے یا تلاوت کا؟ دوسرا مسئلہ کہ سورہ ص میں سجدہ ہے یانہیں؟ یعنی عزائم میں سے ہے یانہیں؟ اور تیسرا مسئلہ کہ مفصلات یعنی حجرات سے اخیر تک کوئی سجدہ ہے یانہیں؟

حنفیہ کے نزدیک سورہ حج کا دوسرا سجدہ صلوٰتیہ ہے اور ص اور مفصلات میں سجدے ہیں۔

امام شافعی اور فی قولٍ امام احمد وامام مالک کے نزدیک سورۃ حج کا دوسرا سجدہ سجدۂ تلاوت ہے اور ص کا سجدہ عزائم میں سے نہیں۔ جبکہ مفصلات میں امام مالک کے نزدیک اس میں کوئی سجدہ نہیں باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس میں تین سجدے ہیں۔

سورہ حج میں دوسرے سجدے کے بارے میں شافعیہ کا استدلال باب فی السجدۃ فی الحج میں روایت سے ہے اس میں عقبہ بن عامر کی روایت ہے۔

قال قلت یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فضلت سورۃ الحج بان فیھا سجدتین قال نعم ومن لم یسجدھا فلایقراء ھما

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں ابن لہیعہ راوی ہے جس کا ضعف مشہور ہے۔

حنفیہ کی دلیل طحاوی (9) میں ابن عباس کی روایت ہے۔

وھویقول فی سجود الحج الاول عزیمۃ والآخر تعلیم

امام محمد مؤطا (10) میں لکھتے ہیں۔

وکان ابن عباس لایری فی سورۃ الحج الاسجدۃ واحدۃ الاولی لاالثانیۃ وبھٰذاناخذوھوقول ابی حنیفۃ

دوسری بات یہ ہے کہ سورہ حج کا دوسرا سجدہ اس لئے صلوٰتیہ ہے کہ عام طور پر قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ آیت سجدہ میں یافقط رکوع کا ذکر ہوتا ہے یافقط سجود کا' اور یہاں دونوں کا ذکر ہے۔ ''یاایھاالذین آمنوا ارکعوا

---

(9) طحاوی ص:۲۴۹ ج:۱ ''باب المفصل ہل فیہ سجود ام لا''

(10) مؤطا محمد ص:۱۴۸ ''باب سجود القرآن''

واسجدوا ''اس کی مثال یہ ہے کہ ''یامریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الراکعین'' (11) جس طرح اس میں باتفاق سجدہ تلاوت مراد نہیں تو سورۃ حج کی آخری آیت میں بھی سجدہ تلاوت مراد نہیں۔

قال ابن العربی کہ سجدے کے قائلین کو پھر رکوع بھی کرنا چاہیئے اگرچہ ان کا میلان ثبوت کی طرف ہے۔البتہ قال التھانوی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ قاری جب اس آیات پر پہنچے تو رکوع کرے اور رکوع میں سجدے کی نیت کرے اور اگر خارج صلوٰۃ ہو تو سجدہ کرے البتہ اگر وہ سورۃ حج کو مکمل کرنے کے بعد رکوع کرتا ہے تب بھی ایسا کر سکتا ہے۔کما مر چنانچہ شامی نے تصریح کی ہے کہ جس سجدے کے بعد سورۃ کی تین یا چار آیات رہتی ہیں تو اس کو مکمل کرنا جائز ہے پھر سجدہ کرے یا رکوع۔

سورۃ ص میں امام شافعیؒ امام مالکؒ اور فی قولٍ امام احمد کا استدلال باب ماجاء فی السجدۃ فی ص کی روایت سے ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔

قال رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یسجد فی ص قال ابن عباس ولیست من عزائم السجود

امام ترمذی نے امام شافعی کے نام کی تصریح کی ہے کہ وہ سورۃ ص میں سجدے کے قائل ہیں۔

قال العینی لاخلاف بین الحنفیة والشافعیةفی ان فی ص فیها سجدة تفعل وانما الخلاف فی انها من العزائم ام لا؟ فعندالشافعی لیس من العزائم وانما هی سجدة الشکر تستحب فی غیر الصلوٰة وتحرم فیها وبه قطع جمهور الشافعیة وعندابی حنیفة واصحابه هی من العزائم وهوقول مالك ایضاً وعن احمد کالمذهبین والمشهور منهما کقول الشافعی (12)

امام شافعی کا استدلال ثانی نسائی (13) کی روایت سے ہے۔

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سجد فی ص فقال سجدها داؤد علیه السلام توبة ونسجدهاشکراً

---

(11) سورہ آل عمران آیت نمبر:۴۳ (12) دیکھئے عمدۃ القاری ص:۹۸ ج:۷ (13) ص:۱۵۲ ج:۱ ''باب سجود القرآن فی ص''

حنفیہ کی دلیل اول اسی باب کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ص میں سجدہ کیا ہے باقی ابن عباس کا یہ کہنا کہ لیس من عزائم السجود یہ حصہ موقوف ہے کماھو المصرح والعمل بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ من العمل بقول ابن عباس۔ یا عزائم کی نفی سے مراد فرضیت کی نفی ہے۔

دلیل ثانی وہی ہے جس کو امام شافعی نے مستدل بنایا ہے یعنی روایت نسائی باقی داؤد علیہ السلام کا بطور توبہ اور ہمارا بطور شکر ادا کرنا عزیمت کے منافی نہیں۔

دلیل ثالث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں سجدہ کیا پھر فرمایا ''اولئك الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ'' رواہ البخاری (14) اقتدہ امر ہے وھوللوجوب۔

دلیل رابع ابوداؤد (15) میں ابوسعید خدری کی روایت ہے۔

قال قرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو علیٰ المنبر "ص" فلمابلغ السحدۃ نزل فسحد وسحدالناس معہ

امام مالک کے نزدیک سجدے کل گیارہ ہیں ان کی دلیل مذکورہ باب کی روایت ہے جو ابوالدرداء سے مروی ہے جس میں ہے۔

سحدت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احدی عشرۃ سحدۃ منھا التی فی النحم

جواب ا:۔ ترمذی میں یہ روایت دوسندوں سے ہے پہلی سند میں عمر دمشقی ہے جو مجہول ہے اور دوسری سند میں مخبر تخبر کا واسطہ ہے یہ بھی مجہول ہے اس لئے قال ابوداؤد واسنادہ واہٍ۔ (16)

جواب ۲:۔ اس سے یہ استدلال کرنا کہ قرآن میں کل گیارہ سجدے ہیں صحیح نہیں کیونکہ یہاں تو اس بات کا ذکر ہے کہ ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے یہ نہیں کہا کہ قرآن میں کل گیارہ سجدے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو یہ امام مالک کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے منہا التی فی النجم جبکہ امام مالک مفصلات میں سجدے کے قائل نہیں ہیں۔

---

(14) صحیح بخاری ص:۶۶۶ ج:۲ ''باب قولہ اولئک الذین ہدا ہم الخ'' (15) سنن ابی داؤد ص:۲۰۷ ج:۱ ''باب السجود فی ص''

(16) دیکھئے سنن ابی داؤد ص:۲۰۶ ج:۱ ''باب تفریع ابواب السجود وکم سجدۃ فی القرآن''

دلیل ثانی باب ماجاء من لم یسجد فیہ ای فی النجم اس میں حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے۔

قال قراء ت علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النجم فلم یسجد فیھا

مگر اس روایت کے جوابات پہلے گذر چکے ہیں۔

اس کے مقابلے میں ہمارا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہے جو باب ماجاء فی السجدۃ فی النجم میں مروی ہے۔

عن ابن عباس قال سجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیھا یعنی النجم والمسلمون والمشرکون والجن والانس

یہ روایت بخاری (17) میں بھی ہے قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

قال بعض اھل العلم لیس فی المفصل سجدۃ ھو قول مالك بن انس والقول الاول اصح

یہی روایت مسلم (18) میں بھی ابن مسعود سے مروی ہے۔

دلیل ۲:۔ خلاف مالک یہ ہے عن ابی ہریرۃ باب فی السجدۃ فی اذا السماء انشقت واقرا بسم ربک الذی خلق میں مروی ہے۔

قال سجدنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اقرا باسم ربك واذا السماء انشقت ، قال ابوعیسیٰ حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح

یہ مصرح ہے کہ مفصلات میں سجدہ ہے ممکن ہے کہ امام مالک تک یہ روایت نہ پہنچی ہو۔

(17) صحیح بخاری ص:۱۴۶ ج:۱ ایضاً ص:۲۱۷ ج:۲ ایضا صحیح مسلم ص:۲۱۵ ج:۱ پر بھی روایت ابن مسعود سے بھی ہے البتہ دونوں کے الفاظ میں فرق ہے۔ (18) صحیح مسلم ص:۲۱۵ ج:۱ "باب سجود التلاوۃ"

باب فی خروج النساء الی المساجد

رجال:۔

عیسیٰ ابن یونس کوفی نزیل شام ہیں ثقہ مامون ہیں۔☆

تشریح:۔

یہ اور اس کے مابعد والا باب یہ دونوں ابواب سجود قرآن کے درمیان میں ہیں کہ ماقبل و مابعد سجود قرآن کا ذکر ہے۔ قال الگنگوہی فی الکوکب کہ یہ ناسخین کی غلطی ہے یا مصنف سے سہو ہوا ہے کہ اس کی مناسبت نہیں۔ ہاں اگر بخاری کے تراجم کی طرح اس کے لئے مناسبتیں نکالنا چاہیں تو وہ بہت زیادہ ہیں لہذا یہ غلطی ہے۔

میرے خیال میں سابقہ باب کا اصلی محل ان دونوں بابوں کے بعد ذکر کئے جانے کا تھا لہذا غلطی کی نسبت پہلے باب کی طرف کرنی چاہیے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم ابن عمر کے پاس تھے تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد مراد عشاء کی نماز ہے بعض روایات میں فجر کی نماز میں بھی عورتوں کا مسجد میں جانا ثابت ہے لہذا فجر حکماً رات کی نمازوں میں شامل ہے کہ اس وقت فساق سوئے ہوتے ہیں تو ان کے فرزند نے کہا کہ واللہ لانأذن لهن يتخذنه دغلا ابن سے مراد ذکوان ہے تو مسلم کی (1) ایک روایت میں ہے کہ بلال ہے اور فی روایۃ لہ واقد ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں بلال کے نام کو ترجیح دی ہے۔ (2) دغل گنجان درخت جس کے پیچھے آدمی چھپ سکے یہاں مراد مخادعہ ہے کہ مخادع کے دل میں کچھ اور اور زبان پر کچھ اور ہوتا ہے تو عورتیں کہیں گی کہ ہم مسجد جارہی ہیں اور جائینگی کہیں ''اور''۔ قال ابن عمر فعل اللہ بك وفعل قال السندی فعل اللہ بك

باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد

(1) صحیح مسلم ص:۱۸۳ ج:۱ ''باب خروج النساء الی المساجد الخ''

(2) فتح الباری ص:۳۴۸ ج:۲ ''باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس''

مـاتکرہ وقد فعل یہ وقد فعل تفاؤلاً کہا کہ گویا وہ بددعا قبول ہوئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں وتقول لا ناذن۔

باب کراہیۃ البول فی المغتسل میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ معارضہ حدیث کا حکم کیا ہے فلیراجع من شاء الیہ۔ یہاں معارضہ صوریہ ہے کہ حضرت عمر کا خاندان مغلوب الغیرۃ تھا کہ انہوں نے صحیح نیت سے بات کی کہ فساد وفتنہ بڑھ گیا زمانہ بدل گیا اب یہ مسئلہ بھی تبدیل ہونا چاہیے یہ بات حضرت عائشہ ابن مسعود وغیرہ سے بھی مروی ہے لیکن چونکہ ان کی بات بے محل تھی کہ حدیث کے مقابلے میں کہی تو ابن عمر نے بددعا دی مسلم میں ہے فسبہ سباً (3) مسند احمد (4) میں ہے کہ موت تک ان سے باتیں نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر ایک آدمی سنت وحدیث پر اپنی رائے سے اعتراض ظاہر کرے تو اس کی تادیب جائز ہے یا علماء کی شان میں گستاخی کرے اسی طرح بیٹا اگرچہ بڑا ہو اس کی تادیب بھی جائز ہے تادیب بالہجران بھی جائز ہے۔

عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ باب خروج النساء فی العیدین میں گذر چکا ہے جہاں پانچ اقوال بیان ہوئے۔ حاصل یہ ہے کہ خروج النساء الی المساجد کا مسئلہ بین العلماء اختلافی ہے۔ قال النووی (5) جو لوگ خروج کے جواز کے قائل ہیں وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ مشروط بشرائط جو کہ احادیث سے ماخوذ ہیں کہتے ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ عورتیں زیب وزینت کے ساتھ نہ نکلیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں اور مردوں کے ساتھ خلط ملط بھی نہ ہوں، راستہ بھی امن کا ہو یعنی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ شرائط احادیث میں مروی ہیں مثلاً وفی الباب جو حوالہ ابو ہریرہؓ کی حدیث ابوداؤد (6) میں ہے وفیہ ولیخرجن تفلات اور زینت کی حدیث مسلم (7) میں ہے وفیہ فلا تمس طیباً اور زید بن حارث کی حدیث ابن حبان (8) نے روایت کی ہے اس کا مضمون بھی کحدیث ابی ہریرہ ہے۔ مسند احمد (9) میں ام حمید ساعدیہ کی روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں وفیہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو کہ تیرا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے۔

---

(3) ص:۱۸۳ ج:۱ (4) بحوالہ فتح الباری ص:۳۴۹ ج:۲ (5) کذا فی شرح المسلم ص:۱۸۳ ج:۱ (6) ص:۹۱ ج:۱

(7) ص:۱۸۳ ج:۱ (8) صحیح ابن حبان بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص:۱۶۰ ج:۳ (9) مسند احمد ص:۳۱۰ ج:۱۰ رقم الحدیث:۲۷۱۵۸

وروایة عائشة فی ابی داؤد(10) ان عائشة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قالت لوادرك رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد کمامنعت نساء بنی اسرائیل قال یحی فقلت لعمرة امنعت نساء بنی اسرائیل قالت نعم

ابوداؤد(11)ہی میں عن ابن مسعود کی روایت ہے۔

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال صلوٰة المرا ة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها

یعنی صحن، برآمدے سے بہتر یہ ہے کہ کمرے میں نماز پڑھے اور کمرے سے بہتر یہ ہے کہ مخصوص کمرے میں پڑھے۔

وعن ابن عمر قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لاتمنعوا نساء کم المساجد وبیوتهن خیرلهن ابو داؤد(12)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے فضیلت اس میں ہے کہ وہ بجائے مسجد کے گھروں میں نماز پڑھیں خصوصاً جب فتنے کا اندیشہ بلکہ یقین ہوتو بجائے مفضول کے افضل پرفتوی دیناضروری ہے۔

اور مجوزین کی شرائط آج کل مفقود ہیں کیونکہ عورت اس طرح نکلنے کے لئے تیارنہیں کہ پرانی چادر لے کربغیرخوشبو باہر نکلے اور فتنہ نہ ہو یہ ناممکن ہے اور مروجہ برقعہ ''رب کاسیاتٍ عاریاتٍ'' کا مصداق ہے۔

---

(10)ص:۹۱ ج:ا ''باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد'' (11)ص:۹۱ ج:ا ''باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد''
(12)ص:۹۱ ج:ا ''باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد''

30/1

باب كراهية البزاق فى المسجد

رجال:۔

یحیٰ بن سعید القطان مشہور امام ہیں۔ سفیان یعنی ثوری۔

منصور الکوفی ثقہ ہیں۔ ربعی بکسر الراء ثقہ عابد مخضرم۔☆

تشریح:۔

امام ترمذی کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد میں تھوکنے کو مکروہ کہتے ہیں اس میں انہوں نے دو حدیثوں کی تخریج کی ہے ایک انس سے جو دوسرے نمبر پر مذکور ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم البزاق فى المسجد خطيئة و كفارتها دفنها

قال ابو عيسىٰ هذا حديث حسن صحيح

یہ روایت مسلم (1) و بخاری (2) دونوں میں بھی مروی ہے۔ دوسری روایت طارق بن عبداللہ سے مروی ہے جو یہاں پہلے نمبر پر مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز میں ہو تو:

فلا تبزق عن يمينك ولكن خلفك او تلقاء شمالك او تحت قدمك اليسرى

دوسری حدیث کی مناسبت باب سے واضح ہے پہلی حدیث کی کیا مناسبت ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مومن کی شان یہ ہے کہ نماز کامل پڑھے اور کامل نماز مسجد میں ہوتی ہے اور یہی قاضی عیاض بعض شراح اور محدثین کی رائے ہے کہ یہ دونوں حدیثیں باہم موافق ہیں کہ حدیث منع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دفن نہ کردے یا تھوک کر چھوڑنے کی نیت سے تھوک رہا ہے تو گناہ ہے چھپانے کی نیت سے تھوکنا گناہ نہیں یا بلاضرورت تھوکنا گناہ ہے مگر مع الضرورۃ جائز ہے۔

باب كراهية البزاق فى المسجد

(1) صحیح مسلم ص:۲۰۷ ج:۱ ''باب النہی عن البصاق فی المسجد الخ'' (2) صحیح بخاری ص:۵۹ ج:۱ ''باب کفارۃ البزاق فی المسجد''

امام نووی (3) فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا مطلقاً گناہ ہے بلاضرورت ہو یا تحت الضرورت ہو یہی رائے حضرت تھانوی کی ہے۔ قال ابن العربی فی العارضہ اللہ نے فرمایا ''فی بیوت اذن اللہ ان ترفع'' مسجدوں کی رفعت ومنزلت کا حکم ہے لہٰذا جو بھی رفعت کے خلاف عمل ہوگا وہ مسجد کی شان کے منافی ہے اور تھوکنا کسی چیز پر اس کی اہانت ہے کیونکہ تھوک مستقذر ہے لہٰذا یہ جائز نہیں لہٰذا حضرت طارق کی روایت مسجد سے متعلق نہیں ہوسکتی کیونکہ پیچھے تھوکو یا بائیں ہاتھ کی طرف تھوکو اور مسجد میں بھی پیچھے صف ہوتی ہے بائیں طرف بھی لوگ ہوتے ہیں۔ مجوزین قید لگاتے ہیں کہ لوگ موجود نہ ہوں ہم کہتے ہیں کہ فرش بھی قابل احترام ہے لوگوں کی طرح گوکہ مسلمان کی حرمت زیادہ ہے۔

پھر روایت (4) سے ثابت ہے کہ کسی نے مسجد کی دیوار پر ناک چھینکی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھرید لیا اور خلوق کی خوشبو لگائی اور ممانعت فرمائی کہ قبلے کی طرف مت تھوکو۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے میں تھوکا اور کپڑے کو رگڑا اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ضرورت ہو تو یوں کرے لہٰذا نووی کی رائے قاضی عیاض کی رائے کی بہ نسبت زیادہ اچھی ہے اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کپڑا نہ ہو تو نگل لے۔

پھر تھوکنے سے فقط مسجد کا تقدس ہی پامال نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا جائز ہے ان کے نزدیک بھی حکم مطلق نہیں بلکہ مشروط بشرط ہے یعنی بشرط ضرورت اور بشرط دفن کما مر۔

پھر اگر مسجد کی مٹی ہے تو دفن یہ ہے کہ مٹی میں چھپائے اگر فرش کچا ہو اور اگر فرش پر دری وغیرہ ہو تو اس پر تھوکے کیونکہ اس پر تھوکنا اخف ہوگا بہ نسبت فرش کے کہ دری مسجد کا حصہ نہیں فرش حصہ ہے لیکن اگر مسجد کا فرش پختہ ہو تو اس کا دفن یہ ہے کہ اس کو کسی کپڑے سے صاف اور خشک کیا جائے تھوک کا چھوڑنا بہرحال گناہ ہے۔

پھر اس حدیث میں ہے فلاتبزق عن یمینک اسی طرح وفی الحدیث من تفل تجاہ القبلۃ جاء یوم القیامۃ وتفلہ بین عینیہ (5) لہٰذا آگے اور دائیں طرف تھوکنا ممنوع ہے چاہے مسجد میں ہو یا خارج نماز میں ہو یا نہ ہو البتہ نماز اور مسجد میں اس کی قباحت اشد ہو جاتی ہے نماز میں مناجات مع اللہ اور مواجہت احترام قبلہ ولکون اللہ تعالیٰ

(3) کمافی شرح النووی علی صحیح مسلم ص:۲۰۷ ج:۱ (4) کذافی صحیح مسلم ص:۲۰۷ ج:۱ ایضاً صحیح بخاری ص:۵۸ ج:۱ ''باب حک المخاط بالید من المسجد'' (5) رواہ البیہقی فی الکبریٰ ص:۷۶ ج:۳ ''باب ماجاء فی منع من اکل ثوما او بصلا او کراثا من ان یاتی المسجد'' ایضاً رواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحیہما بحوالہ معارف السنن ص:۹۵ ج:۱

بینہ وبین القبلۃ ولکون الوصلۃ امام المصلی وغیرہ وجوہات ہیں اور مسجد میں آگے یا دیوار ہوگی یا لوگ ہونگے اس لئے منع ہے۔ اور یمین کی طرف اس لئے تھوکنا منع ہے کہ اس پر فرشتے کاتب الحسنات ہوتے ہیں بلکہ یا پیچھے کی طرف تھوکے یا شمال یا تحت قدم الیسریٰ تھوکے۔

اعتراض:۔ فرشتہ تو شمال کی طرف بھی ہوتا ہے۔

جواب:۔ شمال والا فرشتہ سیئات لکھتا ہے اور صلوٰۃ حسنہ محضہ ہے تو ممکن ہے کہ اس وقت شمال کا فرشتہ موجود نہ ہو۔ یا وجہ یہ ہے کہ از طرف شمال شیطان آتا ہے تو شیطان کا وسوسہ دفع کرنے کے لئے تھوکے نہ کہ ملک کی تحقیر کے لئے یا وجہ یہ ہے کہ اگرچہ فرشتے دونوں طرف ہی مگر یمین اولی ہے شمال سے قال الگنگوہی فی الکوکب پیچھے کی طرف تھوکنے کی صورت یا سجدے میں یا رکوع میں ہوسکتی ہے حالت قیام میں بھی چہرہ موڑ سکتا ہے مگر سینہ قبلے کی طرف رہے اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ یسار اور پیچھے کی طرف انسان نہ ہو ورنہ یسری پاؤں کے نیچے تھوکے۔

قال الترمذی سمعت الجارود یقول سمعت وکیعاً یقول لم یکذب ربعی بن حراش فی الاسلام کذبۃ

مطلب یہ ہے کہ ربعی نے کبھی نہ جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے نہ سہواً یہ تعمیم اس لئے کی کہ عمداً جھوٹ سے بچنا کوئی کمال نہیں کہ اس طرح کے بہت سارے لوگ ہیں۔

باب ماجاء فی السجدة فی النجم

رجال:۔

ھارون بن عبداللّٰہ ثقۃ من العاشرۃ۔

اخبرنا ابی یعنی عبدالوارث قال الذھبی "اجمع المسلمون علی الاحتجاج بہ"۔ایوب ھو السختیانی۔☆

تشریح:۔

عن ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں (نجم) میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں مشرکین اور جن وانس نے سجدہ کیا۔

عن ابن مسعودؓ اول سجدہ یہ نازل ہوا ہے یہ کہ واقعہ مکہ مکرمہ (1) کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم میں آیت سجدہ پڑھی آپ نے سجدہ کیا اور معہ مسلمان وغیرہ نے بھی سجدہ کیا۔

کفار نے کیوں سجدہ کیا؟ تو اس میں متعدد اقوال ہیں۔

قول ا:۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ارایتیم اللات والعزی ومنوٰۃ الثالثۃ الاخری" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات آئے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی غرانیق جمع غرنوق پانی کے سفید پرندے ہیں یا سفید صحتمند جوان کو کہتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور مشرکین نے اس خوشی میں سجدہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ہمارے بتوں کی تعریف کی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شیطان نے کہے تھے وقیل بلا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آئے تھے یا سہواً آئے تھے لیکن یہ اقوال باطل محض ہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے منافی اور ان کی شان سے محال ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور وحی ہر باطل سے محفوظ ہے۔ البتہ قال ابن حجر (2) کہ ان روایات کے متعلق یہ کہنا کہ یہ محض اباطیل ہیں صحیح نہیں ہوگا کہ یہ روایات متعدد طرق سے مروی ہیں ان میں علاوہ طریق سعید بن جبیر کے باقی طرق ضعیف یا منقطع ہیں مگر تین مراسیل ایسی ہیں جو علی شرط الصحیحین ہیں قال الحافظ ایسی مراسیل جو متعدد طرق سے آئے وہ قابل حجت ہیں بشرطیکہ ان کے مخارج متعدد ہوں جو لوگ مرسل کو حجت مانتے ہیں تو ان کی بات صاف ہے جو مرسل کو حجت نہیں مانتے وہ بھی ان مراسیل کے ماننے پر مجبور ہیں کہ ان میں یقوی بعضہا بعضاً لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کیلئے منشاء ہے۔ پھر متعدد توجیہات کو ذکر کر کے رد کر دیا ہے سوائے ایک کے کہ جس کو انہوں نے احسن قرار دیا کہ شیطان دوران تلاوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں کا انتظار

باب ماجاء فی السجدة فی النجم

(1) کمافی فتح الباری ص:۶۱۵ ج:۸ (2) کذافی معارف السنن ص:۶۹ ج:۵

کرتا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور وقف کیا تو شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی آواز بنا کر تلک الغرانیق الخ کہا تو لوگوں کے اذہان میں شبہات پیدا ہوئے تو یہ آیات نازل ہوئی سورہ حج (3) کی "ومارسلنا من قبلك من رسول ولانبی الااذاتمنیٰ القی الشیطان فی امنیته فینسخ اللّٰه مایلقی الشیطان"۔ حسن الحافظ ہذا التوجیہ۔

لیکن ابن حجر کی یہ بات کہ روایات باطل نہیں اور یہ توجیہ حسن ہے یہ صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ سورۃ حج کی آیات کا نزول اس وجہ سے کہ شیطان نے کلمات کہے یہ غلط ہے صحیح مطلب یہ ہے سورۃ حج کی ان آیات کا کہ جب بھی کوئی نبی آیات پڑھتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں تو اللہ شبہ کو زائل کرنے کے لئے پھر محکمات نازل فرماتے ہیں تو اہل حق کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور اہل زیغ کے شبہوں میں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ یہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں سے مراسیل ثلاثہ صحیحین کی شرط پر ہیں لہٰذا یہ روایت بے اصل نہیں۔ تو صاحب تحفہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ قانون کلی نہیں کہ جہاں سند صحیح ہو تو واقعہ بھی صحیح ہوگا اور تائیداً حافظ زیلعی کی نصب الرایہ والی عبارت نقل کی ہے وفیہ کثرت روایت اور تعدد طرق کے باوجود کبھی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسے حدیث صبر حدیث حاجم والمحجوم اور حدیث من کنت من مولاہ فعلی مولاہ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے روایت مزید ضعیف ہوجاتی ہے۔ نصب الرایہ کی اس روایت کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ غرانیق کی روایت باطل اور موضوع ہے۔ (4)

البتہ یہ اشکال ابھی باقی ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیوں سجدہ کیا؟ تو قیل کہ چونکہ سورۃ نجم میں ان کے معبودین کے نام آئے تھے تو انہوں نے اپنے معبودین کی تعظیم کے لئے کیا۔ مگر اشکال اس پر یہ ہے کہ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ ایک شیخ نے کنکری اٹھا کر پیشانی پر رکھ کر کہا کہ میرے لئے یہ کافی ہے (5) تو اگر سجدہ اپنے الہہ کی تعظیم کے لئے تھا اس شیخ نے یہ حیلہ کیوں کیا؟ اس لئے نسبۃً صحیح جواب یہ ہے کہ ان کا یہ سجدہ بھی باری تعالیٰ کی تعظیم میں تھا اور اگر چہ وہ اس بات کے منکر ہیں لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

---

(3) سورہ حج رقم آیت: ۵۲ (4) رجوع فرمایئے تحفۃ الاحوذی ص: ۱۶۶ ج: ۳

(5) رواہ البخاری ص: ۱۴۶ ج: ۱ "باب ماجاء فی سجود القرآن وسنتھا"

تھا۔ بالفاظ دیگران کا اختیار اس وقت سلب ہو گیا تھا اور وہ قادر علی الانکار نہ تھے۔

اعتراض یہ ہے کہ اگر وہ بے اختیار تھے تو ایک آدمی اس سے کیسے مستثنیٰ رہا؟ جس نے کنکریاں پیشانی پر رکھ دیں۔

جواب یہ ہے کہ جس پر ختم شقاوۃ لگا تھا اور وہ نہایت مضبوط تھا جیسے یہ شیخ تو وہ اس سجدہ سے بھی متاثر نہ ہوا پھر وہ بدر میں عنقریب مارا گیا۔ ابن کثیر میں ہے کہ یہ شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ بخاری میں امیہ بن خلف بعض میں عتبہ بن خلف کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء من التشديد فى الذى يرفع رأسه قبل الامام

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ آدمی اس بات سے نہیں ڈرتا جو امام سے پہلے رکوع وسجود میں سر اٹھائے کہ اللہ اس کا سر گدھے کی مانند کر دیگا۔

قیل اس سے مراد تشدید ہے واقعی تحویل نہیں کہ اس امت میں مسخ نہیں یا مراد یہ ہے کہ اللہ اس کو گدھے کی طرح بے وقوف بنا دے گا۔

بعض شراح کا میلان اس طرف ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہو سکتا ہے پھر یہ بھی امکان ہے کہ یہ سزا اس کو قیامت میں ملے اور یہ بھی امکان ہے کہ دنیا ہی میں اس کو بھگتنا پڑے۔ قال البنوری ؒ کہ ہم نے بسا اوقات سنا ہے کہ وہ شیعہ جو صحابہ کو گالی دیتے تھے ان کی شکلیں گدھے کتے وغیرہ کی طرح ہو گئیں عند الموت یا مسخ کا جواب یہ ہے کہ اجتماعی مسخ نہیں ہوگا انفرادی مسخ واقع ہے کما ہو المشاہد۔

مفتی شفیع صاحبؒ کی کتاب موسیقی اور اسلام میں اس پر جو احادیث کی تخریج ہوئی ہے اس میں متعدد احادیث نقل کی ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے آخری لوگوں میں مسخ کا عذاب شروع ہوگا اگرچہ اجتماعی نہیں ہوگا۔

ایک محدث نے دمشق کا سفر کیا وہاں کے ایک مشہور شیخ سے حدیث پڑھنے لگا وراس کے پاس اس وقت تک رہا جب تک اس کی ساری احادیث ضبط نہ کرتے اور اس پورے عرصے میں اپنے شیخ کو نہیں دیکھا کہ وہ درمیان میں پردہ ڈالتا تھا فلما طالت ملازمته له ورای حرصه علی الحدیث کشفه له الستر فرای

وجهه وجه حمار پھر کہا کہ بیٹے امام سے سبقت کرنے سے بچتے رہو وانی لمامر فی الحدیث استبعدت وقوعه فسبقت الامام فصار وجهی کماتری۔

رہا یہ کہ گدھے کی شکل سے اس عمل کو کیا مناسبت ہے؟ حالانکہ ہر گناہ کی اپنی سزا سے ضرور کوئی مناسبت ہوتی ہے۔

جواب ا:۔ یہ ہے کہ آدمی ہے تابع اور اس کی حماقت یہ ہے کہ کام متبوع والا کرتا ہے تو اپنے آپ کو تابع ہو کر کے متبوع سمجھنا حماقت ہے یا اس کی حماقت یہ ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ میں جلدی کے باوجود امام سے پہلے فارغ نہیں ہو سکتا اور حماقت وصف مشہور ہے گدھے کا۔ رفع کے ساتھ رکوع وسجدے میں پہلے جانا بھی اسی حکم میں ہے البتہ اگر سر پہلے اٹھایا اور دیکھا کہ امام سجدے میں ہے تو دوبارہ سر رکھے نماز ہو جائے گی آدمی گناہ گار ہے سجدہ سہو نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الذی یصلی الفریضة ثم یؤم الناس بعد ذالک

اس باب کی حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر کمافی ہذالروایۃ یا عشاء کی نماز پڑھ کر کمافی روایۃ اخریٰ (1) اپنی قوم کی طرف چلے جاتے وہاں امامت کراتے اس سے اقتداء المفترض خلف المتنفل کا مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا مفترض کی نماز خلف المتنفل جائز ہے یا نہیں؟

تو عندالشافعی واسحاق وفی روایۃ احمد کے نزدیک یہ اقتداء جائز ہے اسی طرح اگر مقتدی اور امام کی نمازیں فرض تو ہوں لیکن امام کی نماز مثلاً عصر کی ہو اور مقتدی کی ظہر کی تو بھی ان کے نزدیک ایک مفترض کی

باب ماجاء فی الذی یصلی الفریضة ثم یؤم الناس بعد ذالک

(1) کمافی روایۃ البیہقی کبریٰ ص:۱۱۶ ج:۳ ''باب ماعلی الامام من التخفیف''

اقتداء دوسرے مفترض کے پیچھے جائز ہے۔اس طرح صبی کے پیچھے بھی اقتداء المفترض جائز ہے۔

حنفیہ ومالکیہ وفی روایۃ امام احمد کے نزدیک خلف المتنفل مفترض کی اقتداء بھی جائز نہیں اور اگر الگ الگ فرائض میں اقتداء ہوتو وہ بھی صحیح نہیں۔

شافعیہ حضرت معاذؓ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور اپنے قبیلے میں اسی نماز میں امام بن جاتے اور ان کی دوسری نماز نفل تھی اور لوگوں کی فرض۔

دلیل ۲:۔عمرو بن سلمہ کے قصے سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں چھ یا سات سال کا تھا جب ہمارے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو مجھے امام بنایا ظاہر ہے کہ چھ سات سال کے بچے کی نماز فرض نہیں ہوتی۔(2)

دلیل ۳:۔صلوٰۃ خوف کی اس صورت سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے تو پہلی دو فرض دوسری دو نفل ہوئیں۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل ترمذی کی روایت (3) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الامام ضامن والمؤذن مؤتمن قال ابن العربی فی العارضۃ کہ ضامن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ارکان میں ان کا قائم مقام ہے اور مقتدی کو قیام رکوع کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحت وفساد میں امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مشتمل ہے اور یہ تب ہوسکتا ہے کہ دونوں کی نمازیں ایک ہوں۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ شئی غیر کو متضمن نہیں ہوسکتی نہ اعلیٰ ومثل کو شامل ہوسکتی ہے البتہ اجماع چونکہ اس پر ہے کہ ایک مفترض کی اقتداء دوسرے کے پیچھے جائز ہے حالانکہ دونوں کی نماز مثل ہے اس لئے اس اجماع کی وجہ سے اس قاعدہ میں استثناء ہوگا باقی صورتیں اپنے حکم پر ہیں لہٰذا صلوٰۃ المقتدی صلوٰۃ الامام کی یا مثل ہو کہ دونوں کی نماز فرض اور ایک وقت کی ہو یا امام کی اعلیٰ ہو۔

اعتراض:۔جب شئی اپنے غیر کو شامل نہیں ہوسکتی پھر متنفل کی اقتداء خلف المفترض صحیح نہیں ہونی چاہیے کہ نفل غیر ہے۔

جواب:۔جب مثل کو شامل ہوتی ہے تو ادنی کو بطریق اولی شامل ہوگی اور نفل ادنی ہے۔

---

(2) رواہ ابوداؤد ص:۹۳ ج:۱ ''باب من احق بالامامۃ'' (3) ص:۲۹ ج:۱ ''باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن''

دلیل ۲:۔ صحاح ستہ (4) کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما جعل الامام لیؤتم بہ یعنی امام کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

قال ابن العربی فی العارضۃ (5) کہ ایک کی نماز ظہر کی دوسرے کی عصر کی یہ کونسی اقتداء ہے وائتمام ہے مزید لکھتے ہیں کہ مقتدی امام سے زمانے میں مخالفت نہیں کرسکتا کہ امام سے پہلے تحریمہ کہے یا پہلے سجدہ ورکوع کرے تو زمانہ جو کہ وصف ہے ارکان کا نہ کہ رکن تو نیت تو رکن ہے جب وصف میں مخالفت نہیں کرسکتا تو رکن میں بھی نہیں کرسکتا ہے۔

اسی طرح دیگر ارکان اعمال جوارح مثلاً قیام رکوع سجود وغیرہ اس میں مقتدی امام کی مخالفت نہیں کرسکتا کہ امام قیام میں ہو مقتدی سجدہ کرے وغیرہ تو ان ارکان کی طرح نیت بھی ایک رکن ہے فرق یہ ہے کہ وہ اعمال جوارح ہے اور یہ عمل قلب ہے۔ جب ان میں مخالفت کی گنجائش نہیں تو اس میں بھی بطریق اولی نہ ہوگی۔

دلیل ۳:۔ عند النسائی عن ابن عمر قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتُعاد الصلوٰۃ فی یوم مرتین (6)

ان احادیث ثلاثہ سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ فرض نماز نفل سے غیر ہے اور یہ کہ مقتدی امام کا تابع ہونا چاہئیے۔

شافعیہ کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ آخری دو استدلالات سے ہرگز ان کا موقف ثابت نہیں ہوسکتا کہ اولاً تو عمرو بن مسلمۃ کی حدیث پر حسن بصریؒ امام احمد نے عدم ثبوت کا اعتراض کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا تھا کہ اقرأ کو امام بناؤ تو انہوں نے جا کر کے نابالغ بچے کو امام بنایا یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ نو مسلم تھے ان کو آیات وسور یاد نہ تھیں عمرو بن سلمہ چشمے پر رہتے تھے جہاں قافلوں کا آنا جانا رہتا تھا انہوں نے کچھ قرآن سیکھ لیا تھا لہٰذا یہ ضرورت کی صورت تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ

---

(4) صحیح بخاری ص:۱۵۰ ج:۱ ''باب صلاۃ القاعد'' صحیح مسلم ص:۱۷۷ ج:۱ سنن نسائی ص:۱۴۶ ج:۱ سنن ابی داؤد ص:۹۶ ج:۱ سنن ابن ماجہ ص:۶۱ ''باب اذا قرأ الامام فانصتوا'' (5) عارضۃ الاحوذی ص:۵۶ ج:۳ (6) سنن نسائی ص:۱۳۸ ج:۱ ''باب سقوط الصلاۃ عمن صلی مع الامام فی المسجد جماعۃ'' ایضاً سنن ابی داؤد ص:۹۳ ج:۱ ولفظہ لاتصلوا صلاۃ فی یوم مرتین

خود فرماتے ہیں کہ جب میں سجدے میں جاتا تو کرتہ چھوٹا ہونے کی بنا پر شرمگاہ ظاہر ہوتی تو عورتوں نے اعتراض کیا(7) لہٰذا یہ واقعہ بجمیع اجزائہ آپ بھی نہیں مان سکتے۔

رہا مسئلہ صلوٰۃ خوف کا تو بعد تسلیم صحت السند یہ ضروری نہیں کہ مراد تسلیم سے تسلیم انقطاع صلوٰۃ ہو بلکہ مراد سلام تشہد بھی ہوسکتا ہے اور اگر تسلیم کریں کہ مراد سلام انقطاع صلوٰۃ ہو پھر امام طحاوی کا جواب دیا جائیگا کہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ایک فرض مکرر پڑھنا جائز تھا۔(8) یا پھر یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔

رہا مسئلہ حدیث باب کا تو اس میں شافعیہ ہم سے زیادہ پریشان ہیں کہ ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت معاذؓ مغرب کی نماز پڑھ کر لوگوں کو جا کر نماز پڑھاتے حالانکہ قوم کی مسجد بنی سلمہ میں تھی جو تین میل کے فاصلے پر تھی یہ ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض کی نماز پڑھ کر ایک گھنٹے کا سفر کر کے قوم کو نماز پڑھاتے اور مغرب کا وقت بھی باقی رہے۔ خاص کر عند الشافعیہ فی قولٍ فقط پانچ رکعات کا وقت مغرب کا ہوتا ہے نیز تین رکعات نفل پڑھنا بھی صحیح نہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کو سہو راوی پر محمول کیا کہ عشاء کی روایت صحیح ہے یا مجاز ہے عشاء سے کہ ذکر مغرب کا مراد عشاء ہے حالانکہ دونوں توجیہات صحیح نہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے دو دفعہ صحیح کہا تو جب سارے راوی ثقہ ہوں اور کوئی علت خفیہ بھی نہ ہو اور پھر بھی روات کی طرف وہم کی نسبت ہو تو احادیث کے ذخیرہ پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

اور مجاز کی بات بھی غلط ہے کیونکہ عشاء کا اطلاق مجازاً مغرب پر ہوتا ہے مگر مغرب کا اطلاق مجازاً عشاء پر نہیں ہوتا۔

اس واقعے کے تمام طرق سامنے رکھتے ہوئے چار احتمالات ممکن ہیں۔

۱۔ حضرت معاذؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھکر جا کے بنوسلمہ میں وہی مغرب پڑھاتے۔

۲۔ عشا کے پڑھنے کے بعد جا کے عشاء ہی اسی دن کی پڑھاتے۔

۳۔ حضرت معاذؓ یہاں مغرب کے بعد جا کے اسی دن کی عشاء کی نماز یا کسی اور دن کی مغرب یا عشاء پڑھاتے نہ کہ اسی دن کی مغرب۔

---

(7) کذا فی روایۃ ابی داؤد ص:۹۳ ج:۱ (8) شرح معانی الآثار ص:۲۷۴ ج:۱ ''باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعاً''

۴۔ یہاں عشاء پڑھنے کے بعد اسی دن کی عشاء نہ پڑھاتے بلکہ کسی اور دن جا کے پڑھاتے۔

حنفیہ مالکیہ کے نزدیک یا تو اخیرین احتمالین مراد ہیں یا اولین میں توجیہ کی جائے گی کیونکہ اولین پر عمل اول تو متعذر ہے یعنی مغرب کی نماز اسی دن جا کے پڑھنا اسی دلیل کی بناء پر متعذر ہے جو کہ گذر گئی کہ مغرب کا وقت قلیل ہے۔

دوسرا اس میں تین نوافل کا مسئلہ بھی درپیش ہوگا۔ عشاء کی نماز کا واقعہ بھی اس لئے نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً عشاء کی نماز تیسری رات کے چاند کے سقوط کے وقت پڑھاتے جبکہ رات کا ایک تہائی حصہ گذر جاتا اور عموماً قراءت وتعدیل بھی طویل ہوتی اس کے بعد حضرت معاذؓ کا جانا اور نماز پڑھانا یہ سلسلہ مفضی ہوگا آدھی رات کو اس لئے آخری دو احتمال مراد ہیں۔

شافعیہ کی طرف سے دو اعتراض اس پر ہیں۔

اعتراض ا:۔ اسی حدیث کے بعض طرق (9) میں ہے فیصلی بہم تلک الصلوۃ اس میں اسی نماز کی تصریح ہے خواہ مغرب کا واقعہ ہو یا عشاء کا۔

اعتراض ۲:۔ دارقطنی (10) وبیہقی (11) میں اضافہ ہے فہی لہ تطوع ولہم الفریضۃ اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب اسی دن کی نماز دوبارہ پڑھائیں۔

جواب از اول یہ ہے کہ فیصلی بہم تلک الصلوۃ تشبیہ بلیغ ہے مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے بعینہ اسی طرح نماز یہاں پڑھاتے قراءت کے لحاظ سے رکوع وسجود اور تعدیل ارکان کے لحاظ سے ورنہ اشکال سابق متوجہ ہوگا کہ بعد از مغرب وقت اتنا نہیں ہوگا۔

جواب از دوم یہ ہے کہ اولاً یہ اضافہ صحیح نہیں کہ امام احمد نے اس کو غیر محفوظ قرار دیا ہے ابن جوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

اور اگر بالفرض یہ اضافہ تسلیم بھی ہو تو جواب یہ ہے کہ یہ ابن جریج کا اپنا گمان ہے کہ یہاں سند یوں ہے عن ابن جریج عن عمرو بن دینار عن جابر تو حضرت جابر کے شاگردوں میں سے کسی سے یہ اضافہ مروی نہیں عمرو بن

---

(9) کمافی ابی داؤد ص:۹۵ ج:ا ''باب امامۃ من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوٰۃ'' (10) دارقطنی ص:۲۸۱ ج:ا رقم حدیث ۱۰۶۲ ''باب ذکر صلاۃ المفترض خلف المتنفل'' (11) ص:۸۶ ج:۳ ''باب الفریضۃ خلف من یصلی النافلۃ''

دینار کے شاگردوں نے بھی اس کو روایت نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ مقولہ ابن جریج کا ہے اور یہ ان کا اپنا گمان ہے جو بمقابلہ مرفوع کے حجت نہیں۔

ثانیاً نقول اگر اولین احتمالین کو تسلیم بھی کرلیں تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہ نیت نفل شرکت فرماتے اور اپنی قوم میں جا کر فرض پڑھتے تو اقتداء المفترض خلف المتنفل نہ ہوئی۔

اس پر ابن جریج کے اضافے کا اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے دو جواب ہوگئے۔

جواب ۲:۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ایک فرض دو دفعہ پڑھنا جائز تھا جو بعد میں ابن عمر کی روایت جو نسائی (12) میں ہے اس سے منسوخ ہوگیا۔

جواب ۳:۔ یہ حضرت معاذؓ کا اپنا اجتہاد تھا جب کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی کہ حضرت معاذ دیر سے آتے ہیں جبکہ ہم سو چکے ہوتے ہیں اور ہم دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں یہ اس وقت آکر اذان دیتے ہیں تو ہم مسجد میں آتے ہیں فیطول علینا فقال صلی اللہ علیه و سلم یامعاذ لاتکن فتاناً اماان تصلی معی و اماان تخفف علیٰ قومك (13) یہ منفصلہ ہے امام طحاوی وابن ہمام نے اسکا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ ان کو دونوں کاموں میں سے ایک کی اجازت دی نہ کہ دونوں کی کہ یا یہاں نماز پڑھو یا قوم کے ساتھ نماز مع التخفیف پڑھو یہاں نہ پڑھنے سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع بین الامرین سے روک دیا۔

البتہ اس پر ابن حجر نے اعتراض کیا ہے کہ خصم کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی تقدیر یوں نکالے کہ اگر میرے ساتھ نماز پڑھتے ہو تو اپنی قوم میں پھر تخفیف کرو اور اگر تخفیف نہیں کرتے تو میرے ساتھ نماز نہیں پڑھو۔

مگر جواب ظاہر ہے کہ یہ تقدیر تب صحیح ہوتی کہ یہ شکایت فقط تطویل سے متعلق ہوتی حالانکہ یہ دیر کا مسئلہ بھی تھا۔ لہٰذا طحاوی کی بات ابن حجر کی بات سے زیادہ وزنی ہے۔

اعتراض ۳:۔ صاحب تحفہ نے شوکانی (14) سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ ابن حزم

---

(12) نسائی ص:۱۳۸ ج:۱ (13) رواہ احمد والبزار بحوالہ مجمع الزوائد ص:۲۱۸ ج:۳ رقم حدیث ۲۳۷۰

(14) نیل الاوطار ص:۱۶۷ ج:۳ ''باب ہل یقتدی المفترض بالمتنفل ام لا''

نے اس کو منقطع قرار دیا ہے۔

جواب:۔ اگر یہ روایت ضعیف بھی ہو جائے پھر بھی ہمارے استدلال پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ ہم اس کو حضرت معاذؓ کا عمل ٹھہرائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں ہوگی۔

باب ماذکر فی الرخصة فی السجود علی الثوب فی الحر والبرد

رجال:۔

خالد بن عبدالرحمٰن السلمی البصری ابوحاتم کہتے ہیں کہ صدوق بخاری میں بھی ان سے ایک روایت ہے۔

غالب القطان البصری امام احمد وابن معین نے توثیق کی ہے۔☆

تشریح:۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز (ظہر) پڑھتے تھے تو ہم اپنے کپڑوں پر گرمی سے بچنے کے لئے سجدے کرتے تھے۔

ظہائر ظہیرہ کی جمع ہے نصف النہار میں گرمی کی شدت کے وقت کو کہا جاتا ہے یہ لفظ گرمیوں کی دوپہر کے لئے استعمال ہوتا ہے نہ کہ موسم سرما کی دوپہر کے لئے یہ مسجد نبوی کے اس حصے کا ذکر ہے جو دھوپ میں واقع تھا جیسے صحن اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسقف حصے کا ذکر ہو چونکہ مسجد نبوی کی چھت اتنی موٹی نہیں تھی کہ دھوپ کے اثر کو زمین تک پہنچنے سے مانع ہو اور گرم ہوا کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس مضمون کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ (1) میں عن عمرو ابن عباس سے بھی مروی ہے اور حضرت انس سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

باب ماذکر فی الرخصة فی السجود علی الثوب فی الحر والبرد

(1) دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ص: ۲۶۸و۲۶۹ ج:۱

جمہور کے نزدیک یہاں ثیابنا سے مراد ملبوس کپڑے ہیں جو بدن پر ہوں جیسے لمبے دامن والا کرتا ہو مثلاً یا عمامے کا شملہ ہو اور یہ حکم فقط گرمی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سردی بھی اس میں داخل ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا فی الحر والبرد۔

اگر کپڑا مصلی کے بدن سے منفصل ہو تو اس پر سجدہ بالاتفاق جائز ہے لیکن پہنے ہوئے کپڑوں میں اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں جمہور کے نزدیک مطلقاً کپڑوں پر سجدہ جائز ہے متصل ہو یا منفصل جمہور کا استدلال مافی الباب کی روایت سے ہے اور ثیابنا سے مراد ان کے نزدیک ملبوس کپڑے ہیں کور عمامہ کا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر وہ مانع ہو پیشانی کے وصول الی الارض سے تو اس پر سجدہ نہ کرے اور اگر مانع نہ ہو تو سجدہ اس پر جائز بلکہ ثابت ہے۔

امام شافعی کے پاس اس بارے میں نہ مرفوع روایت ہے نہ موقوف البتہ امام بیہقی نے ان کے لئے ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ بعض صحابہ مٹھی میں کنکریاں لیکر اس کو ٹھنڈا کرتے اور اس کو رکھ کر اس پر سجدہ کرتے۔(2)

جواب یہ ہے کہ یہ ان صحابہ کا حال ہوگا جن کے کپڑے اتنے لمبے نہ ہوں کہ اس پر سجدہ ہو سکے۔

باب ماذکر مما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلوٰۃ الصبح حتیٰ تطلع الشمس

اس باب کے انعقاد کا مقصد دفع توہم ہے۔ تو ہم یہ ہو سکتا تھا کہ مسجد کے اندر نوافل پڑھنا ممنوع ہوگا کیونکہ صلوٰۃ تطوع کو گھر میں پڑھنے کا حکم ہے تو اس وہم کو دفع کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں قولی روایت بھی ثابت ہے اور عملی بھی۔

یا تو ہم اس طرح ہو سکتا ہے کہ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا مفید یا باعث ثواب نہیں ہوگا کہ عام روایات

(2) کمافی سنن الکبریٰ للبیہقی ص:۱۰۶ ج:۲ ''باب من بسط ثوبا فسجد علیہ''

نماز کے انتظار کے لئے ہیں اس سے چونکہ بعد میں ثواب کے نہ ہونے کا وہم ہوسکتا تھا تو اس وہم کو رفع کر دیا کہ انتظار الصلوٰۃ عام ہے چاہے فریضے کا ہو یا نفلی نماز کا ہو کیونکہ حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرماتے تو اپنے مصلی پر بیٹھ جاتے طلوع شمس تک یعنی صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر بعض روایات میں ہے کہ صحابہ جاہلیت کے زمانے کے قصے یاد کرتے اور ہنستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبسم فرماتے۔

حتیٰ تطلع الشمس سے مراد یہ ہے کہ وقت مکروہ ختم ہو جائے یعنی کم از کم بقدر ایک نیزے کے سورج بلند ہو جائے جو تقریباً پندرہ بیس منٹ ہوتے ہیں۔

پھر اس نماز کو عموماً صلوٰۃ الاشراق کہا جاتا ہے بعض روایات میں اس پر ضحیٰ کا اطلاق بھی ہوا ہے اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ اشراق وضحیٰ کی نماز ایک ہے یا الگ الگ۔ وقد مر التفصیل

دوسری روایت عن انس ہے اس میں اضافہ ہے ایسے شخص کو اس نماز پر حج وعمرے کا ثواب ملے گا حج وعمرہ میں اگر واؤ جمعیت کے لئے لیں تو مطلب یہ ہے کہ حج وعمرے دونوں کا ثواب ملیگا اگر واؤ بمعنی او ہو تو یہ مختلف حالت پر مبنی ہے شوق اخلاص ومشقت پر ہے اگر یہ زیادہ تو ثواب زیادہ یہ ناقص تو ثواب کم حج یا عمرے کا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت مختصر ہو کہ بعض میں ہے کہ چار رکعت پر حج وعمرہ اور دو پر عمرے کا ثواب ملے گا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا تامۃ تامۃ تامۃ اس تاکید کی وجہ دفع ایہام ہے کہ یہ تو ہم ہوسکتا تھا کہ حج وعمرے کا ثواب بہت زیادہ ہے تو یہ تشبیہ جو ہے تو یہ کامل ثواب نہ ہوگا کہ اس میں مشقت بہ نسبت اس کے کم ہے تو فرمایا کہ پورا ثواب ملے گا۔

اسی استبعاد کی بنا پر کوئی تو ہم کرسکتا تھا کہ شاید راوی سے سہو ہوا ہوگا کہ عمل تو آسان اور ثواب زیادہ؟ تو اس کو ترمذی نے رفع کیا وسئلت محمد اُالخ ہو مقارب الحدیث یہ تعدیل کے الفاظ ہیں خلاصہ یہ کہ راوی سے بھی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

پھر تشبیہ بالحج وعمرہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حاج یا معتمر اپنے آپ کو محبوس رکھتا ہے عبادت کے لئے تو بطور ضیافت اللہ اس کو بہت ثواب دیتا ہے اور انعام دیتا ہے اسی طرح اس آدمی نے اپنے آپ کو محبوس کر دیا مسجد میں ثواب کے لئے تو یہ بھی مہمان بنا اللہ کا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اشیاء کے ثواب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ اصلی ثواب ۲۔ تفضیلی ثواب' اصلی ثواب عموماً متعین ہوتا ہے جیسے ہر نیکی پر دس نیکیاں لیکن تفضیلی ثواب متعین نہیں کہ اخلاص' مشقت ومحبت باری تعالیٰ وغیرہ اسباب کی بناء پر یہ ثواب بڑھتا رہتا ہے کبھی سات سو تک بڑھتا ہے کبھی اس سے بھی زیادہ غیر متعین ہوتا ہے جہاں روایات میں آسان عمل کا ثواب کسی بڑے عمل جتنا بتلایا گیا ہے کمافی الحدیث المذکور یا جیسے سورۃ اخلاص کو ثلث قرآن کے برابر کہا ہے سورۃ یاسین کو دس مرتبہ قرآن کے ثواب کے برابر کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آسان عمل پر جو تفضیلی ثواب ملتا ہے یہ اس بڑے عمل کے اصلی ثواب کے برابر ہے بڑے عمل کا تفضیلی ثواب تو بہت زیادہ ہے مثلاً تین مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے کا ثواب کل قرآن کے اصل ثواب کے برابر ملتا ہے مگر پورا قرآن ختم کرنے کا انعامی ثواب بہت زیادہ ہوگا۔

باب ماذکر فی التفات فی الصلوٰۃ

نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں۔

۱) آدمی آنکھوں کے کناروں سے دیکھے یمیناً یا شمالاً یہ جائز ہے اس سے نماز بھی نہیں ٹوٹتی اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی کی نگاہیں نیچی رہیں۔

۲) یمیناً یا شمالاً چہرہ مڑ جائے سینہ سیدھا رہے یہ مکروہ ہے مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳) آدمی کا سینہ بھی قبلے سے ہٹ جائے یعنی ۴۵ درجوں سے زائد یہ حرام ہے اور اگر کسی نے کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

عن ابن عباس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یمیناً وشمالاً آنکھوں کے کناروں سے دیکھتے تھے لحظ کنارے سے دیکھنا ولا یلوی عنقہ کہ اس سے سینہ منحرف ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یمیناً وشمالاً اس لئے توجہ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی دیکھ بھال فرماتے مقصد یہ تھا کہ ان کی نماز صحیح ہوگی تو ان کے بعد دوسرے لوگوں کی نماز بھی صحیح ہوگی چونکہ آپ معلم ومعالج تھے اور یہ علت دیگر افراد میں نہیں پائی جاتی اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ دیکھے۔

حافظ حازمی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ عمل شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہوا آیت ''قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون ''(1) سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین کی طرف دیکھتے تھے۔لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ منسوخ نہیں۔

دوسری روایت عائشہ کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے التفات فی الصلوٰۃ کے بارے میں پوچھا فرمایا''هو اختلاس ''الحدیث اختلاس اچکنے کو کہتے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کوئی شخص تیزی اور چپکے سے کوئی چیز لے لے کالسارق۔

(۲) مالک کے سامنے کسی چیز کو اٹھا کر بھاگ جائے۔

(۳) مالک کی موجودگی میں کسی چیز کو قہراً لے لے۔مختلس پہلی دوسری میں مغلوب اور تیسری میں غالب ہوگا۔(اچک لینے والا)(2)

پھر اس اختلاس کی مزید تین صوتیں ہیں۔کبھی کل چیز کو اٹھا کر لے گیا۔دوسری یہ کہ کچھ اٹھا کر لے گیا۔ تیسری یہ کہ کچھ بھی نہ لے لے بلکہ ناکام رہے۔

اس حدیث سے یہ تو ہم ہوسکتا تھا کہ جب لفظ مطلق ذکر ہوا تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے یہاں بھی فرد کامل مراد ہوگا کہ التفات سے شیطان پوری نماز چھین لینے میں کامیاب ہوجائے گا۔تو یہ باب باندھ کر یہ تو ہم دور کیا کہ التفات سے نماز ضائع نہیں ہوتی۔شرط یہ ہے کہ سینہ قبلے کی طرف رہے۔اسی باب کی پہلی حدیث سے یہ مقصد واضح ہے۔اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ هو اختلاس یختلسه الشیطان اپنے اطلاق پر جاری ہے اور یہ مذکورہ تینوں قسموں پر منطبق ہوسکتا ہے۔اگر تھوڑی توجہ ہٹائی تو کم اختلاس درمیانہ توجہ ہٹائی تو درمیانہ اختلاس اگر سینہ پھیر دیا تو کامل اختلاس۔

من صلوٰة الرجل کا مطلب من تواضع صلوٰۃ الرجل او من کمال صلوٰۃ الرجل مطلب یہ ہے کہ شیطان انتظار میں رہتا ہے کہ آدمی نے التفات کیا تو فوراً تواضع یا کمال صلوۃ کو اچک لیا تو نماز ناقص رہ گئی۔

باب ماذکر فی التفات فی الصلاة

(1) سورہ مؤمنون آیت:۱ (2) کمافی معارف السنن ص:۱۱۹ ج:۵

باب ماذکر فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع؟

رجال:۔

ہشام بن یونس ثقہ ہیں۔المحاربی ہوعبدالرحمٰن ابن زیادالکوفی ثقہ ہیں۔

ابی اسحاق کا نام عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے ثقہ اور عابد ہیں اختلط بآخرہ۔

ہبیرۃ بضم الہاء ابن حبان نے توثیق کی ہے حافظ نے کہا ہے لاباس بہ وقد عیب بالتشیع۔

وعن عمرو بن مرۃ عن ہبیرۃ پر عطف ہے یعنی ابواسحاق اپنے دونوں شیوخ ہبیرہ وعمرو سے روایت کرتے ہیں حجاج بن ارطاۃ کا ذکر آگے آجائے گا۔☆

تشریح:۔

عن ہبیرۃ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں وہہنا تحویل لم یذکرہ محشی کوکب نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ محاربی تک سند مشترک ہے ان کے بعد صحابیین (حضرت علی، حضرت معاذ) تک مختلف ہے یعنی محاربی حجاج اور عمرو بن مرہ دونوں سے روایت کرتے ہیں۔

اذااتی احدکم الصلوۃ والامام علیٰ حال فلیصنع کمایصنع الامام

عارضۃ الاحوزی میں ہے"امام ترمذی کا مقصد اس باب کے باندھنے سے یہ ہے کہ بان یدخل مع الامام علیٰ ای حال کان یعنی اگر رکعت نہ بھی ملتی ہو مگر دخول فی الصلوۃ مع الامام جلدی کرنی چاہیے خواہ امام سجود میں ہو یا قعود میں، عوام کی طرح انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ جب امام نئی رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تب نیت باندھیں گے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ نے تو بعض سے یہاں تک نقل کیا ہے لعلہ لایرفع راسہ من تلک السجدۃ حتیٰ یغفرلہ۔

پھر یہ انتظار دونوں حالتوں میں مذموم ہے چاہے تکبیر تحریمہ سے پہلے ہو یا دخول فی الصلوٰۃ کے بعد ہو کیونکہ یہ مخالفت ہے جو امر امامت و جماعت کے خلاف ہے۔

قال ابو عیسیٰ ھذاحدیث غریب لانعلم احداً اسندہ الاماروی من ھذالوجہ

اس حدیث پر ضعف کا حکم ابن ارطاۃ کی وجہ سے ہے اور انقطاع حضرت معاذ اور ابن ابی لیلیٰ کے درمیان ہے گویا یہ حدیث ضعیف ہے مگر اس کے باوجود یہ حدیث قابل استدلال ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے اسی پر عمل کیا ہے کیونکہ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ کما سیأتی ان شاء اللہ منہ بعضھا

اس لئے شوکانی نے نیل الاوطار (1) میں فرمایا۔

والحدیث وان کان فیہ ضعف لکنہ یشھد لہ ماعنداحمد وابی داؤد من حدیث ابن ابی لیلی عن معاذ قال: احیلت الصلوٰۃ ثلاثۃ احوال فذکر الحدیث وفیہ: فجاء معاذ فقال لااجدہ علیٰ حال ابداً الاکنت علیھا ثم قضیت ماسبقنی،.....وفیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قد سن لکم معاذ فھکذا فاصنعوا"(2)

ویشھد لہ ایضاً مارواہ ابن ابی شبیۃ عن رجل من الانصار مرفوعاً من وجد نی راکعاً اوقائماً اوساجداً فلیکن معی علیٰ حالتی التی انا علیھا (3)

(تحفۃ الاحوذی ص:۲۰۰)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سجود وقعود کی حالت میں امام کے ساتھ شمولیت سے رکعت نہیں ملتی مگر اس میں اختلاف ہے کہ رکوع سے رکعت ملتی ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک مل جاتی ہے جبکہ امام بخاری اور اہل ظواہر کے نزدیک نہیں ملتی۔

باب ماذکر فی الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع

(1) نیل الاوطار ص:۳۴۳ بحوالہ تحفۃ الاحوذی

(2) ابوداؤد ص:۸۱ ج:۱ "باب کیف الاذان"

(3) مصنفہ ابن ابی شیبہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص:۲۰۰ ج:۳

معارف السنن میں ہے کہ بظاہر امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ اگر حالت قیام میں امام کے ساتھ شامل ہوگیا اگر چہ قراءت کا موقع نہ ملے تو رکعت مل جائے گی اور قیام فوت ہوگیا تو رکوع سے رکعت نہیں ملتی۔(4)

ان حضرات کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نماز میں فاتحہ فرض ہے لہٰذا اس کے بغیر رکعت کیسے مل سکتی ہے؟ اس کا مفصل جواب قراءت خلف الامام کی بحث میں گذرا ہے۔

دوسرا استدلال ابو ہریرہ کی روایت سے ہے جسے امام بخاری نے جزء قراءت میں نقل کیا ہے ''من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ''۔(5)

مگر اس کے بارے میں صاحب تحفہ نے حافظ ابن حجر کا یہ قول فیصل نقل کیا ہے۔

"وھذا ھو المعروف عن ابی ھریرۃ موقوفاً واما المرفوع فلا اصل لہ"۔

(تحفہ ص:۲۰۱)

جمہور کے دلائل:۔ان کا پہلا استدلال دار قطنی '(6) ابن خزیمہ اور عقیلی کی روایت سے ہے۔

عن ابی ھریرہ مرفوعاً بلفظہ: من ادرك رکعة من الصلوٰة فقد ادرکھا قبل ان یقیم الامام صلبه"

اس میں اگر چہ قبل ان یقیم الامام صلبہ کی زیادتی پر امام بخاری نے اعتراض کیا ہے کہ اس میں یحیٰ ابن حمید مجہول ہے مگر معارف میں ہے کہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے اسی طرح ابن خزیمہ نے اس کی حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے لہٰذا جہالت کا حکم صحیح نہ ہوا۔

دوسرا استدلال:۔صحیح بخاری (7) میں حضرت ابو بکرہؓ کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کیا تا کہ رکعت مل سکے پھر صف میں شامل ہو گئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زادک اللہ حرصاً ولا تعد'' ولم یامرہ باعادۃ الرکعۃ۔

---

(4) معارف السنن ص:۱۲۰ج:۵ (5) کذافی تلخیص الحبیر ص:۱۰۸ج:۲ رقم حدیث ۵۹۵

(6) دار قطنی ص:۳۴۹ج:۱ رقم حدیث ۱۲۹۸ صحیح ابن خزیمہ ص:۴۵ج:۳ بحوالہ حاشیہ تلخیص الحبیر ص:۱۰۸ج:۲

(7) بخاری ص:۱۰۸ج:۱ ''باب اذا رکع دون الصف'' وابوداؤد ص:۱۰۶ج:۱

تیسرا استدلال:۔حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اطرف ابن حجر المطالب العالیہ من مسند مسدد میں ایک قولی حدیث ہے۔

ان مدرک الرکوع مدرک الرکعة لامدرک السجدة وصححه الحافظ مرفوعاً۔(8)

تاہم ان کے تلمیذ رشید علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ الفاظ نہیں ملے۔

آثار صحابہ سے بھی جمہور استدلال کرتے ہیں جن میں سے حضرت انس کا اثر بہت واضح ہے۔

ان القنوت فی الفجر کان بعد الرکوع فقدمه عثمان لیدرک الناس الرکوع

اور یہی وجہ ہے کہ شوکانی نے بالآخر اس مسئلہ میں جمہور کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا۔

باب کراهیة ان ینتظر الناس الامام وهم قیام عندافتتاح الصلوٰة

اس باب میں حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذااقیمت الصلوة فلاتقوموا حتیٰ ترونی خرجت

یہ روایت صحیحین(1) میں بھی ہے بخاری میں اگرچہ خرجت کا لفظ نہیں مگر دوسری صحیح روایات سے یہ لفظ ثابت ہے جیسے مسلم(2) وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

---

(8) کذافی معارف السنن ص:۱۲۱ ج:۵

باب کراهیة ان ینتظر الناس الامام وهم قیام عندافتتاح الصلاة

(1) صحیح بخاری ص:۸۸ ج:۱ ''باب متی یقوم الناس اذارأو الامام عندالاقامة'' صحیح مسلم ص:۲۲۰ ج:۱ ''باب متی یقوم الناس للصلاة'' (2) صحیح مسلم حوالہ بالا باب کی حدیث نمبر۲ میں یہ الفاظ ایک روایت میں ہیں۔

اس باب میں دو مسئلے ہیں۔ایک قیام کا دوسرا تکبیر امام کا۔ا۔اس میں اختلاف ہے کہ جماعت کی نماز میں لوگوں کو کب کھڑا ہونا چاہئیے؟ تو جمہور کے نزدیک اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرے اس وقت قیام مناسب ہے یہ اس وقت ہے کہ جب امام مسجد میں موجود ہو اگر امام مسجد میں نہ ہو تو عندالجمہور جب تک امام کو مسجد میں داخل ہوتے یا آتے ہوئے نہ دیکھے اس وقت تک کھڑے نہ ہوں۔

مذکورہ فی الباب کی حدیث سے بھی یہی مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی کچھ علامت محسوس کرتے ہوں گے جیسے دروازہ کھلنے کی آواز یا پردہ اٹھایا جانا وغیرہ تو تکبیر شروع فرماتے جس کے ساتھ باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روک دیا اور مقصد یہ تھا کہ بلاوجہ کیوں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے ہو ممکن ہے کہ میرے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہو جائے لہٰذا جب مجھے دیکھ کر یقین کر لو کہ اب نماز شروع ہو گی تب کھڑے ہو جاؤ بلکہ پہلے قیام سے امام پر بھی بوجھ ہوگا۔

چنانچہ ابن العربی عارضہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وھو یفید بظاھرہ ان السنة اذاحضرت الصلوة ان یقیم المؤذن باذن الامام من منزلہ اذاکان مع المسحد ویخرج الامام فلایقوم احد اذاکان الامام غائباً حتیٰ یروہ' ولوتمت الاقامة' وان کان حاضراً فقد تقدم القول متی یقوموا

صحیحین اور ابوداؤد کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو پہلے کھڑے ہونے سے روکنے کا سبب ان کا قبل الخروج قیام وانتظار قائماً تھا جیسے کہ ابوہریرہ سے مروی ہے۔

قال اقیمت الصلوة وعدلت الصفوف قیاماً قبل ان یخرج الینا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فخرج الینا (الحدیث اخرجہ الشیخان ـ)(3)

مسلم(4) وابوداؤد(5) میں انہیں سے مروی ہے۔

(3) صحیح بخاری ص:۸۹ ج:ا''باب ہل یخرج من المسجد لعلة'' صحیح مسلم ص:۲۲۰ ج:ا ولفظہ لمسلم (4) حوالہ بالا

(5) روی ابوداؤد بمعناہ ص:۱۰۴ ج:ا عن نعمان بن بشیر

ان الصلوۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیأخذ الناس مصافھم
قبل ان یاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو روکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ تک انتظار کرو بلکہ مراد یہ ہے کہ اقامت امام کا حق ہے وہ جس وقت آ کر شروع کرادے۔

رہا یہ مسئلہ کہ امام ابوحنیفہ سے جو یہ مروی ہے (6) کہ یقومون اذا قال حی علی الفلاح یا حی علی الصلوۃ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے قیام نہ کریں بلکہ مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس حد تک تاخیر کرسکتا ہے یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے تاکہ امام صاحب کا قول صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو جائے۔

البتہ یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ ابن منذر وغیرہ نے حضرت انس کا عمل اس طرح نقل کیا ہے۔

انہ کان یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی آخری عمر کا عمل ہے جس میں وہ کافی کمزور ہوگئے تھے اور زیادہ جلدی قیام کے قابل نہ رہے تھے یا پھر یہ موقوف حدیث مرفوع احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہوتا ہے کہ جس کی نشاندہی امام قرطبی نے کی ہے مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ان الصلوٰۃ کانت تقام قبل ان یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بیتہ وھو معارض لحدیث جابر بن سمرۃ ان بلالاً کان لایقیم حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پھر جواب بھی خود ہی دیا ہے کہ قبل الخروج سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو دکھائی دینے سے پہلے گو کہ حضرت بلال دیکھ کر یا علامت پا کر اقامت شروع فرماتے اور جابر کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ آپ کو دیکھتے تب صف بندی کرتے۔

مذکورہ تفصیل اس وقت ہے کہ جب امام مسجد میں نہ ہو اور لوگ صف بنانے میں ماہر ہوں اور جماعت کا

(6) کمافی المعارف ص:۱۲۴ ج:۵

کوئی وقت بھی مقرر نہ ہو بلکہ امام کے اختیار پر ہو۔

مگر اس کے برعکس امام بھی محراب میں ہو یا اس کے قریب ہو لوگ بھی صف بنانے میں دیر لگاتے ہوں اور وقت بھی مقرر ہو جس میں تاخیر کا امام کو اختیار نہ ہو جیسے آج کل ہے تو ایسی صورت میں اقامت شروع ہوتے ہی لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے تا کہ اقامت کے اختتام تک صفیں سیدھی ہو کر ہر آدمی تکبیر اولی پا سکے۔ چنانچہ گنگوہی صاحب کوکب میں فرماتے ہیں۔

وهذا اذا كانوا معتادی تسوية الصفوف سريعاً واما اذا كان الامر كمافی زماننا انهم لايفرغون من تسوية الصفوف الافی زمان كثير فلهم ان يقوموا قبل الاخذ فی التكبير

سعید بن میتب فرماتے ہیں۔

اذاقال المؤذن: الله اكبر وجب القيام واذاقال حیّ على الصلوة عدلت الصفوف واذاقال لااله الاالله كبر الامام

(تحفہ ص:۲۰۳ ج:۳)

اور یہ جو آج کل بعض لوگوں نے رواج بنایا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے قیام کو برا مانتے ہیں یا امام آ کر پہلے مصلی پر بیٹھ جاتا ہے اور حی علی الصلوٰۃ یا قد قامت الصلوۃ پر اٹھتا ہے یہ کہیں بھی ثابت نہیں خصوصاً اس میں ایسے غلو اور شعار اہل بدع کی وجہ سے ترک ضروری ہے جیسا کہ ملاعلی قاری ایک حدیث کے استنباط میں لکھتے ہیں۔

وفيه اشارة الى ان كل سنة تكون شعار اهل البدعة فتركها اولیٰ (مرقاة)

دوسرا مسئلہ کہ امام تکبیر کب کہے؟ تو معارف السنن میں ہے حضرت انس کی حدیث ہے اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام۔

مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں جو لوگ قد قامت الصلوۃ پر اللہ اکبر کہتے ہیں اس کی اصل تو کہیں معلوم نہیں ہوئی۔ لہٰذا معارف کی مذکورہ حدیث کی سند قابل غور ہے۔ سعید بن مسیّب کی مذکورہ بالا روایت میں

تصریح ہے واذا قال لا الہ الا اللہ کبر الامام۔ اس لئے معارف میں ہے۔

وعامة العلماء علیٰ انه لایکبر حتیٰ یفرغ المؤذن من الاقامة والیه ذهب ابویوسف والشافعی ومثله عن مالك

لہٰذا امام ابوحنیفہ سے جو یہ مروی ہے فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام امام محمد کا قول بھی اسی کے مطابق ہے تو کہا جائے گا کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے کیونکہ اکثر احادیث وآثار اسی قول کے مؤید ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب ماذکر فی الثناء علی الله والصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم قبل الدعاء

رجال:۔

یحی بن آدم ثقۃ من کبار التاسعۃ۔ ابوبکر بن عیاش الکوفی ان کے نام میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہی کنیت ان کا نام ہے ثقہ عابد من السابعۃ البتہ اخیر میں حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔

عاصم بن بہدلۃ صدوق لہ اوہام قراءۃ میں حجۃ ہیں صحیحین میں ان کی روایت مقرون آئی ہے۔

زر بکسر الزاء وتشدید الراء ثقۃ جلیل مخضرم۔☆

تشریح:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے یہاں جالس یا حاضر مقدر ہے اور ابوبکر وعمر بھی آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھ گیا اس قعود کے بارے میں تھانوی صاحبؒ المسک الذکی میں فرماتے ہیں۔

قلت الظاهر انه الجلوس بعد الفراغ عن الصلوٰة وحمل الجلوس علیٰ قعدة

الصلوة والثناء علیٰ التشهد احتمال بعید عندی

البتہ گنگوہی صاحب فرماتے ہیں ہذا یجوزان یکون فی الصلوٰۃ اوبعدہا علیٰ ہذا اگر مراد جلوس فی الصلوٰۃ ہوتو تقدیر اس طرح ہوگی جلست للتشہد اور ثانی صورت میں جلست بمعنی فرغت عنہا یعنی صلہ میں عنہا ہوگا سل تعطہ مانگو تجھے دیا جائے گا۔ تعطہ صیغہ مجہول کا ہے اس کا ہاء یا تو سکتے کا ہے کقولہ تعالیٰ حسابیہ یا ضمیر ہے جوراجع ہے مسئول کی طرف جس پر سل دلالت کرتا ہے جیسے ''اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ'' اور تکرار تاکید وتکثیر کے لئے ہے یا مطلب یہ ہے کہ سل الدنیا والآخرۃ فانہ تعطیہما۔

اس حدیث میں قبولیت دعا کی صرف دو شرطین مذکور ہیں ثناء و درود حالانکہ اخلاص بھی تو شرط قبولیت ہے اسے کیوں ذکر نہیں کیا گیا تو ابن العربی عارضہ میں لکھتے ہیں کہ اخلاص تو دین کارکن ہے پھر مشہور بھی ہے کہ انما الاعمال بالنیات اور اس کے ساتھ وہ ایک امر باطنی بھی ہے اس لئے فقط دو امرین کا ذکر ہوا۔

بہرحال جب اخلاص نیت' حمد وثناء اور درود وسلام دعا کے شروع میں مجتمع ہوجائیں تو وعدہ صادق کی بناء پر دعا قبول ہوجاتی ہے۔

بعض علماء نے دعا کے آداب میں سے اخفاء کو بھی اہم بتلایا ہے مدارک میں ابن جریج کا قول نقل کیا ہے۔ الصیاح فی الدعاء مکروہ بدعۃ اور خازن میں ہے۔

الادب فی الدعاء ان یکون خفیاً لهذه الآیة (ای آیة الاعراف ۵۵ وهی "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة انه لایحب المعتدین" اعراف:۵۵)وقال الحسن بین دعوة السر ودعوة العلانیة سبعون ضعفاً ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء ولا یسمع لهم صوت ان کان الاهمساً بینهم وبین ربهم۔

شامی ومدارک میں ہے۔ "انه لایحب المعتدین" ای المجاهرین بالدعاء۔

آج آپ خود غور کریں ہر جمعے کو نماز کے بعد ہزاروں بلکہ لاکھوں مسجدوں میں نماز کے بعد بارشوں' امن وغیرہ کے لئے دعائیں ہوتی ہیں مگر کبھی دیکھا نہیں گیا ہے کہ ادھر دعا ہوئی ادھر بارش شروع ہوئی۔ میری سمجھ میں تو یہ بات آئی ہے کہ دعا آج فن خطابت کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب ماذکر فی تطییب المساجد

رجال:۔

محمد بن حاتم البغدادی یہ اصلاً خراسانی ہیں ثقہ ہیں ترمذی اورنسائی نے ان سے روایات لی ہیں۔

عامر بن صالح بن عبداللہ بن عروۃ بن الزبیر القرشی الزبیری نزیل بغداد تقریب میں ہے متروک الحدیث۔☆

تشریح:۔

فیہ عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا قالت امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظّف ویتطیّب۔

اگلی روایت میں سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے قال سفیان ''بناء المساجد فی الدور یعنی القبائل۔

مرقات میں ہے۔

"ھو جمع دار وھو اسم جامع للبناء والعرصۃ والمحلۃ والمراد المحلات فانھم کانوا یسمون المحلۃ التی اجتمعت فیھاقبلیۃ داراً ، او ھو محمول علیٰ اتخاذ البیت فی الدار للصلاۃ کالمسجد یصلی فیہ اھل البیت قال ابن الملک والاول ھو المعول وعلیہ العمل (تحفۃ الاحوذی ص:۲۰۶ ج:۳)

حضرت گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ سفیان نے دور کی تفسیر محلے سے اس لئے کی ہے کہ امر کے اصلی معنی تو وجوب کے آتے ہیں حالانکہ گھروں میں مسجد بنانا تو لازمی نہیں مگر فقط مستحب ہے۔

بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ دار یا تو دار یدور سے ہے یا استدار سے معنی اول کی مناسبت لکثرۃ حرکات الناس فیھا کی بنیاد پر ہے اوردوسرے کی لانھم کانوا یخطون بطرف رمحھم قدرمایریدون ان یتخذوہ

مسکناً ویدیرون حوله(1)

الگ الگ محلوں میں مساجد بنانے کی حکمت وفائدہ یہ ہے کہ سب لوگوں کا ایک مسجد میں جمع ہونا اس وقت باعث مشقت تھا اور آج محال ہے کہ ایک تو گنجائش نہیں ہوگی دوسرے دور سے آنا جانا ہر وقت بہت مشکل ہے جو سبب ترک جماعت ہوسکتا ہے اس لئے مناسب فاصلے پر مساجد کا انتظام ضروری ہوا تاکہ بار بار آنے سے تکلیف نہ رہے اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوتی رہے۔ البتہ یہ تعمیر عدم صورت ضرار کے ساتھ مشروط ہے اگر ایک مسجد سے دوسری کو نقصان پہنچ رہا ہو مثلاً پہلی مسجد قریب ہے اور اس میں لوگوں کی گنجائش بھی ہے یا پہلی مسجد میں کوئی مانع حسی یا شرعی بھی نہیں تو ایسی صورت میں نئی مسجد بنانا ضرار ہوگا جو ناجائز ہے۔

وقال البغوی: قال عطاء: لمافتح اللّٰہ تعالیٰ علیٰ عمر رضی اللّٰہ عنه الامصار امر المسلمین ببناء المساجد وامرهم ان لایبنوا مسجدین یضار احدهما الآخر

(تحفۃ الاحوذی ص:۲۰۷ ج:۳ بحوالہ مرقات)

بہر حال اس حدیث پاک سے مساجد کی تطہیر وتنظیف اور ان میں خوشبو کا انتظام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے۔

ففی الصحیح: ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال "عرضت علی اعمال امتی حسنها وسیئها" فوجدت من محاسن اعمالها الاذی یماط عن الطریق ووجدت من مساوی اعمالها النخامة تکون فی المسجد ولاتدفن"۔

ومن الحسن: "عرضت علیّ اجور امتی حتیٰ القذات یخرجها الرجل من المسجد (الحدیث ص:۶۵ ج:۳)

پھر خوشبو میں تجمیر بھی ثابت ہے تطیب بھی اور زعفران لگانا بھی ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ: ان ابن الزبیر لمابنی الکعبة طلی حیطانها بالمسك (تحفہ ص:۲۰۷ ج:۳)

باب ماذکر فی تطییب المساجد

(1) معارف السنن ص:۱۲۶ ج:۵

تاہم امام مالک تجمیر کو مکروہ کہتے ہیں جمہور کی طرف سے ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے تجمیر المسجد ثابت ہے و کذالك ثبت التجمير فی عهد عمر رضى الله عنه (عرف الشذی)

وفی الزوائد (2) عن ابن عمر "ان عمر كان يجمر المسجد مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم كل جمعة (معارف السنن)

اور تحفہ میں ہے۔

فقد كان عبدالله يجمر المسجد اذاقعد عمر رضى الله عنه على المنبر

لہذا عطر دھونی وغیرہ ہر قسم کی خوشبو لگائی جا سکتی ہے۔

تنظیف سے مراد یہ ہے کہ مسجد کو گندی، میلی کچیلی چیزوں اور مستقذر اشیاء مثلاً بلغم، تھوک وغیرہ سے صاف رکھا جائے چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس مسجد کی دیوار سے نخامہ (بلغم) صاف کرنا اور اسے دیکھ کرنا گوار سمجھنا ثابت ہے۔

اور ابوداؤد (3) کی روایت سے جو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی کنکریاں باہر نہیں لے جانا چاہیے۔

عن ابى صالح قال كان يقال ان الرجل اذااخرج الحصى من المسجد يناشده اى يسأله باللهان لايخرجه من المسجد

تو اس سے مراد وہ کنکریاں ہیں جو کچے فرش کا حصہ ہوں جو تنکے اور کنکریاں وغیرہ بعد میں داخل مسجد ہوں اس کا نکالنا منع نہیں خاص کر اگر وہ نمازیوں کی تکلیف یا ناگواری طبع کا سبب بنے تو اسے جاڑو لگا کر یا کسی اور ذریعے سے دور کرنا جائز اور ثابت ہے۔

صحیحین (4) کی روایت ہے۔

ان امرأة كانت تقم المسجد فماتت فسأل النبى صلى الله عليه وسلم عنها فقالوا: ماتت فقال :افلا كنتم آذنتمونى به؟ قالوا: ماتت من الليل فكرهنا ان

(2) مجمع الزوائد ص:۱۱ ج:۲ رقم حدیث ۱۹۶۰ "باب اجمار المسجد" (3) ابوداؤد ص:۷۳ ج:۱ "باب فی حصا المسجد"
(4) صحیح مسلم ص:۳۰۹ ج:۱ "ابواب الجنائز"

نوقظك قال :دلونی علی قبرها' فاتی قبرها فصلی علیها
بیہقی (5) کی روایت میں اس عورت کا نام "ام محجن" بتلایا ہے۔(معارف السنن)
عارضۃ الاحوذی میں ہے۔
ولا ینـاقـض تنظیفه تعلیق قنو فیه من تمر یاکله المساکین ولا اکل فیه اذاوضع لفاظة او سقاطة مایاکل فی حجره او کمه

وهـذااصـح من الحدیث الاول امام ترمذی کا مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث مرسل ہے نہ کہ متصل کیونکہ مرفوع کے طریق وسند میں عامر ابن صالح الزبیری ہے تقریب میں ہے کہ عامر متروک ہے پھر تحفۃ الاحوذی میں ہے۔ وقد تفرد بروایتہ مرفوعا لیکن علامہ بنوری صاحب فرماتے ہیں کہ صاحب تحفہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ ابوداؤد (6) اور ابن ماجہ (7) میں زائدہ ابن قدامہ نے عامر کی متابعت کی ہے زائدہ ثقہ اور رجال ستہ میں سے ہیں اسی طرح ابن ماجہ میں مالک بن سعید نے بھی متابعت کی ہے۔ لہذا مرفوع بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

---

(5) بیہقی کبریٰ ص:۴۸ ج:۴ "باب الصلاۃ علی القبر بعد مایدفن المیت"
(6) دیکھئے سنن ابی داؤد ص:۲۷ ج:۱ "باب اتخاذ المسجد فی الدور"
(7) ابن ماجہ ص:۵۵ "باب تطہیر المساجد وتطییبہا"

باب ماجاء ان صلوة اللیل والنهار مثنیٰ

رجال:۔

عن علی الازدی صدوق من الثالثۃ۔☆

تشریح:۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ۔اس مسئلے سے متعلقہ مذاہب کا بیان پہلے ہو چکا ہے یہاں صرف اس بات کا بیان ہوگا کہ آیا ابن عمر کی یہ حدیث بجمیع اجزاءٖ رفعاً صحیح ہے یا یہ حکم صرف صلوٰۃ اللیل میں صحیح ہے؟

تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ واما صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ موقوفا علی ابن عمر فلا ریب فی صحتہ جبکہ مرفوع کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

والکلام فی اعلال لفظ "النهار" فی المرفوع اطول فلا اذکره الا نبذةً فاقول قد اعله النسائی الخ

مطلب یہ ہے کہ مذکور حکم مثنیٰ مثنیٰ کا لیل ونہار دونوں کو شامل کرنا صحیح نہیں یہ صرف رات کی نماز کے بارے میں ہے رہا نہار کی قید کا اضافہ تو جمہور نے اسے خطائے راوی پر محمول کیا ہے گو کہ امام بخاری اسے صحیح مانتے ہیں مگر جمہور مثلاً نسائی ابن معین اور امام احمد جیسا کہ فتاوی ابن تیمیہ میں ہے وکذا اعلہا الترمذی والدارقطنی والخطابی وابن عبدالبر وابن قدامۃ کذا فی المعارف (1)

پھر امام بخاری (2) فرماتے ہیں کہ ابن عمر دن کو چار رکعات نہیں پڑھتے تھے یعنی ایک تسلیمہ کے ساتھ زرقانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسکا انکار صحیح نہیں کیونکہ ابن عمر سے چار رکعت ایک

باب ماجاء ان صلاة اللیل والنهار مثنیٰ مثنیٰ

(1) ص:۱۲۸ ج:۵ (2) کذا فی المعارف ص:۱۲۹ ج:۵

سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔

(۱)منهامارواه الترمذی ای فی الباب نفسه عن عبیدالله عن نافع عن ابن عمر تعلیقاً ووصله الطحاوی (3)

(۲)ومنها مارواه الطحاوی باسناده ....عن ابن عمر انه کان یصلی قبل الجمعة اربعاً لایفصل بینهم بسلامٍ وسنده جید (4)

(۳)ومنها ماروی ابن معین عن یحی بن سعید عن نافع عن ابن عمر

تاہم ترجیح مذہب صاحبین کو حاصل ہے یعنی دن کو چار افضل ہے اور رات کو دو افضل ہیں۔

باب کیف کان یتطوع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالنهار؟

رجال:۔

عاصم بن ضمرہ الکوفی صدوق ہیں۔☆

تشریح:۔

قول فقال انکم لاتطیقون ذالک حضرت گنگوہی صاحب کوکب میں فرماتے ہیں کہ اس جواب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم سے غرض عمل ہے اور چونکہ حضرت علی کو اس علم پر مداومت عمل کی زیادہ امید نہیں تھی اس لئے بتلانا پسند نہ فرمایا تا کہ علم عبث نہ ہو جائے مگر جب انہوں نے کہا ''من اطاق ذالک منا'' یعنی فعله یہ فعله خبر محذوف ہے تو حضرت علی نے بتلانا شروع کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہے کہ ان کو تمام اوقات عبادت میں صرف کرنے کا حکم نہیں دیا ورنہ تو معاش کو قائم رکھنا ان کے لئے

---

(3) شرح معانی الآثار ص: ۲۳۳ ج: ۱ ''باب التطوع باللیل والنہار کیف ہو'' (4) حوالہ بالا

جلد 2

32/1

مشکل ہوجاتا ہے تاہم جن اوقات میں بڑی تبدیلی عالم میں رونما ہوتی ہے ان میں نماز فرض کردی جو اوقات ان میں سے فارغ رہ گئے تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بعض حصوں میں نوافل وسنن پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا کبھی قولاً کبھی عملاً تا کہ امت کو دنیاوی فائدے کے ساتھ ساتھ دینی فضیلت بھی حاصل ہو پھر بظاہر عشاء کی نماز بمقابلہ تہجد کے ہے مگر حضرت علی نے از روئے شفقت اسے ذکر نہیں فرمایا۔

قال ابوعیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح امام ترمذی نے باب ماجاء فی الاربع قبل العصر میں حضرت علی کی حدیث کی تحسین کی ہے اس میں ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي قبل العصر اربع ركعات يفصل بينهن بالتسليم على الملائكة المقربين ومن تبعهم من المسلمين والمؤمنين

اس میں اسحٰق بن ابراہیم کا قول نقل کر کے فرمایا ہے۔

لايفصل في الاربع قبل العصر واحتج بهذالحديث وقال معنى قول انه يفصل بينهن بالتسليم يعني التشهد

نسائی (1) کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے امام ابن المبارک کے قول کی توجیہ کی کوشش کی ہے۔

جو لوگ صلوٰۃ اشراق اور صلوٰۃ چاشت کی تفریق واثنینیت کے قائل ہیں جیسے عام صوفیہ کرام یہ حدیث ان کے لئے محدثین کے خلاف حجت ہے کیونکہ محدثین اس تفریق کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی نماز ہے کیونکہ صحیح احادیث سے تفریق معلوم نہیں ہوتی اور جن روایات سے صلوٰۃ ضحیٰ کا ثبوت ملتا ہے جیسے ام ہانی کی روایت (2) فتح مکہ والے دن کی نماز کے متعلق تو وہ صلوٰۃ فتح تھی یا رات کی تہجد تھی۔

یہاں بظاہر یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ معمول تھا کہ جب سورج طلوع ہوتا اور بقدر ایک دو نیزے بلند ہوتا جس سے وقت مکروہ ختم ہوجاتا تب دو یا چار رکعت پڑھتے اور اس روایت سے

باب كيف كان يتطوع النبي صلى الله عليه وسلم بالنهار

(1) نسائی ص:۱۴۰ ج:۱ ''الصلاۃ قبل العصر وذکر الخ'' (2) صحیح بخاری ص:۱۵۷ ج:۱ ''باب صلاۃ الضحیٰ فی السفر''

معلوم ہوتا کہ سورج کافی بلند ہوتا کیونکہ عصر کے وقت سورج افق سے کافی بلند ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض نے اس کو بجائے اشراق کے ضحوۃ صغری کی نماز کہا ہے جبکہ چاشت کو ضحوہ کبری کہا ہے۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ بقدر ایک رمحہ یا دو رمحے اس کا ابتدائی وقت ہے جو ضحوہ صغری تک رہتا ہے فلا اشکال۔ اس روایت سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جو عصر کی تاخیر کے قائل ہیں۔

مفتی ولی حسن صاحب فرماتے تھے کہ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھنے سے آدمی کی دنیوی حالت بہتر ہو جاتی ہے اس لئے طلباء کو اسے معمول بنانا چاہیے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب فی کراھیة الصلٰوۃ فی لحف النساء

رجال:۔

خالد بن الحارث البصری ثقہ ہیں۔ اشعث یہ بھی بصری اور ثقہ ہیں۔

عبداللہ بن شقیق ثقۃ من الثالثۃ۔ ☆

تشریح:۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايصلي في لحف نسائه۔

لحف بضمہ لام وحاء لحاف کی جمع ہے جیسے کتب جمع کتاب ہے لحاف سردی کے موسم میں جو کمبل و چادر وغیرہ کپڑوں کے اوپر اوڑھتے ہیں اس کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد مطلق عورتوں کا لباس ہے یا مراد خاص ہے مگر باقی کپڑے اس پر قیاس ہیں عورتوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز تو ہے مگر احوط یہ ہے کہ اس سے بچا جائے کیونکہ عورتیں عموماً نظافت کا خیال نہیں رکھتی ہیں اسی طرح عورتوں کے مستعمل کپڑوں میں نماز پڑھنے سے ذہنی انتشار بھی ہوتا ہے کہ خیال عورت کی طرف جاتا ہے۔ حضرت گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے کہ جب فتنے کا خطرہ نہ ہو ورنہ نماز جائز نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کا ذکر ہے ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

لحف نساء میں نماز پڑھنا ثابت بھی ہے مثلاً ابوداؤد و مسلم (1) کی روایت جس کی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے وقد روی فی ذالک رخصۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حدیث عائشہ یہ ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یصلی من اللیل وانا الی جنبه وانا حائض وعلیّ مرط وعلیه بعضه

یا جیسا کہ ابوداؤد (2) میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

کنت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وعلینا شعارنا وقد القینا فوقه کساء فلما اصبح رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اخذ الکساء فلبسه ثم خرج فصلی الغداة (الحدیث)

ابن العربی نے عارضہ میں لکھا ہے۔

کماجاء فی حدیث ابن عباس اذبات عندالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: فقام فتواضا ثم اخذطرف ثوب میمونة فصلی به وعلیها بعضه

قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔

کمافی التحفة "کل ذالك یدل علی عدم وجوب تجنب ثیاب النساء وانما هومندوب فقط عملاً بالاحتیاط وبهذا یجمع بین الاحادیث (3)

پھر جو عورتیں بچوں والی ہیں یا عموماً نظافت کا خیال کم رکھتی ہیں گو کہ ان کے کپڑوں میں نجاست کا ظن نہ ہو پھر بھی ان کے کپڑوں سے بچنا زیادہ مؤکد ہے بہ نسبت طہارت کی پابندی کرنے والی عورتوں کے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائشہ کے لحاف میں وحی نازل ہوتی تھی یہ شرف دوسری امہات المؤمنین کو حاصل نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ان کپڑوں میں اگر نجاست نہ بھی ہو مگر ایک احتمال تو رہتا ہے اور شریعت مطہرہ کبھی کبھی

باب فی کراهیة الصلاة فی لحف النساء

(1) صحیح مسلم ص:۱۹۸ ج:۱ "باب سترۃ المصلی والندب الی الصلاۃ الخ" (2) ابوداؤد ص:۹۹ ج:۱ "باب الرجل یصلی فی ثوب بعضہ علی غیرہ" (3) نیل الاوطار ص:۱۲۵ ج:۲

احتمالات غالبہ کوبھی تو رعاملحوظ رکھتی ہے جیسے کہ کتب متون کا دأب ہے بخلاف کتب فتاوی کے کہ وہ توسع کوملحوظ رکھتی ہیں جیسے کہ دجاجۃ الخلاۃ کا مسئلہ ہے۔

باب مایجوز من المشی و العمل فی صلوٰۃ التطوع

رجال:۔

عن بردبضم الموحدۃ وسکون الراء ثقہ ہیں ان پرکلام آنے والا ہے۔☆

تشریح:۔

شوکانی، مبارکپوری اور ابن الملک وغیرہ بعض اہل ظواہر کہتے ہیں کہ عندالحاجۃ عمل کثیر فی الصلوٰۃ التطوع جائز ہے وہ اس روایت کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے چلنا دروازہ کھولنا اور پھر واپس آنا یہ عمل کثیر ہے اور چونکہ نسائی (1) میں تصریح ہے کہ یہ نماز نفل تھی استفحت الباب ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علی القبلۃ لہٰذا انفصال کے ساتھ اس کی تقیید تقید بالمذہب ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا مگر ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ مذاہب اربعہ کا عمل قلیل وکثیر کے درمیان فرق کرنا کہ اول ناقض نہیں اور ثانی ناقض ہے یہ خود احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا یہ تقیید بالرائے نہیں بلکہ بالروایت ہے مثلاً ترمذی میں حضرت معیقیب کی حدیث گذری ہے جس میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی الرجل یسوی التراب حیث یسجد قال ان کنت فاعلاً فمرۃ اس روایت کے بعض طرق میں مرتین کا بھی ذکر ہے جو صاف طور بتلا رہی ہے کہ دو سے زیادہ اجازت نہیں۔ اس لئے ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تاہم نفلوں میں توسع ہے بنسبت فرض نماز کے جس پر حدیث باب ودیگر روایات ناطق ہیں۔

باب مایجوز من المشی والعمل فی صلاۃ التطوع

(1) نسائی ص:۱۷۸ "باب المشی امام القبلۃ خطا یسیراً"

پھر مذکورہ باب کی حدیث میں جس طرح انفصال کی تقیید وتصریح نہیں تو توالی وموالات کی بھی کوئی دلیل نہیں ما ہو جوابکم فہو جوابنا۔

ابن حجر فرماتے ہیں۔

ان المقرر فی الاصول ان وقائع الاحوال الفعلية اذاتطرق اليهااحتمال سقط به الاستدلال

یہاں بھی احتمال ہے کہ آپ کی یہ مشی غیر متوالی ہو خاص کر یہ حدیث ایسی ہے کہ اس میں مختلف فیہ راوی بھی موجود ہے مثلا برد ابن سنان صرف صدوق ہی نہیں بلکہ ان پر قدری ہونے کا بھی الزام ہے تو ان کی روایت اصول کلیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیونکہ اصول تو صحیح احادیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

البتہ عمل قلیل وکثیر کی تعریف میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ مصلی کی رائے پر ہے وہ جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل اور جس کو کثیر وہ کثیر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دیکھنے والے پر ہے تفصیل مذکور کے ساتھ۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ والا عمل ہو تو قلیل اگر دونوں ہاتھ والا ہو تو کثیر مثلاً ٹوپی سجدہ میں سر سے گر گئی تو ایک ہاتھ سے رکھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ عمامہ باندھنا مفسد صلوٰۃ ہوگا کہ یہ دونوں ہاتھوں کے استعمال کئے بغیر نہیں ہوسکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک ہی رکن میں پے درپے تین مرتبہ عمل کرنا مثلاً چل کر تین قدم متوالی لینا یا ہاتھ سے کھجلی کرنا وغیرہ کثیر ہے۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ انفصالاً قبلے کی طرف مسجد کی حدود کے اندر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اس سے زیادہ یا غیر قبلہ کی طرف مفسد ہوگی۔ یہ سب اقوال فقہاء حنفیہ کے ہیں ابن قدامہ ''مغنی'' میں لکھتے ہیں کل مایشابه فعل النبی صلی اللہ علیه وسلم فهو معدود یسیراً۔ امام نووی ''المنہاج'' میں لکھتے ہیں الکثرۃ بالعرف۔ کذافی معارف السنن (2)

ووصفت الباب فی القبلۃ قبلہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ ہے کیونکہ حجرے کا قبلہ جنوب کی طرف ہے جبکہ دروازہ اس کے مغرب کی طرف ہے پھر ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار غربی سے متصل نہیں تھے اس لئے دروازہ کھلنے کے بعد عائشہ کو انتظار سلام نہیں کرنا پڑا بلکہ غربی دیوار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

(2) ص:۱۳۶ ج:۵

درمیان سے گذر گئی۔

باب ماذکر فی قراء ۃ سورتین فی رکعۃ

رجال:۔

ابوداؤد سے مراد طیالسی ہیں۔ سال رجل اس رجل کا نام نہیک بن سنان البجلی ہے بکسر السین وفتح النون۔☆

تشریح:۔

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تاہم دونوں کے درمیان کسی سورت کا فاصلہ کرنا کہ ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ دے مکروہ ہے۔

یہ لفظ ''اسن'' سورت محمد کی آیت میں وارد ہے'' فیھاانھار من ماء غیر آسن ''ای غیر متغیر۔

مسلم(1) کی روایت ہے کیف تقرأھذا الحرف الفاتجدہ او یاءًاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سوال قراءت کے متعلق تھا۔

عبداللہ بن مسعود کا جواب اس پر مبنی ہے کہ سائل اپنے سوال میں مسترشد نہیں اس کی غرض تعلم نہیں بلکہ عوام کی طرح غیر ضروری اور غیر متعلقہ سوالات پوچھتا ہے اس لئے اصل جواب سے گریز فرمایا۔

یا مطلب یہ ہے کہ اس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ سوالات میں ترتیب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے کہ پہلے آدمی معانی واغراض قرآن سمجھنے کی کوشش کرے پھر اختلاف قراءات پر توجہ دینی چاہیئے۔

قال نعم مسلم(2) کی روایت میں ہے انی لاقرأالمفصل فی رکعۃ گویا ترمذی میں اختصار ہے لہذا قال ان قوماًیقرؤنہ الخ کواسی مسلم کی عبارت کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔ نثر بکھیرنے کو کہتے ہیں اور دقل بفتحتین ردی

باب ماذکر فی قراء ۃ سورتین فی رکعۃ

(1) صحیح مسلم ص:۲۷۳ ج:۱''باب ترتیل القراءۃ واجتناب الھذ والخ''(2) حوالہ بالا

اور بے کار قسم کی کھجور کو کہتے ہیں جو خشک اور بے مزہ ہوں تراقی ترقوۃ کی جمع ہے وہی العظم بین النحر والعاتق یعنی ہنسلی کی ہڈی کو کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ سوچے سمجھے بغیر قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ہنسلیکی ہڈی سے آگے تجاوز نہیں کرتا ہے اگر تجاوز اندر کی طرف مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا ہے تو کیسے اسکو سمجھیں گے بالفاظ دیگر وہ صرف زبانی تلاوت پر اکتفاء کرتے ہیں اس میں غور وخوض کو مدنظر نہیں رکھتے تدبر کی کوشش نہیں کرتے اور اگر مراد تجاوز سے باہر اور اوپر کی طرف ہو تو یہ کنایہ عدم قبول سے ہے یعنی ایسی تلاوت مقبول عندالرب تعالیٰ نہیں۔ اس میں بھی اس آدمی کی تعلیم مقصد ہے کہ زیادہ پڑھنے کی کوشش سے اس میں تدبر اولیٰ ہے۔

انی لاعرف السور النظائر یہ نظیرۃ کی جمع ہے مثل اور شبیہ کو کہتے ہیں اس سے کونسی مماثلت مراد ہے تو صاحب تلویح اور علامہ عینی کے نزدیک اس سے طول اور قصر کی مماثلت مراد ہے جبکہ حافظ ابن حجر کے نزدیک وہ سورتیں مراد ہیں جو معانی میں مثلاً موعظت، حکم اور قصص وغیرہ میں مماثل ہوں۔

اس پر صاحب تحفہ نے محب طبری کا قول نقل کر کے اعتراض کیا ہے کہ ان سورتوں میں تساوی فی عددالآیات نہیں پائی جاتی ہے لہذ امراد متساویۃ العدد نہیں ہوسکتی مگر اس کا جواب یہ ہے کہ نظائر سے مراد یہ نہیں لیتے کہ دونوں سورتوں کی آیات کی تعداد ایک ہو بلکہ مقصد تقارب فی الکمیۃ ہے جیسا کہ لفظ نظائر اس کی طرف مشیر ہے۔ علاوہ ازیں طحاوی کی ایک روایت میں تماثل فی الکمیت کی تصریح ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرن بین کل سورتین فی کل رکعۃ۔

پہلے گذر چکا ہے کہ کان ہر جگہ دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا لہٰذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کذائی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ کبھی کبھی نفلوں میں یا عموماً ایسا کرتے ہونگے۔

وہ نظائر بیس سورتیں ہیں۔ الرحمن والنجم واقترب والحاقة فی رکعة وھکذا الطور والزاریات، اذاوقعت ونون، سأل سائل والنازعات، ویل للمطففین وعبس، والمدثر والمزمل، ھل اتی ولااقسم بیوم القیامة، عم یتساء لون والمرسلات، الدخان واذالشمس کذافی مجمع البحار

ورواه ابو داؤد فی سننه کمافی الحاشیة (3) البتہ یہ ترتیب ابن مسعود کی تالیف کے مطابق ہے۔

معارف السنن میں ہے کہ شمس الدین کرمانی نے اس سے استدلال کر کے وتر برکعۃ کے اثبات کی کوشش کی ہے طریق استدلال یہ ہے کہ یہ بیس سورتیں دس رکعات میں بنتی ہیں تو وتروں کے لئے فقط ایک رکعت بچتی ہے مگر حضرت شاہ صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ صحیحین (4) میں تیرہ رکعات صلوٰۃ اللیل کی ثابت ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب ماجاء فی فضل المشی الی المسجد ومایکتب له من الاجر فی خطاه

رجال:۔

ابوداؤد ہوالطیالسی۔ ذکوان ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

فاحسن الوضوء یعنی جب اس کے فرائض، شروط اور آداب کو پورا کرے لایخرجه اوقال لاینهزه اس میں او شک راوی کے لئے ہے النهز الدفع والحرکة ای لایدفعه ولایحرکه الا الصلوٰة الا رفعه الله بها درجة اوحط عنه بها خطیئة رفع درجہ اور حط خطیئہ شاید بمنزلہ لازم وملزوم ہیں کیونکہ جب گناہ گھٹیں گے تو درجہ بڑھے گا۔

مقصد مسجد آنے کی ترغیب ہے کہ اندھیروں اور سردیوں وغیرہ میں بھی اور قریب وبعید سے بھی مسجد کی طرف جانا چاہئے کہ اس کا بڑا ثواب ہے۔

---

(3) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے سنن ابی داؤد ص:۲۰۵ ج:۱ ''باب تحزیب القرآن'' ایضاً فتح الباری وعمدۃ القاری ''باب الجمع بین السورتین'' اور معارف السنن ص:۱۳۸ ج:۵

(4) بخاری ص:۱۵۳ ج:۱ ''باب کیف صلاۃ اللیل الخ'' صحیح مسلم ص:۲۵۴ ج:۱

باب ماذکر فی الصلوٰۃ بعد المغرب انه فی البیت افضل

رجال:۔

ابراہیم بن ابی الوزیر صدوق من التاسعۃ۔

محمد بن موسیٰ صدوق صالح یتشیع ترمذی نے توثیق کی ہے۔

سعد بن اسحاق ثقۃ من الخامسۃ۔

عن ابیہ ہو اسحاق بن کعب بن عجرۃ تابعی مجہول الحال ہیں حرہ کے دن قتل ہوئے تھے۔

عن جدہ ہو کعب بن عجرۃ مشہور صحابی ہیں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ☆

تشریح:۔

مذکورہ باب کی روایت کی تصحیح اگرچہ ترمذی نے نہیں کی ہے مگر یہ روایت ابوداؤد(1) ونسائی صغری میں بھی ہے۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے ابن ابی لیلیٰ اور بعض دیگر اہل ظواہر اس لفظ علیکم بھذہ الصلوٰۃ فی البیوت سے استدلال کرکے مغرب کی سنن مسجد میں پڑھنے کے عدم جواز کے قائل ہیں مگر جمہور کے نزدیک کوئی بھی نفل یا سنت مسجد میں پڑھنا جائز ہے گو کہ افضل واولی گھر میں پڑھنا ہے۔

مرقات میں ہے کہ اس حدیث میں ما ہو الافضل کی طرف اشارہ ہے اور وہ بھی اس شخص کے لئے جو گھر جانا چاہتا ہو جو آدمی مسجد میں معتکف ہو اس کے لئے بالاتفاق مسجد میں پڑھنا بلا کراہیت جائز ہے۔پھر بعض نے کہا ہے کہ چونکہ آج کل ترک سنن روافض کا شعار بن چکا ہے لہٰذا مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ سنت کی ادائیگی کے بغیر نکلنے سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوگی اور بخاری نے اپنی تاریخ میں حدیث نقل کی ہے

باب ماذکر فی الصلاۃ بعدالمغرب انه فی البیت افضل

(1) سنن ابی داؤد ص:۱۹۱ ج:۱ ''باب رکعتی المغرب این یصلیان'' ایضاً سنن نسائی ص:۱۳۹ ج:۱ پر ''رکعتین بعد المغرب فی البیت'' پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول منقول ہے۔

اتقوا مواضع التهم (المسک الذکی)

مگر یہ ایسی وجہ نہیں جو ہر وقت اور ہر جگہ دلیل بن سکے کیونکہ اکثر احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کا عام معمول گھر میں ہی پڑھنے کا تھا جس سے گھر میں افضلیت کا یقین ہو جاتا ہے ورنہ وہ مسجد نبوی کی فضیلت نہ خود چھوڑتے اور نہ صحابہ کو حکم دیتے۔ لہٰذا جہاں تہمت کا اندیشہ نہ ہو وہاں گھر میں پڑھنا افضل ہوگا بشرطیکہ مکان جا کر قلب میں انتشار پیدا ہونے اور طبعیت حاضر نہ رہنے کا اندیشہ نہ ہو اسی طرح بیوی بچوں یا راستہ میں کسی اور کے ساتھ باتوں میں لگنے اور غفلت کرنے کا خطرہ نہ ہو۔

وقد روی عن حذیفۃ الخ یہ حدیث یہاں انہوں نے تعلیقاً روایت کی ہے مگر مسند احمد (2) میں یہ متصل و موصولاً ہے جس میں حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔

قالت لی امی: متی عهدك بالنبی صلی الله علیه وسلم الحدیث وفیه فجئته فصلیت معه المغرب فلماقضیٰ الصلاة قام یصلی فلم یزل یصلی حتیٰ صلی العشاء ثم خرج کذافی التحفة وقال اسناده حسن

امام ترمذی فرماتے ہیں۔

ففی هذالحدیث دلالة ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی الرکعتین بعد المغرب فی المسجد

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا مقصد اس عبارت سے ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو مغرب کی رکعتین مسجد میں پڑھنے کے منکر ہیں۔

ابوداؤد (3) میں ابن عباس سے روایت ہے۔

قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یطیل القراءة بعد المغرب حتی یتفرق اهل المسجد

---

(2) مسند احمد ص:۱۱۵ ج:۹ رقم حدیث ۲۳۴۹۶

(3) ص:۱۹۱ ج:۱

اس میں اگر چہ یہ احتمال تو ہے کہ یہ اطالہ فی البیت مراد ہو مگر یہ بھی احتمال ہے کہ مراد مسجد میں ادا کرنا ہو بہر کیف لوگوں کا مسجد میں پڑھنا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ولم یصل النبی صلی اللہ علیہ و سلم سنن المغرب فی المسجد الافی واقعة اوواقعتین فی غیر المسجد النبوی

باب فی اغتسال عندمایسلم الرجل

رجال:۔

سفیان سے مراد ثوری ہیں۔ عن الاغر بفتح الغین وتشدید الراء ثقہ ہیں۔
خلیفۃ بن حصین نسائی نے توثیق کی ہے۔
قیس بن عاصم صحابی ہیں حلم اور بردباری میں مشہور تھے۔☆

تشریح:۔

امام ترمذی نے اس باب میں اجمال وابہام سے کام لیا ہے کہ والعمل علیہ عند اہل العلم یستحبون للرجل اذا اسلم ان یغتسل ویغسل ثیابہ مطلقاً کہہ دیا کسی کا اختلاف ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ فقط حنفیہ وشافعیہ یا زیادہ سے زیادہ جمہور کا مذہب ہے وہ بھی اس صورت میں کہ نومسلم جنابت میں نہ ہو اگر جنابت کا غسل کرنے سے پہلے اسلام لایا تو اس کے لئے غسل واجب ہے۔ مالکیہ' حنابلہ اور ابوثور تو مطلقاً وجوب کے قائل ہیں معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ترمذی کے قول کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ انہوں نے فقط ماھو المختار کا ذکر کیا ہے۔

پھر حاشیہ کوکب وغیرہ میں ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اگر حالت کفر میں جنابت لاحق ہوگئی ہو تو چاہے غسل کر بھی لے پھر بھی اسے بعد الاسلام غسل کرنا واجب ہے الحاصل حنفیہ کے نزدیک غسل جنابت حالت کفر میں معتبر ہے عند الائمۃ الثلاثۃ معتبر نہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ تفصیل فی الغسل بعد قبول الاسلام ہے نہ کہ قبل الاسلام کیونکہ غیر مغتسل کا اسلام بالاتفاق قبول ہے یعنی اسلام کے لئے غسل کرنا شرط نہیں ہے اس کی وجہ

یہ ہے کہ غسل کرنے سے اسلام لانے میں تاخیر ہوگی حالانکہ مسارعت الی الاسلام واجب ہے۔ پھر گنگوہی صاحب نے غسل کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ کلمہ توحید سے اسکا باطن پاک ہوگیا لہٰذا غسل کرے تاکہ ظاہری طہارت بھی حاصل ہو لیوافق الظاہر الباطن اور یہی وجہ ہے کہ غسل کے ساتھ اسے ختنہ کرانے' کپڑے دھونے اور کفر کے بال حلق کرانے کا بھی حکم ہے تاہم ختنہ کے لئے اگر باندی کا انتظام ہوسکے تو وہ خرید کر اس سے ختنہ کرائے مگر آج کل یہ صورت مفقود ہے اس لئے اگر خود کرسکتا ہے تو فبہا ورنہ ان فقہاء کے نزدیک جو ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں کسی اور سے بھی کروایا جاسکتا ہے کفر کے بال سے مراد وہ بال ہیں جو بعض کفار بطور علامت رکھتے ہیں جیسے مصر اور ہندوستان کے کفار کا بعض بال سر کے نہ کٹوانے کا رواج ہے تو اس طرح کے بال و دیگر کفر کی جملہ علامات ہٹانا لازمی ہے جیسے کہ ابوداؤد(1) کی روایت میں ہے الق عنک شعر الکفر واختتن۔

بہر حال جو لوگ بعد الاسلام غسل کے وجوب کے قائل ہیں ان کا استدلال باب کی حدیث سے ہے جس میں فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یغتسل بماء وسدر کے ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ لفظ امر' امر وجوبی میں مستعمل ہوتا ہے اس حدیث کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے جبکہ ابن السکن نے تصحیح کی ہے۔

دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس کا حوالہ امام ترمذی نے وفی الباب عن ابی ہریرۃ میں دیا ہے یہ روایت مسند احمد(2) میں ہے اس میں امر کا لفظ آیا ہے ان ثمامۃ اسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذہبوا بہ الی حائط بنی فلان فمروہ ان یغتسل البتہ صحیحین میں امر بالاغتسال کا لفظ نہیں ہے بلکہ فقط انہ اغتسل کا لفظ وارد ہے کذا فی التحفۃ نقلاً عن النیل۔

تیسرا استدلال انکا یہ ہے کہ کافر و مشرک حالت کفر میں جماع و احتلام سے مبرا تو ہوتا نہیں اور وہ غسل یا تو کرتا نہیں اور اگر کر بھی لے تو غسل فرض ہے اور کافر کا بغیر ایمان کے کوئی فرض قبول نہیں۔

جمہور اپنے استدلال میں کہتے ہیں کہ صحابہ کی اکثریت نے جب اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو غسل کرنے کا حکم نہیں فرمایا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاذ و نادر کسی کو غسل

باب فی الاغتسال عندمایسلم الرجل

(1) ابوداؤد ص:۵۷ ج:۱ ''باب الرجل یسلم فیؤمر بالغسل''

(2) کذا فی التحفۃ ص:۲۲۶ ج:۳

کرنے کا حکم دیا ہو جیسے کہ پہلے فریق نے دلیل میں کہا تو وہاں امر ندب کے لئے ہوگا ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کی تخصیص بالامر نہیں فرماتے۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ کافر کا کوئی فرض مقبول نہیں لہٰذا اس کا غسل بھی نامنظور ہے تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عبادات محضہ کے علاوہ معاملات وغیرہ اور بعض احکام حالت کفر میں بھی معتبر ہیں جیسے ان کا نکاح کرنا' طلاق دینا وغیرہ اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کے وفود کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت فرمائی ہے اگر ان کا غسل معتبر نہ ہو تو مسجد میں کیسے داخل ہو سکتے تھے؟ واللہ اعلم وعلمہ اتم

اسی طرح ان کے سابقہ نکاحوں کو صحیح قرار دیا اور اولاد کو میراث کا حق دینا وغیرہ بعض احکام کی صحت دلیل ہے بشرطیکہ وہ ان کی ملت کے مطابق ہوں۔

باب ماذکر من التسمية في دخول الخلاء

رجال:۔

محمد بن حمید الرازی حافظ ضعیف ہیں تاہم ابن معین ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

الحکم بن بشیر کوفی صدوق ہیں صحیحین میں ان سے ایک روایت ہے۔

خلاد الکوفی یحی بن معین نے توثیق کی ہے۔

الحکم بن عبداللہ حافظ نے مقبول جبکہ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ ابی اسحاق ہو سبیعی۔

ابی جحیفہ بتقدیم الجیم مصغراً ان کا نام وہب بن عبداللہ ہے صغار صحابہ میں سے ہیں' حضرت علی کے خواص میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہما ☆

باب ماذکر من سیماء هذه الامة من آثار السجود والطهور یوم القیامة

رجال:۔

صفوان بن عمرو ثقہ ہیں مسلم میں ان سے ایک روایت ہے۔ یزبن خمیر ثقہ ہیں۔☆

تشریح:۔

اس سے سابقہ باب (باب ماذکر من التسمیۃ فی دخول الخلاء) سے لے کر ابواب الزکوٰۃ تک اعادۂ مضامین ہے اجمالاً کیونکہ امام ترمذی کا یہ معمول ہے کہ جب اہم بحث ختم کرنے کے قریب ہوجاتے ہیں تو سابقہ پوری بحث کو مختصراً سمیٹنے کی سعی جمیل فرماتے ہیں جو بمنزلہ اجمال بعد التفصیل کا کام دیتا ہے۔ یہاں بھی انہوں نے ابواب الطہارت اور ابواب الصلوٰۃ کے بعض اہم عنوانات مکرر فرما کر دونوں بحثوں کی تفصیل یاد رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔

لہٰذا امام ترمذی پر یہ اعتراض صحیح نہیں کہ انہوں نے تکرار کیا جو ایک طرف طول کو مستلزم ہوتا ہے تو دوسری طرف مستدرک ہوتا ہے۔

قولہ ''غُرّ'' یہ لفظ بضمہ غین وتشدید الراء ہے اغر کی جمع اور غرۃ سے مشتق ہے بیاض الوجہ کو کہتے ہیں لغۃً یہ مختص ہے گھوڑے کے ساتھ مگر عرفاً وتوسعاً ہر جمیل اور مشہور وشریف وغیرہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں مراد چمکدار چہرے ہیں۔

قولہ من السجود ای من اثر السجود فی الصلوٰۃ۔قولہ محجلون ای من الوضوء محجلون محجل کی جمع ہے حجال وحجل (قید) سے ماخوذ ہے ان جانورں اور گھوڑوں کو کہتے ہیں جن کے قوائم سفید ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے امتی قیامت کے دن سفید چمکدار چہروں اور سفید پاؤں اور ہاتھوں کے ساتھ آئیں گے۔

ابن ماجہ(1) کی روایت میں ہے تردون علیّ غراً محجلین من الوضوء سیماء امتی لیس لاحد غیرہا۔اور مسند احمد(2) میں ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک؟ قال: ہم غرمحجلون من اثر الوضوء لیس احد کذالک غیرہم۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غرہ اور تحجیل اس امت کی خصوصیت ہے گو کہ ماہوالمشہور کے مطابق بلکہ علی التحقیق امم سابقہ میں بھی وضوء مشروع تھا۔

اشکال:۔ باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غرہ سجدوں کا اثر ہے جبکہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں یعنی ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وضوء کا اثر ہے تو اس طرح ان روایات میں بظاہر تعارض پیدا ہوا۔

جواب ا:۔ ممکن ہے کہ غرہ کی دو علت ہوں سجدہ اور وضوء اور تحجیل کی علت وضوء ہو۔

جواب ۲:۔ ابوطیب سندھی نے دیا ہے کہ غالباً چہروں کا نور بہ نسبت ہاتھ پاؤں کے زیادہ ہوگا اس لئے ان کی نسبت سجدوں کی طرف کی گئی کیونکہ وضوء تو دونوں کو شامل ہے۔ فتدبر

باب ماذکر فی فضل الصلوٰة

رجال:۔

عبداللہ بن ابی زیاد ترمذی کے شیخ ہیں۔عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی ثقہ ہیں رجال ستہ میں سے ہیں۔

غالب الکوفی ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ایوب بن عائذ ثقہ ہیں۔قیس بن مسلم الکوفی ثقہ۔

طارق بن شہاب ابوداؤد کہتے ہیں رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یسمع منہ تاہم بعض نے ان کو مخضرمی کہا ہے۔☆

باب ماذکر من سیماء ھذہ الامة الخ

(1) ابن ماجہ ص:۲۵ ''ثواب الطہور'' (2) مسند احمد ص:۲/۷۱ ج:۱۰ رقم حدیث ۲۱۷۹۶

تشریح:۔

قوله اعيذك بالله يا كعب بن عجرة من أُمراء اى من عملهم او من الدخول عليهم او اللحوق بهم (يكونون من بعدى) يعنى سفهاء موصوفين بالكذب و الظلم(فمن غشى ابوابهم) نسائی (1) میں ہے فمن دخل علیهم یہاں بھی یہی مطلب ہے فصدقهم فی کذبهم۔لفظ کذب بفتح کاف وکسرہ ذال پڑھا جاسکتا ہے اور بسکون ذال بھی مگر مکسور الذال زیادہ صحیح وفصیح ہے کیونکہ قرآن میں بسکون الذال نہیں آیا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اگر صدق کے مقابلہ میں آجائے تو بسکون الذال ہوگا اور تنہا وعلیحدہ آجائے تو بکسرۂ ذال ہوگا۔(کذافی المرقات)

واعانهم علىٰ ظلمهم اى بالافتاء ونحوه فليس منى اى بينى وبينه براءة ونقض ذمة قاله القارى وقيل هو كناية عن قطع الوصلة بين ذالك الرجل وبينه صلى الله عليه وسلم اى ليس بتابع لى وبعيد عنى' یعنی میرے اوراس کے درمیان تعلق نہیں ہوگا۔ وكان سفيان الثورى يكره تاويله ويحمله علىٰ ظاهره ليكون ابلغ فى الزجر (ولا يرد)من الورود اى لايمر على بتشديد الياء بتضمين معنى العرض اى لا يرد معروضاً على الحوض اى حوض الكوثر فهو منى وانامنه كناية عن بقاء الوصلة بينه وبينه صلى الله عليه وسلم بشرط ألا يكون قاطع آخر

(شرح الحدیث الی ہنا من تحفۃ الاحوذی (2))

حضرت شاہ صاحبؒ اوران کے تلمیذ عزیز نے یہاں ایک نفیس بحث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے اعمال عالم آخرت وعالم مثال میں اپنے مناسب جسم میں مجسم ومتمثل ہوجاتے ہیں جیسے کہ امام غزالی اور شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں یہی موقف اختیار کیا ہے اسی قاعدہ کے مطابق اس حدیث

باب ماذكر فى فضل الصلاة

(1) نسائی کے علاوہ یہ روایت مسند احمد ص:۳۲۴ ج:۶ رقم حدیث ۱۸۱۴۹' اورص:۶۴ ج:۵ رقم ۱۴۴۴۸ ایضاً مستدرک حاکم ص:۴۲۲ ج:۴ مجمع الزوائد ص:۲۴۷ ج:۵ پر بھی ہے۔ (2) ص:۶ ۲۳ و ۲۳۷ ج:۳

33

میں بعض اعمال کی جسامت اخروی کا بیان ہوا ہے لہٰذا حوض کوثر سنت کی امثال ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سنت سے منحرف ہو جاتے ہیں ان کو کوثر سے پینے کی اجازت نہ ہوگی۔ جیسا کہ مسلم (3) میں ہے انک لا تدری ما احدثوا بعدک پھر اس حدیث کا مصداق کون لوگ ہیں تو مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد اس سے خوارج ہیں وقیل ان مصداقہ ہم المرتدون فی عہد ابی بکر الصدیقؓ مگر معارف میں ہے کہ نووی (4) نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے۔

انہ یدخل فیہ الخوارج والروافض واصحاب الاھواء وکل من احدث فی الدین

یہی بات زیادہ صحیح لگتی ہے کیونکہ یہ مذکورہ قاعدہ کے مطابق ہے لہٰذا یہ حدیث ہر مبتدع پر منطبق ہے۔ پھر یہ حوض کوثر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے شام تک وسیع ہوگا اسی طرح ہر نبی کا الگ الگ حوض ہوگا۔

الصلوٰۃ برھان حضرت تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز کو برہان اس لئے کہا کہ نماز افضل العبادات ہے اور خاص حضوری دربار حق کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو حصول معرفت میں خاص دخل ہے دلیل (برہان) رہبر کا کام تعریف کسی شئی کی ہوتا ہے پس نماز معرف حق ہے اور معرفت کا علو رتبہ ظاہر ہے۔

والصوم جنۃ بضم الجیم وتشدید النون ہو الترس روزے کو سپر اس لئے فرمایا کہ اس کو کسر خواہشات میں خاص دخل ہے جیسا کہ سپر دشمن کے وار سے آڑ ہو جاتی ہے اسی طرح روزہ نفس وشیطان کی شرارت سے مانع بنتا ہے جو خفیہ دشمن ہیں اور یہی وجہ ہے کہ قبر میں روزہ بائیں جانب سے عذاب کا دفاع کرے گا کیونکہ ڈھال بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔

(3) صحیح مسلم ص:۱۲۶ ج:۱ "باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء"

(4) کذا فی شرح النووی علیٰ صحیح مسلم حوالہ بالا

قد تم التخریج علیٰ "تشریحات ترمذی" (المجلد الثانی) بحمداللہ وعونہ فلہ الشکر ولہ الحمد وکان الفراغ

یوم السبت ۲؍شعبان ۱۴۲۲ھ

دعاؤں کا طالب:

حفیظ الرحمٰن الحنفی فاضل جامعہ اسلامیہ کلفٹن

والصدقة تطفئ الخطيئة كمايطفئ الماء النار صدقہ کا نفع چونکہ عام ہے اور روپیہ کا خرچ کرنا بنسبت جان خرچ کرنے کے سہل ہے اس لئے اس کو پانی سے جس کا نفع عام ہے اور اکثر قیمت اس کی ارزاں ہوتی ہے تشبیہ دی گئی۔ واللہ اعلم

عموماً احادیث میں بعض اعمال پر جنت کا وعدہ اور بعض پر آگ کی وعید آتی ہے جن میں کوئی شرط وقید نہیں ہوتی ہے اس لئے بعض علماء اس کے ساتھ دوام واصرار کی قید یا انکار کی شرط لگاتے ہیں جبکہ بعض علماء تاویل کرتے ہیں مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ خاصیات مفرد ہوتی ہیں مگر محشر میں فیصلہ تمام اعمال کے مجموعہ پر ہوگا جیسے کہ اطباء مفردات اشیاء کی خاصیات بیان کرتے ہیں مثلاً سنکیا قاتل ہے مگر جب اسے دوسری شیء سے ملاتے ہیں تو اس کی حدت کم یا ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اثر تبدیل ہو جاتا ہے۔ تدبر وتشکر

سحت سحت دراصل حلق واستیصال کو کہتے ہیں چونکہ مال حرام برکت اور دین کا صفایا کرتا ہے اس لئے اسے سحت کہا جاتا ہے رشوت کو بھی سحت اس لئے کہتے ہیں اس میں دین کے استیصال کے ساتھ معاشرے کی بھی تباہی و بربادی ہو جاتی ہے۔

باب منه

رجال:۔

موسیٰ بن عبدالرحمٰن الکوفی ثقة من کبار الحادیة عشر۔

سلیم بن عامر ثقة من الثالثة صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ ☆

تشریح:۔

قال العینی فی عمدة القاری قوله: واولی الامر منكم فی تفسیره احدعشر قولاً الاول الامراء قاله ابن عباس وابوهريرة وابن زيد والسدی، والثانی ابوبكر وعمر رضی الله عنهما، الثالث جميع الصحابة قاله مجاهد الرابع الخلفاء

الاربعة قاله ابوبکر الوراق فیماقاله الثعلبی الخامس المهاجرون والانصار قاله عطاء السادس الصحابة والتابعون السابع ارباب العقل الذین یسوسون امر الناس قاله ابن کیسان الثامن العلماء والفقهاء قاله جابر بن عبداللّٰه والحسن وابو العالیة التاسع امراء السرایا قاله میمون بن مهران ومقابل والکلبی العاشر اهل العلم والقرآن قاله مجاهد واختاره مالك الحادی عشر فی کل من ولی امر شئ وهو الصحیح والیه مال البخاری بقوله ذوی الامر۔

(کذافی التحفة عن العمدة۔ اسی طرح تفصیل کے لئے رجوع فرمایئے فتح الباری ص:۲۵۴ ج:۸)

آخر ابواب الصلوة